تصوف۔ عقائد

مجموعہ
رسائل امام غزالیؒ اردو

از: حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ

جلد دوم

الحکمۃ فی مخلوقات اللہ
حقیقت روح انسانی
میزانِ عمل
بدایت الہدایت
التفرقہ بین الاسلام الزندقہ

دارالاشاعت اردو بازار ... کراچی ۱
فون ۲۱۳۷۶۸

www.ahnafmedia.com

طبع اوّل دارالاشاعت ۱۹۹۰ء
طباعت شکیل پرنٹنگ پریس کراچی

ملنے کے پتے

دارالاشاعت اردو بازار کراچی ۱
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴
ادارۃ المعارف کورنگی کراچی ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن D/۴۳۷ گارڈن ایسٹ کراچی

www.ahnafmedia.com

مجموعہ رسائل امام غزالیؒ

فہرست مضامین جلد دوم

اس میں پانچ رسائل شامل ہیں

الحکمۃ فی مخلوقات اللہ

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
آسمان اور دنیا کی پیدائش میں غور و فکر کرنے کا بیان	۲۸	انسان کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۶۲
		اس باب کا تتمہ	۹۲
آفتاب کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۳۱	پرندوں کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۹۸
ماہتاب کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۳۶	چوپاؤں کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۱۰۹
زمین کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۴۰	شہد کی مکھی کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۱۲۳
سمندر کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۴۸	مچھلی کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۱۳۳
پانی کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۵۱	نباتات کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۱۳۸
ہوا کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۵۵	دلوں میں خدا کی عظمت پیدا ہونے کا بیان	۱۴۸
آگ کی پیدائش کی حکمتوں کی بیان	۶۰		

حقیقت روحِ انسانی ۱۵۳ تا ۲۳۲

www.ahnafmedia.com

میزانِ عمل

مضمون	صفحہ نمبر
دیباچہ	۲۳۵
فصل :- سعادت کی طلب میں سہل انگاری حماقت ہے۔	۲۳۶
فصل :- قیامت کے متعلق عدم یقین بھی حماقت ہے۔	۲۳۸
فصل :- شاہراہ سعادت علم و عمل	۲۴۷
فصل :- تزکیۂ نفس کا اجمالی بیان	۲۵۰
فصل :- قوائے نفس کا آپس میں ارتباط	۲۵۸
فصل :- علم کی نسبت سے ان کا ثمرۂ سعادت ہے اہلِ تصوف اس پر متفق ہیں اور دوسرے اہلِ نظر مؤید ہیں۔	۲۶۳
فصل :- صوفیا کے نزدیک علم حاصل کرنیکا طریقہ دوسروں سے جُدا ہے۔	۲۶۶
فصل :- ان دو طریقوں میں سے اولیٰ کونسا ہے	۲۷۰
فصل :- جنت ماویٰ تک پہنچنے کے لئے کون سے علم و عمل کی ضرورت ہے	۲۷۳
فصل :- قوائے متنازعہ اور نفس کی مثال	۲۷۷
فصل :- مجاہدہ ہوی میں نفس کے مراتب ہوی و عقل کے مشورہ میں کیا فرق ہے۔	۲۸۰
فصل :- اخلاق بدل سکتے ہیں	۲۸۵
فصل :- اخلاق کی تبدیلی و ہوی کے علاج کا طریق	۲۸۷
فصل :- فضائل علمی کی تحقیق سے سعادت ملتی ہے	۲۹۰

مضمون	صفحہ نمبر
فصل :- تہذیب اخلاق کا مفصل طریقہ	۲۹۳
فصل :- امہاتِ فضائل	۲۹۷
فصل :- فضیلتِ حکمت یعنی مکاری و بیوقوفی	۳۰۴
فصل :- فضیلت شجاعت کے ماتحت کیا کچھ درج ہوگا	۳۰۵
فصل :- عفت اور اسکے متعلق اخلاق رذیلہ کا اندراج	۳۰۸
فصل :- وہ بواعث جو نیکیوں کی ترغیب دیتے ہیں یا روکتے ہیں۔	۳۱۳
فصل :- خیرات و سعادات کی قسمیں	۳۱۸
فصل :- سعادتوں کی غایت اور انکے مرتبے	۳۲۴
فصل :- مذموم و محمود خواہشات	۳۲۸
فصل :- عقل علم اور تعلیم کی بزرگی	۳۳۹
فصل :- شرف عقل کے اظہار کیلئے تعلیم ضروری ہے	۳۴۳
فصل :- عقل کی قسمیں	۳۴۵
فصل :- علوم مستعدہ میں استاد شاگرد کے فرائض	۳۴۸
فصل :- مال حاصل کرنا اور اسکے اکتساب کے ضروری امور	۳۷۱
فصل :- غم دنیا کو مٹانے کا طریقہ	۳۸۲
فصل :- موت کا خوف دور کرنا	۳۸۶
فصل :- رہروان الٰہی کی پہلی منزل	۳۹۲
فصل :- مذہب اور فرقہ بندی	۳۹۸

www.ahnafmedia.com

بدایت الہدایت

مضامین	صفحہ نمبر
آغاز کتاب	۴۰۷
قسم اوّل آداب طاعت	۴۱۵
آداب استیقاظ یعنی بیداری	۴۱۶
آداب دخول بیت الخلاء	۴۱۷
آداب وضو	۴۱۹
فرائض وضو	۴۲۴
آداب غسل	۴۲۶
آداب تیمم	
آداب روانگی مسجد	۴۲۷
آداب دخول مسجد	۴۲۸
ذکر ان آداب کا جو طلوع آفتاب سے زوال تک لازمی ہے	۴۳۷
آداب نماز	۴۴۴
آداب نوم	۴۴۷
آداب الصلوٰۃ	۴۵۲
آداب الامت	۴۶۰

مضامین	صفحہ نمبر
آداب جمعہ	۴۶۲
آداب صیام	۴۶۶
قسم ثانی اجتناب معاصی کے بیان میں	۴۶۹
دل کے گناہوں کا بیان	
آداب محبت و معاشرت باخدا، یا بندگانِ خدا	۵۰۲
آداب عالم	۵۰۴
آداب طلباء	۵۰۵
اولاد کے آداب والدین کے ساتھ	۵۰۶
آداب معاشرت اصناف خلق کے ساتھ	۵۰۷
بیان رعایت حقوق محبت	۵۱۳
آداب محبت	۵۱۴

www.ahnafmedia.com

التفرقة بين الاسلام والزندقة

مضامین	صفحہ نمبر
دیباچہ از مترجم	۵۳۲
آغاز کتاب	۵۳۵
فصل۔ کفر کی تعریف	۵۵۳
یہود اور نصاریٰ کافر ہیں	۵۶۰
ایک دوسرے فرقہ پر تکذیب کی وجہ	۵۶۶
وجود کی پانچ اصناف	۵۶۷
نمبر۱۔ وجود ذاتی کی تعریف	۵۶۸
نمبر۲۔ وجود حسّی کی تعریف	۵۶۸
نمبر۳۔ وجود خیالی کی تعریف	۵۷۲
نمبر۴۔ وجود عقلی کی تعریف	〃
نمبر۵۔ وجود شبہی کی تعریف	〃
مذکورہ رسوخوں کی مثالیں و تاویلات	۵۷۲
وجود ذاتی تاویل کا محتاج نہیں	〃
وجود حسّی کی ۲ مثالیں	〃
وجود خیالی کی مثالیں	۵۷۵
وجود عقلی کی ۲ مثالیں	۵۷۶
وجود شبہی کی مثال	۵۷۹
مصدیقین اور تکذیب کی شرائط	۵۸۰
فصل۔ تاویل کرنے کا قانون	۵۸۴
فصل۔ اگر کسی تاویل کا اصول عقائد اور کسی اہم امر سے تعلق نہ ہو تو اس کی تکفیر نہ کرے۔	۵۹۰
فصل۔ جن امور سے تکفیر واجب ہوتی ہے اور جن امور سے تکفیر واجب نہیں ہوتی۔	۶۰۲
فصل۔ تکفیر کے امور کئی ہیں	۶۱۲
غلو اور فضولی کرنے والا فرقہ	۶۱۹
تکفیر و تکذیب کا ماخذ نصوص شرعیہ ہیں یا نہیں	۶۲۶
فصل۔ بعض کا خیال ہے تکفیر کا ماخذ عقل ہے شرع نہیں	۶۳۶
فصل۔ تکفیر برائے مبتدع	۶۳۷

www.ahnafmedia.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ پانچویں صدی ہجری سے ان کا نام نامی آسمان علم پر سورج کی طرح چمک رہا ہے۔ ان کی کتابیں ہر خواص وعام کے زیر مطالعہ ہیں اور ان لوگوں کی تعداد کا اندازہ کرنا ممکن نہیں جنہوں نے امام غزالیؒ کی کتابوں سے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں۔

امام غزالیؒ کی یوں تو بہت سی تصانیف ہیں مگر ان میں بہت کم ہی کتابیں ہیں جن کا اردو میں ترجمہ ہوا اور جن سے برِصغیر کے لوگ متعارف ہیں۔ دارالاشاعت کو بحمد اللہ یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ زیرِ نظر مجموعہ سے پہلے امام غزالیؒ کی مشہور تصنیف احیاء العلوم کا ترجمہ عنوانات کی ترتیب کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کر چکا ہے جو تمام حلقوں میں پسند کیا گیا۔ کافی عرصہ سے ہماری قلبی خواہش اور علمی حلقوں کا دلی تقاضہ تھا کہ امام غزالیؒ کی ان نادر کتابوں کی دوبارہ اشاعت کی جائے جن کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے مگر مرورِ زمانہ سے اب وہ کتابیں ناپید ہوتی جارہی ہیں بحمداللہ کہ زیرِ نظر مجموعہ سے ہماری خواہش پوری ہوئی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ امام غزالیؒ کے ان جواہر پاروں کو یکجا کر دیا جائے جن کی تلاش میں علماء، طلباء، سالکین اور دانشور پھرتے ہیں۔ مگر گوہرِ مقصود ان کے ہاتھ نہیں آتا ہم نے اس سلسلے میں جناب خالد اسحاق ایڈووکیٹ کی لائبریری اور انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص کے بطورِ خاص ممنون ہیں جن کے تعاون کی بدولت بعض نایاب رسائل تک ہماری رسائی ہوئی اور اس طرح اس مجموعہ کی اشاعت مکمل ہوئی ہمیں امید ہے کہ اہلِ علم اور دینی ثقافت سے تعلق رکھنے والے حضرات اس مجموعہ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور تمام دینی حلقوں میں اس مجموعہ کی خوب پذیرائی کی جائے گی۔

میرے والد ماجد محمد رضی عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۹ محرم ۱۴۱۱ھ کو انتقال ہوگیا۔ اِنّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ آپ سے گذارش ہے کہ حتی الامکان انکی مغفرت کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

والسلام

خلیل اشرف عثمانی

www.ahnafmedia.com

www.ahnafmedia.com

ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار

الحکمۃ فی مخلوقات اللہ

تصنیف حضرت امام محمد غزالیؒ

اردو ترجمہ

از

مولوی محمد علی لطفی

معہ تعارف

از

جناب مفتی محمد شفیع صاحب

سنہ ۱۹۶۰ء

www.ahnafmedia.com

تعارف از جناب مولینا مولوی محمد شفیع صاحب مدظلہ سابق مفتی دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان کیا اور اس کی ہستی کیا کہ خالق کائنات کے افعال و صفات کی حکمتیں اور اسرار معلوم کرے۔

در بہاران زاد و مرگش دردی ست ✤ پشہ کے داند کہ عالم از کیست

لیکن انسان عجائب المخلوقات میں سب سے زیادہ عجیب مخلوق ہے۔ ایک طرف اس کی نزاکت و ضعف کی حد نہیں تو دوسری طرف اس کی اولوالعزمیوں کا میدان بھی بڑا وسیع ہے۔ وہ طبعی طور پر رازِ کائنات معلوم کرنے کے درپے رہتا ہے۔ کچھ ہاتھ آئے یا نہ آئے۔ اگرچہ محقق حکماء اُمت کا آخری فیصلہ ان مسائل میں یہی ہوتا ہے کہ

؎ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

اور بقول میر ؎

سمجھے اتنا کہ کچھ نہ سمجھے افسوس ✤ معلوم ہوا کہ کچھ نہ معلوم ہوا

مگر دانائے روم نے انسان کی اس فطری خواہش کا ایک عذر بھی اس طرح بیان فرمایا ہے

؎ بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت

اسی عذر کے ماتحت متقدمین و متاخرین علماء نے ان موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں۔ تشریعی امور کی عقلی حکمتوں پر حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ کی کتاب المصالح العقلیہ اردو زبان میں ہے۔ اور تکوینی امور کی حکمتوں پر امام غزالیؒ کا رسالہ الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالیٰ عربی زبان میں تھا۔ ہمارے محترم دوست مولانا محمد علی صاحب لطفی جو اپنے جد امجد حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علیگڑھی کے خلف رشید ہیں۔ آپنے اس رسالہ کو اردو زبان میں منتقل فرما کر اردو داں طبقہ پر بڑا احسان کیا۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ نہ تو بالکل تحت اللفظ ہے جس کو پڑھنے میں طبیعت الجھے اور نہ تحت اللفظ سے اتنا آزاد کہ اصل کلام کا مفہوم بدل دے ساتھ مقدمہ میں حضرت

امام غزالیؒ کے کچھ حالات و سوانح بھی مستند کتابوں سے جمع فرما دیئے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ مسلمانوں کے لئے خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بیحد مفید ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر دے اور اس رسالہ کو اصل رسالہ کی طرح مقبول و مفید بنائے آمین۔

بندہ محمد شفیع عفی اللہ عنہ

دار العلوم کراچی

۲۶ رجب ۱۳۷۵ھ

www.ahnafmedia.com

تقریظ از مولینا الطہر علی صاحب مدظلہ شیخ الجامعۃ الامدادیہ کوڑگنج

میں نے عزیزی مولانا محمد علی صاحب لطفی پنیرہ حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علیگڑھی کی تازہ محنت کا ثمرہ "رموز کائنات" ترجمہ اردو الحکمۃ فی مخلوقات اللہ مصنفہ امام غزالیؒ کا مطالعہ کیا۔ موصوف نے اس سلسلہ میں جس محنت کا ثبوت دیا ہے وہ قارئین رسالہ کو خود محسوس ہو جائے گا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض رسائل ایسے ہیں کہ جن کا اگر اردو ترجمہ ہو جائے تو ہمارے نوجوانوں کے لئے بیحد مفید ثابت ہوں گے۔ ان رسائل میں سے ایک یہ رسالہ بھی ہے۔ تصنیف کے لئے تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہی کافی ہے لیکن اس کے ترجمہ میں لطفی صاحب نے جو خوبیاں رکھی ہیں وہ مطالعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں مترجم کو ان کی کوششوں پر مبارکباد دیتا ہوں اور تمام مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں سے اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ لطفی صاحب کی محنت و عرق ریزی کو قبول فرمائیں اور مطالعہ کرنے والوں کو اس کے فوائد و ثمرات سے مستفیض ہونے کا موقع بخشیں آمین یارب العلمین

فقط

الطہر علی

۳۱ اگست ۵۷ء

www.ahnafmedia.com

۷۸۶

مقدمہ

ستائش می سزد البتہ یکتا ذات یزداں را
کہ او از نطق تشریف شرف بخشید انساں را

عاداً و عملیاً۔ انسان کی فطرت ہے کہ ہر شئی کی حقیقت و حکمت معلوم کرنے کی جستجو کرتا ہے اور یقیناً اشیاء کی حقیقتوں کا علم قلبی اذعان و یقین کے ثبات و استحکام کا موجب ہے۔ اسی حکمت و مصلحت کے پیش نظر خالق کائنات نے اپنی مخلوقات و مصنوعات میں غور و فکر کرنے کی جا بجا دعوت دی ہے۔

انظر الی آثار رحمت اللہ کیف یحیی الارض بعد موتہا ان ذلک لمحی الموتیٰ	رحمت الٰہی کی نشانیوں کو دیکھو کہ کس طرح موت کے بعد زمین کو زندگی بخشتا ہے بیشک وہ مردوں کو زندہ کرنیوالا ہے۔

مرد مومن کی حق شناس نگاہ میں کائنات ارضی و سماوی کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی اسرار قدرت کے بیش بہا خزانوں کو اپنے اندر مستور کئے ہوئے ہے اور اس کی بصیرت افروز نظر جمادات کے ایک ایک سنگریزے میں، اور نباتات کے ایک ایک پتے میں معرفت الٰہی کے دفتر بے پایاں کا جلوہ دیکھ رہی ہے ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے صانع و خالق کے وجود اور اس کے کمال قدرت کی زبان حال سے شہادت دے رہا ہے ؎

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک لہ گوید

www.ahnafmedia.com

عربی کے ایک شاعر نے اسی مفہوم کو ادا کیا ہے ؎

وفی کل شئ لہ آیۃ
تدل علی انہ واحدٌ

اس موضوع پر فاضل مصنفین نے بہت کتابیں لکھی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی "حجۃ اللہ البالغہ" ایک مصری فاضل ابراہیم آفندی کی "اسرار الشریعہ" حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کی "الحکمۃ فی مخلوقات اللہ" اور حضرت مولینا اشرف علی تھانویؒ کی "المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ" یہ تمام تصانیف تقریباً اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ کسی میں تشریعی امور کی حکمتوں کو بیان کیا گیا ہے اور کسی میں تکوینی امور کی حکمتوں کو۔

آخر الذکر مولینا اشرف علی تھانوی نے اپنی گرانقدر تصنیف "المصالح العقلیہ" میں تشریعی امور کی حکمتوں اور ان کے مخفی اسرار کو بے نقاب کیا ہے جس کو پڑھ کر قلب میں بصیرت پیدا ہوتی ہے۔

نیشنل اسمبلی پاکستان کی لائبریری میں جب یہ کتاب مجھے ہاتھ آئی۔ اس کو پڑھا اور بالاستیعاب پڑھا۔ کتاب قابلِ دید ہے اور اپنی نوعیت میں نہایت دلچسپ اور مفید تصنیف ہے۔

مصنفین سلف نے اپنی مختصر و مشغول زندگی کے قیمتی لمحات صرف کر کے کیسی کیسی گرانقدر علمی خدمات انجام دی ہیں اور اپنے مابعد کے لئے کیسے کیسے بیش قیمت علمی خزانے جمع کر کے کتنا بڑا احسان کیا ہے، ان گرانقدر علمی خدمات کا صلہ انسان کیا ادا کر سکتا ہے اس کا اجر جزیل خدائے تعالیٰ ان کو عطا فرمائے گا۔ واللہ عندہ حسن الثواب۔

حضرت مولینا تھانوی مرحوم کی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد دل میں شوق پیدا ہوا کہ اس قسم کا مختصر رسالہ یا کتابچہ میں بھی لکھوں کہ آخرت میں ذریعۂ نجات ہو۔ اپنی علمی بے مائگی کا پورا پورا احساس تھا، جو ہمت کو پست کئے ہوئے تھا۔ لیکن یہ شوق اس حد تک بڑھا کہ طبیعت نے مجبور کر دیا اور دل میں یہ عزم کر لیا کہ کم از کم کسی ایسی کتاب کا ترجمہ ہی کیا جائے جو اس موضوع پر ہو کہ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ

جس کتاب پر نظر کی کسی نہ کسی نے اس کا ترجمہ کر کے "السابقون الاولون" میں اپنے لئے مقام حاصل کر لیا ہے۔ آخر حضرت امام غزالیؒ کی کتاب "الحکمۃ فی مخلوقات اللہ" ہاتھ آئی، پھر اس کے ترجمہ کی تلاش و جستجو کی کہ میری یہ سعی تحصیل حاصل نہ ہو، باوجود تلاش کے اس کا کوئی ترجمہ دستیاب نہ ہو سکا۔ خیال کیا کہ شاید قدرت نے یہ سعادت مجھ جیسے تہی دامن ہی کے نصیب میں رکھی ہو۔ قلم اٹھایا اور ترجمہ شروع کر دیا۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر صاحب قلم تصنیف و تالیف کے بلند مقام پر بیٹھنے کا جائز حقدار نہیں ہوتا ؎

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری دارد

اگرچہ میرے ذوق و شوق نے مجھے اس خدمت کی تکمیل کے لئے آمادہ کر دیا ہے، تاہم میں کسی طرح بھی مصنفین و مترجمین کی صف میں کھڑے ہونے کا اپنے کو اہل نہیں سمجھتا، ہاں یہ ضرور یقین رکھتا ہوں کہ جب اس سراپا رحمت کی بارش خادمان علوم پر برسے گی تو یقین ہے کہ اس کی باران رحمت کے دو چار قطرے میرے دامن عصیاں پر بھی ضرور پڑیں گے، اور یقیناً مجھ جیسے ناکارہ اور آلودۂ عصیاں کی مغفرت کا سامان ہو جائیں گے کہ

رحمت حق بہانہ می جوید

اثنائے ترجمہ میں ہندوستان کا سفر پیش آگیا، ہر چند کہ کتاب سفر میں ہمراہ تھی لیکن سفر میں اتنا موقع نہ مل سکا کہ اس کام کو جاری رکھا جا سکتا، اور تقریباً ۲ ماہ کے لئے یہ سلسلہ مسدود ہو گیا، واپس آکر اس کی تکمیل کی۔

ابتدائے کتاب میں فاضل مصنف حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح حیات بھی مستند و معتمد کتابوں سے مطالعہ کر کے لکھی ہے، کہ صالحین کا تذکرہ بھی ذکر خیر اور عمل صالح میں شامل ہے۔ اور اس کی رحمت سے بعید نہیں کہ یہی کام بارگاہ ایزدی میں میری نجات کا ذریعہ ہو جائے کہ وہ نکتہ نواز ہے ؎

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض افرینش رشتۂ گلدستہ ام

کتاب کے ترجمہ کرنے میں اس امر کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی فروگزاشت نہ ہو تاہم انسان خطا و نسیان سے اپنے دامن کو پاک نہیں رکھ سکتا۔ وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء

ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ میری کوتاہیوں کو بفحوائے "واذا مروا باللغو مروا کراما" درگزر فرماتے ہوئے میرے حق میں دعائے خیر کریں کہ اللہ تعالےٰ اس حقیر خدمت کو شرف قبول عطا کرے اور میری نجات کا وسیلہ بنائے۔
ان اجری الا علی اللہ

مترجم
محمد علی لطفی
۱۹۵۶ء

www.ahnafmedia.com

مصنف کے حالات

تا نہ خواہی داشتن گرد اعنہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

یہ ایک ایسی باکمال شخصیت کا تذکرہ ہے جو عالم باعمل بھی تھا اور درویش کامل بھی، ایک لائق مصنف بھی تھا اور مصلح صادق بھی، جو غزالی کے مشہور لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

نام اور سنہ ولادت

امام غزالی کا نام محمد ہے، ابو حامد کنیت اور غزالی عرف ہے، اور لقب زین الدین۔ بیشتر مورخین غزالی کی نسبت طوس کے قریہ غزالہ کی طرف بیان کرتے ہیں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ اس کی نسبت "غزّال" کی مناسبت سے ہے، جس کے معنی کاتنے والے کے ہیں۔ امام غزالی کے والد ماجد اون کاتتے اور اس کی تجارت کا پیشہ کرتے تھے۔ اس نسبت سے ان کو غزالی کہا جاتا تھا۔

امام غزالی خراسان کے ضلع طوس میں طاہران کے مقام میں ۴۵۰ھ کو پیدا ہوئے۔ جب ان کے والد کا انتقال ہونے لگا تو اپنے دونوں بیٹوں امام محمد غزالی اور احمد غزالی کو اپنے ایک دوست کے سپرد کر دیا کہ وہ ان کو تعلیم دلائیں۔

تعلیم

سرمایہ ختم ہو جانے پر اس درویش دوست نے بھی افلاس و تنگدستی کی وجہ سے ایک مدرسہ میں داخل کر دیا، جہاں خورد و نوش کا انتظام بھی تھا، امام غزالی نے ایک موقع پر اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔ طلبنا العلم لغیر اللہ فابی ان یکون الا للہ۔ ہم نے پیٹ کی خاطر (غیر اللہ کے لئے) علم سیکھنا شروع کیا تھا، لیکن تقاضائے علم نے اس طرح

www.ahnafmedia.com

سے علم کے حصول کا انکار کیا اور بتایا کہ علم محض اللہ کے لئے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس زمانہ میں آج کی طرح باقاعدہ اسکول و مدارس نہیں تھے۔ اہل علم مسجدوں اور خانقاہوں میں بیٹھ کر تعلیم دیتے تھے۔

امام غزالی نے اپنے ہی شہر کے ایک لائق عالم احمد بن محمد راذکانی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر جرجان میں امام ابو نصر اسماعیل سے، جو کچھ پڑھتے تھے اس سے متعلق اساتذہ کی تقریر اور نوٹ لکھتے جاتے تھے، جیسا کہ اس زمانے میں طریق تھا۔ یہاں سے فیض حاصل کرنے کے بعد نیشاپور چلے گئے اور وہاں کے ایک مشہور عالم دین امام الحرمین عبدالملک ضیاء الدین کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کیا، یہ بزرگ اونچے درجہ کے علماء میں شمار کئے جاتے تھے، ان سے استفادہ کے بعد امام غزالی کی علمی قابلیت کی بڑی شہرت ہوگئی، اور بڑے بڑے علمی معرکوں میں امام غزالی کو فتح و کامیابی حاصل ہوئی۔

ایک مرتبہ نظام الملک طوسی کے دربار میں مجلس مناظرہ منعقد تھی، علمی مباحث پر تذکرہ تھا۔ دور دراز مقامات کے مشاہیر علماء موجود تھے، امام غزالی بھی شریک تھے۔ اس مباحثہ میں فتح و کامرانی کا سہرا جس کے سر رہا، یہ ایک نوعمر اور جواں سال امام غزالی تھے، اس کامیابی اور فتح مبین نے امام غزالی کی شہرت میں چار چاند لگا دیئے۔

امام غزالی کے عہد طالب علمی کا ایک واقعہ مشہور ہے۔ ایک بار جب وطن واپس آ رہے تھے، راستہ میں قافلہ لوٹ لیا گیا، اور امام صاحب کی پونجی بھی چھین لی گئی امام غزالی کو اپنی پونجی میں جس چیز کے چھن جانے کا قلق تھا، وہ ان کے تعلیمی نوٹ تھے جو اساتذہ کی تقاریر کے دوران لکھکر تیار کئے تھے۔ ڈاکوؤں کے سردار سے جاکر اس کا مطالبہ کیا، ڈاکوؤں کے سردار نے کہا کہ پھر تم نے خاک پڑھا اور ہنسکر وہ کاغذات واپس کر دیئے۔

کہنے کو تو یہ ایک معمولی بات تھی لیکن اس طعن کا امام صاحب کے قلب پر اتنا اثر ہوا کہ پھر جو کچھ پڑھا اس کو سینے میں محفوظ رکھا۔

تحصیل علم حدیث

تمام علوم سے فارغ ہونے کے بعد علم حدیث کی تکمیل کا شوق پیدا ہوا۔ اور اس کی تحصیل کے لئے علامہ اسماعیل حفصی اور حافظ عمر بن ابی الحسن رؤسانی پر نظر انتخاب پڑی، یہ دونوں بزرگ علم حدیث میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔

موخر الذکر عالم حدیث کو امام غزالی نے وطن طوس میں اپنے یہاں مہمان رکھا، ان کی خدمت کی اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ علم حدیث کی مشہور کتابیں صحیحین صحیح بخاری اور صحیح مسلم انہیں بزرگ سے پڑھیں اور اس طرح امام غزالی نے اپنے فن حدیث کے شوق کو آخر عمر میں پورا کیا۔

نظامیہ کی مسند نشینی

۴۸۴ھ میں امام غزالی نہایت عظمت و شان کے ساتھ دار العلوم نظامیہ کی مسند تدریس پر فائز ہوئے نظامیہ وہ دار العلوم تھا جس کو نظام الملک طوسی نے کثیر رقم خرچ کر کے قائم کیا تھا۔ اس کی مسند نشینی معمولی منصب نہ تھا۔ اس مسند پر بڑی بڑی جلیل القدر اور باکمال ہستیوں نے درس دیا تھا۔ امام غزالی کا اس منصب پر فائز ہونا اور مسند تدریس پر معمور کیا جانا اہل علم طبقہ کی نظر میں بڑی کامیابی تھی۔

عرصہ تک امام غزالی نے اس خدمت تدریس کو بحسن و خوبی انجام دیا اور ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کیا، آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے صاحب کمال اور اہل علم ہوئے۔

عزلت نشینی

امام غزالی کی طبیعت میں قدرے جاہ پسندی اور تمکنت تھی اور بہت نازک مزاج تھے، ریشم کے کپڑے زیب تن رہتے، ابن جوزی لکھتا ہے۔ کان یلبس الحریر والذہب (ریشم اور سونا پہنا کرتے تھے۔

www.ahnafmedia.com

لیکن ایک وقت وہ آیا کہ امام غزالی کی طبیعت میں غیر معمولی انقلاب پیدا ہوا اور دنیا سے قطعاً ترک تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے۔ علمی مباحثوں اور مناظروں سے نفرت ہو گئی، تحقیق و تدوین کی طرف توجہ کی، دنیا کے ان نمائشی ہنگامہ آرائیوں سے متنفر ہو گیا۔ کھانا پینا بالکل سادہ رہ گیا، تکلفات و تعیشات برطرف ہوئے، بدن پر قیمتی اور لباس فاخرانہ کی جگہ معمولی کمبل رہتا تھا، کھانے میں لذیذ و مرغن غذاؤں کے بجائے معمولی ساگ پات پر گزر بسر تھی، رفتہ رفتہ طبیعت پر تصوف کا رنگ غالب آگیا، اور خلوت میں مجاہدات و ریاضات ان کی زندگی کا معمول ہو گیا اور شیخ ابو علی فارمدی سے آپ نے بیعت کی۔

عزلت نشینی کے زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے امام غزالی کو ایک صحرا میں پریشان حال جاتا ہوا دیکھا، ایک خرقہ زیب تن تھا، پانی کی چھاگل ہاتھ میں تھی، یہ شخص امام غزالی کو حلقہ درس و تدریس میں اس شان سے دیکھے ہوئے تھا، جب چار چار سو مستفاقانِ علم کا جھرمٹ امام کے گرد ہوتا تھا۔

اس نے امام غزالی کو اس پراگندہ حال میں دیکھ کر پوچھا کیا یہ حالت پہلے سے بہتر ہے، امام غزالی نے بہ نظر حقارت اس کی طرف دیکھا اور یہ دو شعر پڑھے۔ [1]

تَرَکْتُ ھَوَی لَیْلٰی وَسُعْدٰی بِمَنْزِلٍ ÷ وَعُدْتُ اِلٰی مَصْحُوْبِ اَوَّلِ مَنْزِلٍ

فَنَادَتْ بِیَ الْاَشْوَاقُ مَھْلًا فَھٰذِہٖ ÷ مَنَازِلُ مَنْ تَھْوٰی رُوَیْدَکَ فَانْزِلِ

عزلت نشینی کا محرک

امام غزالی کو درس و تدریس کے مبارک شغل بحث و تمحیص کے علمی مذکروں اور وعظ و نصیحت کی پاک مجلسوں سے عزلت نشینی اور اس درویشانہ سادہ زندگی کو پسند

---

[1] ترجمہ:- میں نے لیلیٰ و سعدیٰ کا عشق تو منزل پر ہی چھوڑ دیا۔ اور اب میں اپنے حقیقی محبوب اور رفیق اعلیٰ کی طلب و جستجو میں رواں دواں ہوں۔ شوق محبت نے مجھے للکارا۔ او صحرا نورد! کدھر جاتا ہے ادھر آ کہ تیرے محبوب کا مقام یہ ہے اب اپنے سفر کو ختم کر ؎

مبین حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم ÷ شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

کرنے کا وہ قوی فرق کیا تھا جس نے امام کے قلب پر ایسا اثر کیا تھا۔ اس کی بابت مورخین نے امام غزالی کے بھائی احمد الغزالی سے متعلق ایک روایت نقل کی ہے۔

ایک مرتبہ امام غزالی وعظ فرما رہے تھے، ہزاروں علماء صلحاء مشائخ اور ابرار بیٹھے تھے کہ اچانک ان کے بھائی احمد الغزالی آنکلے اور اس طرح مخاطب ہوئے۔

لہ اصبحت تھدی ولا تھتدی وتسمع وعظاً و لا تسمع
فیا جبر الشبر حتی متیٰ تسنّ الحدید ولا تقطع

ان دو شعروں کا امام کے قلب پر یہ اثر ہوا کہ پھر کبھی وعظ نہ کہا، اپنے باطن کی اصلاح و تعمیر میں ایسے مشغول ہوئے کہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے نیاز ہو گئے، ساری عمر مجاہدات و ریاضات میں بسر کی۔

علامہ شبلی نے بھی امام غزالی کی زندگی میں انقلاب کا سبب اسی واقعہ کو ٹھہرایا ہے۔

لیکن خود امام غزالی اپنی تصنیف "المنقذ من الضلال" میں یوں تحریر فرماتے ہیں :۔

"ثم انی فرغت من هذه العلوم اقبلت بهمتی علی طریق الصوفیة وعلمت ان طریقتهم انما تتم بعلم وعمل وکان حاصل علمهم قطع عقبات النفس والتنزه عن اخلاقها المذمومة و صفاتها الخبیثة حتی یتوصل بها الی تخلیة القلب من غیر الله و تحلیه بذکر الله"

جب میں ان علوم سے فارغ ہو کر صوفیاء کے طریق کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم و عمل سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کا

لہ ترجمہ :۔ تم دوسروں کو ہدایت کرتے ہو لیکن خود ہدایت پر عمل نہیں کرتے، دوسروں کو پند نصیحت کرتے ہو لیکن خود اس پر کاربند نہیں۔ پس اے سنگ فسان آخر کب تک تم اس طرح سے لوہے کو تیز کرتے رہو گے اور کاٹو گے نہیں۔

قلع کرنا، اخلاق رذیلہ اور صفات خبیثہ سے پاک و منزہ ہونا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ اپنے قلب کو غیر اللہ کی آلودگیوں سے پاک و صاف کرلیا جائے۔ اور ذکر الٰہی کے نور سے اس کو منور کیا جائے۔

امام غزالی اپنی اس درویشانہ پاک زندگی پر ایسے شاد کام تھے کہ پچھلی زندگی کو اس کے مقابلہ میں جاہلانہ تاریک زندگی بتاتے تھے۔

امام غزالی کی صحرانوردی کے زمانہ میں کسی نے فتویٰ طلب کیا، آپ نے جواب میں کہا مجھ سے دور ہو، "ایام البطالہ" کی یاد تازہ کرتا ہے، جس زمانہ میں فتویٰ نویسی کا کام کیا کرتا تھا، اس زمانہ میں اگر تو یہ سوال کرتا تو میں جواب دیتا،

اس جواب سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام غزالی اس معراج کمال پر تھے کہ درس و فتویٰ کے علمی دور کو ویرانی اور خرابی کا دور بتاتے ہیں

اے دل طلب کمال در مدرسہ چند ❊ تکمیل اصول و حکمت و ہندسہ چند
ہر فکر کہ جز ذکر خدا وسوسہ ست ❊ شرمے ز خدا بدار ایں وسوسہ چند

ذوالنون مصریؒ نے غالباً ایسے ہی پاک باطن نفوس کی بابت یہ کہا تھا،

ھم قوم آثروا اللہ علی کل شئ

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ماسوی اللہ پر اللہ کو ترجیح دی ہے اور بس اسی کے ہو گئے خدا نے بھی انہیں نواز لیا۔

یقیناً انسان جب اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کی زندگی کا حاصل بجز محبوب کے اور کچھ نہیں ہوتا ؎

ز آمیزشِ جان و تن توئی مقصودم
وز مردن و زیستن توئی مقصودم
تو دیر بزی کہ من رفتم زمیاں
گر من گویم زمن توئی مقصودم

شعر گوئی:- امام غزالی کو شعر و سخن سے بھی مناسبت تھی۔ لیکن صرف رباعیات

کی حد تک، کہ قصائد، مدح سرائی اور خوشامدوں کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے امام غزالی کی آزادانہ اُفتادِ طبیعت کے موزوں نہ تھے بدیں وجہ آپ نے کبھی کسی کی شان میں قصیدہ نہیں لکھا، ایک رباعی ملاحظہ ہو ؎

باجامہ نمازے بسبرخم کردیم ؛ وز آب خرابات تیمم کردیم
شاید کہ دریں میکدہ نادریابیم ؛ آں یار کہ درصومعہ ہاگم کردیم

اس رباعی میں رنگ تصوف صاف جھلک رہا ہے، گویا عشق محبوب میں اس درجہ وارفتہ و سرشار ہیں کہ زبان حال کے علاوہ زبان قال میں بھی اس کو ضبط نہ کرسکے

تصنیفات اگرچہ زہد و تقویٰ کی اس زندگی میں تمام معمولات متروک ہو چکے تھے، تاہم تصنیف و تالیف کا مشغلہ اس عزلت نشینی کی زندگی میں بھی جاری تھا۔ امام غزالی کی تصنیفات یوں تو بیشتر علوم و فنون میں پائی جاتی ہیں، خاص کر علم کلام اور اخلاق پر آپ کی تصانیف نہایت مبسوط اور جامع ہیں۔ منجملہ ان کے چند تصانیف درج ذیل ہیں۔

احیاء العلوم کیمیائے سعادت۔ جواہر القرآن۔ تہافتہ الفلاسفہ۔ حقیقۃ الروح۔ عجائب المخلوقات (الحکمۃ فی مخلوقات اللہ) یاقوت التاویل فی التفسیر۔ منہاج العابدین۔ تعلیم الدین۔ کشف علوم الآخرۃ وغیرہ۔

آپ کی بے شمار تصنیفات کو دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ اس ۵۵ سال کی مختصر و محدود زندگی میں عزلت نشینی و ریاض و مجاہدات کا زمانہ بھی شامل ہے، عہد طفولیت و عہد طالب علمی بھی، اور پھر مصائب و آلام روزگار سے بھی دوچار ہونا، تصنیفات و تالیفات کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کردینا آسان نہیں۔

ایں سعادت بہ زور بازو نیست

وفات افسوس یہ آفتاب علم و حکمت ۵۰۵ھ میں اپنی عمر کے ۵۴ سال پورے کرکے اپنے جائے ولادت طاہران میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا لیکن

www.ahnafmedia.com

فہرست مضامین کتاب
رموز کائنات

نمبر سلسلہ	مضمون	صفحہ
۱	آسمان اور دنیا کی پیدائش میں غور و فکر کرنیکا بیان	۲۰
۲	آفتاب کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۲۳
۳	ماہتاب کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۲۸
۴	زمین کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۳۲
۵	سمندر کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۴۰
۶	پانی کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۴۴
۷	ہوا کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۴۷
۸	آگ کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۵۲
۹	انسان کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۵۵
۱۰	اس باب کا تتمہ	۸۴
۱۱	پرندوں کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۸۸
۱۲	چوپاؤں کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۹۹
۱۳	شہد کی مکھی کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۱۱۵
۱۴	مچھلی کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۱۲۵
۱۵	نباتات کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان	۱۳۰
۱۶	دلوں میں خدا کی عظمت پیدا ہونے کا بیان	۱۴۰

www.ahnafmedia.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ کتاب

حمد و سپاس اس خدائے واحد کے لئے جس نے اپنے مقربین بارگاہ کو مخصوص نعمتوں سے نوازا۔ اور اپنی مصنوعات میں غور و فکر کرنے والوں پر خاص لطف و کرم فرمایا۔ اپنی کائنات میں تدبر و تفکر کو ایمان و یقین کے استحکام کا ذریعہ بنایا۔ ان اصحاب فکر و نظر نے غور و فکر سے اپنے خالق حقیقی کو پہچانا، اس کے واحد یکتا ہونے کا کامل یقین حاصل کیا اور خدا کی عظمت و قدرت کا مشاہدہ کیا، اور اس کو تمام عیوب سے منزہ و مبرا ہونے کا دل سے اعتراف کیا۔ بلاشبہ وہی عدل و انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اور اہل نظر اس کے کمال قدرت پر شاہد عدل ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ صرف وہی قادر و توانا ہے، جیسا کہ اس نے اپنی کتاب مبین میں فرمایا ہے۔

خدا اور اس کے فرشتے شاہد ہیں کہ بجز اس ذات واحد کے کوئی لائق پرستش نہیں اور صرف وہی عدل و انصاف کا مالک ہے، اپنے ارادہ میں غالب ہے اور اپنے تمام امور کو حکمت و مصلحت کے ساتھ انجام دینے والا ہے

درود و سلام ہو اس ذات پر جو سید المرسلین، امام المتقین ہیں، اور ہم جیسے گنہگاروں کی سننے والے ہیں، جن کا اسم گرامی محمدؐ ہے، جو تمام انبیاء میں آخری نبی ہیں۔ اور صلوۃ و سلام ہو ان کی اولاد و اصحاب پر جب تک دنیا قائم ہے۔

اما بعد! برادر! خدا تجھکو حقیقت شناسوں کی توفیق عطا کرے، اور دین و دنیا کی فلاح و کامرانی نصیب فرمائے۔ خدا کی معرفت اس کی عجائبات و مصنوعات میں تدبر و تفکر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، اور درحقیقت یہی معرفت

www.ahnafmedia.com

ایمان ویقین کے ثبات و استحکام کا موجب ہے۔ اور اسی سے ابرار و اتقیاء کے منازل و مدارج میں تفاوت ہوتا ہے، کیونکہ حقیقی معرفت کا حصول مخلوقات الٰہی میں غور و فکر کرنے پر منحصر تھا اس لئے اس کتاب کو ارباب عقول کی رہنمائی اور ان کے استفادہ کے لئے لکھا گیا۔ اس میں ان حکمتوں اور مصلحتوں کو بیان کیا گیا ہے جن کی طرف قرآن حکیم نے متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے،

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم عطا کی، وحی کے ذریعہ اس کی رہنمائی فرمائی، اور اصحاب نظر اور ارباب عقول کو اپنی مصنوعات میں غور و فکر کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق دعوت دی:۔

قل انظروا ماذا فی السموات والارض	اے محمد علیہ السلام آپ لوگوں سے کہدیجئے کہ تم غور کرو کہ آسمان و زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں۔
وجعلنا من الماء کل شئ حی افلا یومنون ۝	اور پانی سے ہم نے ہر زندہ چیز پیدا کی کیا اب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے۔

اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں جن کے معانی میں غور و فکر کرنے سے خدا کی معرفت اور حقیقی عظمت کا علم ہوتا ہے۔ جو سعادت و فلاح کا حقیقی سبب ہے اور جس پر انعامات الٰہی کا مدار ہے۔

اس کتاب میں چند ابواب ہیں اور ہر باب میں مخلوقات الٰہی کی تکوینی حکمتوں اور مصلحتوں کو حتے الامکان وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، اگر دنیا کی تمام مخلوقات اپنی تمام قوتوں کو صرف کردے کہ کسی ایک مخلوق الٰہی کی تمام حکمتوں کو بالاستیعاب بیان کرے تو یہ کام نامکمل رہے گا اور سب عاجز ہوں گے۔

فلسفی سر حقیقت نہ تواند کشود
گشت راز دگر آں راز کہ افشا می کرد

www.ahnafmedia.com

کائنات ارضی و سماوی میں غور و فکر کی دعوت

افلم ینظروا الی السماء فوقھم کیف بنیاھا و زینا ھا و مالھا من فروج ۝

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نظر نہیں کی، ہم نے اس کو کیسا بلند اور وسیع بنایا ہے پھر ستاروں سے اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

اللہ الذی خلق سبع سموات — اس خدا نے ہی ساتوں آسمانوں کو پیدا کیا

جب تم اس جہاں میں غور و فکر کرو گے تو ایسا معلوم ہوگا یہ تمام جہاں ایک مکان ہے جس میں ہماری جملہ ضروریات کی اشیاء موجود ہیں۔ آسمان کی نیلگوں چھت ہے اور زمین ہمارے لئے بستر ہے۔ یہ سیارے آسمان میں روشنی کے لئے بجلی کے قمقموں کے قائمقام ہیں۔ جواہرات زمین کے تہ خانوں میں اس طرح سے محفوظ ہیں جیسے قیمتی ذخیروں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اور ہر ایک چیز اپنے اپنے قرینہ سے اپنے مقصد کی تکمیل میں کار فرما ہے۔ اس مکان کا مالک انسان ہے۔ اور اس مکان کی جملہ اشیاء مالک مکان کی ضروریات کے لئے مہیا کی گئی ہیں۔ نباتات ہوں یا حیوانات سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ خالق حقیقی نے آسمان کا رنگ ایسا بنایا ہے جو نگاہ کے لئے موزوں ہے اور قوت بخشتا ہے۔ اگر اس رنگ کے خلاف یہ آسمان شعاعوں اور انوار کا مجموعہ ہوتا تو نگاہوں کو خیرہ کر دیتا کیوں کہ سبز اور نیلگوں رنگ نگاہ کے لئے مناسب اور سازگار ہے۔ انسان، آسمان کی وسعت و فراخی کو دیکھکر نفس میں کیف اور

www.ahnafmedia.com

سرور حاصل کرتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ ستارے اپنی پوری تابانی کے ساتھ نکلے ہوئے ہوں اور ماہتاب اپنی درخشانی سے تمام جہاں کو منور کئے ہوئے ہو دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ اپنے شاہی محلوں میں زیب و زینت کے لئے بہتر سے بہتر سامان مہیا کرتے ہیں اپنے دربار کی چھتوں پر نہایت خوبصورت نقوش و نگار کراتے ہیں جن کو دیکھکر آنکھوں میں نور اور قلب میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ان زیبائش و آرائش کی طرف بھی اگر متواتر دیکھا جائے تو آخر کار دل اکتا جاتا ہے اور ایک قسم کی کوفت ہونے لگتی ہے۔ برخلاف آسمان کے قدرتی مناظر و خوشنمائی اور اس کی وسعت اور ستاروں کی چمک دمک کو جتنا بھی دیکھا جائے طبیعت اس سے کبھی گھبراتی نہیں بلکہ قدرت کی گوناگوں گلکاری اور اس کی صنعت کو دیکھکر انسان کے دل میں خدا کی عظمت اور اس کے کمال و قدرت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے۔ اور وہ دل کی گہرائی سے بے ساختہ پڑھنے لگتا ہے کہ ربنا ماخلقت ھذا باطلا اسی لئے حکما نے کہا ہے کہ جب تو رنجیدہ ہو تو آسمان کی طرف دیکھکر خدا کی قدرت اور اس کی صنعت میں اپنا دل بہلا کیونکہ یہ تیرے رنج و غم کو دور کرنے کے لئے کافی سامان ہے۔ اور ستاروں کو دیکھ اور پھر اُن کی برکتوں اور فائدوں پر نظر کر کہ دنیا والے کس طرح ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور سمندر کی تاریک اور اندھیری راتوں میں یہ ستارے مسافروں کی کیسی رہنمائی کرتے ہیں۔ اور بعض حکماء اس کے بھی قائل ہیں کہ ستاروں میں جانے کے لئے راستے بنے ہیں [illegible] سیارے کے باشندے دوسرے سیاروں کے باشندوں کے پاس آتے جاتے ہیں۔ بعض حکیم نے کہا ہے کہ آسمان کی طرف نظر کرنے سے دس فائدے حاصل ہوتے ہیں:-

۱۔ انسان کا رنج و غم دور ہوتا ہے ۲۔ بُرے خیالات دور ہوتے ہیں

www.ahnafmedia.com

۳۔ خوف وہراس دل سے جاتا رہتا ہے ۴۔ خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے
۵۔ خدا کی عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے ۶۔ فاسد تفکرات دور ہوتے ہیں
۷۔ سوداوی امراض کو فائدہ ہوتا ہے ۸۔ مشتاق دلوں کو تسلی وسکون ہوتا ہے
۹۔ عشق الٰہی کے بیماروں کو شفا ہوتی ہے ۱۰۔ دعا کرنے والوں کی دعاؤں کا مرکز و قبلہ ہے۔

www.ahnafmedia.com

آفتاب کی پیدائش کی حکمتیں

وجعل الشمس سراجا خدا نے سورج کو مثل روشن چراغ بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے جن حکمتوں اور کاموں کے لئے آفتاب کو پیدا فرمایا ہے۔ اس کا مکمل علم تو خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ ہم اپنی قدرت و نظر کے مطابق جتنا جانتے ہیں یہاں لکھتے ہیں آفتاب کی حرکت سے رات اور دن کا قیام ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو دین کے بہت سے کاموں کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اور دنیا کے بھی بہت سے کام خراب ہو جائیں۔ روزگار اور معاش کی طلب و سعی میں بڑی دشواری ہو جائے گی۔ اگر ساری دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو تو روشنی سے آنکھیں کیوں کر لذت اٹھا سکتی ہیں۔ اور اشیاء کے مختلف رنگ کا امتیاز کیوں کر ممکن ہوگا۔ انسانی جسم کو راحت و آرام کیوں کر نصیب ہوگا بلکہ معدے میں غذا کی ہضم کا نظام بھی بگڑ جائے گا۔ اسی طرح اگر روشنی ہی روشنی ہو اور آفتاب غروب نہ ہو تب بھی بڑی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی رات میں انسان آرام کر کے اپنے دن بھر کے تھکے ماندے جسم کو راحت پہنچا کر دوسرے دن کام کرنے کے قابل بناتا ہے۔ اگر رات نہ ہو تو ایک طرف کام کرنے کی حرص و آز نفس میں بڑھے گی اور دوسری طرف آرام نصیب نہ ہونے سے جسم میں نئی اور تازہ قوت نہ ہوگی۔ وہ کافی عرصہ تک کام کرتے رہنے سے مضمحل اور سست ہو جائے گی۔ اس سے قویٰ میں اضمحلال اور بدن کے انتظام میں اختلالی کا پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ اور یہ اسباب انسان کی بیماری کے لئے کافی ہیں۔ اسی طرح وہ جانور جو دن بھر کام کر کے رات کو کام چھوڑ کر آرام کرنے کے لئے تھان پر باندھ دیئے جاتے ہیں تاکہ رات بھر آرام

www.ahnafmedia.com

کرکے پھر دوسرے دن کام کرنے کے قابل ہوجائیں۔ ان کا حال بھی زبوں ہو جائے گا۔ ادھر آفتاب غروب نہ ہونے اور متواتر نکلے رہنے سے زمین اتنی گرم ہوجائے گی کہ زمین پر بسنے والے انسان وحیوان اس گرمی کی شدت سے ہلاک ہوجائیں گے۔ سورج کا طلوع وغروب دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر بڑی مصلحت وحکمت پر مبنی ہیں۔ انسان نیز دوسری مخلوق کا سکون وراحت اسی میں مضمر ہے جس طرح کہ انسان بجلی کی متواتر روشنی سے گھبراکر روشنی کو بند کرکے آرام حاصل کرتا ہے اور جب طویل تاریکی سے دل اکتا جاتا ہے تو روشنی کرکے اپنی اضطرابی کیفیت کو تسلی دیتا ہے اور جیسا کہ انسان آگ سے کھانا وغیرہ تیار کرکے خوش ہوتا ہے۔ پھر دوسروں کو دیدیتا ہے کہ اب وہ اس سے اپنا کھانا وغیرہ تیار کرلیں۔ اور دوسرا تیسرے کو تیسرا چوتھے کو اسی طرح تمام عالم قائم ہے۔ روشنی اور تاریکی۔ سردی اور گرمی دونوں ملکر ہی ہمیں پورا پورا فائدہ پہونچاتے ہیں۔

اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اشارہ فرمایا ہے۔

قل ارأیتم ان جعل اللہ علیکم اللیل سرمدا الی یوم القیمۃ من الہ غیر اللہ یاتیکم بضیاء	آپ ان لوگوں سے کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی رہنے دیتے تو کونسا معبود ہے جو روشنی لائے گا۔

پس جس طرح آفتاب کے طلوع وغروب میں حکمتیں ہیں اسی طرح اس کے تقدم وتاخر یعنی تغیر موسم کے اعتبار سے اس کے طلوع وغروب میں اوقات ومقام کا تغیر وتبدل اس میں بھی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ نباتات وحیوانات کا بہت کچھ نظام آفتاب کی اسی تقدیم وتاخیر سے طلوع وغروب ہونے پر موقوف ہے۔ فصلوں کا پکنا اور غلہ کا اور پھلوں کا اپنے وقت پر تخمہ ہوکر تیار ہوجانا بھی اسی پر موقوف ہے۔ اور شب وروز کا موسم کے لحاظ سے کم وبیش ہونا بھی اسی حکمت پر مبنی

ہے۔ اگر طلوع و غروب ایک مقررہ وقت پر ہی ہوا کرے تو رات دن میں یہ کمی بیشی کیونکر ہو سکتی ہے۔ انسان کی افتاد طبیعت بھی کچھ اسی طرح ہے کہ وہ ہر آن تغیرات و تبدلات کو پسند کرتی ہے۔ اور اس سے لطف اٹھاتی ہے۔ کل جدید لذیذ اوقات کا پیچھا تا اور پھر اس کے مطابق اپنے کاموں کو ترتیب دینا وغیرہ یہ سب امور اسی آفتاب کے طلوع و غروب پر منحصر ہیں۔ دیکھو خدا نے رات کو راحت و سکون کا سبب اور دن کو طلب معاش کسب و معشیت کے لئے کس حکمت و مصلحت سے بنایا ہے پھر سال میں موسموں کا تغیر و تبدل اور ان موسموں میں آب و ہوا کے اثرات میں تبدیلیاں یہ سب آفتاب ہی کی برکتوں کا ثمرہ ہیں۔ اور آب و ہوا میں سردی و گرمی اور رطوبت و یبوست کے اثرات شجر و نباتات اور ان کے پھلوں اور پھولوں پر پڑتے ہیں۔ اور آفتاب کے طلوع و غروب اور موسم کے تغیر و تبدل اور اس کے اثرات ہی سے بادلوں کا پیدا ہونا اور وقت پر بارش کا ہونا موقوف ہے جو انسانات۔ حیوانات اور نباتات کے نشاۃ ثانیہ کا موجب ہے۔ انسان کی طبیعتوں میں اختلافات بھی اس کی برکات کا سبب ہے۔ مزاج میں کمی و بیشی اور اعتدال کا پیدا ہونا اس کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔ غرض کہ امراض کا پیدا ہونا اور دوسرے موسم کے آنے سے امراض کا جاتا رہنا بدنوں میں قوت پیدا ہونا اور کاموں میں از سر نو جد و جہد کا تحمل پیدا ہونا یہ بھی اسی کے ثمرات ہیں۔ یہ سب اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے اوقات پر تدریجی طور پر کام جاری ہیں۔ جس میں بیشمار بہا حکمتیں و مصلحتیں مضمر ہیں۔ جن پر نظر و غور و فکر سے اس صانع و حکیم کی کاریگری کی داد دینا پڑتی ہے۔ کہ اس نے کمال قدرت اور نہایت حکمت سے کیسا نظام عالم بنایا ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین ○

پھر آفتاب کا برجوں میں جانا۔ جس سے سال کے دوروں کا قیام ہے اور اسی سے موسم گرما موسم سرما ربیع و خریف چاروں موسم کا پیدا ہونا

موقوف ہے اور اسی سے سال کا حساب مہینوں اور دنوں کا شمار اور چیزوں کی مدتوں اور عمروں کا علم اسی پر موقوف ہے۔

تمام جہان پر آفتاب کے بلند ہونے پر نظر کرو۔ خدا نے کس بلیغ حکمت سے اس کو بلند کیا ہے۔ اگر ایک ہی جگہ پر وہ قائم ہوتا تو اس کی شعاعوں سے زمین کے ایک ہی حصہ کو فائدہ ہوتا باقی حصے اس کے فیض سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوتے اور پھر اس کے اثرات و ثمرات بھی تمام جہان کو یکساں طور پر نہیں پہونچ سکتے تھے۔ اس کی روشنی ہمیشہ ایک ہی جہت پر پڑتی اور دوسری جہتیں اس سے محروم رہتیں۔ یہ خدا کی بلیغ حکمت ہے کہ اس نے آفتاب کو متحرک بنایا طلوع ہوتے وقت جن اطراف و اکناف میں اس کی روشنی پڑتی ہے غروب ہوتے وقت وہاں سایہ ہوتا ہے اور جو حصہ طلوع ہوتے وقت روشنی سے محروم تھے۔ اب غروب ہوتے وقت وہ بھی اس کی روشنی سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اس طرح سے آفتاب کا فیض سب کو یکساں طور پر حاصل ہوتا ہے۔

اب رات و دن کی مقداروں پر نظر کرو۔ خدا نے کس خوبی سے اس کا نظام رکھا ہے جس میں عالم کی فلاح و بہبود مدنظر ہے۔ کہ اگر ذرا بھی اس میں فرق آجائے تو اس کا بڑا اثر زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کو کم و بیش پہونچے گا۔ خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات۔ حیوانات کو لیجئے کہ جب تک وہ دن کی روشنی دیکھتے رہیں گے کام میں لگے رہیں گے حتٰی کہ ان کی قوت کمزور پڑ جائے گی۔ چوپائے چرنے سے باز نہیں آئیں گے۔ حد سے کسی چیز کا بڑھنا اس کے ہلاکت کا موجب ہوتا ہے نباتات کو ذرا دیکھئے۔ آفتاب کی حرارت اگر متواتر ان پر رہے گی تو نباتات خشک ہو کر جل جائے گی۔ اور یہی حال۔ رات کے برابر رہنے کا ہے۔ اگر دن نہ ہو اور رات ہی رہے تو حیوانات تلاش طلب معاش اور کسب معیشت میں اختلال کا موجب ہوگی۔ اور طبعی حرارتیں سرد

پڑ جانے سے نباتاب وحیوانات کے فساد و تلف ہو جانے کا سبب ہو گا۔ جس طرح کہ اس مقام پر نباتات کا حال ہوتا ہے۔ جہاں ہم آفتاب کی روشنی و گرمی پہونچنے کا بندوبست نہ کریں۔ اور اس کی شعاعوں کے اثرات کو وہاں تک نہ پہونچنے دیں۔

www.ahnafmedia.com

چاند ستاروں کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیھا سراجا وقمرا منیرا ۝

وہ ذات بہت عالی شان ہے جس نے آسمان پر بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس میں ایک چراغ آفتاب اور نورانی چاند بنایا۔

اس حکیم مطلق نے جب رات کو وجہ سکون و راحت بنایا۔ ہوا کو خوشگوار ٹھنڈا کر دیا۔ تو اس نے رات کو تاریک اور مطلق ظلمت نہیں رکھا۔ ورنہ رات کی تاریکی میں انسان اپنے ان کاموں کو کیونکر انجام دیتا جن کے انجام دینے میں وہ روشنی کا محتاج ہے۔ کیوں کہ شدت گرمی یا تنگیٔ وقت کی وجہ سے کبھی اس کو راتوں کو اپنے دن کے کام انجام دینا ہوتے ہیں۔ تو چاند کی روشنی سے اس کو بڑی مدد ملتی ہے اور چاند کو ٹھنڈی اور خوشگوار روشنی سے جو بعض راتوں میں اپنی پوری تابانی سے پھیلی ہوتی ہے۔ انسان کو اس سے نشاط و فرحت حاصل ہوتی ہے اور ان راتوں میں جب چاند کی روشنی پوری نہیں ہوتی۔ ستاروں کی روشنی سے وہ کمی پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ چاند ستاروں سے آسمان کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے۔ دیکھنے والے کو ایک فرحت و انبساط حاصل ہوتا ہے۔ خدا کی اس حکمت کو دیکھو کہ اس نے کس خوبی سے رات کی تاریکی کو چاند ستاروں کی ٹھنڈی اور خوشگوار روشنی سے ——— دور کیا۔ تاکہ انسان اپنی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

www.ahnafmedia.com

پھر چاند کی نقل وحرکت پر سالوں اور مہینوں کا علم کس طرح موقوف کیا ہے۔ یہ اللہ کی بڑی مصلحت وحکمت ہے۔ ستاروں میں روشنی کے علاوہ اور بھی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ زراعت وکاشت کا بہت کچھ معاملہ چاند وستاروں پر موقوف ہے۔

بحر وبر کے مسافرین کے لئے رہ نمائی کا بڑا سبب ہے۔ بڑے بڑے لق ودق جنگلوں میں رات کی تاریکی میں سفر کرنا اور اسی طرح سمندر کی تاریک راتوں میں راستہ کا معلوم کرنا انہیں سیاروں کے وجود پر موقوف ہے۔

اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔

وھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمات البر والبحر

اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعہ اندھیروں میں خشکی میں بھی اور دریا میں بھی راستے معلوم کرسکو۔

آفتاب کی طرح ماہتاب کے طلوع غروب اور آنے جانے میں اور پھر اس کے پہلے دن طلوع ہونے اور کم وبیش ہونے اور بعض راتوں میں اس کے غائب ہونے اور بعض اوقات اس کے کسوف بے نور ہونے میں۔ جو جو حکمتیں پوشیدہ ہیں جو قدرت الٰہی پر دلائل ہیں۔ ان کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟

پھر آسمان کا ان ستاروں کے ساتھ ہر شب وروز سرعت سے حرکت کرنا۔ جس کو ہم خود بھی طلوع غروب کے وقت مشاہدہ کرتے ہیں۔ اگر یہ حرکت اس سرعت سے نہ ہوتی تو یہ رات ودن کے ۲۴ گھنٹہ کی طویل مسافت کیونکر قطع ہوتی۔ اگر خدائے تعالے چاند کو ہم سے اتنا بلند نہ رکھتا جس سے ہم اس کی شدت رفتار کو محسوس نہیں کرسکتے تو یقیناً اس کی حرکت کی سرعت رفتار سے

ہماری آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ جس طرح کہ کبھی کبھی خلا میں بجلی کے چمکنے سے ہم محسوس کرتے ہیں۔ اور اس حکمت سے بھی اس نے ہم سے اتنا دور اور بلند رکھا ہے۔ کہ قریب و محسوس ہونے سے ایسے حادثات نہ پیدا ہوں جن کے ہم متحمل نہ ہوں۔ اس لئے ایک خاص انداز اور مقدار پر اس نے بنایا۔

ان ستاروں پر نظر کرو جو سال کے بعض ایام میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ اور بعض ایام میں طلوع جیسا کہ ثریا، جوزاء اور شعریٰ اگر یہ ہمیشہ ایک وقت میں نکلے رہتے۔ تو انسان کو وہ فوائد حاصل نہ ہوتے جو اس موجودہ صورت میں حاصل ہیں۔ اور انہیں فوائد و مصالح انسانی کے پیش نظر اس نے بنات نعش[1] کو ہمیشہ نکلا ہوا بنایا ہے جو کسی وقت غائب نہیں ہوتی کہ وہ بمنزلہ نشانات و دلائل کے ہے مسافروں کو رات کی تاریکی میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اس طرح سے اگر یہ ستارہ ایک جگہ پر ٹھہرے ہوئے خدا بناتا جو حرکت نہ کرتے اور ہر برج میں سے ہو کر نہ گذرتے تو پھر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں جو ان سے دلالت و ہدایت کا کام لیا جاتا ہے اس سے ہم محروم ہو جاتے جس طرح کہ ہم چاند و سورج کے اپنے اپنے منازل و برجوں میں منتقل ہونے سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ زمین پر سفر کرنے والا راستہ کی منازل و مدارج طے کر گذرتے ہیں اپنے لئے سہولت و فائدے حاصل کرتا ہے۔

کہ آسمان اور آسمان کے یہ تمام سیارے اس عالم پر سال کے چاروں فصلوں میں

---

[1] بنات و نعش سے مرکب ہے قطب شمالی کے قریب چارپائی کی شکل میں چار ستارے ہیں جو نعش کہلاتے ہیں اور اس کے مشرقی شمالی پایہ کے متصل تین ستارے ہیں جو بنات کہے جاتے ہیں اسطرح بنات النعش سات ستاروں کا ایک مجموعہ ہے ←

اس لئے گردش کرتے ہیں کہ اس میں حیوانات و نباتات و دیگر مخلوقات کے ہزاروں فوائد اور ان کی مصلحتیں مضمر ہیں۔

اس خالق کا یہ کمال قدرت ہے کہ اس نے آسمان کو ایسا بلند ایسا خوشنما اور مستحکم اور ثابت بنایا ہے کہ صدیاں گزر جانے پر بھی اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل محسوس نہیں کہ اس کا ادنیٰ سا تغیر بھی اہل زمین کے ایک بڑے تغیر و تبدل کا موجب ہوتا۔ اور نظام عالم میں بڑا انقلاب پیدا ہو جاتا کیوں کہ زمین کا نظم و نسق آسمان کے ساتھ کچھ اس طرح سے وابستہ ہے اور خدا کی یہ بڑی قدرت ہے کہ نظام عالم ایک نہج پر اسی طرح جاری اور ساری ہے۔ سبحان العلیم القدیر۔

www.ahnafmedia.com

زمین کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

والارض فرشناھا فنعم الماھدون	اور ہم نے زمین کو بطور فرش بنایا۔ سو ہم کتنے اچھے بچھانے والے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے زمین کا کیسا اچھا بستر بچھایا ہے۔ جس پر ہم آرام کرتے ہیں اس بستر کے بغیر ہمارے لئے رہنا دشوار تھا۔ پھر ہمارے لئے زندگی کی تمام ضروریات کھانے پینے کے سامان کے لئے زمین کو خزانہ بنایا۔ ہماری ضرورت کی تمام چیزیں زمین سے حاصل ہوتی ہیں۔ سردی اور گرمی سے حفاظت بھی زمین پر رہ کر کر سکتے ہیں۔ اور بدبو دار چیزیں اور مردار جن کے تعفن کی وجہ سے ہمیں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ایسی چیزوں کو زمین میں دفن کر کے ہم ان کی خراب ہوا کے اثر سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

الم نجعل الارض کفاتا احیاء وامواتا	کیا ہم نے زمین کو زندوں مردوں کی سمیٹنے والی نہیں بنایا۔

ہمارے لئے زمین پر راستے بنائے تاکہ ہم اپنے لئے ضروری سامان لانے لیجانے کے لئے سفر کریں۔ اور ایک دوسرے کی ضرورتوں کو پورا کر سکیں اس طرح سے ہمارے جانوروں کے لئے چارہ وغیرہ بھی زمین ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ہماری کھیتی باڑی بھی زمین پر ہوتی ہے ان تمام چیزوں میں ہم زمین کے محتاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ہمیں متنبہ کیا ہے:۔

www.ahnafmedia.com

اخرج منها ماءها ومرعاها والجبال ارساها متاعا لكم ولانعامكم	زمین میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔ اور پہاڑوں کو گاڑ دیا تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کی خاطر۔

زمین کو نرم اور ہماری ضرورتوں کے مناسب پیدا فرما کر اس نے ہم کو اختیار دیا کہ ہم زمین کو اپنی ضرورتوں کے لئے استعمال کریں۔ اس پر بیٹھیں آرام کریں سوئیں اپنے کام کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کریں۔ یہ سب آسانیاں اس لئے حاصل ہیں کہ زمین کو ہمارے حسب حال بنایا ہے۔ کیوں کہ اگر یہ زیادہ نرم اور متحرک ہوتی تو ہم اس پر نہ مکانات بنوا سکتے نہ کھیتی باڑی کر سکتے نہ اس پر ٹھہر سکتے۔ نہ آرام کر سکتے تھے۔ جیسے کہ زلزلوں کے جھٹکوں سے ہم متوحش ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے ڈر کر ہم اپنا کوئی کام بھی نہیں کر پاتے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اپنے نافرماں بندوں کی تنبیہ کے لئے اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے کبھی کبھی اپنی قدرت اس طرح سے ظاہر فرماتا ہے یہ بھی خدا کی بڑی حکمت ہے۔

جس طرح خدا نے زمین کو مناسب نرم بنایا ہے اسی طرح اس نے مناسب خشک اور سرد بنایا ہے۔ اور اگر زیادہ خشک پتھر جیسی سخت بنا دیتا تو ہم کاشت کے لئے اور مکانات کے لئے اس کو کیوں کر استعمال کر سکتے تھے۔ اس لئے اس نے کمال حکمت سے اس کو مناسب نرم اور خشک سرد بنایا کہ زمین پر رہنے والوں کو زمین کے استعمال کرنے میں سہولت ہو۔

پھر اس نے اپنی حکمت سے شمالی حصہ کو جنوبی حصہ سے قدرے بلند بنایا کہ پانی ایک طرف سے بہہ کر دوسری طرف جا سکے۔ اور اس طرح سے حیوانات کو فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکے۔ اور آخر میں وہ پانی سمندر میں جا کر گر جائے اگر ایسا نہ ہوتا یعنی زمین ایک طرف سے ذرا بلند اور دوسری طرف

سے ذرا نشیب میں نہ ہوتی تو پانی سطح زمین پر رک کر اس کو سمندر بنا دیتا۔ اور آمد و رفت بند ہو جاتی۔ لوگوں کے کاموں میں بڑا حرج واقع ہوتا۔ جیسا کہ ہم سیلاب کے زمانے میں پریشانیوں اور تکلیفوں کو محسوس کرتے ہیں۔

اب زمین کے اندرون کی طرف ذرا غور کرو۔ خدا نے اس کے اندر کیسے کیسے خزانے پوشیدہ رکھے ہیں۔ کہیں جواہرات کی کانیں ہیں تو کہیں سونے چاندی کے خزانے کہیں یاقوت و زمرد کے ذخیرے کہیں لوہے تانبے سیسے گندھک ہڑتال۔ سنگ مرمر۔ چونا۔ سیمنٹ۔ ٹردی وغیرہ کے بڑے بڑے خزانے اگر تفصیل سے ان کو لکھا جائے تو اس کے لئے کافی وقت اور صفحات کی ضرورت ہوگی ان تمام خزانوں اور ذخیروں کو ہم اپنی ضرورتوں میں استعمال کرتے ہیں اور کس کس طرح سے یہ چیزیں ہمارے کام میں آتی ہیں۔

اگر زمین پہاڑ کی طرح بلند اور سخت ہوتی تو ہم اس سے خاطر خواہ نفع حاصل نہ کر سکتے تھے۔ خدا نے اپنی حکمت سے سطح اور ہموار حصہ کو نرم و سرد اور خشک بنایا کہ ہم اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ زمین کے پہاڑ کی طرح بلند و سخت ہونے میں ہم کاشت کے لئے اسے کیوں کر استعمال کر سکتے تھے۔ کیوں کہ کاشت اسی زمین پر ہو سکتی ہے کہ زمین نرم ہو اور ہموار بھی ہو تاکہ ضرورت پر پانی کو پی سکے۔ اور نرم و نازک پودے زمین کے نرم سینے کو چاک کر کے باہر آ سکیں۔ اور وہ نرم و نازک پودے جب تناور درخت ہو کر زمین پر قائم ہوں تو درختوں کی جڑیں اور نرم و نازک ان کی رگیں زمین کی گہرائی میں چاروں طرف پھیل کر درخت کو قائم رکھنے میں مدد گار ہوں اور اس کو سرسبز و شاداب کرنے میں زمین سے اپنی خوراک حاصل کر کے درخت کو سیراب کر سکیں اور اس کو قائم رکھ سکیں۔

زمین کے نرم ہونے میں جہاں اور بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ اس میں آسانی سے جہاں ہم چاہتے ہیں کنوئیں کھود لیتے ہیں اگر زمین پہاڑ کی طرح

سخت ہوتی تو کنویں کھودنے میں بڑی دشواری ہوتی۔ اس طرح سے ہمارے سفر کرنے میں بھی بڑی دشواری ہوتی کیوں کہ پتھروں میں راستوں کا بنانا بڑا سخت کام ہے اور راستوں کے موجود نہ ہونے سے اور ان کے متعین نہ ہونے سے ہمارے لئے سفر کرنا ناممکن ہوجاتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

هو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبها	وہ ایسا منعم ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا۔ پس تم اس کے راستوں پر چلو۔
وجعل لکم فیها سبلا لعلکم تهتدون	اور اس نے تمہارے لئے اس میں راستے بنائے کہ تم منزل مقصود تک پہونچ سکو۔

منجملہ اور فوائد کے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہم اپنے مکانات کے بنانے میں ہی کی مٹی کو بآسانی استعمال کر سکتے ہیں۔ اینٹیں بناتے ہیں گارے کے لئے استعمال میں لاتے ہیں اور برتن وغیرہ ۔۔۔۔ دوسری بہت سی ضروری چیزیں تیار کرتے ہیں۔

جن مقامات پر زمین سے نمک ٹھیکری ابرق اور گندھک وغیرہ نکلتی ہے وہاں کی مٹی زیادہ نرم ہوتی ہے۔ اور نرم زمین میں طرح طرح کی نباتات پیدا ہو سکتی ہے۔ سخت اور پہاڑی زمین میں یہ نہیں ہو سکتی اور زمین کے نرم ہونے سے بہت سے جانور اپنے رہنے کے ٹھکانے بناتے ہیں۔ حشرات الارض کے رہنے کے لئے سوراخ اور بل اور کھوئیں زمین ہی میں ہوتی ہیں اور یہ سب آسانی زمین کے نرم ہونے کی وجہ سے ہے۔ کانوں کا زمین کے اندر پیدا فرمانا خدا کی بڑی حکمتوں میں سے ہے جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت سلیمان علیہ السلام پر بطور احسان فرمایا ہے۔

www.ahnafmedia.com

واسلنا لہ عین القطر	اور ہم نے ان کے لئے تانبہ کا چشمہ بہا دیا۔

یعنی ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تانبے سے تمتع حاصل کرنے کے لئے طریقوں کو آسان کر دیا۔ اور اس کی کان (خزانہ) پر مطلع کیا اور اسی طرح سے اپنے بندوں پر امتنانا ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس	ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے بہت کام کی چیز ہے

اس مقام پر نزول کا مفہوم خلق ہے یعنی پیدا کرنا جس طرح کہ دوسری جگہ لفظ انزل سے خلق کے معنی کو مراد لیا گیا۔ جیسے ایک جگہ فرمایا۔

وانزلنا لکم من الانعام	خدا نے تمہارے فائدے کے لئے مویشی پیدا فرمائے۔

حضرت سلیمان کے حق میں جس آیت میں انزلنا ارشاد فرمایا ہے۔ اس کے معنی اسطرح ہیں کہ ہم نے پیدا فرمایا اور ان پوشیدہ خزانوں سے سونا وغیرہ معدنیات کو نکال کر اپنے کاموں میں لانے کے طریقوں کی تعلیم دی کہ ان معدنیات کو کس کس کام میں کیوں کر لایا جا سکتا ہے۔ شیشہ سے نفیس برتن تیار کئے جا سکتے ہیں۔ جن میں اپنی ضروری چیزوں کو طویل مدت تک کے لئے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

ان کانوں سے سرمہ مومیا۔ سلاجیت وغیرہ مفید چیزوں کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو ہمارے بہت سے کام آتی ہیں۔

اس کی بڑی حکمت یہ ہے کہ اس نے زمین پر پہاڑوں کو قائم فرما کر زمین کو مستحکم کر دیا۔ جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے:۔

والجبال ارساھا	اور پہاڑوں کو اس پر قائم کر دیا۔
والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم	اور رکھ دئے زمین پر پہاڑ کہ تم کو لیکر

www.ahnafmedia.com

جھک نہ پڑے۔

وانزلنا من السماء ماء فاسکنا ہ فی الارض	ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے اندر ٹھہرا دیا۔

اس حکیم مطلق نے زمین پر پہاڑوں کو بنایا۔ جن کے تمام فائدوں اور مصلحتوں کو بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ منجملہ ان حکمتوں کے یہ ہے کہ خدا آسمان سے پانی برساتا ہے۔ جو حیوانات و نباتات کی زندگی و تازگی کا سبب ہے۔ اگر زمین پر پہاڑ نہ ہوتے تو ہوا اور سورج کی گرمی پانی کو خشک کر دیتی اور اس صورت میں زمین کو کھود کر مشقت کے بعد پانی حاصل ہو سکتا تھا۔ خدا نے بڑی حکمت سے پہاڑوں کو زمین پر پیدا کیا۔ جن کے اندر پانی کے بڑے بڑے ذخیرہ جمع ہو کر تھوڑا تھوڑا کر کے چشموں اور نہروں اور دریاؤں کی شکل میں پانی بہتا ہے اور اس طرح زمین کے دور دراز کے مقامات تک کو سیراب کرتا ہے۔ اور یہ پانی گرم موسم میں اور بھی قابل قدر ہوتا ہے اور اس زمانے تک اس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں کہ بارش کا زمانہ شروع ہو۔ اور جن پہاڑوں میں پانی کے جمع کرنے کے لئے اندروں میں گنجائش نہیں ہوتی ان پہاڑوں پر برف کی شکل میں پانی کے خزانے کو محفوظ کر دیا جو سورج کی گرمی سے تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت پگھل کر ندیوں نالوں اور نہروں میں جا کر زمین اور اہل زمین کو سیراب کرتا ہے۔ پہاڑوں پر کہیں کہیں بڑے بڑے حوض بھی ہوتے ہیں۔ جہاں پانی جمع رہتا ہے اور ضرورت پر اس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ جس طرح کہ غلہ کے بڑے بڑے ذخیروں اور گوداموں سے ضرورت کے وقت غلہ حاصل کیا جاتا ہے۔

علاوہ اس کے پہاڑوں پر بعض خاص قسم کے درخت اور جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں جو اور کہیں دستیاب نہیں ہوتیں۔ پہاڑوں پر نہایت بلند درخت پائے جاتے ہیں۔ جن کی لکڑی عمارتوں اور کشتیوں کے بنانے میں خاص کر استعمال کی جاتی

www.ahnafmedia.com

ہے۔ یہ لکڑی دوسرے درختوں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ پہاڑوں پر ایسے پر فضا اور شاداب مقامات ہیں کہ وہاں جاکر لوگ اپنے فرصت کے ایام گزارتے ہیں۔ اور صرف انسانوں کے لئے نہیں بلکہ چوپاؤں اور دوسرے جانوروں کے لئے بھی وہاں سامان خورد و نوش اور آرام کرنے کے پر فضا مقامات بنے ہوتے ہیں۔ شہد کی مکھیوں کے لئے خاص کر وہ جگہ مخصوص ہے جہاں وہ اپنے گھر بناتی ہیں اور انسان بھی گرمی کے موسم میں تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ اور اپنے مردوں کی لاشوں کو محفوظ رکھنے کے لئے وہاں دفن کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وتنحتون من الجبال بیوتاً امنین	اور پہاڑوں میں اپنے رہنے کے مکانات بناتے ہیں۔ جن میں بے خوف رہتے ہیں۔

منجملہ دیگر فوائد یہ بھی ہیں کہ پہاڑوں پر راستوں کی شناخت کے لئے بڑے بڑے نشانات نصب کرتے ہیں۔ مسافروں کو اپنے سفر میں ان نشانات سے بڑی مدد ملتی ہے۔

ایک یہ بھی بڑا فائدہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے لشکر اور جماعتیں جو اپنے مقابل سے نہیں لڑ سکتے۔ وہ پہاڑوں پر پناہ لیتے ہیں۔ اور پہاڑوں کو قلعہ کی جگہ استعمال کر کے اپنے کو دشمن سے محفوظ سمجھتے ہیں۔

خدا کی حکمت کو دیکھو کہ اس نے کس حکمت سے زمین میں سونے چاندی کے خزانوں کو محفوظ کیا ہے۔ اور پھر خاص انداز سے اس کو پیدا فرمایا ہے اور پانی کی طرح سونے اور چاندی کو وافر نہیں پیدا کیا۔ اگرچہ اس کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ پانی کی طرح ان چیزوں کو بھی اتنا ہی کثیر مقدار میں پیدا فرما دیتا۔ یہ بھی اس کی بڑی حکمت اور مصلحت ہے کہ اور مخلوق کی فلاح و بہبود اس انداز پر موقوف ہے۔ جس کا علم سوائے اس کے کسی کو نہیں۔

www.ahnafmedia.com

اس نے فرمایا ہے۔

وان من شئ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم

اور جتنی چیزیں ہمارے پاس ہیں سب کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ اور ہم اس چیز کو ایک معین مقدار سے اتارتے رہتے ہیں۔

www.ahnafmedia.com

سمندر کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا

اس خدا نے تمہارے لئے سمندر کو تمہارے قبضہ میں دے دیا کہ تم اس سے تازہ گوشت مچھلیاں کھاؤ۔

خدا تعالیٰ نے سمندر کو پیدا فرمایا اور اس کے کثیر منافع اور فوائد کی وجہ سے اس کو بہت وسیع کیا۔ اور زمین کے اطراف و جوانب میں اس طرح پھیلا دیا۔ کہ زمین کا خشک حصہ اور پہاڑ وغیرہ اس کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ایک چھوٹا سا جزیرہ نما بلند حصہ ہو جو ہر طرف سے پانی میں گھرا ہو اور اسی نسبت سے زمین کے جانور ہیں۔ ان جانوروں کی نسبت سے جو خدا نے سمندر میں بنائے ہیں۔ یعنی سمندر میں رہنے بسنے والے جانور خشکی کے جانوروں سے کئی حصے زائد ہیں۔ اور سمندر میں خدا نے بڑے بڑے عجائبات پیدا کئے ہیں جن کو دیکھکر خالق کی قدرت نظر آتی ہے۔ سمندر میں حیوانات جواہرات اور خوشبودار اشیاء اس کثرت سے ہم کو ملتی ہیں کہ زمین پر اتنی افراط سے نہیں پائی جاتیں اور ایسے ایسے عظیم الجثہ جانور پانی میں پائے جاتے ہیں کہ اگر وہ کسی وقت اپنی پشت کا ایک حصہ پانی سے بلند کر دیں۔ تو اس پر کسی وسیع بلند ٹیلہ یا پہاڑ کا شبہ ہونے لگتا ہے اور جس طرح خشکی میں انسان پرندے گھوڑے اور گائے وغیرہ مختلف انواع و اقسام کے حیوانات ہیں اسی طرح اس سے کئی حصہ زائد پانی میں پائے جاتے ہیں۔ بلکہ جتنی اقسام کے جانور پانی میں پائے جاتے ہیں خشکی میں تو دکھائی بھی نہیں دیتے۔ پھر خدا نے

www.ahnafmedia.com

عجیب قدرت وحکمت سے ان کی ضروریات کو بنایا ہے کہ اگر ان تمام باتوں کو تفصیل سے بیان کیا جائے تو اس کے لئے کئی ضخیم کتابوں کی ضرورت ہوگی۔

خدا نے کس خوبی اور حکمت سے موتی کو سیپی کے اندر محفوظ طریقے سے پانی میں رکھا ہے اور مرجان کو پانی کے اندر پتھر کی چٹان کی تہ میں کس طرح محفوظ کیا ہے۔ خدا نے بندوں پر امتنانا فرمایا۔

یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان	ان دونوں (دریا) سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے۔

اس مرجان کے متعلق جس کا قرآن کی اس مذکورہ آیت میں ذکر ہے۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا موتی ہے۔ جو لؤلؤ سے زیادہ رقیق اور چھوٹا ہوتا ہے۔ اور اس احسان وانعام کے ذکر کے بعد خدا فرماتا ہے۔

فبای آلاء ربکما تکذبان	پس تم اپنے مالک کی کن کن نعمتوں کا انکار کروگے۔

اس آیت میں آلاء سے مراد خدا کے انعامات واحسانات ہیں۔

اسی طرح عنبر اور دیگر قیمتی چیزوں کو دیکھو جن کو خدا نے اپنے کمال حکمت سے سمندر میں پیدا فرمایا ہے۔

پانی کی سطح پر بڑے بڑے جہاز اور کشتیوں کی روانی پر نظر کرو، کہ بندوں کی کتنی ضروریتیں ان کشتیوں اور جہازوں کی آمد ورفت سے پوری ہوتی ہیں۔ خدا نے اپنے کلام مجید میں ارشاد فرمایا ہے

والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس	اور ان جہازوں میں جو سمندر میں چلتے ہیں انسانوں کی نفع کی چیزیں اور اسباب لے کر (اس میں بڑی عبرت وموعظت ہے)

خدا نے کس طرح سے انسان کو سمندر پر قدرت واختیار دیا ہے کہ وہ اس

کے سینہ پر مال سے لدے ہوئے کیسے بڑے بڑے جہاز ادھر سے ادھر ایک ملک سے دوسرے ملک کو لے جاتا ہے اگر انسان کے پاس بار برداری کے لئے یہ سامان نہ ہو تو اس کے لئے بڑی دشواری پیدا ہو جائے اور ایک ملک کا مال اتنی کافی مقدار میں دوسرے ملک تک پہونچانا ناممکن ہو جائے اور اس میں کافی زیر باری اور مشقت پیدا ہو جائیگی۔

خدا نے اپنے بندوں پر بڑا کرم فرمایا کہ اس نے لکڑی ایسی ہلکی اور مضبوط چیز بنائی جو پانی پر اتنے بوجھ کو لے کر قائم رہ سکے۔ اور خدا نے اپنی رحمت سے انسان کو کشتیاں اور جہاز تیار کرنے کی حکمت اور سمجھ عطا فرمائی پھر ہواؤں کو اس انداز سے چلایا کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جہازوں اور کشتیوں کو لے جائیں اور انسان کو ہواؤں کے چلنے کے اوقات اور اس کا علم عطا فرمایا۔ ان تمام نعمتوں کے لئے ہمیں خدا کا شکر گزار ہونا چاہئے ؎

شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو
عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

خدا کی اس قدرت کو دیکھکر کہ اس نے پانی کیسا سیال متصل الاجزاء پتلا لطیف بنایا ہے گویا کہ تمام پانی ایک بڑا جسم ہے اور اتصال و انفصال کو جلد قبول کر لیتا ہے کہ جلد ہی دوسرے پانی سے مل کر ایک متصل جسم ہو جاتا ہے جس میں تصرف کرنا آسان ہوتا ہے۔ اور پانی کی روانی اور لطافت جیسی خوبیوں کی بدولت اس پر کشتی اور جہاز آسانی سے رواں ہو سکتے ہیں۔

اس کی عقل پر افسوس کرنا پڑتا ہے جو خدا کی اتنی نعمتوں اور بخششوں پر نظر نہ کرے اور غافل بنا رہے حالانکہ ان تمام چیزوں میں خدا کی قدرت و حکمت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

وفی کل شی لہ آیۃ ٭ تدل علی انہ واحد

یہ تمام کمالات قدرت زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اے انسان اپنی آنکھوں سے غفلت کا پردہ چاک کر دے اور دل کی آنکھوں سے دیکھ کہ میں نے کیسی کیسی گوناگوں نعمتیں اور مفید چیزیں بنائی ہیں۔ کیا ان کا بنانے والا کوئی دوسرا ہے۔ جس کو میرے ساتھ تو شریک ٹھہراتا ہے؟۔ بلکہ یہ صرف اسی واحد قادر و حکیم مطلق کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے فائدے کے لئے بنائی ہیں۔

www.ahnafmedia.com

پانی کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
وجعلنا من الماء کل شئ حی
افلا یومنون
فانبتنا بہ حدائق ذات بہجۃ
ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا
أاٰلہ مع اللہ بل ھم قوم یعدلون

اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے۔ پھر کیا یقین نہیں رکھتے۔
پھر اس پانی کے ذریعہ پُر رونق باغ اگائے ورنہ تم سے ممکن نہ تھا کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اگا سکو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو دوسروں کو خدا کی برابر ٹھہراتے ہیں۔

خدا نے پانی جیسی ضروری چیز کو اتنی افراط سے پیدا فرما کر بندوں پر کتنا بڑا احسان فرمایا ہے۔ انسان۔ حیوان نباتات سب کی زندگی کے لئے پانی کا ہونا لازمی ہے۔ شدت پیاس میں اگر پانی میسر نہ آئے تو ایک گھونٹ پانی کے لئے — انسان ——— بڑی سے بڑی دولت دینے کے لئے آمادہ ہوگا۔ اس وقت انسان کو پانی کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔ خدا کی اتنی مفید نعمت سے ہم غفلت میں ہیں اور اس کی اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔

پھر خدا کی بڑی حکمت یہ کہ اس نے اتنی ضروری چیز کو کیسی فراوانی اور افراط سے پیدا فرمایا کہ ہر انسان و حیوان ادنیٰ سی طلب کے بعد پانی حاصل

www.ahnafmedia.com

کرسکے۔ اگر پانی دوسری اشیاء کی طرح ایک محدود مقدار میں ہوتا تو زندگی میں بڑی دشواریاں پیدا ہو جاتیں۔ بلکہ نظام عالم ہی منتشر ہو جاتا۔

پانی کی لطافت اور رقت پر نظر کیجئے کہ جوں ہی آسمان سے برس کر زمین پر آتا ہے۔ درختوں کی جڑوں میں پہونچکر ان کی غذا بن جاتا ہے اور سورج کی حرارت سے بخارات کی شکل میں اوپر کی طرف چلا جاتا ہے اور اپنی لطافت ہی کی وجہ سے غذا کو معدے میں بآسانی لے جاکر ہضم میں مدد دیتا ہے پیاس کے وقت اس کے پینے میں کیسی لذت محسوس ہوتی ہے۔ اور اس کو پی کر ہم تمام تکان اور بے چینی کو بھول جاتے ہیں۔ اور جسم میں ایک راحت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ غسل کرنے میں ہم اس کو استعمال کرتے ہیں بدن کا تمام میل اس سے غسل کرکے دور کرتے ہیں۔ اپنے میلے اور گندے کپڑے اسی سے دھوکر صاف کرتے ہیں۔ پانی مٹی میں آسانی سے مل جاتا ہے جو ہمارے مکان بنانے میں کام آتی ہے اور ہر سوکھی اور خشک چیز کو ہم پانی کے ذریعہ نرم اور تر کرتے ہیں۔ طرح طرح کے مشروبات پانی ملاکر ہی تیار ہوتے ہیں۔ بڑی سے بڑی آگ لگنے پر ہم پانی کی مدد سے اس پر قابو پالیتے ہیں۔ اور پانی چھڑکتے ہی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد پڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان انتہائی غصہ کی حالت میں ہوتا ہے تو پانی کے دو گھونٹ پی کر اس کا غصہ فرو ہو جاتا ہے۔ اور آتش غضب سرد ہو جاتی ہے۔ اور نزع کے عالم میں جب سکرات کی تکلیف ہوتی ہے تو پانی پی کر اس میں کمی ہوتی ہے۔ ایک مزدور دن بھر کی سخت مشقت کرکے جب پانی سے غسل کرتا ہے اور ایک گلاس پیتا ہے تو وہ تمام دن کی مشقت کو بھول جاتا ہے۔ ہمارے تمام کھانوں میں اس کا استعمال ضروری ہے۔ اسی سے ہمارے کھانے تیار ہوتے ہیں کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جو مرطوب ہیں۔ مگر پانی کے تیار نہیں ہوسکتیں۔ پس خدا کی اس بیش بہا نعمت کو دیکھ کہ اس نے

www.ahnafmedia.com

کس افراط سے اس کو پیدا کیا ہے کہ آسانی سے ہم اس کو حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اگر اتنی افراط سے اور آسانی سے یہ بہم نہ ہو سکتا تو زندگی میں بڑی تنگی ہو جاتی اور ہمارا تمام عیش و راحت مکدر ہو جاتا۔

پس خدا کا ہزار شکر ہے کہ اس نے پانی کو پیدا فرما کر ہمیں اتنے کاموں میں استعمال کرنے کی قدرت دی اور اس سے بے شمار فائدے پہونچا کر ہماری زندگی میں بڑی سہولت عطا فرمائی۔ خدا کے ان انعامات کو ہم شمار کرنا چاہیں تو شمار نہیں کر سکتے

وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا | اللہ کی نعمتوں کو تم شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے۔

www.ahnafmedia.com

ہوا کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

وارسلنا الریاح لواقح فانزلنا من السماء ماء فاسقینا کموہ و ما انتم لہ بخازنین

اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں پھر ہم یہی پانی آسمان سے برساتے ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں تم اتنا پانی جمع نہ کر سکتے تھے۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے کمال حکمت سے ہوا کو اس طرح خلق کیا ہے کہ اس کے اندر ریاح داخل ہیں۔ اگر یہ ہوا موجود نہ ہوتی تو خشکی کے سارے جانور ہلاک ہو جاتے۔ ہوا کے چلنے اور حیوانات کے جسموں کو لگنے سے بدن کی حرارت معتدل حالت میں ہوتی رہتی ہے کیونکہ ہوا بڑی جانوروں کے لئے بالکل اس طرح ہے جس طرح پانی کے جانوروں کے لئے پانی کا وجود کہ وہ بدون پانی کے تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

اگر ہوا کا بدن کو لگنا اور بدن کے اندرون میں سمانا نہ ہو یا تھوڑی دیر کے لئے ہوا بند ہو جائے تو بدن کی تمام حرارت قلب کے اندر رجوع ہو جائے اور فرط حرارت سے موت واقع ہو جائے گی جیسا کہ ہم اس وقت دم کے گھٹنے اور سانس کے رکنے سے محسوس کرتے ہیں۔ جب گرمی شدید ہو اور ہوا بند ہو جائے

پھر خدا کی اس حکمت کو دیکھو کہ اس نے ہوا کو بادلوں کے ایک جگہ سے

www.ahnafmedia.com

دوسری جگہ لے جانے پر کیسا مامور کیا ہے۔ ہوا بادلوں کو ایسی زمین پر لے جاکر بارش برساتی ہے جہاں کی زمین سوکھی اور پانی کے لئے پیاسی ہو اس طرح سے ہمارے کھیتوں کو پانی قدرت الٰہی سے ملتا ہے اور اگر اس طرح سے خدائے تعالےٰ ہواؤں کو بادلوں کے چلانے پر مامور نہ کرتا تو بادل پانی کے بوجھ سے بوجھل ہو کر ایک ہی مقام پر رکے رہتے اور پھر ہماری کھیتیاں اور باغات سوکھے رہ کر ضائع ہو جاتے۔

ہواؤں میں خدا نے یہ بھی حکمت پوشیدہ رکھی ہے کہ وہ جہازوں اور کشتیوں کو ادھر سے ادھر لے جاتی ہے۔ اور اس طرح سے ایک ملک کی پیداوار سے دوسرے ملک کے باشندے متمتع ہوتے ہیں اگر جہازوں اور کشتیوں سے اس طرح سے مال لانے لیجانے کا انتظام نہ ہوتا تو لوگوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکتی تھیں اس طرح سے ایک چیز ایک جگہ ضرورت سے زائد پیدا ہو کر بے قدر ہوتی۔ اور ضائع ہو جاتی اور دوسرے مقام کے لوگ اس چیز کے معدوم ہونے سے اس کے لئے ترستے رہتے اور ان کی ضرورتیں پوری نہ ہوتیں۔

دیکھو خدا نے ہوا کو کیا لطیف الاجزاء بنایا ہے۔ کہ جب چلتی ہے تو لطیف الاجزاء ہونے کی وجہ سے ہر ہر چیز میں باآسانی پہونچ جاتی ہے اور پھر ہر جگہ کی بدبو (عفونت) کو پاک وصاف کر دیتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو چیزوں اور زمین میں بدبو کے بڑھ جانے سے طرح طرح کی بیماریاں پھوٹ جاتیں اور انسان و حیوانات کی ہلاکت کا سبب ہوتیں۔

جب ہوا چلتی ہے تو اپنے ساتھ غبار اور خاک کو لے جاتی ہے باغوں میں جب وہ غبار ہوا کی حرکت سے درختوں کے پتوں میں ہو کر گزرتا ہے تو اس سے درخت صاف ہوتے ہیں۔ اور ان کو قوت حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح سے ہوا پہاڑوں پر مٹی کی تہ جما دیتی ہے۔ جس سے پہاڑوں

میں زراعت کے نشو ونما کی قوت آجاتی ہے اور اسی طرح سے سمندر کے ساحل پر ہوا کی حرکت سے پانی میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور سمندر عنبر جیسی قیمتی اور مفید اشیاء کو پیدا کرتا ہے۔

ہوا کے چلنے سے بارش کے قطرے ہلکے ہو کر ہوا میں منتشر ہو کر زمین پر گرتے ہیں۔ اور اگر ہوا ان کو متفرق و منتشر نہ کرتی تو بارش کا پانی بادلوں میں بلندی سے یک بارگی مجتمع ہو کر زمین پر گرتا جس سے جانی اور مالی نقصان ہوتا۔ لیکن خدا نے بڑی حکمت سے ہوا کے ذریعہ اس پانی کے زمین پر گرنے کو ایسا آسان کر دیا کہ کسی کو اس سے نقصان نہیں اور وہ منتشر قطرات زمین کی وسیع سطح پر تدریجی طور پر جمع ہو کر نالوں اور نہروں کی شکل میں ہو کر نشیبی علاقوں میں بہہ کر جا گرتے ہیں اور پھر خدا کی اس نعمت کی وسعت اور ہمہ گیری پر نظر کرو کہ دوست و دشمن سب ہی کو اس سے فائدہ پہونچتا ہے۔ جتنی یہ زندگی کے لئے ضروری ہے اتنا ہی خدا نے اس کو وافر پیدا کیا ہے۔ اس کے بے انتہا فوائد اور چند در چند منافع پر نظر کرو خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔

خدا نے فرمایا ہے۔

هو الذی انزل من السماء ماء لکم منه شراب ومنه شجر فیه تسیمون ینبت لکم به الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات ان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون ۝	وہ ایسا ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور اس سے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں تم اپنے مویشی چرنے کے چھوڑ دیتے ہو اور اس پانی سے تمہارے لئے کھیتی زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگاتا ہے)۔

www.ahnafmedia.com

بیشک اس میں سوچنے والوں کے
لئے توحید کی دلیل موجود ہے۔

پھر خدا کی قدرت کو دیکھو کہ بارش کے ایام میں کچھ ایسے دن بھی ہوتے ہیں کہ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہیں ہوتا ہوا بھی ساکن ہوتی ہے اس میں لوگوں کے بڑے فوائد ہیں اگر بارش ہی بارش مسلسل ہو تو بھی انسان اور حیوانات اکتا جائیں۔ اسی طرح اگر ہوا برابر ساکن رہے تو بھی بڑی تکلیف کا باعث ہو۔ اور پھر لوگوں کے کاموں میں بڑا حرج واقع ہو۔ تم آئے دن دیکھتے ہو کہ جب بارش کا سلسلہ زیادہ رہتا ہے تو تمام کھیتی باڑی سڑ جاتی ہے۔ مکانات منہدم ہونے لگتے ہیں راستے پانی کی کثرت سے بند ہو جاتے ہیں۔ آمد و رفت کے وسائل منقطع ہونے سے تمام کاروبار میں تعطل پیدا ہو جاتا ہے۔ ملازم پیشہ ور کاریگر سب کے کاموں میں رکاوٹ ہو جاتی ہے۔

اور اگر حبس کا سلسلہ رہے یعنی بارش نہ ہو، ہوا رک جائے تو بدن خشک ہو جائیں۔ کھیتی کیاری سب سوکھ جائیں۔ چشموں، دریاؤں اور حوضوں کا پانی سڑ جائے اور اس کی عفونت سے ہوا میں بھی عفونت اور پیوست غالب آجائے۔ جس سے بہت سی بیماریوں کے پھوٹ پڑنے کا امکان ہے اشیاء کے کم پیدا ہونے یا قطعاً پیدا نہ ہونے سے سخت گرانی ہو جائے۔ جانور چارہ نہ ملنے سے کمزور اور لاغر ہو جائیں۔ چراگاہیں بیکار ہو جائیں شہد کی مکھیاں پیوست کے غلبہ کی وجہ سے شہد کے ذخیروں کو جمع نہ کر سکیں غرضکہ کسی بھی ایک حالت کے رہنے سے نظام عالم فاسد ہو جائے گا اس لئے اس حکیم مطلق نے دونوں حالتوں کو یکے بعد دیگرے مقرر کیا کہ ایک دوسرے کے نقصانات اور مضرتوں کو رفع کر دے۔ ہوا میں اعتدال پیدا ہو کر اس میں مفید اثرات ظاہر ہوں۔ اور اس طرح تمام اشیاء میں صلاحیت

اور نافادیت پیدا ہو کر دوسروں کے لئے مفید ہوں۔ پس یہ خدا کی بڑی مشیت اور خاص حکمت ہے۔ کہ اسطرح پر نظام قایم ہے۔

اگر کوئی شخص دیدۂ بصیرت سے محروم ہو اور یہ اعتراض کرے کہ بعض وقت اس طرح بھی نقصان اور ضرر پہونچتا ہے اس لئے ہم یہ جواب دیں گے کہ اس سے انسان کا امتحان اور اس کی آزمائش مقصود ہوتی ہے اور انسان کو آگاہ کرنا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی اس قدرت و حکمت کو سمجھے کہ اس نے متضاد اشیاء سے کیوں کر منتج ہونے کے مواقع دیئے ہیں جو اسی کے فضل و کرم پر موقوف ہیں اس سے بہت سے ظالموں کو ان کے ظلم و تعدی سے باز رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ انسان جب بیمار پڑتا ہے تو بیماری کو دور کرنے کی خاطر کیسی کیسی تلخ اور کڑوی دواؤں کو استعمال کرتا ہے اور اس کو ایک لمحہ فکر کے لئے یہ موقع ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ خدا نے کوئی چیز بے کار اور بے فائدہ نہیں بنائی۔ اور جو چیزیں ذائقہ میں کیسی کیسی بدمزہ اور بری ہیں ان میں قدرت نے اپنی حکمت سے شفاء کے لئے کیسے کیسے راز پوشیدہ کئے ہیں۔ ان کو وہی خوب جانتا ہے۔

ولکن ینزل بقدر ما یشاء انہ بعبادہ خبیر بصیر ۝

لیکن اتارتا ہے ناپ کر جتنی چاہتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے۔

آگ کی پیدائش کی حکمتیں

خدا تعالےٰ نے فرمایا۔

افرایتم النار التی تورون أأنتم انشأتم شجرتہا ام نحن المنشئون نحن جعلناہا تذکرۃ ومتاعا للمقوین فسبح باسم ربک العظیم ۰

بھلا دیکھو تو، وہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو کیا اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہم نے ہی وہ درخت بنایا۔ یاد دلانے اور برتنے کو جنگل والوں کے لئے۔ پس اپنے رب کی جو بڑا ہے، تو اس کی پاکی بیان کر۔

خدا نے آگ جیسی ضروری نفع بخش چیز کو پیدا فرما کر بندوں پر بڑا احسان فرمایا اور کیونکہ اس کی کثرت اور زیادتی بڑے فساد اور تباہی کا موجب تھی اس لئے اس نے اپنے کمال حکمت سے اس طرح سے محفوظ رکھا کہ ضرورت پڑنے پر اس کو موجود کر لیا جاتا ہے۔ اور اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور پھر وہ پوشیدہ اور معدوم ہو جاتی ہے گویا اس کو بعض دوسری چیزوں میں اس طرح سے پوشیدہ فرمایا کہ ضرورت پر اس کو حاصل کر لیا جائے۔ اس طرح سے ہم اسکی مضرتوں اور نقصانات سے محفوظ ہیں۔ آگ سے بے شمار فوائد اور منافع ہم کو حاصل ہوتے ہیں۔ اگر آگ نہ ہوتی تو ہم اپنے کھانوں کو کیوں کر تیار کرتے۔ ہماری ماکولات، مشروبات بغیر آگ کے قابل استعمال کیوں کر ہو سکتیں۔ ان کے مختلف اجزاء اور ارکان بغیر آگ پر پکائے ایک دوسرے میں

www.ahnafmedia.com

کس طرح تحلیل ہو کر ہمارے لئے مفید غذا بنتیں، یہ خدا کی خاص مہربانی اور اس کا بڑا احسان ہے کہ ہمارے کام کی چیزوں کو کس کس حکمت سے پیدا فرمایا ہے۔

اگر آگ کا وجود دنیا میں نہ ہوتا تو خدا کی بخشی ہوئی بہت سی نعمتوں سے ہم کیوں کر فائدہ اٹھاتے۔ سونا۔ چاندی۔ تانبہ۔ پیتل۔ لوہا۔ سیسہ وغیرہ ضروری معدنیات سے نفع اندوز ہونا ہمارے لئے بدون آگ کے ناممکن ہوتا آگ کی بدولت ہم معدنیات کو پگھلا کر زیورات برتنوں وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں۔ جہاں خدا کی بخشی ہوئی معدنیات بڑی نعمتیں ہیں۔ وہاں ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو استعمال کرنے کے طریقے سکھانا بھی خدا کی بڑی مہربانی اور اس کا بڑا احسان ہے۔ جن نعمتوں پر ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔

خدا تعالےٰ نے فرمایا۔

اعملوا آل داؤد شکرا	کام کرو اے داؤد کے گھر والو احسان مان کر۔

لوہے کو لیجئے۔ آگ پر گرم کر کے اور پگھلا کر کن کن ضروری چیزوں میں اس کو استعمال کرتے ہیں۔ اور دشمنوں سے اپنی حفاظت کے لئے کیسے ہتھیار اور آلات تیار کرتے ہیں۔ اگر تفصیل سے ہم ان آلات و سامان جنگ کی فہرست بتائیں تو اس کے لئے کافی صفحات درکار ہوں۔

خدا نے فرمایا۔

وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس	ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے بہت سے فائدے ہیں۔
لتحصنکم من باسکم فھل انتم شاکرون	کہ وہ لڑائی میں تمہارا بچاؤ ہو۔ سو تم کچھ شکر کرتے ہیں۔

اسی لوہے سے ہم ایسے ایسے اوزار و ہتھیار تیار کرتے ہیں جو ہماری کیتی

www.ahnafmedia.com

باڑی میں کام آتے ہیں۔ پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر تراش لیتے ہیں حتکہ پہاڑوں کو جگہ سے فنا کر دیتے ہیں۔ اور اپنے لئے راہیں ہموار کرتے ہیں۔ لکڑی چیرنے پھاڑنے کے آلات بھی لوہے سے تیار کرتے ہیں۔ اس قسم کی سیکڑوں مفید اور ضروری چیزیں ہیں جو ہم لوہے سے بناتے ہیں۔ یہ سب آگ کی بدولت ہے اگر آگ نہ ہو تو ہم اس مذکورہ بالا اشیاء سے نفع نہ اٹھا سکیں۔ اور مختلف دھاتوں سے بنے ہوئے برتن کے تناول سے بے شمار فوائد ہم کو حاصل ہیں۔ ان سے ہم قطعاً محروم ہو جائیں۔ اپنی زینت و آرائش کے کتنے سامان سے ہم بالکل محروم ہوں۔ اور یہ جواہرات وغیرہ سب ہمارے لئے بیکار ہو جائیں۔

آگ میں خدا نے روشنی کی ایسی صفت حکمت و دلیت کی ہے کہ شب کی مسلسل تاریکی سے جب گھبراتے ہیں تو آگ جلا کر روشنی کر لیتے ہیں روشنی سے ہمکو ایک سکون ملتا ہے ہم اپنی مجلسوں اور محفلوں کو آگ کے مختلف لیمپ روشن کر کے سجاتے ہیں۔ آگ کی روشنی سے ہم تاریکی میں بہت سے خطرات سے محفوظ رہتے ہیں اور رات کی اندھیری میں بھی ہم روشنی کر کے اسطرح سے متمتع ہوتے ہیں گویا آفتاب نکل رہا ہو پھر آگ میں خدا نے حرارت جیسی مفید صفت رکھی ہے کہ سردی سے حفاظت کرتے ہیں۔ برف اور سرد ہواؤں کے نقصانات سے اپنے کو محفوظ رکھتے ہیں۔ آگ روشن کر کے بڑے بڑے مہلک اور خونخوار جانوروں کا ہم مقابلہ کرتے ہیں لڑائیوں میں آگ سے بڑے بڑے کام لیتے ہیں۔ اپنے قلعوں کی حفاظت بھی اس سے کرتے ہیں خدا کی بلیغ حکمت پر نظر کرو کہ اس نے کتنے بے شمار فوائد اس میں رکھے ہیں اور ایسی مفید شئے کو ہمارے حوالہ اور اختیار میں دے دیا۔ جب چاہیں اس کو روشن کر لیں۔ اور ضرورت پوری ہونے پر اسکو غائب کر دیں۔

انسان کی تخلیقی حکمتیں

خدا نے فرمایا۔

ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین — اور بیشک ہم نے انسان کو ایک چکنائی مٹی سے بنایا۔

قدرت کو جب منظور ہوا کہ وہ انسان کو پیدا فرمائے اور زمین پر بسنے رہنے کا موقع دے۔ اور پھر اس کو امتحان و آزمائش میں ڈالے۔ تو خدا نے اس کی پیدائش اس طرح مقرر کی کہ ایک دوسرے سے نسلاً بعد نسل پیدا ہوں اور انسان کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت۔ پھر ان میں باہم الفت و محبت کا رشتہ پیدا کیا۔ ایک دوسرے کی محبت کے دواعی قلوب میں اس طرح مستور رکھے کہ ایک کو دوسرے کے بغیر صبر و قرار نہ ہو۔ ان میں خواہشات کو پیدا کیا کہ یکجا ان کا رہنا اور بسنا ممکن ہو اور بدن کے ایک مخصوص عضو کو اس طرح خلق کیا کہ وہ جنس لطیف کے رحم میں داخل ہو کر منی کے جوہر لطیف کو ودیعت کر دے۔ جہاں انسان کی تخلیق تدریجی طور پر ہو یہ جوہر لطیف انسان کے تمام جسم سے حاصل ہو کر ایک خاص حرکت کے ساتھ عضو مخصوص کے ذریعہ ایک جسم کے باطن سے دوسرے جسم کے باطن میں پہونچکر ایک خاص امتزاجی کیفیت کے بعد انسانی شکل اختیار کرتا ہے اور اس شکل کے اختیار کرنے میں کئی دور اور درجے طے کرنا ہوتے ہیں۔ یعنی نطفہ سے خون بستہ اور خون بستہ سے گوشت کا ٹکڑا پھر ہڈیوں کا جسم پھر ان پر گوشت پوست پھر ان حصص جسم کو اعصاب اوتار عروق کے حکمت آمیز جال کے

ذریعہ سے بندش کرنا اور ایک کو دوسرے کے ساتھ مربوط کرنا۔ پھر اعضاء کی شکل عطا کرنا پھر کان، آنکھیں، ناک، منہ، دیگر زندگی کی ضروری چیزوں کو ان میں بنانا پھر ان میں قوتیں عطا کرنا۔ آنکھوں میں دیکھنے کی قوت عطا کرنا بھی ایک ایسی حیرت انگیز اور شاہکار فطرت ہے کہ کما حقہ اس کی شرح کرنے سے ہم عاجز ہیں آنکھ کو سات طبقات سے مرکب کیا۔ ہر طبقہ میں خاص صفت ودیعت کی اس کی شکل مخصوص بنائی۔ ان طبقات میں سے ایک طبقہ بھی اگر بیکار یا ضائع ہو جائے تو آنکھ سے نظر نہیں آسکتا۔ آنکھ کے اطراف میں پلکوں پر نظر کیجئے جو آنکھ جیسی نازک چیز کو اپنی حفاظت میں لئے ہوئے ہیں۔ ان پلکوں میں خدا نے کیسی سریع حرکت کی قدرت رکھی ہے۔ کہ ادنیٰ سی چیز کو آنکھ کی طرف آتا دیکھکر فوراً وہ حرکت میں آجاتے ہیں اور آنے والے خطرہ سے آنکھوں کو آگاہ کر کے اس کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ اور ہوا میں اڑنے والے گرد و غبار سے آنکھوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ گویا یہ پلک آنکھ کے لئے بمنزلہ دو دروازہ کے ہیں۔ جو ضرورت پر کھل جاتے ہیں اور ضرورت نہ ہو تو بند ہو کر آنکھ کی حفاظت کرتے ہیں۔

پھر پلکوں کی تخلیق سے اس آنکھوں کی حفاظت کے علاوہ آنکھوں اور چہرے کا حسن و زینت بھی قدرت کو منظور ہے اس لئے ان کے بالوں کو ایک انداز سے بڑا رکھا کہ زیادہ بڑے ہونے سے آنکھوں کو اذیت ہوتی اور اگر زیادہ چھوٹے ہوتے تو بھی آنکھوں کے لئے نقصان دہ ہوتے۔ آنسوؤں کو قدرت نے نمکین بنایا کہ آنکھوں کا میل کچیل صاف ہو جائے۔ پلکوں کے دونوں اطراف کو اس سے مائل اور جھکا ہوا بنایا کہ آنسوؤں کے ذریعہ آنکھوں کا میل گوشہائے چشم سے ہٹکر باہر جاسکے آنکھوں پر دونوں بھوں حفاظت اور چہرے کی زینت کے لئے بنائی ہیں۔ انسان کے موزوں بال جمالہ کی طرح ہوتے ہیں جو چہرے پر خوبصورت معلوم ہوتی ہیں سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو اس طرح بنایا

کہ جو ایک خاص رفتار سے بڑھتے ہیں۔ تاکہ ہم کی بیشی کر کے ہر شخص جس وضع قطع کو پسند کرتا ہے۔ ان کو بنا سکے۔ منہ اور زبان میں خدا نے کیسی کیسی حکمتیں اور قوتیں ودیعت کی ہیں منہ کے بند کرنے کے لئے بطور دروازہ دو ہونٹ بنائے کہ ضرورت پر کھولے جا سکیں اور بے ضرورت بند ہو کر منہ میں مضر چیزیں گھس کر نقصان نہ پہونچا سکیں۔ اس کے علاوہ دانتوں اور مسوڑھوں کی حفاظت اور زینت بھی ان ہونٹوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہونٹ نہ ہوتے تو منہ بدنما بھی معلوم ہوتا اور غیر محفوظ بھی۔ ان ہونٹوں سے بات کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ان کی مختلف حرکات سے بعض حروف پیدا ہوتے ہیں اور انسان اپنے مافی الضمیر کو ان کی مدد سے ظاہر کرتا ہے ان ہونٹوں کی مدد سے کھانا کھانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ لقمہ کو منہ کے اندر ادھر ادھر پلٹنے کا کام انہیں ہونٹوں سے لیا جاتا ہے تاکہ کھانا ڈاڑھوں کے نیچے رہ کر اچھی طرح چبایا جا سکے۔ گویا اس طرح یہ ہضم میں بڑی مدد پہونچاتے ہیں۔

دانتوں کی بناوٹ (ساخت) کو دیکھو کہ قدرت نے ان کو بتیس ۳۲ ٹکڑوں میں بنایا ہے۔ سب کو ایک سالم ہڈی کے ٹکڑے کی شکل میں نہیں بنایا ورنہ منہ کے اندر اس سے بڑی اذیت ہوتی۔ موجودہ شکل میں اگر دانت میں خرابی پیدا ہو تو باقی دانت سے کام لیا جا سکتا ہے۔ ایک سالم ہڈی کا ٹکڑا ہونے کی صورت میں یہ ممکن نہ تھا۔ دانتوں سے حسن و زینت کے علاوہ ہم کتنا کام لیتے ہیں۔ اگر دانت نہ ہوتے تو کھانا کھانا دشوار ہوتا۔ اور سخت قسم کی چیزوں کا کھانا ناممکن ہوتا پھر ان کی ساخت پر غور کرو کہ کس طرح سے ان میں دندانے بنائے اور جڑوں کو کس مضبوطی سے مستحکم کیا ہے۔ کہ سخت سے سخت ہڈی کو ہم دانتوں کی مدد سے پیس ڈالتے ہیں۔ اور اسی مصلحت سے اس کے چرم کو بہت سخت رکھا کہ نرم ہونے کی صورت میں ان سے کام لینا ممکن نہ تھا یہ سب اس مصلحت سے کہ کھانا جسم کے اندر . . . . .

ایسی حالت میں جائے کہ جلد ہضم ہو کر بدن کا جزو بن جائے اور بدل ما یتحلل ہو کر انسان کو قوت بخشے۔ حکما کا قول ہے کہ کھانے کے ہضم کے مختلف درجات ہیں اور پہلا درجہ منہ ہے جسکو ہضم اول کہتے ہیں۔

دانتوں کے اطراف میں دونوں طرف ڈاڑھیں بنائیں تاکہ سخت چیز کے کاٹنے میں ان سے مدد لی جائے۔ جڑوں کو مضبوط کیا دانت سفید رنگ کے برابر برابر ایک قطار میں آب دار موتیوں کی طرح جڑے ہوئے منہ میں کیسے خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔

قدرت نے منہ کے اندر رطوبت کو اس طرح پوشیدہ کیا ہے کہ کھانا جانے کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ کھانے میں ملکر ہضم میں مدد دیتی ہے۔ اگر کھانے کے علاوہ منہ میں بھری رہتی تو بات کرنے میں بڑی دشواری ہوتی اور منہ کا کھولنا مشکل ہوتا۔ اور منہ کھولتے وقت رطوبت کا باہر آجانا یقینی تھا اس لئے کھانے کے وقت ظاہر ہونا تاکہ وہ کھانے کے ہضم میں مدد دے اور بعد میں اس کا غائب ہونا یہ عین حکمت اور مصلحت ہے بعد میں بس اتنی رطوبت کا رہنا ضروری ہے جس سے حلق تر رہے اور سوکھنے نہ پائے ورنہ پھر کلام کرنا دشوار ہو جائے۔ خشکی یبوست کے غلبہ سے پھر سانس اور دم گھٹنے لگے اور انسان ہلاک ہو جائے۔ اس حکیم مطلق کی لطف و کرم کو دیکھو کہ اس نے انسان کو کھانا کھانے کے لئے لذت اور قوت ذائقہ زبان میں رکھی کہ وہ اپنے موافق و مناسب چیزوں کو استعمال کرے اور خراب و بدمزہ نامناسب اشیاء کو ترک کر دے۔ اس لذت کی وجہ سے کھانا کھانے میں خاص مدد ملتی ہے اور جو کھانا مزے لے کر کھایا جائے وہ ہضم خوب ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کو طبیعت قبول کرتی ہے۔ ورنہ بدمزہ کھانا جس کے کھانے سے کراہت ہو طبیعت اس سے متنفر ہو کر قے کی شکل میں رد کر دیتی ہے اشیاء کے سرد و گرم مناسب و نامناسب ہونے کو انسان زبان کے ذائقہ سے محسوس

کرتا ہے۔

الم نجعل له عینین ولساناً وشفتین — کیا ہم نے نہیں دیں اس کو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔

انسان کو قدرت نے دو کان عطا کئے، کانوں میں خاص طرح کی رطوبت پیدا کی کہ وہ قوت سماعت کی حفاظت کرے۔ اور موذی اور مضر رساں کیڑوں مکوڑوں سے کان کی حفاظت کرے۔ اور ان کو ہلاک کر ڈالے کان پر سیپی کی شکل کا دونوں طرف ایک ایک پنکھا سا بنایا کہ آوازوں کو مجتمع کر کے کان کے سوراخ میں پہونچا دے۔ ان پنکھوں میں خدا نے ایسی تیز حس پیدا کی جو موذی جانور یا دوسری نقصان دہ چیزوں کے قریب آنے کو فوراً محسوس کرے۔ ان کانوں کو ٹیڑھا پیچدار بنایا کہ آواز اچھی طرح سے بلند ہو کر اندر پہونچے اور موذی چیز یک بارگی اندر نہ پہونچ سکے۔ بلکہ ان پیچدار طویل راستوں میں چلنے سے اندر پہونچنے میں تاخیر ہو اور اس کو دفع کیا جا سکے۔ اور سونے والا اسکی حرکت سے بیدار ہو جائے۔ پھر ہوا کے اندر جانے سے مسموعات (سُن کر جن چیزوں کو معلوم کیا جاتا ہے) کے ادراک کرنے کی قوت بھی خدا نے اس میں رکھی ہے۔ ان بھیدوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

ناک کو دیکھئے کہ وسط چہرے پر کس خوبی سے اسکو بلند کیا ہے جس سے چہرے پر بڑی خوبصورتی اور خوشنمائی ہو گئی ہے۔ اس میں دو نتھنے بنائے ہیں ان میں قوت حاسہ شامہ کو محفوظ کیا ہے۔ تاکہ مطعومات و مشروبات کی بوؤں کو محسوس کر سکے اور خوشبو سے راحت حاصل کر سکے اور بدبو سے اجتناب کر سکے۔

اسی ناک کے ذریعہ روح حیات (تازہ ہوا) کو سونگھ سکے جو قلب کی غذا ہے۔ اور باطنی حرارت کو اس کی وجہ سے تازہ کیا جا سکے، اور اس کو مناسب تازہ ہوا مل سکے۔

یہ نرخرہ انسان کے کتنے کام آتا ہے۔ آواز کا باہر آنا اور زبان سے حروف کی ادائیگی میں زبان کا مختلف حرکتیں کرنا۔ سانس کا آنا جانا ان تمام کاموں میں نرخرہ استعمال ہوتا ہے۔ اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں بعض بہت تنگ اور بعض کشادہ، بعض نرم اور بعض سخت بعض لانبے بعض چھوٹے اور ان اختلافات ہی کے باعث آوازوں میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں اسی لئے دو آواز بھی آپس میں بالکل نہیں ملتیں جس طرح کہ دو صورتیں بالکل مشابہ نہیں ہوتیں۔ آواز کو سنکر بولنے والے کو اچھی طرح سے پہنچان لیا جاتا ہے جسطرح شکل و صورت سے انسان کو شناخت کیا جاتا ہے یہ بھی خدا نے بڑی حکمت رکھی ہے اور یہ اختلافات روز اول ہی سے قدرت نے رکھے ہیں چنانچہ حضرت آدم اور حوا کو بنایا تو ان کی صورتوں میں بھی فرق رکھا اسی طرح ان کی اولاد میں یہ فرق نمایاں ہیں۔ یہ اختلاف و فرق بڑی حکمتوں پر مبنی ہے اور اسکی وجہ سے بہت سی دشواریوں سے نجات پاتے ہیں۔

قدرت نے انسان کو دو ہاتھ دیئے ہیں۔ ان سے بے شمار فائدے ہیں۔ ہاتھوں میں قدرت نے جلب منفعت اور دفع مضرت کی صلاحیت رکھی۔ ہاتھوں کو اسطرح بنایا کہ اس میں چوڑی ہتھیلی اور پانچ انگلیاں اور انگلیوں میں پورے بنائے چار انگلیاں ایک سمت میں برابر اور پانچواں انگوٹھا دوسری طرف کو جو چاروں طرف انگلیوں کے حرکت کر سکے۔ یہ خدا کی قدرت کا کمال ہے ساری دنیا کے لوگ جمع ہوکر سوچیں اور چاہیں کہ ہاتھ کو موجودہ شکل کے علاوہ کسی دوسری ہیئت پر بنایا جائے۔ تو یہ ناممکن ہوگا۔ اسی وضع اور ساخت کے ذریعہ انسان ہاتھوں سے پکڑنے اور لینے دینے کے تمام کام انجام دیتا ہے ہاتھ کو پھیلا کر ایک طباق بنالیتا ہے چاہے تو اس کو مجتمع کرکے دفع شر کے لئے اس کو ایک آلہ کے طور

پیرا استعمال کرے۔ چاہے اس کو چلو کی شکل بنا کر پانی پینے کے لئے پیالہ کا کام لے چاہے تو چمچہ کا کام لے اور چاہے تو جھاڑو کا کام لے۔

ان انگلیوں کے پوروں پر ناخن بنائے جن سے انگلیوں کی زینت بھی ہے اور حفاظت بھی اور چیزوں کے اٹھانے میں مدد بھی اگر ناخن نہ ہوں تو ہم بہت سی باریک اور چھوٹی چیزوں کو اٹھا نہیں سکتے کھجلی آنے پر ان سے کھجانے کا کام لیا جاتا ہے۔

اب اس پر غور کرو کہ ناخن کتنی چھوٹی اور حقیر سی چیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے اغراض و فوائد پر نظر کرنے سے اسکی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔

اگر ناخن نہ ہوتے تو جسم میں خارش ہوتی تو انسان اس کو دور کرنے کے لئے کیا کرتا۔ اس وقت اسکو اپنی بے چارگی کا حال معلوم ہوتا۔ اور ناخنوں کی ضرورت کو سمجھتا۔ پھر قدرت نے ناخنوں کو نہ تو ہڈی کی طرح سخت بنایا اور نہ گوشت کی طرح نرم، وہ بڑھتے بھی ہیں۔ ٹوٹ جانے پر دوبارہ بھی نکل آتے ہیں زیادہ بڑھنے پر تراشتے دیئے جاتے ہیں۔ سوتے اور جاگتے کھجلی آنے پر کھجانے کی طرف از خود حرکت کرتے ہیں۔ یہ قدرت نے ان میں صلاحیت رکھی ہے۔

قدرت نے انسان کو ران اور پنڈلیاں دی ہیں ان کو کس طرح سے پھیلایا ہے۔ ان میں دو پاؤں بنائے کہ کھڑا ہو سکے۔ چل پھر سکے۔ اور ضرورت پر دوڑنے کا کام بھی لے پاؤں میں بھی اس نے ناخن بنائے جس سے پاؤں کی زینت اور حفاظت یہ سب کچھ قدرت نے اس کے ناپاک قطرہ سے بنایا ہے جسم کی تمام ہڈیاں بھی قدرت نے اسی قطرہ سے تیار کیں جو جسم انسانی کے لئے بطور ستون ہیں جسکے سہارے وہ قائم ہے۔ ہڈیوں کی شکل و صورت دیکھو، کہیں مختلف ٹیڑھی، سیدھی، مستطیل، مدوّر، کھوس اور خول اور چوڑی، ہلکی۔ اور بھاری اور بڑی مختلف شکلیں ان میں پائی جاتی ہیں ان کے

www.ahnafmedia.com

جوڑوں کے اندر قدرت نے ایک رقیق چکنیدار مادہ رکھا ہے جس سے اس کی حفاظت ہوتی ہے۔ اس سے قوت بھی پہونچتی ہے اور اس سے بے شمار فائدے ہیں۔

انسان اپنی گوناگوں ضرورتوں کی وجہ سے اپنے تمام جسم کا محتاج ہے اور اس سے مختلف طرح سے اپنے جسم کو حرکت دینا ہوتی ہے۔ قدرت نے اس کی ضروریات کے لحاظ سے ہڈیوں کو علیحدہ علیحدہ بہت سے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ ضرورت پر اس کے مطابق باآسانی جسم کو موڑا جا سکے اگر تمام جسم میں بجائے سیکڑوں ہڈیوں کے ٹکڑوں کے ایک سالم ہڈی ہوتی تو پھر اس کو اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے جھکنے اور مڑنے میں بڑی مشکل ہوتی۔ ان ہڈیوں کو باہم ملانے کے لئے اور ان کے جوڑوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کرنے کے لئے اعصاب و اوتاد کا رشتہ قائم کیا ایک ہڈی کو دوسری ہڈی سے ملانے کے لئے ان کے کناروں کو اس طرح بنایا ہے کہ ایک اگر کعب ہے (نوکدار) تو دوسری ہڈی کا کنارہ مجوف (خول) تاکہ دونوں باہم اچھی طرح متصل ہو سکیں۔ غرضکہ یہ تمام اتصال اور جسم کی ترکیب اس حکمت سے قدرت نے بنائی ہے کہ انسان ارادہ کرنے پر ادنیٰ سی حرکت سے اپنے جسم سے حسب منشاء کام لے سکے۔

انسان کے سر کو دیکھو یہ ۵۵ ہڈیوں سے مرکب ہے اور تمام ہڈیاں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سب کی شکلیں جدا جدا ہیں پھر قدرت نے ان تمام مختلف اشکال کی ہڈیوں کو اس کی حکمت سے مرکب کیا ہے کہ مکمل کروی شکل بن گئی ہے۔

چھ ہڈیاں کھوپڑی کے حصہ میں ہیں۔ ۱۲ اوپر کے جبڑے میں اور ۲ نیچے کے جبڑے میں باقی دانت ہیں جنہیں قدرت نے چوڑا بنایا ہے تاکہ پیسنے کا کام دیں بعض تیز کہ کاٹنے اور توڑنے میں کام آئیں گردن کو قدرت نے سر کے

نے مرکز بنایا ہے۔ اور اس میں سات گول خول (کھوکھلے) بھرے ہیں جو ایک دوسرے پر قائم ہیں۔ ان میں جو یکمشت خدا نے رکھی ہیں اگر ان کو بیان کیا جائے تو مضمون بہت طویل ہو جائے۔

گردن کے زیریں حصہ کو پشت پر قائم کیا ہے اور اسطرح کہ چوبیس مہرے سلسلہ بہ سلسلہ سُرین کی ہڈی تک پہونچتے ہیں سُرین میں تین اور ہڈیاں ہیں اور پشت کی ہڈیوں کو نیچے کی طرف سے دم والی ہڈی سے جوڑا گیا ہے جس کو عصعص کہتے ہیں۔ جو خود بھی تین مختلف ہڈیوں سے مرکب ہے۔

پشت کی ہڈی کو سینے، شانے۔ ہاتھ، پیڑو۔ سُرین، ران، پنڈلیوں وغیرہ سے بڑی حکمت سے وابستہ کیا ہے۔ بدن انسانی میں ۲۴۸ ہڈیاں ہیں۔ اس میں وہ چھوٹی چھوٹی ہڈیاں متثنیٰ ہیں جو مفاصل کے خلا کو بھرنے کے لئے ہوتی ہیں۔

خدا کی قدرت اور اس کی کاریگری پر غور کرو کہ اس نے منی کے ناپاک قطرہ سے یہ سب کچھ بنایا۔ اس سے خدا کی عظمت اور کمال قدرت کا پتہ چلتا ہے اور جس ترکیب و نظام سے اس نے انسان کی تخلیق کی ہے اس کے خلاف کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں۔ ورنہ انسان کے لئے بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اہل بصیرت کے لئے اسمیں بڑی عبرت و نصیحت ہے۔

اب ذرا جسم کے اندرونی نظام پر غور کرو۔ ہڈیوں کو حسب ضرورت حرکت میں لانے کے لئے قدرت نے عضلات پیدا کئے ہیں یہ تعداد میں ۵۲۹ ہیں اس کی ترکیب گوشت پٹھے رباطات اور جھلی سے ہے یہ مختلف شکل و صورت کے ہیں اور چھوٹے بڑے چوڑے پتلے حسب موقع اور حسب ضرورت بنائے گئے ہیں۔ ۲۴ عضلات جو آنکھوں اور پلکوں کی مختلف حرکات کا کام دیتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو آنکھ کا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ہر ہر عضو کے مناسب عضلات ہیں جو اس کی مناسبت سے چھوٹے اور بڑے ہیں۔

اب اعصاب پٹھے عروق رگیں اور وہ شرائین نیز لعان کے پیدا ہونے کے مقامات اور ان کی تشریحات اس سے کہیں زیادہ حیرت ناک ہے پھر ان میں خدا نے جو جو صفات وخصوصیات ودیعت کی ہیں جن کو ہم اپنے حواس سے نہیں معلوم کر سکتے۔

اس کی تخلیقی ہیئت اور دیگر حیوانات سے امتیازی شرافت واعزاز پر نظر کرو۔ کہ خدا نے اس کو سیدھا بنایا۔ کہ جبلت میں بھی اس کی یہ بہتر صورت قائم ہے۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے کاموں کو کرتا ہے اس کو دوسرے جانوروں کی طرح سے اوندھا اُلٹا نہیں بنایا اگر اس کو الٹا اور اوندھا بنایا جاتا تو پھر وہ اپنے کاموں کو آسانی سے انجام نہیں دے سکتا تھا۔

مجموعی ہیئت سے انسان پر نظر کرو۔ اور اس کے ظاہری وباطنی نظام کو دیکھو تو قدرت کا کمال حکمت اور اس کی کبریائی کا حیرتناک نمونہ ہے انسان کے اعضاء کو کامل بنایا۔ کہ غذا کی ایک خاص مقدار کھانے سے اس کو قوت حاصل ہوتی ہے لیکن ان اعضاء کے لئے بھی قدرت نے ایک حد مقرر کردی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ غذا کی غیر معمولی زیادتی سے اعضاء انسانی بھی معمول سے زیادہ طویل عریض اور فربہ ہو جاتے تو پھر نقل وحرکت میں بڑی رکاوٹ ہوتی۔ اور اسطرح سے وہ جسم عضو معطل ہو جاتا اپنے کاموں کو انجام نہ دے سکتا یہ خدا کا بڑا احسان اور اس کا انعام ہے کہ اس نے انسان پر اپنی خاص رحمت سے اس کے لئے ہر چیز کو موزوں اور مناسب رکھا ورنہ مکان ولباس وغذا سب ہی چیزوں میں اس کے لئے دشواریاں پیدا ہوتیں۔ جب ہم ایک انسان میں فکر کرتے ہیں کہ ایک قطرہ سے اس نے انسان کو کس طرح

بنایا اور اس میں کیسے کیسے فطرت کے شاہکار پوشیدہ ہیں۔ تو پھر آسمان و زمین سورج چاند ستارے دیگر ہزاروں مخلوقات الٰہی ہیں قدرت نے ان سب میں کیسی کیسی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ کی ہیں۔ ان کی وضع قطع ان کی مختلف شکل و صورت، ان کا ایک دوسرے سے ممتاز ہونا مشارق و مغارب کا متفاوت ہونا یہ سب کچھ اس کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ اور یہ دیکھکر کہنا پڑتا ہے کہ آسمان و زمین کا ایک ذرہ بھی اس کی حکمت و مصلحت اور فائدہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر ذرہ میں خدا کی بیشمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جنکو ہم سمجھ بھی نہیں سکتے ؎

ہر درختے دفتریست معرفتِ کردگار

خدا نے اپنے اس قول میں ہمیں متنبہ کیا ہے

أأنتم اشد خلقا ام السماء بناها رفع سمكها فسواها	کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا اس نے اس کو بنا لیا۔ اونچا کیا اس کا ابھار پھر اسکو برابر کیا۔

اگر دنیا کے تمام انسان و جنات جمع ہو کر اپنی پوری قوت سے یہ چاہیں کہ نطفہ سے حیات یا قوت سامعہ یا باصرہ بخش دیں تو یہ ان کے لئے ناممکن ہے۔ صرف یہ اسی کی قدرت ہے کہ اس نے کس طرح سے ان کو رحم مادر میں پرورش کیا۔ اسکو شکل عطا کی اس کو خاص اور مناسب اندازہ کے ساتھ بنایا۔ اس کو مناسب اور متشابہ اجزاء عطا فرمائے اور ایک جز کو دوسرے میں کس حکمت سے منتقل فرمایا۔ جسم میں ہڈیاں بنائیں اعضا کی مناسب موزوں شکلیں بنائیں۔ عروق اعصاب کو ترتیب دیا ان کے ظاہر و باطن میں حسن تدبیر سے غذا کے لئے راستے بنائے تاکہ ان کا بقاء و قیام ممکن ہو اور جسم انسانی کے بقا تک اعضا میں قوت باقی رہے جسم کے اندر کس طرح سے۔ قلب و جگر۔ معدہ۔ تلی۔ پھیپھڑہ۔ رحم۔ شانہ۔ آنتیں۔ ان تمام چیزوں کو مخصوص

مناسب شکل میں اپنے اپنے مقام پر کس طرح سے رکھا کہ ہر ایک اپنی جگہ پر اپنا کام جاری رکھے اور بدن انسانی کے قیام و بقا کا سبب بنیں۔

معدہ کو غذا کے پکنے کے لئے مضبوط اور عمدہ قسم کے اعصاب سے بنایا کہ غذا کے پچنے کرنے کا کام اس سے لیا جاتا ہے معدہ میں غذا کے ہضم اور پکنے میں سہولت کے پیش نظر غذا کو منہ میں ڈاڈھوں کے ذریعہ باریک کر دیا کہ معدہ پر زیادہ بار نہ ہو۔ جگر کو اس کام پر مامور کیا کہ غذا کے صالح عنصر سے خون تیار کرے۔ اور ہر ہر عضو کو اس سے غذا پہونچائے۔

تلی پتہ گردوں کو جگر کی خدمت کے لئے بنایا تلی کا کام یہ ہے کہ وہ سودا (خون کے جلے ہوئے اجزاء) کو حاصل کرے، مرارہ پتہ صفراوی اجزاء کو علیحدہ کرے۔ گردے مائی اجزاء کو حاصل کریں۔ اور مثانہ میں جمع کریں۔ گویا مثانہ کا کام یہ ہے کہ وہ گردوں سے مائی اجزاء کو اپنی طرف جذب کر کے پیشاب کی راہ باہر نکالدے۔ عروق اور جگر خون کو جسم کے تمام حصوں میں پہونچانے میں مدد دیتے ہیں۔ اور خون کا جوہر (خالص خون) جو گوشت کے جوہر سے زیادہ لطیف اور صالح ہوتا ہے۔ اس جگہ میں محفوظ رہتا ہے گویا یہ ایک بچانے برتن کے ہے جن میں صالح جوہر کا خزانہ محفوظ ہے اور حسب ضرورت جسم کے حصوں میں تقسیم ہوتا رہتا ہے خدا کی بڑی حکمت ہے کہ اس نے اپنی قدرت کا ایسا نظام قائم کیا ہے جس کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے اور اس کی تمام تفصیلات و تشریحات کو سمجھنا اور بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں جسم کی تخلیق اور اس میں بچہ کی پرورش اور ضرورت پر اسکو غذا کا پہونچانا یہ سب کچھ اس کے کمال و حکمت کی دلیل ہے پھر اولاد کی محبت کو ماں کے قلب میں پیدا کرنا جو بچہ کی پرورش کا سبب ہے یہ محبت ہی ہے جو ماں بچہ پر ہزار جان سے قربان ہوتی ہے۔ تکلیف اٹھاتی ہے مگر بچہ کو آرام پہونچاتی ہے اگر قدرت قلب میں بچہ کی محبت پیدا نہ فرماتی تو ماں اتنی تکلیفیں برداشت

نہ کرتی اور شدت تکلیف سے بچہ سے نفرت پیدا ہوجاتی جب بچہ کا جسم بڑا ہوجاتا ہے اعضا قوی ہوجاتے ہیں بدن میں قوت اور طاقت آجاتی ہے تو اب اس کو قدرت دانت عطا کرتی ہے۔ اور اب اس کی غذا دودھ کے بجائے دوسری اشیاء ہوتی ہے کیونکہ اب وہ غذا بھی کھا سکتا ہے جس کے لئے وہ دانتوں سے کام لے۔ اسطرح سے بچہ میں رفتہ رفتہ عقل وشعور پیدا ہوجاتا ہے حتکہ وہ اس حد تک پہونچ جاتا ہے جب اس میں عقل وشعور کامل ہو۔

قدرت کی اس حکمت پر نظر کرو کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو محض جاہل ہوتا ہے نہ اس میں عقل ہوتی ہے نہ ہوش نہ اچھے برے کی تمیز پھر تدریجی طور پر قدرت یہ ساری قوتیں اسکو بخشتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ بچہ میں ولادت کے وقت عقل وشعور ہوتا تو دنیا میں اس وجود ظاہری کے بعد وہ ان تمام چیزوں کو دیکھکر سخت تعجب کرتا جن کو اس نے اس سے پہلے نہیں دیکھا اور پھر اپنی حالت پر نظر کرتا۔ کس کس طرح سے اسکو کپڑوں میں گودوں میں جھولے میں اٹھایا جاتا ہے۔ اور یقیناً وہ اپنے نرم ونازک جسم کے رکھنے کی وجہ سے اس کا محتاج ہے۔ پھر وہ ہزاروں باتوں پر اعتراضات کرتا اور ممکن ہے وہ اپنے وجود سے ہی انکار کر دیتا۔ کیونکہ وہ ۹ مہینے رحم مادر میں رہ کر پرورش پاتا ہے اور بچہ پر جو شفقت وپیار آتا ہے اس کی ان حرکات کی وجہ سے اس میں کمی ہوتی۔ اور لوگ اسکو زیادہ نہیں چاہتے پس حکمت کا تقاضہ یہی تھا کہ بچہ میں یہ چیزیں آہستہ آہستہ آئیں تاکہ وہ آہستہ آہستہ دنیا میں ہر چیز کو سمجھ سکے اور تدریجاً اس کو استعمال کرنا سیکھے قدرت نے ہر چیز کو کمال وحکمت سے پیدا فرمایا ہے۔ اس کو خطا وصواب میں تمیز دی اور جوں جوں بڑا ہوتا ہے اس میں ایسے دواعی پیدا فرماتا ہے جو تناسل وتوالد کا سبب ہیں۔ اس کے چہرے پر بال نکلتے ہیں تاکہ بچوں

www.ahnafmedia.com

اور عورتوں سے ممتاز ہو۔ اسکو شباب کا حسن عطا ہوتا ہے۔ جب بڑھاپا غالب ہوتا ہے تو چہرے پہ جھریاں پڑ جاتی ہیں۔

لڑکی ہونے کی صورت میں قدرت اس کے چہرے کو بالوں سے صاف رکھتی ہے۔ تاکہ اس کے چہرے کی نزاکت و حسن ظاہر ہو اور مردوں کے لئے یہ جانب نظر ہو کہ بقائے نسل کا راز اس میں مضمر ہے۔

کیا یہ سب کچھ نظام اور کمال قدرت کا شاہکار یوں ہی بے سود اور بے غرض ہے۔ اور کیا عقل اس کو باور کرتی ہے۔ کہ جس شے کو قدرت نے ان گوناگوں ترکیبوں اور حکمتوں سے تیار کیا ہو اس کو مہمل یوں ہی چھوڑا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں یقیناً کوئی اعلیٰ مقصد ہے جو اس کی تخلیق میں پوشیدہ ہے

جس وقت بچہ رحم مادر میں ہو اگر اس کو خون کی صالح غذا نہ پہونچے تو وہ خشک ہو کر ہلاک نہ ہو جائے گا۔ جسطرح کہ نباتات پانی کے نہ ملنے سے سوکھ کر ہلاک ہو جاتی ہے۔

اگر بچے کی تکمیل کے بعد اگر عورت کو درد بے چین نہ کر دے جو بچہ کے تولد کی دلیل ہے اور بچہ مکمل ہونے کے بعد اپنے وقت پہ پیدا نہ ہو تو کیا بچہ رحم میں رہ جانے سے ماں اور بچہ دونوں ہلاک نہ ہو جائیں گے۔

پیدا ہونے کے بعد اگر مناسب غذا دودھ اس کو نہ ملے تو کیا بچہ بھوک و پیاس کی شدت سے ہلاک نہ ہو جائے گا۔

اور اگر وقت پہ اس کے دانت نہ نکلیں اور وہ دوسری غذاؤں کو کھانے لگے تو غذا بغیر چبائے کھانے سے بدہضمی کی شکایت پیدا نہ ہوگی اور کیوں کر وہ اس قسم کی چیزوں کو چبائے گا۔ جب کہ منہ میں دانت نہ ہونگے اور اگر اس کے چہرے پر بال نہ ہوں تو وہ عورتوں اور بچوں ہی میں شمار کیسا جائے گا۔ ہیبت جلال اور وقار و دبدبہ جو انسان کے لئے بڑے بڑے کاموں

ہیں جزو لاینفک ہیں کیونکر پیدا ہو سکیں گے۔ یہ ساری چیزیں اور نعمتیں اس کو کس نے عطا کیں۔ اس خدا نے ہی انسان کو یہ تمام نعمتیں اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتی ہیں۔

اس امر میں فکر کرو کہ کیوں کر انسان کو شہوت جماع پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کے آلہ تناسل پر نظر کرو کہ وہ کس طرح سے رحم میں نطفہ کو پہونچانے کا سبب ہے اور پھر وہ حرکت جو نطفہ کے خارج کرنے کے مقتضی ہوتی ہے اسی طرح اور دوسری حکمتوں پر نظر کرو۔ اور انسان کے دوسرے اعضا کو دیکھو اور ہر ہر عضو کے کاموں پر نظر کرو کہ قدرت نے ہر ہر عضو کو کس کس کام اور غرض کے لئے کیا مناسب شکل و صورت میں بنایا ہے۔ آنکھوں کو دیکھنے کے لئے ہاتھوں کو چھونے اور پکڑنے کے لئے پاؤں چلنے اور دوڑنے کے لئے معدہ کو کھانا ہضم کرنے کے لئے جگر کو ہضم کردہ کھانے سے چاروں اخلاط کو چھانٹنے اور حسب ضرورت تقسیم کرنے کے لئے منہ کو بات کرنے اور غذا داخل کرنے کے لئے، جسم کے منافذ و مسامات کو فضلات خارج کرنے کے لئے غرض کہ جب تم انسان کے جسم میں ہر چیز پر اس طرح فکر کروگے تو معلوم ہوگا کہ قدرت نے اپنے پورے کمال و حکمت کا آئینہ اسکو بنایا ہے۔

غذا کے معدے میں پہونچنے پر غور کرو کہ کس حکمت سے معدہ غذا کو پکاتا ہے۔ پھر اس کے خالص اور صالح جزو کو جگر کے سپرد کر دیتا ہے باریک باریک عروق کے راستہ سے جو جگر تک جاتی ہیں ان عروق کو اتنا باریک خاص حکمت سے بنایا گیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ فاسد اور غلیظ مواد جگر تک نہ پہونچ سکے جو فساد کا باعث ہو۔

گویا یہ عروق چھلنی کے قائم مقام ہیں کہ ہضم کئے ہوئے کھانے کو چھان کر ضروری اور صالح و مناسب جزو جگر تک پہونچاتی ہیں۔ جگر اس جزو

کو خون میں تبدیل کرتا ہے خدا کی حکمت سے وہ غذا اب خون میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور یہاں سے وہ عروق و منافذ کی راہ تمام بدن میں پہونچتا ہے اور خالص جوہر حاصل کرنے کے بعد جو فاضل اور ردی مادہ بچتا ہے وہ ان اعضا کی غذا کے لئے بہم پہونچایا جاتا ہے جن کی غذا وہی مادہ ہے گویا کہ جگر ایک اعلیٰ قسم کا ظرف ہے جس میں جسم انسانی کے لئے ہر قسم کی غذا تیار رہتی ہے۔ اور ادھر ادھر منتشر ہونے سے محفوظ رہتی ہے۔ اور جب ضرورت اعضا کو پہونچائی جاتی ہے۔

کیا تم کو انسان کے تمام جسم میں ایک بھی چیز ایسی نظر پڑتی ہے جو فضول اور بے کار ہو۔ اور اس کا کوئی مقصد اور اس سے غرض نہ ہو آنکھوں کو خدا نے اشیاء کے ادراک کرنے کے لئے بنایا ہے رنگوں میں تمیز کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر رنگ ہوتے اور آنکھیں نہ ہوتیں یا آنکھیں رنگوں کو ادراک نہ کرتیں تو ان مختلف رنگوں کے ہونے سے کیا فائدہ تھا۔ جس طرح یہ روشنی جو آنکھوں کی روشنی کے علاوہ ہے آنکھوں کے لئے نہ ہوتیں تو آنکھوں سے کیونکر فائدہ اٹھایا جا سکتا۔ آنکھیں تو اسی وقت کام کرتی ہیں جب کہ روشنی موجود ہو معلوم ہوا کہ روشنی کا وجود اس لئے ہے کہ آنکھیں اس کی مدد سے دیکھنے کا کام لیں۔ رنگوں کا وجود اسلئے ہے کہ آنکھیں ان کو دیکھکر فائدہ اٹھائیں اور اشیاء میں تمیز کریں۔

کان خدا نے اس لئے بنائے کہ ان کے ذریعہ آواز سنیں۔ اگر آوازیں ہوتیں اور کان میں ان کے سننے اور ادراک کرنے کی قوت نہ ہوتی تو پھر آوازوں کے وجود سے کیا منفعت اور غرض ہوتی یہی حال باقی تمام حواس کا ہے حواس اور محسوسات میں ایک ایسا لازمی رابطہ ہے کہ جس کا وجود بغیر حواس کے بے سود اور بے فائدہ ہوتے اور روشنی اور

ہوا کا بھی یہی حال ہے اگر روشنی کا وجود نہ ہوتا جن کی بدولت اشیاء دکھائی دیتی ہیں۔ تو پھر حاسہ بصارت غیر مفید ہو جاتا اگر ہوا کا وجود نہ ہوتا جو کان میں آوازوں کو پہونچاتی ہے۔ تو پھر کانوں کے ہونے سے کیا فائدہ پہونچتا۔

بہرے اور نابینا کی مشکلات کا اندازہ کیجئے کہ اس کو ان دونوں نعمتوں کی محرومی کی وجہ سے کن کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جب وہ چلتا ہے اور قدم اٹھاتا ہے اس کو یہ نہیں معلوم کہ وہ اپنا قدم کس جگہ رکھ رہا ہے۔ آیا کسی مہلک اور خطرناک گڑھے میں اس کا پاؤں جا رہا ہے یا کسی نقصان دینے والے کیڑے یا جانور پر اپنا پیر رکھ رہا ہے۔ نہ اس کو یہ معلوم کہ سامنے کیا ہے۔ جس طرف وہ چل رہا ہے۔ آگے اگر کوئی بڑی مصیبت آرہی ہے اس سے وہ قطعی بے بہرہ ہے۔ قدرت کی بہت سی نعمتوں سے وہ محروم ہے موجودات کے گوناگوں رنگ اس کے لئے بالکل بے کار ہیں۔

کالا۔ گورا۔ سرخ پیلا سب اس کے لئے برابر ہیں۔

اور جو قوت سماعت سے محروم ہے بہرا ہے وہ تو غریب لذت کلام سے ہی ناواقف ہے آوازوں میں جو ایک لذت اور کشش ہوتی ہے اس سے وہ قطعاً محروم ہے وہ دلکش آواز اور بھدی اور بھونڈی آواز میں کیا فرق کر سکتا ہے۔ تو ذرا توجہ کرے کہ آوازیں اس کے کان میں پہونچیں وہ تو ان کے تصور تک سے محروم ہے اگر کسی مجمع میں بیٹھا ہے یا کسی شخص سے مخاطب ہے اس کے لئے دونوں برابر ہیں۔ وہ لوگوں میں موجود ہوتے ہوئے بھی غیر حاضر ہے۔ زندہ ہوتے ہوئے اس کی حالت مردوں جیسی ہے۔

تیسرا وہ شخص جو قدرت کی نعمت عقل سے محروم ہے یعنی دیوانہ اور

پاگل ہے اس کا درجہ تو جانوروں سے بد تر ہے جانور تو اچھے برے مفید اور غیر مفید میں فرق کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ غریب یہ بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ عقل سے ہی محروم ہے جس کے ذریعہ اشیاء میں باہم امتیاز کیا جاتا ہے اب تم قدرت کی بخشی ہوئی ان نعمتوں پر نظر کرو جو اعضا کی شکل میں انسان کو عطا کی گئی ہیں اور ان قوتوں پر نظر کرو جو ان کے اندر قدرت کی طرف سے سامعہ۔ شامہ۔ باصرہ۔ مدرکہ۔ ذائقہ وغیرہ عطا ہوئی ہیں جن کی بدولت انسان اپنی زندگی کی جملہ ضروریات کو فراہم کرتا ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو اس کام میں خلل آجائے اور یہ اس کے لئے بڑا حادثہ ہوگا جو شخص ان میں سے ایک چیز سے بھی محروم کر دیا جائے تو گویا قدرت نے اسکو بڑی آزمائش میں ڈال دیا۔ اور خدا کی نعمت کی قدر و قیمت اس کو اس کے کھونے پر حاصل ہوئی۔ اب وہ اس نعمت کی محرومی پر بجز صبر کے اور کیا کر سکتا ہے بجز اس کے کہ اس محرومی کی وجہ سے جو جو مشکلات سامنے آئیں اسکو صبر و سکون سے برداشت کرے تاکہ آخرت میں خدا اسکو اجر عطا فرمائے اور اس کا نعم البدل بخشے خدا کی قدرت اور اسکی حکمت دیکھو کہ ہر حال میں اس کی رحمت بندوں پر ہے نعمت کے ملنے پر شکر کی صورت میں اور نعمت سے محرومی پر صبر کی صورت میں۔

انسان کے اعضا پر نظر کرو بعض عضو فرد یعنی ایک ایک ہیں۔ اور بعض زوج یعنی دو دو پھر ان اعضا کے ان کاموں اور ذمہ داریوں پر نظر کرو جن پر یہ مامور اور متعین ہیں۔ کہ کس کس حکمت اور مصلحت سے قدرت نے یہ اعضاء خلق کئے ہیں۔ ایک سر کو لیجئے کہ اپنے وجود میں تنہا ہے لیکن کتنے حواس اور قوتوں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے۔ اگر سر پر ذرا بھی کسی اور چیز کا اضافہ ہو جائے گا۔ تو اسی پر بار ہوگا۔ اگر سر بجائے ایک کے دو ہوتے تو ایک کے بات کرنے کی صورت میں دوسرا معطل رہتا۔ اگر دونوں مل کر بات کرتے تو پھر

بھی ایک کا وجود بے کار ہوتا۔ اگر ایک سرا ایک بات کرتا اور دوسرا سرا دوسری جو پہلی سے مختلف ہوتی تو پھر مخالف کے لئے یہ سمجھنا اور فرق کرنا دشوار ہوتا کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی مراد ہے۔

مخلوق ہاتھوں کے کہ قدرت نے ۲ ہاتھ دیئے ہیں کہ اگر ایک ہاتھ ہوتا تو پھر انسان کو کام کی انجام دہی میں بڑی دشواری ہوتی۔ یقیناً ۲ ہاتھوں کا ہونا ہی عین حکمت ہے۔ جسکا ایک ہاتھ بیکار ہو جاتا ہے اور ایک سے وہ اپنے کاموں کو کرتا ہے اس سے پوچھئے کہ اسکو کیسی تکلیف ہے اول تو وہ اتنا کام نہیں کر سکتا جو دونوں سالم و تندرست ہاتھوں والا کام کر سکتا ہے۔ پھر جو تکلیف اور صعوبتیں ایک ہاتھ والا محسوس کرتا ہے۔ دوسرے کو نہیں۔

اسی طرح دو پاؤں کے ہونے کی حکمت ظاہر ہے کہ اس سے کم ہونے کی صورت میں چلنا ممکن ہی نہ تھا۔

آلات صوت کی ہیئت ترکیبی پر غور کرو، حنجرہ (نرخرہ) کو دیکھو وہ بالکل ایک نلکی کی طرح ہے آوازوں کے باہر لانے کے لئے ـــــ زبان ہونٹ دانت حروف کو بنانے کا کام دیتے ہیں۔ منہ میں اگر یہ چیزیں نہ ہوں یا ضائع ہو جائیں پھر دیکھئے کہ بات کرنے میں اس پر کیا گزرتی ہے اور حنجرہ آواز کے باہر لانے کے علاوہ ہوا کو پھیپھڑے تک پہونچانے کا کام بھی انجام دیتا ہے جس سے قلب کو راحت ملتی ہے۔ اگر یہ تنفس کا سلسلہ نہ ہو یا کچھ دیر کو روک دیا جائے تو قلب کو بڑی تکلیف اور اذیت پہونچے گی زبان سے کھانے پر جو مدد ملتی ہے اور دانتوں سے کھانے چبانے اور پیسنے میں جو امداد ہوتی ہے اور ہونٹ سے کسطرح سے کھانے اور پینے میں مدد ملتی ہے۔ اور منہ کے لئے کسطرح وہ دونوں ہونٹ دروازہ کا کام انجام دیتے ہیں اس تمام بیان سے یہ بخوبی واضح ہو گیا کہ یہ تمام اعضاء انسانی بے شمار

فوائد اور مصالح پر مبنی ہیں ان میں ذرا بھی کمی بیشی ہو جائے تو کام میں خلل واقع ہو یہ سب قدرت کے خاص انداز اور تدبیر سے ہے۔

دماغ کو لیجئے۔ اگر اس کو کھولیں تو اس میں ایک باریک جھلی کو لپٹا ہوا پائیں گے تاکہ صدمات سے محفوظ رہے اس پر کھوپڑی کا ڈھکن چڑھا ہوا ہے جس پر بالوں کو حفاظت اور زینت کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ سردی اور گرمی کے اثر سے محفوظ رہے پھر دیکھو قدرت نے دماغ کی حفاظت کے لئے کیا کیا سامان کیا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ دماغ ایک نازک ترین شئے ہے اس لئے اس نے اسکو اچھی طرح محفوظ رکھا ہے کہ تمام حواس کے لئے اصل ہے۔ بدون اسکے تمام حواس معطل ہیں

قلب کو دیکھو کہ سینہ کے بند صندوق میں کس طرح سے محفوظ ہے اس پر جھلی کا غلاف چڑھا ہوا ہے اس کو ہر چہار طرف سے گوشت اور اعصاب سے مستحکم کیا ہے۔ یہ اعضاء میں اشرف ہے اور بحیثیت بادشاہ کے ہے اس لئے اسکی حفاظت ایسی ہی ضروری تھی

حلق کو دیکھو۔ قدرت نے اس میں دو منفذ (راستے) بنائے ہیں ایک آواز کے آنے کے لئے جسکو حلقوم کہتے ہیں اور جو پھیپھڑے تک پہونچتا ہے۔ دوسرا غذا کے جانے کے لئے جس کا تعلق معدہ سے ہے حلقوم پر ایک پردہ لگا ہے جو کھانے کو آنے سے روکتا ہے۔ پھر پھیپھڑے کو پنکھے کے قائم مقام بنایا کہ قلب کو ہوا پہونچا کر اسکو تازہ دم رکھے اور شدت گرمی اور حبس سے قلب کے کام میں خلل نہ پڑے اور ہوا نہ ملنے سے قلب کی حرکت بند ہو کر انسان کی ہلاکت کا باعث نہ ہو۔ اس لئے اس کے اندر خلاء کو ہوا سے بھرا رکھا ہے۔ تاکہ برابر ہوا قلب کو ملتی رہے۔

پیشاب دیا خانہ کے راستوں پر نظر کرو کہ قدرت نے کس حکمت سے ان کے راستے نالیاں بنائی ہیں۔ کہ ضرورت پر کام دیتی ہیں اور بلا ضرورت

وہ جاری نہیں ہوتیں ورنہ انسان کی زندگی اس دائمی جریان سے اجیرن بن جاتی اور وہ کبھی وقت بھی پاک و طاہر نہ رہ سکتا۔

ناظرین۔ حالوں اور سُرین کو دیکھو کہ قدرت نے کس طرح ان کو پُر گوشت بنایا ہے کہ بیٹھنے میں انسان کو کوئی اذیت اور تکلیف نہیں ہوتی جیسے کہ کمزور اور دُبلا پتلا انسان جس کے جسم پر گوشت کم ہوتا ہے اور رانیں گوشت سے خالی ہوتی ہیں وہ بیٹھنے میں بڑی تکلیف محسوس کرتا ہے کیوں کہ گوشت کی نرم گدی اس کے نیچے نہیں ہوتی۔

انسان کے آلہ تناسل پر نظر کرو۔ کہ اگر ہر وقت وہ مستی ڈھیلا رہتا تو پھر رحم میں منی کے پہونچانے کی کیا شکل ہوتی۔ اور اگر ہر وقت وہ قائم ہی رہتا تو کام کرنے میں چلنے پھرنے میں بڑی دشواری ہوتی اس لئے قدرت نے اس کو ایسا بنایا ہے کہ ضرورت کے وقت وہ قائم و سیدھا ہوتا ہے اور بلا ضرورت وہ نرم اور چھوٹا ہو کر کالعدم ہو جاتا ہے گویا کہ وہ موجود نہیں ہے اور اس میں کبھی شہوت پیدا نہیں ہوتی۔

مکان کے حصوں میں بیت الخلاء (پاخانہ) تمام حصوں سے زیادہ پردہ اور سکون کا مقام ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان وہاں جاکر فطرتی تقاضے یعنی تقاضائے حاجت کر کے اس اضطراب اور گھبراہٹ کو رفع کرتا ہے جو تقاضائے حاجت سے قبل اسکو لاحق تھی اور وہاں وہ برہنہ ہو کر مخلی بالطبع ہو کر بیٹھتا ہے۔ قدرت کے کمال حسن تدبیر سے اس کا وہ مقام (مخرج براز) جسم میں انتہائی پوشیدہ جگہ پر بنایا۔ پھر دونوں طرف کی گوشت رانوں سے اس کا اور بھی پردہ کر دیا گویا وہ برہنہ ہونے ہوئے بھی ایک حد تک ڈھکا ہوا ہے۔

بالوں اور ناخن کی پیدائش پر غور کرو جو بڑھتے رہتے ہیں ان کے تراشنے میں بڑی مصلحت ہے پھر ان بالوں اور ناخنوں کو بے حس بنایا کہ تراشنے

ہیں انسان کو اذیت نہ ہو۔ ورنہ دو صورتوں میں سے ایک لازمی ہے یا تو ان کو اذیت کے خوف سے یوں ہی اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور حد سے زیادہ بڑھ جانے پر اس کی شکل وشبہوں جیسی بد نما ہو جاتی یا پھر ان کو تراشتا اور مناسب مقدار میں ان کو کرتا تو تراشنے کی اذیت کو محسوس کرتا۔

پھر بالوں کے اگنے کے مقامات پر غور کرو اگر آنکھ کے اندر بھی بال لگتے تو پھر انسان اسکی وجہ سے اندھا ہو جاتا کیونکہ آنکھ جیسی نازک ولطیف شے کو کیونکر برداشت کرتی۔ اور اگر منہ کے اندر بال ہوتے تو کھانے پینے میں جو اذیت ہوتی ظاہر ہے کہ انسان پر کھانے پینے کا لطف حرام ہو جاتا۔ اسی طرح اگر ہاتھ کی ہتھیلی میں بال ہوا کرتے تو چھونے اور پکڑنے کی لذت سے انسان محروم ہو جاتا۔ اور بہت سے کام کرنے میں وہ مانع ہوتے اسی طرح اگر بال اندرون فرج (شرمگاہ) میں ہوتے تو لذت جماع سے انسان محروم ہوتا پس ان باتوں سے خدا کی قدرت کا اندازہ کرو۔ کہ اس نے کس طرح ہر چیز کو اپنے صحیح مقام پر رکھا ہے اور انسان کو لذت آرام کے مواقع دیئے ہیں اور بے محل اشیاء کو نہیں رکھا کہ انسان کا عیش وآرام منغص ہو جاتا۔

پھر اس پر غور کرو کہ قدرت نے انسان کے اندر کھانے پینے سونے اور جماع کرنے کی ضرورتوں کو پیدا فرمایا ہے۔ اور اس کے اظہار کے لئے دواعی اور محرکات بنائے۔

بھوک و پیاس کھانے پینے کی طلب کے محرکات ہیں اور کھانا پینا یقیناً انسان کی زندگی کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ہوا پانی۔

سونا اور نیند کا آنا یہ بھی انسان کے لئے طبعی طور پر ضروری ہے اس کے بغیر بدن انسانی کو راحت وآرام اور قوتوں میں از سر نو تازہ حیات نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ انسان کچھ دیر سوئے نہیں تاکہ پھر تازہ دم ہو سکے۔

www.ahnafmedia.com

خواہش جماع کا ہونا جماع و صحبت کے لئے دواعی و محرکات سے ہے جو نسل و بقائے نسل کے لئے انتہائی ضروری ہے انسان کی طبیعت میں۔ محرکات و دواعی کا ہونا از بس ضروری ہے۔ اگر یہ محرکات نہ ہوں تو انسان بسا اوقات دوسرے مشاغل میں رہ کر ان ضروری چیزوں سے بے پرواہ اور غافل رہے اور اسطرح اسکی قوت جسمانی کمزور ہو کر ان میں سستی آجائے اور پھر یہ ہلاکت کا باعث ہو۔

اسی طرح اگر جماع محض حصول اولاد کی خاطر ہوتا تو نسل منقطع ہو جاتی۔ کیوں کہ بہت سے ایسے عوارض ہیں جنکی وجہ سے وہ اسطرف توجہ نہ کرتا اور یہ بے توجہی انقطاع نسل کا موجب ہوتی پس قدرت کی اس حکمت پر نظر کرو کہ اس نے انسانی طبیعت میں مقتضیات دواعی اس طرح ودیعت کئے ہیں کہ انسان جماع کے لئے مضطر ہوتا ہے اور پھر اس سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

بدن کی ترتیب و ترکیب کو دیکھو کہ بدن بمنزلہ دار الملک اور... دار السلطنت کے ہے جس میں نوکر خدمت گار اپنے اپنے کام پر حاضر ہیں ایک کے سپرد ایک خدمت ہے تو دوسرا اسکی امداد کے لئے حاضر ہے گھر میں ذرا گندگی اور متعفن مادہ پیدا ہوا فوراً خادم نے اسکو باہر نکالکر پھینکدیا کہ مکان صاف ستھرا رہے یوں سمجھو کہ اس مثال میں بادشاہ تو وہ خالق ہے جس نے ان تمام اشیاء کو پیدا فرمایا ہے۔ اور بدن انسانی بمنزلہ مکان کے ہے اور اعضاء ہاتھ پاؤں ناک کان آنکھ یہ سب بمنزلہ خدام کے ہیں اور عقل وحفظ وغضب وغیرہ یہ سب قوم کی جگہ ہیں۔ کہ اگر مذکورہ بالا میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو پھر تمام جسم مختل ہو جائے اور لینا۔ دینا۔ دیکھنا چلنا پھرنا حفاظت وغیرہ ان تمام کاموں میں حرج ہو جائے نہ راستہ کو پہچان سکے نہ علم سے فائدہ اٹھا سکے نہ نفع حاصل کر سکے نہ نقصان

سے اپنے آپ کو بچا سکے نہ اپنی تحریر سے فائدہ اٹھا سکے نہ گزشتہ واقعات سے عبرت حاصل کر سکے تمام دشواریاں کسی ایک چیز کے نہ ہونے سے پیش آسکتی ہیں: پھر ان تمام نعمتوں پر نظر کرو جو خدا نے دے رکھی ہیں۔ اگر وہ سب معدوم ہو جائیں۔ تو پھر انسان کا وجود ہی معطل ہو جائے اس سے خدا کے فضل و احسان کا اندازہ کرو۔ اور پھر اسکی حکمت عملی پر غور کرو۔ اما بنعمۃ ربک فحدث قوت حافظہ یقیناً بڑی نعمت الٰہی ہے لیکن نسیان (بھول) یہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے۔ اور بڑی حکمت اس میں پوشیدہ ہے۔ اگر انسان میں بھول و چوک کا مادہ نہ ہوتا تو انسان ہر وقت رنج و غم میں مبتلا رہتا اور پھر اس کرب و الم سے اس کی جان پر بن جاتی وہ آفات و مصائب کو ہر وقت ذہن میں یاد رکھتے ہوئے دنیا کی تمام لذتوں سے محروم رہتا کہ اس حالت میں اس کے لئے کسی سے تمتع حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ کیوں کہ فرط رنج و غم سے اس کی قلبی کیفیت اتنی خراب رہتی کہ وہ اپنی زندگی تک سے بیزار ہو جاتا ظالم سے ذرا سی غفلت کی توقع حاسد سے ذہول و نسیان کا امکان اور کسی بدخواہ کی طرف سے ادنیٰ سی غفلت ان میں سے کسی کی توقع کا امکان نہ ہوتا پس قدرت کی اس حکمت کو دیکھئے کہ اس نے حفظ و نسیان دو متضاد شی انسان میں جمع کر دی ہیں۔ اور دونوں میں بڑی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں پھر قدرت کی اس حکمت کی داد دیجئے کہ اس نے انسان میں بعض مخصوص وہ صفتیں دی ہیں جو دیگر حیوانات میں نہیں دیں مثلاً حیا کا مادہ قدرت نے انسان کو ودیعت کیا ہے اگر حیا و شرم انسان میں نہ ہو تو انسان گناہ کرنے سے کبھی نہ رکے۔ ضروریات کو پورا نہ کرے مہمان کی خاطر مدارات نہ کرے اچھے کام کرنے کی رغبت نہ ہو برے کام سے اجتناب نہ کرے۔ کیونکہ بہت سے کام انسان لوگوں سے شرم و حیا کی وجہ

سے کرتا ہے امانتوں کو واپس کرتا ہے والدین کے حقوق ادا کرتا ہے بے حیائی کے کاموں سے رکتا ہے یہ سب امور حیا و شرم ہی کے سبب سے انسان کرتا ہے پس ایک حیا کے ہونے کے فوائد اور اس کے نہ ہونے کے باعث اتنے نقصانات ہیں پس اسی پر دوسری نعمتوں کو قیاس کرو۔

قوت گویائی (نطق) پر نظر کرو جس کی بدولت انسان تمام جانوروں سے ممتاز ہے۔ جس کے برکت سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے اور دوسرے کو سمجھا دیتا ہے اور دوسرے کے مافی الضمیر کو سمجھ لیتا ہے اگر قدرت نے یہ نعمت نہ بخشی ہوتی تو افہام و تفہیم کیونکر ممکن ہوتا۔

اسی طرح نعمت کتابت پر غور کرو جس کی بدولت آج ہزاروں برس پیشتر کے حالات معلوم کر لیتے ہیں۔ اور ہمارے حالات و واقعات آنے والوں کو صدیوں تک معلوم ہوتے رہیں گے۔ اس کی برکت سے ہمارے علوم آداب معاملات حساب و کتاب سب کچھ کتابوں میں محفوظ ہے۔ بھول جائیں تو کتابت کو دیکھکر یاد کر لیں اگر کتابت کی نعمت قدرت سے ہم کو نہ ملتی تو ہم اپنے سے قبل کے زمانے کے حالات سے تقریباً ناواقف رہتے اور علوم و فنون سب ضائع ہو جاتے بلکہ اخلاق و آداب اور فضائل سب ہی نعمتوں سے یکسر ہم محروم ہو جاتے اور معاملات میں بڑی دشواری پیدا ہو جاتی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کلام و کتابت یہ انسان کے لئے کسبی چیزیں ہیں۔ یہ امور طبیعہ میں سے نہیں ہیں اور اس لئے عربی۔ ہندی رومی خطوط میں بہت اختلافات پاتے ہیں اور یہی حال کلام کا ہے کہ یہ ایک اصطلاحی چیز ہے اسمیں بھی اختلاف کا ہونا یقینی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا مقصد کتابت سے ملکۂ کتابت ہے یعنی خدا کی بخشی ہوئی وہ قدرت جو اس نے انسان کو ہاتھوں میں انگلیوں میں،

ہتھیلیوں میں بخشی ہے اور ذہن و فکر کو عطا ہوتی ہے اس میں کسب کا کوئی دخل نہیں۔

اسی طرح اگر زبان اور قوت نطق اور اس میں ذہن و فکر کی ترکیب نہ ہوتی تو انسان ساری عمر کبھی نہیں بول سکتا تھا پس خدا کا کتنا بڑا کرم ہے کہ اس نے ایسی مفید اور کام کی چیزیں انسان کو عطا فرمائیں۔ پھر قوت غضب پر نظر کرو جو قدرت نے انسان میں ودیعت رکھی ہے جس کی وجہ سے موذی اور نقصان دہ اشیاء کو دفع کرتا ہے اور مادہ حسد کی وجہ سے جلب منفعت کرتا ہے مگر قدرت نے انسان کو ان دونوں قوتوں میں معتدل رہنے پر مامور فرما دیا ہے۔ کہ ان میں سے کسی چیز میں بھی اگر تجاوز کرے گا تو پھر شیطانی صفات یقیناً اس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور شیطانی درجہ اور رتبہ اسکو حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے خدا سے اس کو بعد ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے غضب کی حالت میں اس پر لازم ہے کہ دفع شر میں وہ بہت تدبر سے کام لے اور حسد کے وقت وہ غبط کو کام میں لائے کیونکہ حسد میں دوسروں کی نعمت کے زوال اور خود کو کامران ہونے کی خواہش ہوتی ہے اور غبطہ میں زوال نعمت دوسروں سے نہیں ہوتا محض حصول مشابہت اور مماثلت مقصود ہوتا ہے۔

قدرت نے کمال حکمت سے انسان کو بعض مفید چیزیں عطا کیں اور بعض چیزوں سے باز رکھا ہے۔

اس میں بھی انسان کی فلاح اور مصلحت ہے۔ مثلاً انسان میں قدرت نے امید اور تمنا کا مادہ عطا کیا۔ جس کی وجہ سے دنیا کی آبادی اور تناسل کا سلسلہ قائم دائم ہے۔ اس کی بدولت کمزور اور غریب طبقے کے لوگ با اقتدار اور دولت مند طبقہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں بڑے بڑے با اختیار لوگ دنیا کو آباد کرتے ہیں۔ اور ان کی اس تعمیری کوششوں سے کمزور طبقہ کے

کے لوگوں کو ضمناً بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

انسان بہرحال تخلیقی طور پر کمزور پیدا ہوا ہے۔ اگر وہ گذری ہوئی قوم کے بنائے ہوئے مکانات اور تیسری چیزوں کو نہیں نہ دیکھتے تو نہ تو اس کے رہنے کے لئے کوئی مکان ہوتا اور نہ اس کے پاس ایسا آلہ اور سامان ہو جس کے ذریعہ وہ اپنی ضرورت کی چیزیں از سر نو تعمیر کرے۔ گویا یہ قوت اصل (آئندہ) موجودہ لوگوں کے لئے عمل کا پیش خیمہ ہے۔ کہ ان کو عملی دنیا میں سرگرمی پیدا ہوتی ہے آنے والوں کے لئے یہ لوگ ایسی بے شمار چیزیں چھوڑ جائیں گے جن سے وہ فائدہ اٹھائیں گے اور قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری اور ساری رہے گا۔ سب اصل (آرزو) کی برکتیں ہیں۔

بعض چیزوں سے انسان کو مصلحتاً قدرت نے باز رکھا، مثلاً اس کی عمر کی مدت اور اسکی موت کا علم۔

اگر انسان کو اپنی عمر معلوم ہوتی اور وہ عمر کم ہوتی تو پھر اس کو زندگی میں کوئی مزہ نہ آتا۔ اور دنیا کے کاموں میں کوئی حصہ نہ لیتا۔ حتٰکہ وجود نسل اور تعمیر میں وہ ذرا بھی جدوجہد نہ کرتا۔ اور اگر مدت عمر دراز ہوتی اور اس کو معلوم ہوتا تو وہ خواہشات کا بندہ بن جاتا اور حدود سے تجاوز کرتا۔ اور بڑی بڑی مہلکات میں گھس پڑتا اس لئے کہ عمر کی مدت اس کو معلوم ہوتی تو وہ اپنی مدت کا خیال بھی دل میں نہ لاتا۔ اب کیونکہ قدرت نے اس کو اس سلسلہ میں قطعاً ناواقف رکھا ہے تاکہ ہمہ وقت اس کو موت کا کھٹکا لگا رہے اور خواہشات میں پڑنے سے خدا کا خوف اور پھر موت کا ڈر بھی پیدا ہو۔ اور موت سے پہلے نیکیوں کے ذخیرہ کرنے کا خیال دل میں رہے۔

انسان جن جن چیزوں سے متمتع ہوتا ہے ان پر نظر کرو۔ قدرت نے ان میں کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں اور کیسی لذتیں اور ذائقے قدرت نے کھانوں میں پیدا کئے ہیں۔ قسم قسم کے کھانے اور ان میں الگ الگ مزے طرح طرح کے پھل

www.ahnafmedia.com

ان کے مختلف رنگ ان کی خوشبو کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے سواریوں پر نظر کرو ان کے اقسام کو دیکھو ان سے کیا کیا آرام اور فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ قسم قسم کے پرندے اور ان کی بولیاں سنو ان کی دلکش آوازیں اور شریلے نغمے ان کو سنکر انسان مست ہوتا ہے سکے اور نقود پر نظر کرو کہ ان کے ذریعہ سے انسان اپنی ضروریات کو کیوں کر پورا کرتا ہے۔ جڑی بوٹیوں کو دیکھو انسان اپنی تندرستی اور قوت کے لئے ان سے کیا کیا فائدے حاصل کرتا ہے کھانے کے جانوروں پر غور کرو ان کے گوشت میں خدا نے کیسی لذت بنائی ہے پھر ان جانوروں سے کھیتی باڑی میں کس طرح کام لیا جاتا ہے۔ آب پاشی کے لئے ان کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر پھولوں کو دیکھو ان میں کیسی کیسی بھینی بھینی خوشبو آتی ہے ان سے کیسے کیسے تیل اور عطر نکالے جاتے ہیں پھر انسان اس کو جسم اور لباس پر لگا کر محفلوں اور مجلسوں میں شریک ہوتا ہے۔ دفع وقع کے لباس اور کپڑوں کو دیکھو۔ پھر موسم کے اعتبار سے ان لباسوں کی اقسام پر نظر کرو۔ قدرت نے انسان کو عقل و سمجھ عطا فرمائی اور ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع عطا کیا ہے قدرت کی کیسی کاریگری ہے کیسی کیسی عجائبات ان میں پوشیدہ ہیں جن کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے، جلب منفعت اور انتفاع کے سلسلہ میں قدرت نے انسان کو مختلف طبیعتیں اور ضرورتوں کا حامل بنایا ایک انسان ایک چیز سے ایک فائدہ اٹھاتا ہے دوسرا اسی چیز سے دوسرا فائدہ اٹھاتا ہے اسی انتفاع کی بدولت ایک دولتمند ہے اور دوسرا فقیر۔ دولتمند اور محتاج میں امتیاز بھی اسی سے ہوتا ہے۔ اور یہی دنیا کی آبادی و تعمیر کا سبب ہے لوگوں کے انتفاع و جلب منفعت کے اختلاف کی مثال ایک کم سن بچے کی سی ہے کہ بسا اوقات وہ نادانی اور ناسمجھی کی وجہ سے ایسی چیزوں میں مشغول ہوجاتا ہے ۔۔

جو اس کو نقصان پہونچاتی ہیں۔ اور ان چیزوں میں منہمک ہوجاتا ہے کہ

اس سے علحدہ کرنا ایک مصیبت ہو جاتا ہے۔

دنیا کی چیزوں میں بے شمار حکمتیں اور لطائف ہیں۔ ان کو شمار کرنا اور ایک ایک چیز کو تفصیل سے بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اور نہ انسان ہر چیز کے وجود کی حقیقت و حکمت اور اس کی کنہہ کو پہونچ سکتا ہے۔ مخلوقات کی جملہ حکمتیں اور مصلحتیں اس حکیم مطلق کو ہی معلوم ہیں جس کی رحمت عام ہے اور جس کا علم وسیع اور ہر شئی کو محیط ہے۔

www.ahnafmedia.com

اس باب کا تتمہ

قدرت نے انسان کو بڑا شرف و مرتبہ عطا کیا ہے جو دوسری مخلوقات کو نہیں دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مکیم میں فرمایا ہے۔

ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا	اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی ہے اور جنگل اور دریا میں سواری دی۔ اور ستھری روزی دی، اور بڑھا دیا۔ ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر۔

یہ شرف و عزت انسان کو قوت ادراک اور عقل و شعور کی بدولت ملا ہے جس سے دوسرے حیوانات محروم ہیں۔ اور انسان اس عقل ہی کی بدولت ممتاز ہے اسی کی بدولت وہ ملاء اعلیٰ سے قریب تر ہے اسی کی برکت ہے وہ کائنات و مصنوعات میں غور و فکر کر کے خالق کی معرفت و قدرت کو پہچانتا ہے۔ خود اپنی ہستی اور وجود پر نظر کر کے خدا کی حکمت و قدرت کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ خدا نے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

وفی انفسکم افلا تبصرون	خود تمہاری ذات میں قدرت کی نشانیاں موجود ہیں تم دیکھتے نہیں ہو۔

انسان جب وہ اپنے وجود اور اصل پر غور کرتا ہے اور نظام جسم پر غور و فکر کرتا ہے اور قدرت کی عطا کردہ حکمتوں اور قوتوں میں تدبر کرتا ہے تو پھر

www.ahnafmedia.com

وہ خدا کی عظمت و حکمت کا دل سے اعتراف کر لیتا ہے اس کی کمال تدبیر اور کمال حکمت کو تسلیم کرتا ہے۔ اسی عقل کی بدولت وہ اچھے بھلے کھوٹے کھرے۔ مفید و مضر میں تمیز کرتا ہے بادی النظر میں اس عقل کے وجود کو نہ کسی جسم کی شکل میں محسوس کرتا ہے نہ اسکی بو سونگھتا ہے نہ اس کا ذائقہ چکھتا ہے۔ نہ اس کو متشکل دیکھتا ہے اس کے باوجود اس کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے فیضان و برکات سے منکر نہیں ہو سکتا۔ وہ دیکھتا ہے کہ صرف عقل کی طاقت و قوت کی بدولت وہ ہزاروں مغیبات کو دیکھ لیتا ہے۔ جہاں نہ آنکھوں کی رسائی ہے نہ کانوں کی پہونچ یہ ساری قوتیں۔ جہاں عاجز ہیں وہاں عقل کی قوت و طاقت اپنا کام کرتی ہے آسمان و زمین کے عجائبات و مناظر ان آنکھوں سے پوشیدہ ہیں مگر عقل کے سامنے بے نقاب ہیں۔ قدرت کے وہ مظاہر جو ان حواس ظاہری سے مستور ہیں شعور و عقل کے نزدیک سب بے حجاب ہیں اب جتنا علم اس کو حاصل ہوتا ہے اتنی ہی اس میں نور و روشنی بڑھتی ہے اور پھر آسمان سے ماوراء اور پرے کی کائنات اور تحت الثری میں معدنیات و مغیبات سب عقل کے سامنے روشن ظاہر ہو جاتی ہیں۔

اپنے اعضاء و جوارح پر جب انسان نظر کرتا ہے کہ وہ ارادہ کے ساتھ ہی حرکت میں آجاتے ہیں۔ اور یہ حرکت اتنی سریع ہوتی ہے کہ یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے کہ آیا ارادہ اور حرکت دونوں میں مقدم کون ہے اور موخر کون اگرچہ رتبۃً ارادہ مقدم ہوا کرتا ہے مگر قدرت نے جوارح کو انسان کی قوت ارادی کے ایسا تابع و مطیع کر دیا ہے کہ ارادہ کے وجود میں آتے ہی جوارح اس کی فرمانبرداری کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

اس عقل و شعور اور ادراک کے باوجود انسان اپنی حقیقت کے سمجھنے سے کماحقہ قاصر ہے۔ کبھی وہ اپنے لئے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ میں اس معاملہ میں

قطعاً جاہل ہوں اس کے باوجود وہ بڑے بڑے دقائق و لطائف میں فرق کرتا ہے۔ اور باریک باریک چیزوں کو سمجھتا ہے کبھی وہ اپنے متعلق ہمہ دانی کا دعوے کرتا ہے۔ لیکن وہ ایسی باتیں کر گزرتا ہے کہ انجام کار وہ نادم و پشیمان ہوتا ہے۔

کبھی کسی چیز کو یاد کرتا ہے لیکن بھول جاتا ہے۔ کسی چیز کو بھلانا چاہتا ہے لیکن بھلا نہیں سکتا۔ چاہتا ہے کہ اپنا وقت عیش و عشرت میں گذارے اور رنج والم کو پاس نہ آنے دے لیکن اچانک ایسے حالات واسباب ظاہر ہوتے ہیں کہ اس کی تمام خوشی رنج والم سے بدل جاتی ہے کبھی کسی معاملے میں وہ اپنے آپ کو ہوشیار اور ہر وقت متنبہ رکھنا چاہتا ہے لیکن وہ اس سے غفلت میں ہو جاتا ہے۔ ایک طرف اس کو ہمہ دانی کا دعوے ہے لیکن شاہدات و تجربات سے اس کی جہالت و نادانی ظاہر ہوتی ہے۔ اور کبھی وہ اپنے کو قطعاً کور واندھا اور بے بہرہ تصور کرتا ہے۔ لیکن بڑی بڑی تدبیریں اور حکمتیں اس سے صادر ہوتی ہیں۔ جس سے اسکی قابلیت اور علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر بھی وہ اپنی حقیقت سے ناواقف ہی ہے۔ آواز کیوں کر پیدا ہوتی ہے کس طرح نکلتی ہے کہاں تک پہونچتی ہے کلام کے حروف کیونکر مرتب ہو کر ایک با معنی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اسکی نگاہ کہاں تک کام کرتی ہے۔ کیونکر وہ اپنی آنکھ سے بصارت کا کام لیتا ہے یہ آنکھوں میں نور کس طرح سے اور کہاں سے آتا ہے۔ اور کس طرح وہ اشیاء کو دیکھتا ہے اس کے قلب میں ارادہ کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ وجود سے پہلے یہ کہاں تھا وغیرہ وغیرہ ان تمام چیزوں کے علم سے وہ قدرت کے کمال اور اس کی بالغ حکمت کو تسلیم کرتا ہے۔ اگرچہ حقیقت علم سے ہنوز بے بہرہ ہے۔

قدرت نے انسان میں خواہش پیدا کی جو اسکی طبیعت کے مناسب ہے اگر وہ خواہش نفس کے استعمال کرنے میں اپنے نور عقل سے کام لے تو وہ

مہلکات سے اپنے کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اور بلند مرتبہ تک پہونچ سکتا ہے اور اگر اس خواہش کو اغراض نفس کے لئے استعمال کرے تو پھر نور معرفت سے اسکو کوئی حصہ نہیں مل سکتا ہے اور نہ ان امور کو وہ حاصل کر سکتا ہے جن کے حصول پر روز قیامت بڑے اجر ملنے کا وعدہ ہے۔ ثواب و عذاب ان امور کے حصول و عدم حصول اور اس خواہش کے صحیح و غلط استعمال پر موقوف ہے درحقیقت یہ خواہش جو قدرت کی طرف سے انسان کو عطا کی گئی ہے انسان کی عملی زندگی میں ایک موثر آلہ ہے انسان کے ذہن و دماغ میں قدرت نے جو فکر و تدبر کی قوتیں رکھی ہیں۔ وہ بھی اس خواہش کے بغیر بیکار ہیں حقیقتاً ان سب کا باہم ایک ایسا رابطہ ہے کہ ایک کے بغیر دوسری اور دوسری کے بدون پہلی قوت بیکار ہے۔ اور انسان کو پورا فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اسکی تمام قوتیں اعتدال سے کام میں لگی ہوں۔ اور اشیا۔ کا حسن و قبح اور اخلاق کا اعلیٰ اور ادنیٰ ہونا اور زمانہ کے ساتھ ان کا مناسب ہونا یہ ساری چیزیں اس پر مبنی ہیں۔

پس قدرت کے اس احسان کو دیکھو کہ اس نے انسان میں کیسی کیسی مفید اشیاء پیدا فرمائی ہیں۔ ظرف کی قدر و قیمت مظروف سے ہوتی ہے مکان کا رتبہ مکین سے ہی ہوتا ہے جب خدا نے انسان کے قلوب کو اپنی معرفت کا محل بنایا تو اسکا درجہ کتنا بلند ہو گیا۔

اور کیوں کہ قدرت نے انسان کے لئے مرجع و مرکز اس گھر کے سوا ایک دوسرا گھر تجویز کیا ہے۔ جسکو دار آخرت کہتے ہیں۔ اس گھر کا حال اور علم۔ انسان سے قطعاً مخفی رکھا ہے اس کے علم کے لئے اس نے نور رسالت کو پیدا کیا اور اس نور کی پیدا کی ہوئی روشنی میں انسان پر دار آخرت کے احوال اور کوائف ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے اس نے انبیاء و رسل دنیا میں بھیجے جن کی دو حیثیتیں ہیں۔ خدا کے فرمان بردار کرنے والوں کے لئے وہ بشیر و بشارت

خوشخبری دینے والے) ہیں اور اس کی نافرمان بندوں کے حق میں وہ نذیر (ڈرانے والے) ہیں ان انبیاء کی امداد وحی کے ذریعہ سے فرمائی اور وحی کو بھیجنے اور اسکو محفوظ رکھنے کی صلاحیت ان میں پیدا کی

انبیاء نے انسانوں کو دنیا کے معاملہ میں مصالح و حکمتوں سے واقف کیا اور آخرت کے متعلق جو معارف و حکمتیں ہیں ان سے بھی انسان کو آگاہ کیا یہ علم و معرفت جو انسان کو انبیاء و رسل کی معرفت اور ان کی وساطت و توسل سے حاصل ہوا، محض نور عقل سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا تھا، انبیاء کو خدا نے ایسے روشن دلائل اور واضح براہین دے کر بھیجا جن کی وجہ سے انسان کو بجز ایمان و اذعان کے چارہ کار نہیں وہ دلائل انبیاء کے ایک ایک حکم اور ایک ایک چیز پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں گویا خدا نے اس طرح سے انسان پر اپنی نعمت کی تکمیل فرما دی۔ اور اب اتمام حجت ہو چکا۔ دین و دنیا کی دونوں راہیں اس نے دکھا دیں۔ نجات و ہلاکت کے دونوں راستوں کو واضح کر دیا۔

قدرت نے انسان کو کیسا شرف عطا فرمایا اور اس کی نسل کو کیسی عزت بخشی کہ انسان کی نسل سے کیسے کیسے صاحب کمال صاحب فضیلت لوگ ہوئے جن کو قدرت کی طرف سے نبوت و رسالت جیسے عالی مناصب عطا ہوئے اور انوار و تجلیات عطا ہوئیں پس جو سعید ہے وہ ایمان لا کر خدا کی نعمتوں کا مظہر اور اس کے احسانات و انعامات کا مستحق ہوتا ہے، اور جو شقی ہے وہ ان چیزوں کی تکذیب کر کے ابدی رنج و مصیبت کو خریدتا ہے اور محض دنیا کے حصول کی خاطر وہ اپنی آخرت کو برباد کرتا ہے۔

اس کے احسانات و انعامات کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا، بلکہ سوتے میں عالم خواب میں کبھی عالم مثال میں ایسی ایسی چیزیں دکھاتا ہے جن سے ان

www.ahnafmedia.com

کو ہدایت و رشد حاصل ہوتی ہے۔ کبھی اس خواب کے ذریعہ اس کو کسی کام سے روکنا منظور ہوتا ہے، تو اس کو دھمکایا جاتا ہے، کبھی کسی کام کی ترغیب و شوق دلانا ہوتا ہے۔ بہرحال ایسے امور جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے، وہ چاہتا ہے تو کسی ذریعہ سے کچھ علم اپنے کسی خاص بندے کو عطا فرماتا ہے۔ اور یہ اس کی خاص رحمت ہوتی ہے۔ یختص برحمتہ من یشاء

www.ahnafmedia.com

پرندوں کی پیدائش کی حکمتیں

خدا نے فرمایا ہے:-

الم تروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء ما یمسکھن الا اللہ	کیا تم ان پرندوں پر نظر نہیں کرتے جو آسمان پر رکے ہوئے ہیں بجز خدائے واحد کے کوئی ان کو نہیں روک سکتا۔

خدا نے پرندوں کو پیدا کیا اور اپنی حکمت سے ان میں تمام ان چیزوں کو پیدا کیا جو ان کے اڑنے کے مناسب و موافق تھیں۔ ان میں ثقیل چیزوں کو نہیں پیدا کیا جو اڑنے کے منافی یا مخل تھیں۔ جن جن چیزوں کی پرندوں کو ضرورت پڑتی وہ سب بنائیں۔ اور اسی طرح سے ان کا قوام بنایا۔ ان کی غذا بنائی۔ اور ہر ہر عضو کے لئے غذا سے مناسب حصہ پہنچایا جو اس حصہ جسم کی غذا بنے۔ عضو کے نرم و سخت اور خشک ہونے کی صورت میں غذا کے اجزاء سے ایسے مناسب اجزاء کو ان عضوؤں کی غذا کے لئے پہنچاتا ہے جو نرم و خشک اور سخت اعضا کے کام آسکیں۔

پرندوں کو خدا نے ۲ پاؤں دیئے، ہاتھ نہیں دیئے، پاؤں اس لئے کہ وہ چلے پھرے اور زمین سے فائدہ حاصل کر سکے۔ اڑنے میں ان سے مدد لے۔ پاؤں کو نیچے سے کشادہ بنایا تاکہ زمین پر اچھی طرح سے قائم رہے، پاؤں بھی اس کے نہایت ہلکے اور پُر حکمت بنائے۔ انگلیوں کا کچھ حصہ رقیق و باریک جلد سے بنایا جو ٹانگوں کی جلد سے ذرا سخت ہے۔

www.ahnafmedia.com

ٹانگوں کی جلد موٹی اور مضبوط بنائی، تاکہ گرمی و سردی میں ان کو پروں کی ضرورت نہ ہو، اور ٹانگوں کا پروں سے برہنہ ہونا یہ بڑی حکمت و مصلحت ہے۔ کیونکہ پرندوں کو دانہ چگنے اور پانی پینے میں اور اس کی طلب میں چلنے میں ضرور ایسے مقامات آتے ہیں جہاں کیچڑ پانی اور گندگی ہو، اب اگر اس کی ٹانگیں پروں سے پُر ہوتیں تو پانی اور کیچڑ میں لتھڑ کر بوجھل ہو جاتیں، اور پرندے کے لئے بڑی دشواری ہوتی۔ اس لئے قدرت نے اس کے جسم میں جہاں ضروری سمجھا وہاں بالوں اور پروں کو نہیں پیدا کیا تاکہ اس کے اڑنے چلنے پھرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔ پرندوں کو اس نے لانبے لانبے پاؤں والا نہیں بنایا، ان کی گردنوں کو طویل بنایا تاکہ اپنی غذا حاصل کرنے اور دانہ چننے میں مدد ملے، اگر پاؤں لمبے اور گردن چھوٹی ہوتی تو اس کے لئے جنگلوں میں دانہ چگنا اور سمندروں دریاؤں سے پانی پینا مشکل ہوتا اور اس کو اپنے سینہ کو پانی پینے دانہ چگنے کے لئے جھکانا پڑتا کبھی وہ اپنی چونچ کی لمبائی سے بھی مدد لیتا ہے تاکہ اس کو مزید آسانی ہو۔ اگر گردن لانبی ہوتی اور پاؤں چھوٹے ہوتے تو اس کی گردن اس کو وزنی معلوم ہوتی اور پھر دانہ دنکا چگنے میں یہ آسانی نہ ہوتی۔ خدا نے اس کے سینے کو گول اور اس طرح ہڈیوں سے اس کو ترتیب دیا ہے کہ وہ ہوا کو اڑنے میں آسانی سے پھاڑ سکتا ہے اور اسی طرح اس کے بازوؤں کے سروں کو مدور بنایا ہے، کہ اس کو اڑنے میں مدد ملے پھر پرندوں کی انواع و اقسام کے لحاظ سے، ان کے غذا حاصل کرنے کی رعایت سے ان کی چونچیں چھوٹی، لمبی، تیز، سخت، ٹیڑھی اور سیدھی بنائی ہیں تاکہ دانہ چننے کھودنے توڑنے چیرنے پھاڑنے میں کام دے سکیں۔ بعض چونچوں کو قدرت نے ایسا تیز اور سخت بنایا ہے کہ ان کے ذریعہ سخت سے سخت چیزوں کو وہ توڑ سکیں اور گوشت کو نوچ کر کھا سکیں۔ بعض

www.ahnafmedia.com

چونچیں چوڑی اور کنارے دار ہوتی ہیں کہ دانے کو اچھی طرح سے ان پر رکھا جا سکے۔ بعض سیدھی ہوتی ہیں مگر حد اعتدال میں تاکہ وہ سبزی ترکاری پھل وغیرہ کھا سکیں۔ بعض زیادہ لانبی مگر ہڈی کی طرح سخت ہوتی ہیں مگر لذت کے حصہ میں ملائم ہڈی کی طرح نرم ہوتی ہیں، اور دانتوں کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔

پرندوں کے پروں کو خدا نے لانبا بانس کی طرح سے خول اور ہلکا بنایا تاکہ اڑنے میں ان سے مدد لی جا سکے اور نہایت مضبوطی سے وہ بازوؤں میں لگے ہوتے ہیں کہ رات دن اڑنے سے بھی وہ خراب نہیں ہوتے۔ کیونکہ اڑنے میں نہایت سریع حرکت کرنا پڑتی ہے، اس لئے پروں کو نہایت مستحکم بنایا، اور جسم کے لئے سردی اور گرمی سے حفاظت کا ذریعہ بھی بنایا پرندوں کے تمام جسم میں پروں کو پیدا فرمایا کہ سردی و گرمی سے بدن کی حفاظت ہو اور اس سے ان کی زینت و حسن بھی ہو۔ ان پروں میں یہ صفت بھی رکھی کہ مسلسل بھیگنے سے بھی وہ خراب نہ ہوں بلکہ ادنیٰ حرکت سے پانی ان پر سے جھاڑا جا سکے۔ پروں میں سوراخ بھی رکھے کہ ان کی پرورش اور نضلات کے خارج کرنے میں کام آئیں۔

پرندوں کی دم کو اس طرح بنایا کہ اڑنے میں ان سے مدد لی جا سکے اور دائیں بائیں ایک ہی طرف کو پرندے ہوا کے زور سے نہ بہہ جائیں۔ اگر دم نہ ہوتی تو وہ حسب منشا اور حسب ضرورت اڑنے میں اپنے لئے جہت متعین نہیں کر سکتے تھے۔ گویا کہ یہ دم پروں میں بمنزلہ پاؤں کے ہے جو کشتی میں ہوتے ہیں، جن کی مدد سے کشتی کے چلانے میں آسانی ہوتی ہے پرندوں میں طبعی طور پر علیحدہ رہنے کی طبیعت پیدا فرمائی کہ اس سے ان کی حفاظت رہتی ہے۔ اور کیونکہ پرندے بغیر چارئے غذا کو نگلتے ہیں اس لئے بعض چونچوں میں ایسی دھاریں بنائی ہیں کہ گوشت وغیرہ قسم کی چیزوں

کو ان کی مدد سے کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں۔ تاکہ ہضم میں سہولت ہو، پھر ان کے پوٹوں میں ایسی حرارت پیدا کی کہ وہ سخت سے سخت غذا کو بھی گلا کر قابل ہضم بنا دیتی ہے اور چبانے اور دانتوں کے دوسرے کام سے ان کو بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس کا اندازہ تم کو اس سے ہو سکتا ہے کہ پرندوں کے علاوہ ثابت انگور کسی کو کھلا دو تو یوں ہی سالم فضلہ کے ساتھ خارج ہوگا اور پرندوں کو کھلا دو تو وہ پس کر غذا میں مہضم ہو کر نارج ہوگا۔ کیونکہ پرندوں کے پوٹوں میں جو حرارت ہے وہ دوسرے حیوانات میں نہیں پائی جاتی۔

پرندوں کی تخلیق خدا نے اس طرح بنائی کہ وہ انڈے دیتے ہیں، بچے نہیں دیتے، جس طرح دوسرے حیوانات۔ تاکہ اڑنے کے کام میں حمل کے بوجھ سے خلل نہ پڑے۔ ورنہ بچہ پیدا ہونے کی صورت میں جب بچہ حمل کی پوری مدت ختم کر لیتا تو بھاری ہونے کی وجہ سے ماں کے لئے اڑنا مشکل ہوتا، قدرت نے کیسی کیسی حکمتوں اور مصلحتوں سے ہر چیز کو مناسب بنایا ہے۔

کس نے پرندوں کو یہ سبق دیا کہ وہ انڈوں پر بیٹھیں ان کو سے کر گرمی پہنچائیں کس نے ان کو یہ تعلیم دی کہ دانے کو پہلے خود اپنے منہ میں رکھیں اور جب وہ نرم ہو جائے تو اپنے بچوں کو کھلائیں، اور جب تک بچے غذا کے قابل نہ ہوں خالی ہوا سے ان کے پیٹ کو بھرتے رہیں۔ دیکھو پرندے اپنے بچوں کی پرورش اور داشت میں کیسی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں حالانکہ انسان کی طرح سے نہ تو پرندوں میں سمجھ عقل ہوتی ہے نہ وہ دور اندیشی اور سوجھ بوجھ ہوتی ہے جو خدا نے انسان کو عطا کی ہے اور پرندے اپنے بچوں سے اس طرح توقعات اور امیدیں بھی نہیں رکھتے جو انسان اپنی اولاد سے سلسلہ نسل سے متعلق،

ہر طرح کی امداد اعانت کے حصول کی توقعات رکھتا ہے۔ ان تمام عاقبت

اندیشیوں اور دور اندیشیوں سے پرندے یکسر خالی الذہن ہوتے ہیں۔ تاہم اپنے بچوں کی پرورش اور حفاظت میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ قدرت کی طرف سے ان کے دلوں میں جذبہ محبت ودیعت ہوتا ہے۔

پھر اس بات پر غور کرو کہ مادہ کو اپنے حاملہ ہونے کا علم کیونکر ہوتا ہے جو انڈے کی شکل میں اس کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ اور انڈا دینے کے لئے اور اس کی حفاظت کا ضروری انتظام کرنے کے لئے وہ کس کس طرح سے تنکوں کو جمع کر کے نرم بستر تیار کرتی ہے جس پر وہ انڈا دے گی اور پھر بچہ پیدا ہونے تک انڈوں کے اوپر وہ بیٹھے گی۔

کبوتر کو تم دیکھو کہ وہ کس طرح سے انڈے کے اندر کی حالت کو معلوم کر لیتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ اب بچہ کامل ہو چکا، اور وہ انڈے کو توڑ کر بچہ کو نکال لیتا ہے، اور اگر انڈا کسی وجہ سے گندا اور خراب ہو جاتا ہے تو کبوتر کس طرح اس کے فاسد ہونے کو معلوم کر لیتا ہے، اور اس پر بیٹھنا ترک کر دیتا ہے، حتیٰ کہ اس گندے انڈے کو اپنے گھونسلے سے باہر پھینک دیتا ہے۔

بچے کے انڈے سے نکل آنے کے بعد سب سے پہلی غذا کو جو کبوتر اپنے بچے کو دیتا ہے وہ مرغ ہوا ہوتی ہے، پھر ہضم شدہ غذا اور اس طرح رفتہ رفتہ جب وہ یہ محسوس کر لیتا ہے کہ اب بچے کے پوٹے میں دانے کو ہضم کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے تو پھر دانے سے غذا دیتا ہے۔ اگر وہ ابتدا ہی سے بچے کو دانہ کی غذا دے تو بچہ کمزور ہونے کے باعث اس کو ہضم نہیں کر سکتا۔ اب یہ سمجھ اور عقل اس کبوتر میں کس نے پیدا کی جس نے بچے کی ہضم کی قوت کا اتنا صحیح اندازہ کر لیا۔ یہ سب خدا نے اس کو عطا فرمائی۔ اور جب بچہ انڈے سے باہر آجاتا ہے تو کبوتر اس کو اپنے پہلو میں لئے رہتا ہے کہ اس کو گرمی پہنچتی رہے۔

www.ahnafmedia.com

الیانہ ہو کہ انڈے کی گرمی سے جدا ہو کر وہ بالکل سردی میں رہ کر ہلاک ہو جائے اس لئے اپنے پروں میں دبا کر گرمی پہنچاتا ہے۔

اور پھر تمام پرندے ایک ہی طرح سے بچوں کے پیدا کرنے میں نہیں ہیں بلکہ ان کی بہت سی اقسام ہیں، اور ہر قسم کے لئے الگ الگ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جو خدا نے ان میں رکھی ہیں۔ مرغی کو دیکھئے۔ اس میں خدا نے بچوں کو بھرانے اور کھلانے کی صفت نہیں رکھی اس لئے مرغی کا بچہ انڈے سے باہر آتے ہی اپنی غذا خود حاصل کرتا ہے اور دانا دنکا چگنے لگتا ہے۔

پھر نر اور مادہ دونوں پر نظر کرو کہ کس طرح بچوں کی پرورش میں کوشاں نظر آتے ہیں، اور یکے بعد دیگرے بچوں کو اپنے آغوش میں رکھکر گرمی پہنچاتے ہیں تاکہ ٹھنڈ سے ہلاک نہ ہو جائیں، اور انڈے گندے نہ ہو جائیں۔ گویا وہ اس گرمی پہنچانے کی ترکیب سے اچھی طرح واقف ہیں اور اچھی طرح سے سمجھتے ہیں کہ اگر اس کے خلاف کیا تو یقیناً انڈے خراب ہو جائیں گے اور پھر بچے مر جائیں گے۔

انڈے کی تخلیق پر نظر کرو، اس کے مادے کو دیکھو، وہ دو قسم اور رنگ کا ہوتا ہے ایک سفید رطوبت جو غذا کے لئے ہوتی ہے اور دوسری زرد رنگ کی رطوبت جو بچے کے جسم کی ساخت اور اس کی نشوونما کے لئے۔ دیکھو خدا نے کس حکمت سے اس انڈے میں بچے کے لئے غذا بھی پہلے سے مہیا کر دی ہے۔

پرندوں کے پوٹوں تک غذا کے جانے کے راستہ کو کیونکر تنگ بنایا گیا ہے، اب اگر پرندا ایک ایک دانہ کے چگنے میں دوسرے دانہ کے پوٹے میں پہنچنے تک کا انتظار کرے تو اول تو اس کے لئے کافی وقت درکار ہوگا اور پھر پرندوں کو ہر وقت شکاری کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور وہ ذرا ذرا سی حرکت کے ہونے سے ہوشیار اور متنبہ رہتا ہے، تو وہ اتنی

مہلت کہاں سے پا سکتا ہے اس لئے خدا نے اس کے پوٹے کو اس طرح سے بنایا ہے گویا کہ وہ کھانے کو جمع رکھنے کا ایک تھیلا ہے یہاں وہ جلدی جلدی سے وہ دانے چن کر جمع کر لیتا ہے، اور پھر اطمینان سے ایک ایک دانہ کو اس تھیلے سے لیکر ہضم کے مقام پر پہنچاتا رہتا ہے اور پھر تمام پرندوں میں ایک ہی حکمت مشترک نہیں بلکہ وہ پرندے جو اپنے بچوں کو خود بھراتے ہیں، ان کے لئے کھانا پوٹے سے نکالنا بہت آسان کر دیا گیا ہے۔

پرندوں کے پروں کی تخلیق پر اور ان کی بناوٹ پر نظر کرو کہ وہ کپڑے کے تاروں کی طرح ایک دوسرے سے باریک باریک تاروں سے مربوط ہوتے ہیں۔ کچھ خشک اور قدرے سخت ہوتے ہیں جو اطراف سے حفاظت کرتے ہیں، اور کچھ نرم جو دباؤ سے ٹوٹنے نہ پائیں۔ وہ پر اندر سے خالی اور بہت ہلکے ہوتے ہیں۔ ڈوروں کے تاروں کی طرح سے ایکدوسرے سے جڑے ہوتے ہیں کہ اگر پرند ان کو پھیلائے تو اس طرح سے نہیں پھیلتے کہ ہوا ان میں داخل ہو کر پرندوں کو اڑنے سے باز رکھے۔ ان پروں کے وسط میں ایک موٹا سخت اور خشک عمود سا ہوتا ہے۔ جس پر چاروں طرف یہ پر اُگے ہوتے ہیں جس طرح بال ہوتے ہیں، اور وہ عمود ان سب کو محفوظ اور مضبوط رکھتا ہے اگرچہ وہ عمود اندر سے خول ہوتا ہے، تاکہ ہلکا رہے مگر اپنی صلابت کے باعث بہت مضبوط ہوتا ہے اور پروں کے وسط میں یہ عمود نہ ہو تو یہ پر ہوا کا مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ تیز ہوا میں پرندوں کا اڑنا بھی محال ہو جائے۔

لانبی ٹانگوں والے پرندوں پر نظر کرو، عام طور پر وہ صاف اور چٹیل میدانوں یا پھر ایسے نشیبی مقامات پر اپنی غذا کی طلب میں رہتے ہیں جہاں پانی جمع رہتا ہے، گویا وہ ادھر ادھر چلتے میں یہ غور کرتے ہیں کہ پانی کی

www.ahnafmedia.com

تہہ میں کون سی چیز ان کی مقصد کی چل رہی ہے کہ آہستہ سے ایک دو قدم آگے بڑھا کر اس کو کھالیں، اب اگر ان کی ٹانگیں چھوٹی ہوں تو پھر ان کا جسم اور سینہ پانی کی سطح پر مس ہوکر پانی میں حرکت پیدا کر دے گا اور اس طرح ان کا شکار آگاہ ہوکر بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا تو گویا ان کی ٹانگوں کا لانبا ہونا ان کے حق میں عین حکمت اور مصلحت ہے۔

چڑیوں کو دیکھو جو اپنے اپنے گھونسلوں سے کھانے کی طلب میں صبح کو نکلتی ہیں اور ادھر ادھر اڑ کر اپنے لئے غذا تلاش کرتی ہیں اور شام کو اپنا پیٹ بھر کر گھونسلوں میں واپس آتی ہیں اور اسی طرح سے خدا کی یہ سنت جاری ہے۔ ان کی غذا ایک مقام پر اکھٹی نہیں مل جاتی جو ان کو اس کی طلب میں دُور دُور جانے کی ضرورت نہ ہو۔ اور اگر ایک جگہ پر ان کو اپنی غذا اکھٹی مل جایا کرتی تو وہ حرص میں اتنا کھا جائیں کہ پھر ان کے لئے اڑنا محال ہو جائے، اور پھر ہضم کرنا بھی دشوار ہو۔ اور بعض جانوروں کو اگلنا اور قے کرنا بھی نہیں آتا، جو زیادہ کھا جانے کی صورت میں ایک بڑا علاج ہے، جس طرح پانی کے بعض جانور زیادہ کھا جانے پر قے کر کے اپنے معدہ کو ہلکا کر لیتے ہیں۔ اس لئے چڑیوں کے اپنی غذا کی طلب میں جگہ جگہ اڑ کر جانے اور تھوڑا تھوڑا ہر جگہ سے کھانے ہی میں بڑی مصلحت و حکمت پوشیدہ ہے کہ اس طرح ان کا کھانا ہضم بھی ہو جاتا ہے، اور اڑنے میں بوجھ بھی نہیں ہوتا۔

یہی حال انسان کا ہے کہ اگر فراغت سے بغیر سعی و کوشش کے اس کو کھانے کو مل جایا کرے تو وہ بھی بیمار پڑ جائے۔

اب ان پرندوں کو دیکھو جو صرف رات ہی کو نکلتے ہیں اور دن میں قطعاً نہیں اڑتے، جیسے اُلو ابابیل چمگادڑ وغیرہ۔ ان کی غذا مچھر پتنگے وغیرہ ہیں جو فضا میں اڑتے رہتے ہیں۔ پس یہ غذا ان کو

www.ahnafmedia.com

ہوا میں جو زمین سے زیادہ نزدیک ہے حاصل ہو جاتی ہے، یہ قدرت کی زیادہ حکمت ہے۔ غالباً ان کی آنکھوں کی روشنی اور بصارت اس قابل نہیں کہ زمین سے اپنی غذا ادھر ادھر چل پھر کر حاصل کر سکیں، اور یقیناً یہ جانور اس سے قاصر ہیں، اس لئے کہ سورج کی روشنی میں یہ جانور باہر نہیں نکلتے۔ جہاں یہ روشنی نہ ہو اور آفتاب غروب ہو جائے تو یہ باہر آتے ہیں پس قدرت نے ان کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنی غذا اس طرح ہوا سے حاصل کر لیں۔

چمگادڑ کو قدرت نے بے بال و پر بنایا ہے، پس اسی حکمت سے اس کے قائم مقام دوسری چیزیں بنائی ہیں، اس کا منہ بھی ہے اور دانت بھی، اور زمین پر زندگی بسر کرنے والے دوسرے جانوروں کی طرح اس میں اور بھی تمام چیزیں مشترک ہیں، طریقہ ولادت وغیرہ۔ اور پھر اس کے باوجود اس کو اڑنے پر قادر کر دیا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ خدا بغیر بال و پر کے بھی اڑنے پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ پرندوں کی نوع کے سوا دوسری نوع کو بھی وہ اڑنے کی قدرت دے سکتا ہے۔ اس طرح خدا نے بعض مچھلی بھی اس طرح بنائی ہیں کہ وہ سطح سمندر پر کافی دور تک اڑ کر جا سکتی ہیں۔ پھر پانی میں چلی جاتی ہیں۔

کبوتر اور کبوتری ان دونوں کی باہم تعاون پر غور کرو کہ انڈوں کے سینے میں کس طرح ایک دوسرے کی قائم مقامی کرتے ہیں۔ اگر ایک غذا کی تلاش میں جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ انڈے پر بیٹھ کر انڈے کو گرمی پہنچاتا ہے اور اس طرح سے انڈے کو گرمی پہنچانے کا یہ سلسلہ منقطع نہیں ہونے پاتا اور پھر ان کی غیر حاضری زیادہ دیر تک کے لئے نہیں ہوتی، ہر ایک کو انڈے پر بیٹھنے کی فکر رہتی ہے

یہانتک اگر ان کو پاخانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ، تو وہ اس کو روکے رہتے ہیں ۔ اور پھر دفعۃً قضائے حاجت کرتے ہیں اور وہ بھی اس وقت جب مجبور ہو جاتے ہیں ۔

جب کبوتری انڈے سے حاملہ ہوتی ہے تو کبوتر اس کی کتنی حفاظت اور دیکھ بھال کرتا ہے کہ اس کو گھونسلہ سے باہر نہیں چھوڑتا ۔ اس ڈر سے کہ انڈا کسی ایسی جگہ نہ دے دے ۔ جہاں انڈا ضائع ہو جائے ۔ انڈے سے بچے کے نکل آنے پر دونوں کس طرح اُن کو بھراتے ہیں اور کیسے ان پر مہربان ہوتے ہیں ۔ اور جب بڑے ہو جاتے ہیں اور عادت کے مطابق ماں باپ سے دانے پانی کا مطالبہ کرتے ہیں تو پھر کبوتر اور کبوتری ان کو مار کر اپنے سے علیحدہ کر دیتے ہیں تاکہ اب وہ اپنی غذا خود حاصل کریں ۔

خدا نے ان کو اڑنے کی کتنی طاقت اور قدرت دی ہے کہ اگر کوئی پکڑنا چاہے تو وہ اس کے ہاتھ نہیں آتے ، تیزی سے اُڑ جاتے ہیں ۔ پرندوں کے پنجوں میں قوت ، چونچ میں تیزی ، اور ناخنوں میں نوک خدا نے کیسی بنائی ہیں کہ پرندے ان سے چھری کا کام لیتے ہیں ۔ اور کبھی کبھی پنجوں میں گوشت کو لٹکا کر اُڑا لے جاتے ہیں ، اور جہاں چاہتے ہیں لیجاتے ہیں ۔

پانی کے پرندوں کی غذا خدا نے پانی ہی میں بنائی ہے اور ان میں اڑنے کی قوت کے علاوہ پانی میں تیرنے اور غوطہ لگانے کی بھی قوت دی ہے کہ وہ پانی کی گہرائی میں جاکر اپنی غذا حاصل کر سکیں ۔

غرضکہ خدا نے پرندوں کی جملہ انواع واقسام میں ان کے حسب حال اور حسب ضرورت چیزیں عطا کی ہیں ۔ جو ان کی ضروریات

زندگی کے حاصل کرنے میں مفید اور معاون ہیں۔ اس سے تم خدا کی حکمت اور کمال قدرت کا اندازہ کرو۔

www.ahnafmedia.com

چوپایوں کی پیدائش کی حکمتیں

خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ۔

گھوڑے، خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہاری زینت کے لئے بھی ہیں۔

خدا نے چوپایوں کو انسان کے نفع کے لئے پیدا فرما کر انسان پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ایسے کام کے جانور پیدا فرمائے اور ان کی جسمانی تخلیق اس طرح فرمائی ہے کہ نہ زیادہ نرم اور نہ زیادہ سخت کہ ہم ان سے بخوبی فائدہ اٹھا سکیں۔ ان کے گوشت پوست اور اعصاب و عروق نہایت مستحکم اور مضبوط بنائے ہیں کہ ہم ان کو سواری اور باربرداری کے کام میں لا سکیں۔ ان کی کھال نہایت موٹی اور مضبوط بنائی کہ ان کا تمام بدن اس کھال میں محفوظ ہے اور ان کا گوشت اس کھال کی وجہ سے باہر کی زد سے محفوظ ہے۔ ان جانوروں کو کان اور آنکھیں بھی دیں کہ انسان ان سے اپنی ضروریات کو کامل طور سے پورا کر سکے۔ اس کے برخلاف اگر وہ جانور اندھے اور بہرے ہوتے تو کام کی انجام دہی میں بڑی رکاوٹ اور دشواری پیش آتی اور ان جانوروں میں عقل و ہوش بھی مصلحتاً زیادہ نہیں عطا کیا، تاکہ انسان کے تابع اور فرمانبردار رہیں۔ ورنہ ہل چلانے، بھاری بھاری بوجھ لادنے اور چکیوں میں استعمال کرنے کے جیسے سخت کاموں سے وہ گریز کرتے، اور قابو میں نہ آ سکتے تھے۔

www.ahnafmedia.com

قدرت خوب جانتی تھی کہ انسان کو ان تمام کاموں کی ضرورت پڑے گی اور انسان کی طاقت سے یہ کام باہر ہیں۔ اب اگر ایسے کاموں کے انجام دینے کا انسان کو مکلف گردانتی، تو نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک طرف تو اس پر ان کاموں کو پورا کرنا بارگراں ہوتا، دوسرے اس کی ساری قوت ان سخت سخت کاموں کے انجام دینے میں صرف ہو کر ختم ہو جاتی تو پھر علوم و اخلاق کی تحصیل، فضائل و محامد کا حصول اور درجات کی تکمیل، جو انسان کی خصوصیات میں سے ہیں، اور جن کی بدولت انسان کو شرف و امتیاز کا اعلیٰ رتبہ دیا گیا ہے، ان سے انسان قطعاً محروم رہ جاتا، اور یہانتک انسان عاجز ہو جاتا کہ وہ اپنے لئے معاش حاصل کرنے کے بہتر وسائل و وظائف اور معزز طریقے بھی استعمال نہ کر سکتا تھا۔ پس اس طرح خدا کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے انسان کے مناسب اور اس کی مصلحت کے پیش نظر اپنی عین حکمت و تدبر سے جانوروں کی تخلیق ایسی بنائی کہ وہ ہر طرح سے انسان کے کام آسکیں، اور کسی طرح سے کام کرنے میں گریز نہ کریں۔

حیوانات اور جانوروں کی اقسام اور ان کی ضروریات کے مناسب اُن میں صلاحیتوں اور قوتوں کے موجود ہونے پر غور کرو۔ مثال کے طور پر انسان ہی کو لے لیجئے، قدرت نے انسان کو اس طرح تخلیق کیا ہے کہ وہ علوم و فنون کو حاصل کرے، دستکاری و صنعت میں کمال پیدا کرے، اور اپنی مختلف ضروریات کے پیش نظر مجبور ہے کہ کپڑے کا بننا، مکانات کی تعمیر، لکڑی کا کام اور فن اہنگری وغیرہ کو بھی انجام دے، اس مصلحت و حکمت کے پیش نظر خدا نے انسان کو اس کے مناسب عقل و شعور اور دل و دماغ عطا کیا، اعضاء کی ساخت میں بھی اس تناسب کو ملحوظ رکھا، ہاتھوں کو اس طرح بنایا کہ اس میں انگلیاں

www.ahnafmedia.com

اور ہتھیلی ہے کہ وہ اشیاء کو گرفت کر سکے، دستکاری اور دوسرے کاموں کی انجام دہی کے اوقات میں ان اوزاروں کو صحیح طرح سے گرفت میں لاکر ان کا استعمال کر سکے۔

ان جانوروں کی بناوٹ پر غور کرو جن کی خوراک قدرت نے گوشت بنایا ہے، کہ ان جانوروں کو شکار کرنے اور اس کو پکڑنے کی پوری پوری صلاحیتیں اور قوتیں بخشیں، ان کے ہاتھ پاؤں میں تیز قسم کے ناخن اور پنجے بنائے کہ موقع پر وہ شکار کو قابو میں لاسکیں، پھر ان کو چیر پھاڑ کر کے ان کو اپنی خوراک بنا سکیں۔

ان جانوروں پر غور کرو جن کی خوراک قدرت نے نباتات بنائی ہیں، کہ بعض جانوروں کے نیچے کے حصوں کو اس طرح بنایا ہے کہ سخت زمین پر جب وہ اپنی خوراک کی تلاش میں چلیں پھریں تو زمین کی خشونت اور اس کے سنگ ریزوں کی رگڑ سے اپنے کو محفوظ رکھ سکیں۔ اور پتھریلی زمین ان کے جسم کو زخمی نہ کر سکے، اسی طرح کسی کسی جانور کو گول گڑھے دار کھر عطا کئے، کہ زمین پر اپنے قدم کو پوری طرح جما سکیں۔ اور سواری اور بار برداری میں اپنے قدموں کو مضبوطی سے زمین پر قائم رکھ سکیں۔

گوشت خور جانوروں کی تخلیق پر غور کرو کہ ان کے دانت اور ڈاڑھیں کیسی تیز اور دھار دار بنائی ہیں اور ان کا منہ کیسا کشادہ رکھا ہے گویا قدرت نے ــــ ان کو ایک قسم کے ہتھیار عطا کئے ہیں جن سے وہ اپنے لئے شکار حاصل کر سکیں۔ اس کے برخلاف اگر گھاس کھانے والے جانوروں میں پنجے اور تیز دانت اور دھار دار ڈاڑھیں ہوتیں، تو ان کے کس کام آتیں، قطعاً بے سود ہوتیں۔ کیونکہ نہ تو ان کو شکار سے کوئی کام اور نہ گوشت کھانے کی ضرورت، جو ان چیزوں سے

بدلیں۔ اس طرح سے کہ اگر درندوں میں اس قسم کے پہلو اور کھال ہوتی جس کی ضرورت گھاس کھانے والے جانوروں کو پیش آتی ہے تو یہ ان کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہوتی اور وہ اپنے لئے شکار نہ حاصل کر سکتے، جو ان کی غذا ہے۔ گویا وہ ان ہتھیاروں سے بھی محروم ہوتے جن کی ان کو شکار کرنے میں ضرورت ہو۔

پس اب اس پر غور کرو کہ قدرت نے ہر جانور کو اس کی ضروریات اور مصالح کے مناسب اعضا، قوتیں، اور جسمانی ساخت عطا فرمائی ہے اب ان کے بچوں کی پیدائش کو دیکھو، مثلاً چوپایوں کے بچوں پر نظر کرو کہ وہ پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کے ساتھ ساتھ کس طرح سے چلتے پھرتے ہیں، انسانوں کی اولاد کی طرح نہ ان کی پرورش کی ضرورت اور نہ اس طرح سے اٹھائے اٹھائے پھرنے کی حاجت۔ اس لئے ان کی ماؤں میں وہ عقل و شعور بھی نہیں پیدا کیا جس کی ضرورت انسانوں کو اپنی اولاد کی تربیت کرنے میں پڑتی ہے۔ اور نہ ان میں اس طرح کے ہاتھ اور ان میں انگلیاں بنائیں جن کی ضرورت انسان کو ہوتی ہے یہ سب اس لئے کہ ان چوپایوں کے بچوں میں مستقل خود چلنے پھرنے کی صلاحیت پیدا فرمادی کہ وہ اپنی ماؤں کے ساتھ ساتھ رہیں۔

پرندوں میں مرغی تیتر وغیرہ کے بچوں کو دیکھو کہ انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور جو بچے کمزور ہوتے ہیں اور خود ماں کے ساتھ ساتھ دانہ دنکا نہیں کھا سکتے، جیسے کبوتر کے بچے، ان کی ماؤں کو خدا نے ان پر ایسا شفیق اور مہربان کیا ہے کہ وہ خود ان کو بھراتی ہیں۔ اپنے منہ میں چبا کر بچوں کو کھلاتی ہیں اور ان کا یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے کہ وہ اپنی قوت پر خود چل پھر کر دانہ چگ سکیں۔ خدا نے اس طرح ہر ایک میں یہ مادۂ رحم و شفقت

کم وبیش اپنی بلیغ حکمت سے عطا فرمایا ہے۔

چوپاؤں کے قوائم (ٹانگوں) پر نظر کرو کہ چلنے پھرنے اور دوڑنے میں وہ کس طرح سے اپنے آگے پیچھے کے دو دو پاؤں کو زمین پر رکھتا ہے تاکہ زمین پہ قائم رہ سکے، پانی کے جانور پانی پہ چلنے میں اپنے جسم کے حصہ سے وہی کام لیتے ہیں، جو پاؤں والے زمین پر اپنی پاؤں سے کام لیتے ہیں دو ٹانگوں والے چلنے میں جب ایک پاؤں کو اٹھاتے ہیں تو دوسرے پر اس طرح سہارا دیتے ہیں کہ قائم رہ سکیں۔ اور چار ٹانگوں والے جب دو دو پاؤں کو آگے پیچھے بڑھاتے ہیں تو اٹھاتے وقت دوسری دو ٹانگوں پر اس طرح سہارا کرتے ہیں کہ گرنے نہیں پاتے۔ اور اس حکمت سے ٹانگوں کو اٹھاتے ہیں کہ آگے کی ایک طرف کی تو پیچھے کی دوسری طرف کی جو آگے کی مخالف جہت ہو، کیونکہ ایک ہی جہت کی آگے پیچھے کے بیک وقت پاؤں اٹھانے کی حالت میں وہ اپنا جسم سادھ نہیں سکتے جسطرح کہ پلنگ ایک ہی طرف دو پایوں پر قائم نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح اگر وہ دونوں ہاتھوں کو اٹھائیں، اور پھر دوسری دفعہ میں دونوں پاؤں، اس طرح رفتار میں خرابی پیدا ہوکر وہ سواری اور بار برداری کی صحیح خدمت نہ کرسکیں گے۔ اس لئے خدا نے ان میں یہ حکمت اور سوجھ بوجھ دی ہے کہ جب آگے کا دائیں طرف کا پاؤں اٹھائیں تو پیچھے کا بائیں طرف کا۔ تاکہ آگے پیچھے کی مخالف سمت کی ٹانگوں پر وزن سدھا رہے۔ اور چال میں نرمی اور سلامتی باقی رہے۔ گدھے کو دیکھو کہ بار برداری اور چکی میں کام آتا ہے، برخلاف گھوڑے کے، اس سے یہ کام کوئی نہیں لیتا۔ اور اونٹ اگر سرکشی کرنے لگے تو چند لوگوں کے قابو میں بھی نہیں آتا، اور جب وہ عاجزی اور سامنے پن میں ہو تو ایک چھوٹے سے بچے کے ہاتھ میں نکیل دیدیجئے وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔

اور سرکش بیل اس وقت تک قابو میں نہیں آتا تاوقتیکہ اس کی گردن کو گرم لوہے سے نہ داغا جائے۔ تب ہی اس سے کھیت جوتنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ گھوڑے سواری کے کام آتے ہیں، اور میدان جنگ میں ان پر اسلحہ بھی لاد کر لیجایا جاتا ہے۔ بکریوں کے گلہ کو ایک چھوٹا سا بچہ بھی چرانے کو لیجاتا ہے۔ لیکن جب وہ گلہ سے جدا ہوکر ادھر ادھر منتشر ہوجائیں تو پھر ان کا یکجا کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ یہی حال تمام جانوروں کا ہے کہ ان کو عقل و شعور اسی لئے خدا نے ان کے مناسب دیا ہے، جو انسان کی خدمت کرنے میں مزاحم نہ ہو۔ ورنہ یہ انسان کے قابو میں ہرگز نہ آسکتے تھے۔ ——————— خواہ انسان کتنا ہی ان کو تابع کرنے کے لئے جد و جہد کرتا۔

یہی حال درندوں کا ہے، اگر ان میں عقل و شعور ہوتا تو یہ انسانوں پر برابر حملہ کرتے رہتے اور ان کو باز رکھنے کے لئے انسان کو بڑی مشقتیں اٹھانا ہوتیں، خصوصاً اس صورت میں جب وہ بھوکے ہوتے، اور غذا کی طلب میں پھرتے، تو انسانوں کا نکلنا اور چلنا پھرنا تک بند کردیتے اس لئے خدا نے ان کو باوجود قوت و طاقت زیادہ دینے کے، عقل و شعور سے محروم رکھا، اور انسانوں سے خائف رہنے کا جذبہ ان میں پیدا فرماکر انسان پر بڑا احسان کیا۔

کتے کو دیکھو وہ بھی ایک قسم کا درندہ ہے۔ انسان کا کیسا تابعدار ہوکر رہتا ہے کہ مالک کے مکان کی حفاظت کرتا ہے، ساری رات خود جاگتا ہے مگر مالک کی حمایت میں جان دیتا ہے۔ پھر اپنی گہ جدار آواز سے ہر خطرہ پر مالک کو متنبہ بھی کر دیتا ہے کہ مالک ہوشیار ہوکر اپنی مدافعت کے لئے تیار رہے۔ کتے میں صبر کا کیا مادہ ہے، کئی کئی وقت تک بھوکا پیاسا رہ سکتا ہے، مگر مالک سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا۔ مالک اس پر

کتنا ہی سختی کرے، مارے پیٹے لیکن وہ اس پر بھی اس کو نہیں چھوڑتا یہ خصائل و عادات کتے میں خدا نے انسان کی منفعت کی خاطر پیدا فرمائے ہیں۔

کتا شکار میں کیسا کام آتا ہے اور شکار کو اپنے دانت اور ناخن سے قبضہ میں کر کے مالک کے لئے محفوظ کرتا ہے۔ یہ سب کچھ انسان کی منفعت اور فائدہ کے غرض سے خدا نے بنائے ہیں۔

پھر ان چوپاؤں کی پیٹھ کو خدا نے کس طرح مسطح اور چلنے پاؤں پر مضبوط بنایا ہے تاکہ سواری اور باربرداری سے لچک نہ جائے اور قائم رہ سکیں۔ جانوروں کے اندام نہانی (فرج) (شرمگاہ) کو پیچھے کی طرف ظاہر اور کھلا ہوا بنایا، تاکہ نر ان سے آسانی سے جفتی کر سکے۔ اگر انسانوں کی طرح باطنی سطح میں ہوتی، تو نر ان سے جفتی نہ کر سکتا۔

کیونکہ نر مادہ سے ملتے وقت سامنے سے روبرو ہو کر نہیں آتا، جس طرح مرد عورتوں سے ملتے ہیں۔ پس یہاں بھی خدا کی حکمت و تدبیر پر غور کرو۔ ہاتھی کی شرمگاہ اگرچہ نیچے کے حصہ میں بنائی ہے، مگر جفتی کے وقت وہ اپنے اس حصہ کو ـــــ باہر کی طرف لے آتا ہے کہ نر اس سے بآسانی جفتی کر سکے۔ پس کیونکہ خدا نے جانوروں میں اس مقام کو انسان کے خلاف بنایا ہے، اسی اعتبار سے ان میں چند مخصوص صفتیں ایسی رکھی ہیں کہ وہ اس کام کو بخوبی انجام دے سکیں، اور اس طرح تناسل کا سلسلہ جاری اور قائم رہ سکے۔

پھر جانوروں کے جسم کو بالوں اور اون سے کس طرح سے ڈھانپا ہے کہ سردی اور گرمی سے ان کے جسم کی حفاظت رہے۔ ان کے پاؤں کو کھروں اور ناخنوں پر بنایا کہ سخت زمینوں پر دور دور سفر کرنے میں برہنہ ہونے کی حالت میں زخمی نہ ہوں اور محفوظ رہیں۔ اور بعض میں کھر کے قائم مقام پنجے ہیں ان کے پاؤں پر چپٹا دیئے ہیں جو ان کے لئے چلنے

www.ahnafmedia.com

میں وہی کام دیتے ہیں۔

جانوروں کو جب اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ نہ ان میں ذہن و دماغ ہے نہ ہاتھ اور انگلیاں، جو کام میں مدد دیتی ہیں، تو قدرت نے اس مشقت کو بھی ان کو نجات دیدی ہے۔ اور ان کا لباس ان کے جسم کے ساتھ ہی پیدا ہونے والا پیدا کیا ہے، نہ اتارنے کی ضرورت، نہ پہننے کی مشقت اور نہ اس کی تبدیل کرنے کی زحمت، برخلاف انسان کے، کہ اس کو قدرت نے عجز اور عقل عطا کی ہے۔ ہاتھ پاؤں اس طرح سے بنائے گئے ہیں، جن سے یہ تمام کام لیا جا سکے، اس لئے اس کے مشاغل و مصروفیات بھی اسی قسم کے ہیں، پھر اس میں خیر و شر کا ملکہ عطا کیا، بلکہ شر کا میلان خیر کی نسبت زیادہ ہے، اس میں اس قسم کے اسباب بنائے، جن کی مدد سے وہ ہلاکت و تباہی سے اپنے کو محفوظ رکھ سکے

انسان میں ملکہ خیر کے ساتھ ملکہ شر کو اس مصلحت سے پیدا کیا گیا، اور صرف ملکہ شر کو یا ملکہ خیر کو تنہا نہیں پیدا کیا کہ ملکہ شر کے غالب ہونے میں اگر اس کی اعانت و امداد کی جاتی تو وہ غرور و تکبر میں پھنسکر اپنے کو تباہ کر ڈالتا، اور زمین پہ فساد برپا کرنے میں سب سے آگے ہوتا اور اپنی عقل کی قوت سے جو سعادت و صلاح کے حصول کے لئے دی گئی ہے، وہ شقاوت و بدبختی کے جملہ اسباب فراہم کر لیتا۔

انسان کو خدا نے تمام حیوانات میں اشرف و اکرم بنایا ہے۔ اس پہ طرح طرح سے احسانات کئے ہیں، اس کو اختیار دیا گیا ہے، کہ کپڑوں میں سے جس کپڑے کو چاہے پسند کرے اور جس قسم کا کپڑا پسند کرے استعمال کرے اور جس کپڑے کو جب چاہے اتار ڈالے، اور اس طرح وہ اپنے کو بہتر سے بہتر آراستہ و پیراستہ کر سکتا ہے، پھر مزید حسن و تجمل کے لئے، اور احباب کی مجلسوں میں درجہ قرب حاصل کرنے کے لئے قیمتی سے قیمتی اور

نفیس سے نفیس کپڑے اور خوشبو اور عطر کا استعمال کرتے یہ خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے، کہ اس کی زیبائش و آسائش کے کیسے کیسے سامان پیدا کئے اور انسانوں کو ان چیزوں کے استعمال کی عقل و سمجھ عطا کی، اور پھر اس کو اختیار بھی دیا۔ بر خلاف دوسرے جانوروں اور حیوانات کے کہ وہ ان نعمتوں سے محروم ہیں۔

خدا نے ان تمام جانوروں کو موت و ہلاکت سے اپنے کو بچانے کی کیسی عقل دی ہے کہ وہ اپنے کو جنگلوں اور جھاڑیوں میں کس طرح پوشیدہ کئے رہتے ہیں، اور ذرا بھی خطرہ محسوس ہوا فوراً محفوظ اور پوشیدہ مقام پر جا چھپتے ہیں۔ اور مرتے دم تک اپنے کو چھپائے رکھتے ہیں اور اگر یہ غلط ہے تو پھر یہ بڑے بڑے جثہ والے درندے اور پرندے اور ہزاروں قسم کے جنگلی جانور کہاں ہیں۔ تم تلاش کرو گے تو ایک بھی بہ مشکل نظر آئے گا۔ اور ایسا ہے نہیں کہ وہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں، اس لئے نظر نہیں پڑتے۔ بلکہ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ تعداد میں انسانوں سے کہیں زائد ہیں تو اس کا یہ قول مبالغہ نہیں کیونکہ یہ بڑے بڑے قوی و قوی جنگل درندوں اور جانوروں، بجو، گائے، گدھے، خچر، بکرے، اونٹ، سور، بھیڑیے اور ہزاروں قسم کے کیڑے مکوڑوں حشرات الارض اور قسم قسم کے بے شمار پرندوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اور یہ تمام اقسام کے جانور روزانہ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے رہتے ہیں اور ان میں سے کسی کی نہ تو ہڈیاں نظر پڑتی ہیں اور نہ ان کے مردہ جثے کہیں پڑے ملتے ہیں۔ بلکہ قدرت نے ان کی طبیعت ایسی بنائی ہے کہ کسی مقام پر بھی ہوں، اگر ان کو اپنی موت کا ذرا بھی شبہ ہو جائے تو وہ پوشیدہ مقامات میں چلے جاتے ہیں۔ اور زندگی کے آخری لمحات وہاں پورے کرتے ہیں۔ اب تم ان جانوروں کی اس عادت طبیعت پر غور کرو کہ وہ اپنے مردہ جثوں کو دفن کرنے کے لئے وہ کیسی تدبیر

کرتے ہیں اللہ قدرت نے ان کو کیسی حکمت بتادی ہے

ان چوپاؤں کی تیز آنکھوں پر غور کرو، جو اپنی تیز نگاہ سے سامنے سے اور دور کی چیز کو دیکھ کر اپنے کو دیوار وغیرہ سے ٹکرانے اور گڑھوں میں گر کر ہلاک ہونے سے کس طرح محفوظ کرتے ہیں۔ سامنے جب کوئی ایسی شئی نظر آتی ہے جس میں ان کو خطرہ محسوس ہوتا ہے تو اس طرف سے مڑ جاتے ہیں اور اپنے کو روک لیتے ہیں۔ اگر یہ بیت سے ان خطرات اور عواقب سے بے خبر ہوتے رہیں جو ان کو پیش آنے والے ہیں اور جو ان ظاہری نگاہوں سے نہیں دیکھے جا سکتے۔ کیا ان میں یہ دور بینی کی قوت خدا نے ان کی صلاح و سلامتی کے لئے نہیں پیدا فرمائی تاکہ وہ اس سے فائدہ حاصل کریں۔

ان کے منہ کی ساخت پر غور کرو، نیچے کی طرف سے کس طرح کھلا ہوا ہوتا ہے تاکہ گھاس وغیرہ بخوبی چر سکیں۔ اگر انسانوں کی طرح سے ان کا منہ ہوتا تو وہ زمین سے کوئی چیز نہ کھا سکتے تھے۔ پھر کھانے میں منہ کی مدد کے لئے ان کے ہونٹ بھی مخصوص انداز اور خاص صفت سے بنائے ہیں جو چیز قریب ہوتی وہ اس کو اٹھا لیتے ہیں، اور کھانے کی چیز کو لے لیتے ہیں۔ اور جو چیز کھانے کی نہیں ہوتی اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کے پانی پینے کے طریقہ پر نظر کرو کہ وہ کس طرح چوس چوس کر سکون سے پیتے ہیں۔ ان کے منہ کے چاروں طرف نرم نرم بالوں کو کس حکمت سے بنایا ہے۔ پانی پینے میں پانی پر جو تنکے کوڑا کرکٹ بہہ کر آتا ہے، منہ کے قریب کے بال اس کو علیحدہ کرتے ہیں اور مخصوص حرکت سے اس پانی کو صاف و ستھرا کرتے رہتے ہیں گویا اس طرح سے چھنا ہوا صاف پانی پینے میں آتا ہے اور گندا اور قریب پانی ادھر ادھر ہو جاتا ہے۔

جانور دل اور چوپاؤں کی دم پر نظر کرو، اس کی حکمتوں اور فوائد پر

غور کرو، خدا نے اس کو بجائے پردے کے بنایا ہے جس کے ایک طرف بال ہوتے ہیں۔ گویا وہ دم چوپائے کی شرمگاہ پر پردے کا کام دیتی ہے ان کی شرمگاہ اور زیریں حصہ پر کیونکہ عموماً گندگی اور نجاست لگی رہتی ہے اور اس گندگی کی وجہ سے مکھیاں اور مچھر جمع رہتے ہیں، اپنی دم کو ہلا کر ان مکھیوں اور مچھروں کو دفع کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ان کی دم ایک لانبی چھڑی یا مورچھل کی طرح ہوتی ہے کہ اس سے وہ مکھیوں اور مچھروں کو ہٹانے اور اڑانے کا کام لیتے ہیں منہ کی طرف مکھیاں اور مچھر آتے ہیں تو اپنے سر کو ہلا کر ان کو دفع کرتے ہیں۔ پھر خدا نے ان چوپایوں کے جسم میں مخصوص حرکت کی قوت رکھی ہے کہ اگر جسم کے کسی ایسے حصہ پر مکھیاں بیٹھیں جو حصہ دم اور سر کی پہنچ اور حرکت سے دور ہو، تو یہ چوپائے اپنے جسم کے اُسی مخصوص حصہ کو بھی حرکت دے لیتے ہیں، جس سے مکھیاں اڑ جاتی ہیں۔ یہ خدا کی بڑی عجیب حکمت ہے، کہ جہاں ہاتھوں کی پہنچ نہیں وہاں اس حکمت سے کام لیتے ہیں۔

ان چوپایوں میں ایک اور صفت خدا نے رکھی ہے کہ جب ان کے جسم میں تکان زیادہ محسوس ہوتی ہے تو اپنے دائیں اور بائیں حصہ کو حرکت دے کر کسی قدر تکان کو دور کر لیتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر ان کا جسم سدھا ہوتا ہے جس پر بوجھ ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے بدن سے نہ تو مکھیوں مچھروں کو دور کر سکتے ہیں اور نہ کھجلی کھجا سکتے ہیں، تو ان کی دم کی حرکت اور جسم کی حرکت میں قدرت نے راحت و منفعت پوشیدہ رکھی ہے اور پھر بہت سرعت سے اپنی دم کو حرکت دے لیتے ہیں تاکہ کھجلی کی تکلیف زیادہ عرصہ ہو کر ان کی مزید اذیت کا باعث نہ بنے۔

ان جانوروں میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ جب پانی یا کیچڑ یا دلدل میں ہوتے ہیں اور اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی تو وہ

اپنی دم کو اٹھا لیتے ہیں کہ وہ پانی اور کیچڑ میں ملوث نہ ہو

اور جب کسی ڈھلان سے اترنا ہوتا ہے اور اوپر بوجھ لدا ہوتا ہے جس کے گرنے کا ان کو خوف ہو تو وہ اپنے سر کو اور چہرہ کو اس طرح سے اوندھا کر لیتے ہیں کہ وہ محفوظ رہے، اور دم سے اس طرح سے سہارا دیئے رہتے ہیں کہ وہ سامان رکا رہتا ہے گرنے نہیں پاتا۔ اور اگر گرتا بھی ہے تو ان کا چہرہ اور سر اس کی ضرب سے مجروح نہیں ہونے پاتا پس یہ ایسی حکمت و مصلحت ہے کہ سوائے خدا کے کسی کو نہیں معلوم، اور اس نے ان جانوروں میں اس کا احساس پیدا کر دیا ہے جس سے وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہاتھی کی سونڈھ کو دیکھو کہ وہ کس طرح سے ہاتھوں کے قائم مقام کام دیتی ہے۔ گھاس اور چارہ کے اٹھانے میں اور منہ تک لیجانے میں، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے لئے بڑی دشواری ہو جاتی، اور زمین سے کسی چیز کو نہ اٹھا سکتا تھا کیونکہ اس کی گردن دوسرے جانوروں کی طرح سے حرکت نہیں کر سکتی، اس لئے قدرت نے اس کی سونڈ میں یہ صفت پیدا فرما کر اس پر بڑا احسان فرمایا۔

پھر اس سونڈ کو برتن کے قائم مقام بنا دیا ہے کہ وہ اس میں پانی بھر کر منہ میں لیجاتا ہے، اس سونڈ سے سانس بھی لیتا ہے۔ گویا وہ ایک قسم کا آلہ ہے کہ اس کے ذریعہ بوجھ اٹھا کر اپنی پیٹھ پر رکھتا ہے اور سوار ہونے والے بھی سونڈ کی مدد سے اس پر سوار ہوتے ہیں۔

زرافہ ایک لانبی گردن والا جانور جو افریقہ کے صحراؤں میں پایا جاتا ہے اور اونٹ کی طرح ہوتا ہے اس کی خلقت پر نظر کرو۔ اس کی بود و باش بلند بلند اور گھنے باغوں میں ہوتی ہے، اس لئے قدرت نے اس کی گردن لانبی بنائی کہ وہ بلند بلند درختوں سے اپنی غذا پھل حاصل کر سکے

www.ahnafmedia.com

لومڑی کو دیکھو، وہ اپنا مکان زمین کے اندر بناتی ہے، اور دو راستے اس میں آنے جانے کے لئے بناتی ہے، اور وہ راستے بہت تنگ بناتی ہے دو راستے اس حکمت سے کہ اگر ایک راستہ سے اس کو پکڑنے کی کوشش کی جائے تو وہ دوسرے راستہ سے بھاگ جاتی ہے، اور اگر دونوں راستوں سے کوئی اس کو پکڑنا چاہے تو وہ ان راستوں کو اپنے سر سے بند کر دیتی ہے اور اس کے نیچے کوئی نہ کوئی سوراخ ایسا رکھتی ہے جس سے ہو کر وہ اپنے کو نجات دلانے میں کامیاب ہو جاتی ہے پس اس کی اس سمجھ کو دیکھو کہ خدا نے اس کو کیسی سمجھ عطا کی ہے جس سے وہ اپنی حفاظت کا سامان کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان جانوروں میں مختلف طبیعتیں اور مختلف حکمتیں اور صفتیں رکھی ہیں۔ جو جانور انسان کے گوشت کھانے کے کام آتے ہیں ان میں قدرت نے عاجزی اور انقیاد و اطاعت کا مادہ رکھا ہے کہ بآسانی انسان کے قابو میں آسکیں۔ اور ان کی خوراک نباتات کو بنایا ہے جن جانوروں کو باربرداری کے لئے بنایا ہے، ان کو طبیعت کا سیدھا سادہ بنایا ہے۔ غیظ و غضب کا جذبہ برائے نام رکھا ہے اور ان کو ایسی شکل میں بنایا کہ باربرداری کے کام میں اچھی طرح آسکیں۔ اور بعض جانور جن میں غضب و شر کا جذبہ زیادہ ہے، ان میں تنظیم و تعلیم کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھی تاکہ وہ لوگوں کے کام آسکیں، اور شکار اور حفاظت کا کام دے سکیں۔ اور اسی طرح ہاتھی ہے جو نہایت سمجھدار جانور ہے اور اس میں تعلیم و تادیب کی قبولیت کی خاص استعداد ہے، جس سے باربرداری اور میدان جنگ میں خاص کام لیا جاتا ہے۔ وہ جانور جن میں غضب و شرارت کا جذبہ کسی قدر موجود ہے تو ان میں محبت و انس کا جوہر بھی بہ نسبت دوسرے جانوروں کے زیادہ ہے۔ جو انسان کے بہت کام آتے

www.ahnafmedia.com

ہیں۔ جیسے بلی۔ پرندوں میں بھی ایسے پرندے ہیں جن سے انسانی فائدے متعلق ہیں اور پھر ان جانوروں میں محبت و الفت کا جذبہ بھی غیر معمولی پایا جاتا ہے۔ مثلاً کبوتر ہے، جو اپنے مقام کو کبھی نہیں بھولتا اور اس سے خبر رسانی اور پیغام رسانی کا کام بھی لیا جاسکتا ہے، ضرورت پڑنے پر یہ جانور بڑے کام کا ہے۔ پھر یہ جانور کثیر النسل بھی ہے، کھانے کے کام میں بھی آتا ہے۔

ایک جانور باز بھی ہے جس میں انس کا مادہ بھی ہے لیکن اس میں اس کے خلاف جذبہ غضب بھی ہے۔ مگر کیوں کہ شکار کے کام میں وہ لایا جاسکتا ہے اس لئے خدا نے اس میں تادیب کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کی ہے جس سے اس میں فرمانبرداری اور اطاعت کی خو غالب ہوتی ہے، اور پھر وہ حسب ہدایت کام کرتا ہے اور شکار کے کام میں اچھی مدد دیتا ہے۔ اور نہ معلوم کتنی اور کون کون سی حکمتیں اور مصلحتیں قدرت نے جانوروں میں مخفی رکھی ہیں جن کو وہی خوب جانتا ہے

www.ahnafmedia.com

شہد کی مکھی، چیونٹی، مکڑی، ریشم کا کیڑا
اور مکھی وغیرہ کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان

خدا تعالیٰ نے فرمایا۔

وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ما فرطنا فی الکتاب من شئ ثم الی ربھم یحشرون ○

اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو تمہاری ہی طرح کے گروہ نہ ہوں ہم نے لوح محفوظ میں کوئی چیز نہیں چھوڑی جسکو نہ لکھا ہو پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائینگے

خدا کی چھوٹی سی مخلوق چیونٹی کو دیکھو۔ قدرت نے ان کو اپنی غذا جمع رکھنے کی کیسی حکمت سکھائی اور اس کام میں باہم ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح سے تعاون کرتی ہیں۔ اور اپنی اس باہمی کوششوں سے اپنے لئے اس وقت کے لئے جب وہ شدت گرمی اور شدت سردی سے باہر نہ نکل سکیں وہ سب مل کر اتنی غذا جمع کر لیتی ہیں کہ اطمینان و سکون سے اپنے سوراخوں میں بیٹھی کھایا کریں یہ کیسی دور اندیشی ہے جو بہت سے انسانوں کو بھی نہیں سوجھتی۔ جو عاقبت اندیشی میں مشہور ہے۔

جب کوئی چیونٹی کسی چیز کو خود نہیں سنبھال سکتی تو دوسری چیونٹیاں اس بوجھ کو لے جانے میں کس طرح سے اس سے تعاون کرتی ہیں جس طرح کوئی وزن

www.ahnafmedia.com

ایک انسان کی طاقت سے زائد ہو۔ تو دوسرے اس کو اٹھانے میں مدد کرتے ہیں۔

زمین میں اپنے اپنے رہنے کے مکانات کس تدبیر سے بناتی ہیں زمین کی مٹی کو کس طرح یکے بعد دیگرے باہر لاکر ڈالتی ہیں۔ تنگ رہنے کی جگہ صاف کر لیتی ہیں۔ اور پھر مکان کے تیار ہو جانے کے بعد اپنی خوراک اکٹھا کرتی ہیں اور جو غلہ وہ جمع کرتی ہیں اسکو اپنے دانتوں سے کتر کر رکھتی ہیں مبادا زمین کی نمی سے اس میں کلّہ پھوٹ جائے یہ حکمت و دانشمندی اس چھوٹے سے کیڑے میں سوائے اس خدا کے کسی نے نہیں بخشی جو حکیم و قادر ہے۔ اور رحمٰن و رحیم ہے۔

اگر وہ دانے پانی کی نمی سے تر ہو جائیں تو ان کو باہر نکال کر دھوپ اور ہوا میں خشک کرتی ہیں۔

اپنے مکانات نشیبی زمین میں کبھی نہیں بناتیں کہ پانی اس میں جمع ہو کر انکی ہلاکت کا سبب ہوگا بلکہ بلند حصہ زمین پر مکانات تعمیر کرتی ہیں۔

اب تم شہد کی مکھی اور اس میں جو قدرت نے عجیب و غریب حکمت عطا کی ہے اس پر غور کرو۔

ان شہد کی مکھیوں میں ایک سردار ہوتا ہے جسکے حکم و اشارے پر تمام مکھیاں کام کرتی ہیں۔ ان مکھیوں میں اگر کوئی دوسرا رئیس ہونے کا دعوے کرتا ہے تو یہ سب ملکر اسکو مار ڈالتی ہیں تاکہ ان میں افتراق و انتشار نہ پیدا ہو، اور ایک ہی کی متابعت میں وہ سب باہم متحد و متفق رہیں۔

یہ مکھیاں پھولوں سے کسی قسم کی رطوبت چوستی ہیں۔ جو خدا کی قدرت سے ان کے منہ میں شہد میں تبدیل ہوتی ہے اس حکمت و تدبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اس شہد میں اپنے بندوں کے

لئے کس طرح مصالح و مفاد کو پیش نظر رکھا ہے۔ یقیناً اس میں امراض کے لئے شفاء ہے جیسا کہ خدا نے خود فرمایا ہے۔ شہد میں غذائیت اور دوسری منفعت بھی ہے جس طرح دودھ میں بے شمار فوائد ہیں نوع انسان اور حیوانات کے لئے مفید ہیں۔

یہ مکھیاں اپنے پاؤں میں موم لاکر چھتہ میں جمع کرتی ہیں کہ جس میں شہد محفوظ رہے۔ شہد کی حفاظت کے لئے موم کے برتن سے زیادہ موزوں اور مناسب کوئی برتن نہیں ہو سکتا۔

اب اس پر خود فکر کرو کہ ان مکھیوں کو یہ حکمت و سبق سوائے خدا کے کون دے سکتا ہے۔ جبکی بنا پر انہوں نے شہد کو موم کے برتن میں ایک خاص مدت تک کے لئے محفوظ رکھا اور پھر بلند درختوں اور پہاڑوں پر اپنا گھر تیار کیا کہ لوگوں کی دسترس سے محفوظ رہے مکھیاں رس لینے کے لئے دن میں نکلتی ہیں۔ رات کو اپنے گھر میں بسیرا لیتی ہیں اور جب واپس آتی ہیں تو اپنی غذا ساتھ لے کر آتی ہیں۔

پھر ان کے مکان کی ترتیب و ساخت کو دیکھو کس حکمت سے اس میں ہشت پہلو سوراخ بناتی ہیں۔ اور بول و براز کے لئے اپنے گھر میں علیحدہ سوراخ بناتی ہیں۔ تاکہ شہد ان میں ملکر خراب نہ ہو۔ یقیناً ان کا مکان چھتہ اسکی ساخت بڑی حکمت و تدبیر سے ہوتی ہے جس سے خدا کی حکمت بالغہ کا پتہ چلتا ہے۔

مکڑی کو دیکھو۔ خدا نے اس کے جسم میں ایک ایسی رطوبت مائی پیدا کی ہے جس سے وہ اپنے رہنے کے مکان بناتی ہے اور اس سے اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے شکار پھانسنے کا جال بھی تیار کرتی ہے قدرت نے عجیب و غریب حکمت رکھی ہے کہ اس غذا سے اسکے اندر ایسی رطوبت تیار ہوتی ہے جسکو وہ مکان بنانے اور شکار کے لئے جال تیار کرنے میں

www.ahnafmedia.com

طرف کرتی ہے۔ مکان اسطرح سے بناتی ہے کہ خود اس میں بالکل چھپ جاتی ہے یہ دونوں چیزیں نہایت رقیق تار کی طرح ہوتے ہیں۔ جو اس رطوبت سے بنتے ہیں۔ اور یہی رقیق و کمزور تار شکار کے پاؤں کے چاروں طرف اسطرح سے آگے پیچھے بندش کر دیئے جاتے ہیں کہ شکار جانے نہیں پاتا۔ اور وہ اس میں پھنسکر بالکل بے دست و پا ہو جاتا ہے اس کے تیار کردہ پھیلائے ہوئے جال میں جب کوئی شکار آتا ہے تو بہت پھرتی سے وہ اپنے گھر سے باہر آتی ہے۔ اور اسکو چاروں طرف سے خوب جکڑ دیتی ہے اور پھر اسکو پوری احتیاط سے پکڑ کر اپنے گھر میں لے جاتی ہے بھوکی ہوتی ہے تو اسی وقت اس سے اپنی غذا حاصل کرتی ہے ورنہ آئندہ کے لئے رکھ لیتی ہے۔ دیکھو خدا نے اس مکڑی کو کیسی سوجھ بوجھ عطا کی ہے اور اس کے اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں جب اتنی چھوٹی سی مخلوق میں اس نے ایسے اسباب و وسائل پیدا کئے اور ان کو استعمال کرنے کی تعلیم دی ہے تو پھر انسان کو اس نے کیسے کیسے وسائل و حکمتوں سے نوازا ہوگا یقیناً وہ بڑا حکیم و مدبر ہے۔

ریشم کے چھوٹے سے کیڑے کو دیکھو۔ اسکو دیکھکر خدا کی قدرت نظر آتی ہے گویا اسکی زندگی انسانی مصالح و منافع کی خاطر ہے یہ کیڑا اپنے جسم سے ریشم تیار کرتا ہے اور اسکی صورت یوں ہوتی ہے کہ ایک تخم کے برابر ایک شکل ہوتی ہے اور وہ گویا انڈا ہوتا ہے جو کچھ دن میں گرمی پاکر ایک کیڑے کی شکل ہو جاتا ہے۔ اور یہ ننھا سا کیڑا توت کے پتہ پر کس طرح رکھ دیا جاتا ہے۔ پس یہ اس پتے سے اپنی غذا حاصل کرتا رہتا ہے اور اسی طرح سے کچھ دن میں وہ رلیغم کا ایک گولہ کتنا شروع ہو جاتا ہے جسکو ریشم کا ایک گولہ تیار ہو جاتا ہے۔ اور کیڑا ریشم کے ایک گولے کی نظر ہو جاتا ہے اسکی زندگی بس اتنی ہی ہوتی ہے۔

قدرت نے جب ایسی مفید جنس کو باقی رکھنا چاہا تو اس کے لئے ایسے ہی اسباب پیدا فرمائے۔ جب یہ ریشم کا گولا تیار ہو چکتا ہے تو وہاں ایک بہت چھوٹا سا پر دار کیڑا پیدا ہو کر اڑ جاتا ہے۔ اور ان میں نر و مادہ کی کوئی تمیز معلوم نہیں ہوتی۔ یہ شہد کی مکھی سے زیادہ مشابہ معلوم ہوتا ہے اور یہ پر دار چھوٹے سے کیڑے ایک دوسرے پر تھوڑی دیر سواری کرتے ہیں جس سے ایک حاملہ ہو کر اسی وقت انڈا دیتا ہے جو اس تخم کی طرح ہوتا ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے پس یہ پر دار کیڑے اڑ جاتے ہیں اور یہ انڈا اسی مذکورہ بالا صورت کی طرح سے ریشم کے گولے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اب تم اس پر غور کرو کہ اس کیڑے کو خاص کر اس پتے سے غذا حاصل کرنے کی سمجھ کس نے دی پھر اپنے جسم کو اس طرح سے ریشم بنانے میں فنا ہونا کس نے سکھایا۔ پھر آخر میں اس میں پروں کو کس نے پیدا کیا۔ اور پھر اس کو اس شکل میں کس نے تبدیل کیا۔ جس سے نسل کے باقی رہنے کا سامان ہوا۔ اگر وہ اپنی اصل شکل میں رہتا تو پھر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا۔ پھر جس ذات نے اس کیڑے میں اتنی سمجھ بوجھ عطا کی۔ اس نے اس ریشم کے ذریعہ سے ایک کثیر دولت کے کمانے کی تعلیم دی۔ اس سے قسم قسم کی اشیاء اور قیمتی کپڑے تیار کرنے کا سبق سکھایا۔ اس عجیب و غریب حکمت اور خدا کی قدرت کو دیکھکر جو اس ننھے سے کیڑے کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ خدا کی عظیم قدرت کا اندازہ ہوتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور گلی سڑی ہڈیوں پر گوشت پوست پیدا ہونے کا یقین اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ بیشک اس کی ذات اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب حکمتوں پر قادر ہے۔

اس مکھی کو دیکھو جسکو ہم نہایت ہی حقیر نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور بہ ظاہر اسکو بالکل غیر مفید سمجھتے ہیں۔ یہ جب پیدا ہوتی ہے تو اس کے

پر اس وقت اس کے جسم پر ہوتے ہیں۔ اور فوراً ہی اڑکر وہ اپنی غذا حاصل کرتی ہے۔ اور خطرہ ہونے پر انہیں پروں کے ذریعہ وہ اڑکر اپنے کو بچا لیتی ہے، مکھی میں قدرت نے ۶ پاؤں بنائے ہیں چار پر وہ قائم رہتی ہے اور دو فاضل رہتے ہیں جو ضرورت پر کام لیتی ہے۔ مثلاً اگر کسی ایسی گاڑھی لیسدار چیز پر بیٹھ جائے جس سے اس کے پر آلودہ ہو کر اڑنے کے قابل نہ رہیں تو اپنے ان دونوں پاؤں کی مدد سے اپنے پروں کو صاف کر لیتی ہے۔ اور اسکی آنکھیں دوسرے ان کیڑوں کی طرح جو انسان کے عیش و آرام کو مکدر کرتے ہیں بغیر پلکوں کی ہوتی ہیں اور سر سے باہر نکلی ہوتی ہیں۔ یہ مکھی اور اس قسم کے دوسرے چھوٹے چھوٹے کیڑے مچھر پسو بھنگے وغیرہ کو خدا نے بنی نوع انسان کے پیچھے اس طرح لگا دیا ہے کہ کسی وقت بھی آرام و چین نہیں لینے دیتے تاکہ دنیا کی حقارت اور بے ثباتی ان پر آشکارہ ہو اور دنیا سے چھٹکارہ ملنے کی آرزو ان میں پیدا ہو۔ کیونکہ یہ چھوٹے چھوٹے کیڑے جو نہایت ہی بے حیثیت اور بے طاقت ہیں وہ باوجود بار بار اڑانے کے بھی انسان کے جسم پر آ بیٹھتے ہیں۔ گویا وہ انسان کے جسم کو ایک بے حس و حرکت پتھر کی طرح سمجھتے ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھے پھر ادھر ادھر کچھ حرکت کی اور اڑ گئے۔ اور یہ اس لئے کہ شکار اسی چیز کا کیا جاتا ہے جسکے زندہ ہونے کا علم ہو جائے۔ اور اگر اس کا مردہ ہونا معلوم ہو تو پھر اس کو کوئی شکار نہیں کرتا۔ جس طرح پتھر کہ ان کو کوئی بھی نشانہ نہیں بناتا۔

عقاب کو دیکھو جس وقت وہ کچھوے کو شکار کرتا ہے اور جب اس میں کوئی جگہ ایسی نہیں پاتا جسکو وہ اپنی غذا بنا سکے تو اسکو اپنے پنجوں میں دبا کر بہت اونچا لے جاتا ہے۔ اور پھر اس کو پہاڑ پر یا پتھر کی چٹان پر چھوڑ دیتا ہے جس سے کچھوے کا جسم پاش پاش ہو جاتا ہے اور پھر عقاب آکر اسکو

کھالیتا ہے بتاؤ اس عقاب میں یہ عقل کس نے دی ہے۔

کوے کو دیکھو۔ وہ ویسے بھی مکروہ ہے اسلئے اسکی طبیعت بھی کچھ اس طرح مخلوق ہے کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے اپنے کو دور ہی دور رکھتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس کو علم غیب ہے کہ ذرا کسی نے اس کو پکڑنے کا قصد کیا اور وہ اڑا۔ پھر اس کو کیسی سمجھ ہے کہ بچوں کی حفاظت کے لئے اپنے گھونسلے کو نہایت محفوظ اور پوشیدہ مقام پر رکھتا ہے اور بہت کم جفتی کرتا ہے مبادا اس غفلت میں وہ پکڑا جائے غرض کہ انسان سے بہت خائف اور محتاط رہتا ہے برخلاف اس کے چوپایوں اور دوسرے جانوروں سے اس کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ ان کی پیٹھ پر سر پر سینگ پر گردن پر آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اور کافی دیر بیٹھا رہتا ہے۔ اونٹ کا خون اور چوپایوں کی لید میں بھی کچھ اپنی غذا ڈھونڈ لیتا ہے۔ جب کوے کا پیٹ بھر جاتا ہے تو باقی بچے ہوئے کسی پوشیدہ مقام پر چھپا کے رکھ دیتا ہے۔ جو دوسرے وقت اس کے کھانے کے کام آتا ہے۔ بتاؤ یہ حکمت اور سمجھ اس میں کس نے پیدا کی۔ یقیناً اس خدائے قادر و حکیم نے ان جانوروں میں یہ حکمت اور تدبیر پیدا فرمائی۔ اگرچہ عقل سے یہ محروم ہیں۔

چیل ایک مکروہ شکل کا پرندہ ہے اور وہ بھی اپنے کو دور ہی رکھتی ہے خدا نے اس کو اڑنے کی بڑی زبردست طاقت دی ہے۔ وہ نہایت بلندی پر اڑتی رہتی ہے۔ اس میں قوت بینائی بہت تیز ہے کہ اتنی بلندی سے زمین پر اپنی خوراک کو دیکھکر بہت تیزی سے نیچے آتی ہے۔ اور اچانک اس چیز کو کسی بلند مقام پر جاکر کھاتی ہے۔ اس کے پنجے نہایت تیز اور مڑے ہوتے ہوتے ہیں۔ کہ اتنی تیزی میں وہ زمین سے چیزوں کو اٹھانے جانے میں مدد دیتے ہیں۔ اور کبھی خطا نہیں کرتے۔

چھپکلی سے مشابہ ایک جانور ہے جسکو گرگٹ کہتے ہیں۔ وہ ایک ہی جگہ پر

بیٹھے رہنے کا عادی ہوتا ہے۔ بہت کم چلتا پھرتا ہے۔ خدا نے اس کی آنکھوں میں یہ صفت رکھی ہے کہ چاروں طرف حرکت کرتی ہیں اور وہ ایک جگہ پر ہی بیٹھے بیٹھے اپنی خوراک حاصل کر لیتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو وہ شکار کر کے کھا جاتا ہے۔ پھر اس میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جس قسم کے رنگ دار درخت پر رہتا ہے اسی رنگ میں خود تبدیل ہو جاتا ہے جس سے بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ اور مکھیاں وغیرہ اس کو نہیں دیکھ پاتیں۔ اور وہ بیٹھے ہی بیٹھے زبان نکالتا ہے اور بجلی کی طرح سرعت کے ساتھ ان کو چٹ کر جاتا ہے۔ اور پھر درخت کی کسی ٹہنی پر اسطرح جم جاتا ہے گویا درخت کا ایک حصہ ہے۔

اس میں ایک خصوصیت اور بھی ہے کہ جب کوئی اس کو مارنا چاہے تو وہ اس کو ڈرانے کے لئے ایسے ایسے رنگ و روپ بدلتا ہے جن سے خوف معلوم ہوتا ہے۔

تلون مزاجی میں وہ ضرب المثل ہے اگر کوئی شخص بار بار مختلف رائے اور مختلف خیالات کا اظہار کرتا ہے تو اسکو کہتے ہیں کہ یہ گرگٹ کیطرح رنگ بدلتا ہے۔

مکھیوں میں خاص قسم کی مکھی ہوتی ہے جو عام مکھیوں سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔ جو ان مکھیوں کو کھا جاتی ہے۔ اور ان کو شکار کرنے کے لئے عجیب و غریب حکمت و تدبیر سے کام لیتی ہے۔ جب کوئی مکھی اس کے قریب آ کر بیٹھتی ہے تو یہ بالکل بے حس و حرکت ہو جاتی ہے اور جب یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ مکھی اطمینان سے بیٹھی ہے تو یہ نہایت ہوشیاری سے اس سے اتنی قریب پہونچ جاتی ہے کہ ایک جست میں اس کو پکڑ لے اور پھر دفعتاً اس پر جھپٹتی ہے اور اس کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور جب کچھ دیر بعد مردہ ہو کر بے حس و حرکت ہو جاتی ہے تو اس سے اپنی غذا حاصل کر لیتی ہے۔ اب اس

مکھی کی یہ ہوشیاری اور اس کی حیلہ سازی کیا اسکی خود پیدا کردہ ہے یا اس حکیم مطلق نے اسکو اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے بخشی ہے۔

پھر ننھی سی مخلوق کو دیکھو قدرت نے اس کا جسم بھی کتنا چھوٹا بنایا ہے اس چھوٹے سے جسم ہونے کے باوجود نہ اس کے ان پروں میں کوئی نقصان ہے جن سے وہ اڑتا ہے اور نہ ان پاؤں میں کوئی کوتاہی ہے جن پر وہ بیٹھتا ہے اور نہ بینائی میں کوئی کمی جس سے وہ اپنی غذا حاصل کرنے کے لئے مناسب مقام کو منتخب کرتا ہے۔ اس مختصر سے جسم میں اس کا وہ ہتھیار بھی ہوتا ہے جسکو جسم میں چبھو کر خون پیتا ہے۔ اس کے چھوٹے سے بدن میں وہ ساری مشینری موجود ہے جو اسکی غذا ہضم کرتی ہے۔ اور پھر فضلہ کو باہر نکالتی ہے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ بغیر کھائے پیئے زندہ رہے۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ ان کی خوراک ایک ہی جگہ پر اس کو ہمیشہ دستیاب ہو سکے۔ اور کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ فضلہ بغیر کسی منفذ (سوراخ) کے اس کے جسم سے باہر آ سکے معلوم ہوا کہ سب کچھ اس کے اس ننھے سے جسم میں اس قادر و حکیم نے بنایا ہے۔ اور اس کے مناسب اعضاء بنائے پھر اس کو اپنی غذا حاصل کرنے کی معرفت و حکمت عطا کی۔ نفع و نقصان میں تمیز کرنے کی صلاحیت بخشی ہے۔ اس سے خدا کی حکمت و کبریائی کا پتہ معلوم ہوتا ہے اور اس کی بلیغ قدرت و حکمت کا ثبوت ملتا ہے اگرچہ یہ مچھر جو بظاہر ایک حقیر اور نہایت ہی چھوٹا سا جسم رکھتا ہے۔ اگر آسمان و زمین کی تمام مخلوقات فرشتے وغیرہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ قدرت نے اس کے اجزاء کو کس طرح سے تقسیم و ترتیب دیا ہے اور کیسے متعدل ترکیب پر اسکو بنایا ہے تو یہ ساری مخلوقات بجز عجز و انکسار کے کچھ اظہار نہ کر سکیں گے۔ پھر اگر یہ سوچیں کہ اس مختصر جسم میں ساری قوتیں بھی بخشی ہیں جن سے وہ معلوم کر لیتا ہے کہ جلد اور گوشت کے مابین خون ہے جو میری غذا ہے اگر یہ علم پہلے سے

نہ ہو تو وہ کبھی جسم پر بیٹھکر خون چوسنے کی کوشش نہ کرتا اور پھر اس کی ہمت و جرأت دیکھو کہ کسطرح سے وہ اڑکر اپنی مخصوص آواز سے پہلے آگاہ کر دیتا ہے اور پھر خود بھی ہوشیار رہتا ہے کہ ذرا سا شبہ ہوا اور وہ اڑا اور یہ بھی جانتا ہے کہ اڑ جانے میں اسکی نجات ہے اور جب وہ اڑکر جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اسکو واپس نہیں لا سکتی۔ جب ایک مچھر جیسی ادنیٰ اور حقیر مخلوق میں خدا نے ایسی ایسی حکمتیں اور تدبیریں پیدا فرمائیں تو پھر اور دوسری ہزاروں لاکھوں بے شمار مخلوقات میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ کی ہونگی۔

www.ahnafmedia.com

مچھلی کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وھو الذی سخر لکم البحر لتاکلوا منہ لحما طریا

اسی خدا نے تم کو سمندر پر اختیار دیا کہ تم اس سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ۔

مچھلی کو دیکھو خدا نے سمندر اور نہروں میں کیسی کیسی عجیب وغریب شکل وصورت کی مخلوقات بنائی ہے جس سے اس کی قدرت معلوم ہوتی ہے۔ خدا نے جب ان کا ٹھکانہ ہی پانی میں بنایا تو پھر اس مصلحت سے اس میں پاؤں اور پھیپھڑے نہیں پیدا کئے کیونکہ وہ پانی میں غوطہ لگانے کے وقت سانس نہیں لیتے پاؤں کی جگہ ان میں [illegible] بنائے ہیں۔ جو تیزی سے ان کی منشار کے مطابق حرکت کرتے ہیں۔ اور جس طرف وہ جانا چاہیں جا سکیں۔ ان کے جسم کو ایک ایسی جلد سے ڈھانپا ہے جس کے اجزار بعض بعض میں گھسے ہوئے ہیں۔ اور جو گوشت کیسطرح نرم نہیں ہیں۔ بلکہ سخت زرہ کی طرح ان کی پوری حفاظت کرتی ہے۔ اور جن مچھلیوں میں اس طرح کے فلوس نہیں بنائے ان کے جسم پر ایک چھلکا سا پہنا دیا ہے جسکی جلد مضبوط اور دبیز ہے جو اس کے لئے مکمل محافظ ہے۔ مچھلی میں آنکھ کان ناک یہ تمام چیزیں ہوتی ہیں جنکی مدد سے وہ اپنی خوراک حاصل کرتی ہے اور خطرہ ہونے پر اپنے کو بچاتی ہے۔ پس دیکھو کہ سمندر کی گہرائی میں رہنے والی مخلوق کو کیسی مناسب اعضار اور قوت بخشی ہے۔ جو اس کے لئے طلب معاش اور دشمن سے نجات

www.ahnafmedia.com

حاصل کرنے میں پوری طرح ان کی معاون ہیں۔

اور کیونکہ خدا کو معلوم ہے کہ بعض بعض کی غذا ہے اس لئے خدا نے اسکو کثیر الاولاد بنایا ہے اور نر و مادہ کی خصوصیت بھی نہیں رکھی جس طرح بڑی مخلوقات میں مادہ ہی بچہ انڈے دیتی ہے۔ برخلاف مچھلی کے کہ ہر مچھلی انڈے دیتی ہے۔ اور ہر مچھلی انڈوں کا ایک گچھا دیتی ہے جس سے بے شمار بچے پیدا ہوتے ہیں۔

بعض مچھلیاں نہروں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور بغیر توالد کے لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہوتی ہیں۔

بعض مچھلیاں ایسی ہیں جن کے دو ہاتھ اور دو پاؤں ہوتے ہیں ان میں توالد و تناسل نر و مادہ کے ملنے سے ہوتی ہے۔

کچھوا اور گھڑیال (مگرمچھ) یا ان سے مشابہت رکھنے والے دوسرے جانور یہ انڈا دیتے ہیں۔ سورج کی گرمی سے انڈا ٹوٹ جاتا ہے اور اس انڈے سے ایک بچہ نکلتا ہے پانی میں انڈوں کو سینے کا کام انجام نہیں پا سکتا۔ تو خدا تعالیٰ نے مچھلی کے انڈوں میں جوں ہی مچھلی انڈے دیتی ہیں روح ڈال دیتا ہے۔ اور کامل بچہ اس میں موجود ہوتا ہے وہ اپنی تربیت میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہ خدا کی بڑی حکمت ہے کیونکہ خشکی کے جانوروں کی طرح سے سمندری جانوروں کو اپنے انڈے سینا ان پر ایک مدت تک بیٹھے رہنا پھر بچوں کو بھرانا۔ اور تربیت دینا ناممکن ہے اس لئے خدا نے ان تمام باتوں سے مبرا اور بے نیاز رکھا ہے پھر خدا نے بہت کثیر تعداد میں ان کی پیدائش رکھی کیونکہ مچھلیاں آپس میں ایک دوسرے کو کھا جاتی ہیں۔ اور پھر انسان کے لئے بھی یہ بہترین غذا ہے مچھلی کی سرعت حرکت کو دیکھو وہ اپنی دم کتنی پھرتی اور تیزی سے حرکت دیتی ہے اور پانی میں اسکی رفتار کو دیکھو کس اعتدال اور میانہ روی سے کشتی کی طرح سے

www.ahnafmedia.com

پانی میں تیرتی ہیں اپنے پاؤں اور پروں سے کس طرح پانی کو ادھر سے ادھر ہٹاتی ہوئی آگے بڑھتی ہیں۔ اس کے جسم میں ہڈیاں بالکل اس کے اعضاء جسم کے مشابہ ہوتی ہیں۔ اندر سے کھوکھلی اور نہایت ہلکی اور باریک ہوتی ہیں کہ تیرنے کے کام کے لئے ایسا ہی مناسب تھا۔ اگر کوئی ہڈی کہیں سے ٹوٹ جاتی ہے تو وہ کس طرح سے گوشت کی مدد سے پھر جڑ جاتی ہے۔ دانت اگرچہ تعداد میں کافی ہوتے ہیں۔ مگر ایک دوسرے سے قریب ہونے کی وجہ سے ایک ہی جزو معلوم ہوتے ہیں۔ اور غذا کے چبانے میں سب مل کر ایک دوسرے کی اس طرح اعانت کرتے ہیں۔ کہ پھر چبانے کی مزید ضرورت نہیں ہوتی۔

گھونگے۔ سمندر میں خدا نے کچھ بہت ہی کمزور اور ناتوان جانور بھی بنائے ہیں جو حرکت تک اچھی طرح سے نہیں کر سکتے۔ جیسے گھونگے اور سیپی کا کیڑا مگر خدا نے ان کی حفاظت کا یہ انتظام کیا کہ ان کو ایک محفوظ اور مضبوط قلعہ میں بند کر دیا جو پتھر جیسا سخت ہے اور وہی اسکا مکان اور جائے سکونت ہے اور اس کا اندرونی حصہ جو جسم سے ملحق رہتا ہے اس کو نرم بنایا کہ جسم کو مرتب نہ پہونچے۔

گھونگوں کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جو کھلے ہوئے مقامات میں رہتے ہیں۔ جہاں وہ اپنی خود بھی حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے خدا نے ان کو پہاڑوں اور پتھروں کی چٹانوں میں محفوظ رکھا ہے اور وہیں۔۔ پہاڑوں سے رسنے والی رطوبت ان کی غذا ہوتی ہے۔

بعض اتنے خوبصورت اور ستارے کی مانند درخشاں ہوتے ہیں وہ اپنے منہ کو اپنے گھر سے باہر نکال لیتے ہیں اور ادھر ادھر کچھ کھاتے پیتے ہیں اور جوں ہی کوئی خطرہ محسوس ہوا دفعتہً اپنا منہ اندر کر لیتے ہیں اور اس سوراخ پر ایسے سخت قسم کی لوئی آڑ لگا کر اس کو بند کر دیتے ہیں کہ باہر سے کوئی اس کے اندر جا نہیں سکتا۔ اور اسطرح وہ اس میں چاروں طرف سے بند ہو جاتے

ہیں خدا کی قدرت دیکھو کسطرح ان کا گھر بنایا۔ اور ان کو گھر میں محفوظ ہو جانے کی کیسی حکمت سکھائی۔ مختصر یہ کہ خدا نے کسی کو محروم نہیں رکھا سب کو اس کی مناسب اور مفید چیزیں عطا کی ہیں۔ وہ اپنے تمام مخلوقات کی پوری حفاظت کرتا ہے خواہ وہ مخلوقات پہاڑوں میں رہتی ہو یا ٹیلوں پر یا سمندر کی گہرائی میں۔

رنگین مچھلیاں۔ مچھلیاں بھی طرح طرح کی ہیں۔ بعض وہ ہیں جو سمندر کی گہرائی سے اپنی غذا حاصل کرتی ہیں۔ اور کچھ وہ ہیں جو قریب کے کناروں پر خشکی سے غذا حاصل کرتی ہیں۔ ان میں قسم قسم کے رنگین نقوش ہوتے ہیں اور یہ رنگا رنگ کے نقش و نگار بھی قدرت ان کے فضلہ غذا سے تیار کرتی ہے جسطرح گھاس کھانے والے جانوروں میں ان کے فضلہ غذا سے صاف و شفاف میٹھا دودھ تیار ہوتا ہے۔

یہ رنگین مچھلیاں جب کسی ایسی چیز کے اثر کو محفوظ کرتی ہیں جس سے ان کے رنگ میں کوئی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ معاً اپنے پیٹ سے خاص قسم کے مادے کو نکال کر اس مقام کو صاف کر دیتی ہیں اور پھر پانی کے اندر جا کر اس میں دوسری تبدیلی کر دیتی ہیں۔ اسی قسم کی ہزاروں مصلحتیں اور حکمتیں ہیں جن کو بجز خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔

پردار مچھلیاں۔ بعض مچھلیاں پردار ہوتی ہیں اور ادھر ادھر حرکت کرنے میں چمگادڑ کی طرح اڑتی ہیں اور دیکھنے میں خشکی کے پرندے کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ اسطرح وہ اپنے پروں سے اڑنے کا کام لیتی ہیں۔

کچھ مچھلیاں ایسی ہوتی ہیں۔ جو بہت چھوٹی اور کمزور ہوتی ہیں اور نہروں نالوں میں بیشتر ہوتی ہیں۔ ان میں قدرت نے ایک خصوصیت ایسی رکھی ہے جو ان کی حفاظت کرتی ہے۔ ذرا کسی نے اس کو پکڑا تو ہاتھ اور جسم کو سُن

کر دیتی ہے۔ اس لئے کوئی اسکو پکڑتا نہیں۔

غرضکہ مخلوقات الٰہی کی عجیب وغریب حکمتوں اور لطافتوں کو کوئی لکھنے بیٹھے تو دفتر کے دفتر بھر جائیں۔ مگر ان کو پورا نہیں کر سکتا یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ صرف بطور مشتے از خروارے ہے گویا خدا کی بے شمار حکمتوں کی طرف ایک اشارہ کیا ہے جو غافل ہیں، وہ اپنی آنکھوں سے غفلت کے پردہ کو ہٹا کر اسکی حکمتوں کا نظارہ کریں۔

برگِ درختان سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

www.ahnafmedia.com

نباتات کی حکمتوں کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

امن خلق السمٰوٰت والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا بہ حدائق ذات بھجۃ ماکان لکم ان تنبتوا شجرھا ء الٰہ مع اللہ بل ھم قوم یعدلون

وہ ذات جس نے آسمان و زمین کو بنایا تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا اس پانی سے پر رونق باغ اگائے تم سے یہ ممکن نہ تھا کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اگا سکو اب بتاؤ کہ وہ ذات بہتر ہے یا کوئی دوسرا معبود ہے جو اس کی عبادت میں شریک ہے یہ مشرکین پھر بھی نہیں مانتے بلکہ خدا کو دوسروں کی برابر ٹھہراتے ہیں۔

سرو می جنبد بصحن بوستاں
در ہوائے قامت دلجوئے تو

زمین پر نباتات کو دیکھو کیسی سرسبز و شاداب اور خوشنما معلوم ہوتی ہے اس میں انسانوں اور دوسرے حیوانات کے لئے کتنے بے شمار فائدے اور اغراض پوشیدہ ہیں۔ پھر ان کی حفاظت کا سامان اس طرح کیا ہے کہ بیج اور گٹھلی کو اسکی اصل قرار دیا۔ اور اس کے اندر یہ ساری نباتات اس طرح سے محفوظ رکھدی کہ انسانی عقل حیرت میں ہیں۔ اس نباتات میں پھلے بھی ہیں اور پھول

www.ahnafmedia.com

پھول بھی اور ترکاریاں بھی جو انسان کے کام آتی ہیں گھاس اور چارہ بھی ہے جو جانوروں کی خوراک کا سامان ہے اس میں جلانے کی اور عمارتوں میں کام آنے والی لکڑی بھی شامل ہے۔ اسی سے وہ لکڑی بھی حاصل ہوتی ہے جو جہاز اور کشتیوں کے بنانے میں کام آتی ہے اور کہاں تک اس کے فائدوں اور بے شمار حکمتوں کو بتایا جائے۔ اس نباتات کا ایک ایک حصہ پھل اور پھول، شاخیں اور پتے حتے کہ اسکی جڑیں تک کام میں لائی جاتی ہیں۔ بے شک خدا نے کوئی چیز بے کار نہیں بنائی اس نباتات سے عطار سے، جو شاندے گوند اور طرح طرح کے عرق تیار کئے جاتے ہیں

اگر یہ پھل زمین میں ایک جگہ پر اکٹھے حاصل ہو جایا کریں اور اسطرح درختوں پر شاخوں پر بیلوں پر نہ آتے تو انسان کتنے بے شمار فائدوں سے محروم ہو جاتا۔ اور زندگی کی کتنی ضروریات کی فراہمی میں رکاوٹ ہوتی۔ نہ اس کو جلانے کے لئے ایندھن میسر آتا، نہ عمارتوں کے لئے لکڑی دستیاب ہوتی۔ نہ جانوروں کے لئے چارہ ملتا، اور نہ دوا دارو وغیرہ وغیرہ ضرورتوں کے لئے دوسری چیزیں حاصل ہوتیں، جو موجودہ شکل میں حاصل ہوتی ہیں۔

اسکی قدرت کو دیکھو کہ ایک دانہ زمین میں ڈالو، سو دانے حاصل کر لو اور اس سے بھی زائد، یہ اس کی برکت ہے، حکمت ہے اپنی ضرورتوں میں کام لو ضرورت سے بچ جائے تو آئندہ پیش آنیوالی ضرورتوں کے لئے ذخیرہ کر لو۔ اس کی مثال بالکل ایک بادشاہ کی سی ہے جو کسی مقام کو آباد کرنے کے ارادے سے وہاں کے باشندوں کو کچھ بیج بونے کے لئے دیدے اور کہدے کہ ان کو بو اور اس سے جو کاشت ہو اس کو اپنی خوراک و دیگر ضروریات میں صرف کرو بس اسی طرح سے خدا نے اپنے بندوں پر انعام فرمایا ہے اور زمین اور ملکوں کو

www.ahnafmedia.com

لہٰذا کران پر احسان عظیم کیا۔ یہ درخت اور نباتات بڑھتے ہیں اور پھل پھول لاتے ہیں۔ بیج بنتے ہیں۔ پھر بوئے جاتے ہیں یہ سلسلہ جاری و ساری ہے اور یہی اس کی بقاء و دوام کا ضامن ہے اگر اسطرح نہ ہوتا تو یہ نعمت بس ایک مرتبہ کے بعد تمام ہو جاتی۔ اور جاری نہ رہ سکتی اس میں قدرت کی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

ان دانوں کی پیدائش اور اس کی صورت کو دیکھو کہ کس حسن وخوبی سے ایک قدرتی ظرف میں ترتیب دے دیتے ہیں۔ گویا کہ دانوں سے قرینہ سے بھری ہوئی ایک تھیلی ہے۔ جو اپنی زبان حال سے صناع کی قدرت کی گواہی دے رہی ہے۔ یہ دانوں سے بھری ہوئی تھیلی اپنے دانوں کو اس وقت تک محفوظ رکھتی ہے کہ وہ پختہ ہو کر استعمال کے قابل ہو جائیں۔ ٹھیک اس جھلی (مشیم) بچہ دانی کی طرح جو بچہ کی تکمیل ہونے تک پوری حفاظت کرتی ہے۔

یہ دانے ایک خاص قسم کے چھلکے میں بند ہوتے ہیں۔ جن کے سروں پر نیزوں کی طرح سے تیز اور سخت چھلکے ہوتے ہیں۔ گویا وہ پرندوں سے اپنے اندر کے خزانے کی حفاظت کر رہے ہیں پس خدا کی قدرت اور حکمت کو دیکھو کہ اس نے نباتات کے اس تیار ذخیروں کو پرندوں کی دسترس سے کس طرح محفوظ کر دیا ہے۔ اگرچہ یہ غلہ پرندوں کی غذا ہے تاہم انسان کی ضرورت پہلے درجہ پر ہے۔

نباتات بھی انسان وحیوان کی طرح اپنے لئے غذا کی محتاج ہیں، لیکن قدرت نے نباتات میں انتقال مکانی کی قوت نہیں بخشی جو اپنے لئے روزی تلاش کریں اس لئے قدرت نے اس کی جڑوں کو زمین کی گہرائی میں مرکوز کر دیا ہے۔ تاکہ وہ مٹی اور پانی ہر وقت حاصل کر سکیں اور اس طرح یہ جڑیں زمین سے تری حاصل کر کے شاخوں، ٹہنیوں، پھل پھول

www.ahnafmedia.com

اور پتوں تک پہونچا دیں۔ گویا زمین ان کے لئے ایک پرورش کرنے والی مہربان ماں کی جگہ ہے۔ اور ان کی جڑیں ان کے لئے منہ کے قائم مقام ہیں کہ گویا زمین سے رطوبت چوسکر اپنے سارے جسم کو قوت پہونچاتی ہیں جسطرح ایک بچہ ماں کی چھاتی سے دودھ پی کر قوت حاصل کرتا ہے

تم نے خیموں کو نصب ہوتے دیکھا ہوگا اسکی طنابیں اور رسیاں جو چاروں طرف اسکو سادھے ہوئے رہتی ہیں۔ کہ کسی ایک طرف کو جھکنے نہ پائے۔ اور پورا خیمہ سیدھا اور درست رہے۔ اسی طرح نباتات کا حال ہے کہ اسکی جڑیں زمین میں چاروں طرف اسطرح سے پھیلی ہوئی ہیں کہ اس کو گرنے اور کسی طرف جھکنے سے روکے رہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو بڑے بڑے اونچے درخت کسطرح سے اپنے کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ بالخصوص جب طوفانی ہوائیں چلتی ہوں یہ اس خالق کی بڑی حکمت ہے کہ اس نے اسطرح سے انتظام قائم کیا ہے۔ اور پھر اس قدرتی نظام کو دیکھکر انسان اپنے اعمال میں اسکی پیروی کرتا ہے۔ اور اپنے بگڑے ہوئے کاموں کو بنا لیتا ہے۔

سروی جنبد بصحن بوستان
ور ہوائے قامت دلجوی نہ

کسی درخت کے ایک پتہ کو لو اور اس پر غور کرو اس میں باریک اور موٹی نسیں دکھائی دیں گی۔ کچھ طول میں کچھ عرض میں کچھی ہوئی اور ان عروق کا کیا جال ایک پتہ میں بچھا ہوا ہے۔ انسان میں یہ طاقت کہاں کہ وہ اسطرح سے کام انجام دے سکے۔ ایک ہی پتہ کے نقش و نگار میں طویل عرصہ کی ضرورت ہوگی پھر بھی نقل ہوگی جو اصل سے مطابق نہ ہوگی یہ قدرت کا کام ہے اس کے ایک اشارے پر کٹہ ڈنٹھل پتوں پھولوں پر گل کاریاں نظر آتی ہیں۔ اور نہ کسی قلم کی ضرورت اور نہ کسی دوسرے

آلہ کی مزدوری اور پھر اس کثرت کے ساتھ پہاڑ جنگل میدان کوئی جگہ باقی نہیں جہاں پھول پتوں پر یہ گل کاریاں نہ ہوں اور یہ خالی نقش و نگار محض حسن و خوبصورتی نہیں بالکل پتہ کی پرورش میں بڑا کام انجام دیتے ہیں ان رنگوں کے ذریعہ یہ پتے میں رطوبت اور مادہ کو پہونچانے میں مدد دیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح کہ ایک انسان اور حیوان کے جسم میں رگوں اور نسوں کا ایک جال بچھا ہوتا ہے اور وہ ہر ہر عضو کو غذا پہونچانے کا کام کرتا ہے۔

پتہ میں جو موٹی نسیں ہوتی ہیں وہ پتہ کو سادے رہتی ہیں تاکہ وہ اپنے کو قائم رکھ سکے۔ ورنہ نرم اور ہلکا ہونے کے باعث وہ اپنے کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ اور ہوا کے تیز جھونکے اسکو پاش پاش کر دینگے۔

اب گٹھلی اور اسکی حکمت پر غور کرو۔ پھل کے درمیان اسکو محفوظ کیا ہے اگر کسی آفت ارضی اور سماوی سے پیڑ ضائع ہو جائیں تو یہ گٹھلی ان کا قائم مقام ہو اور پھر سے درختوں کے لگانے اور پیدا کرنے کا سامان مہیا کر دے۔ یقیناً یہ اس نظریہ سے نہایت قیمتی اور قابل حفاظت چیز ہے کہ اس کے ذخیروں کو محفوظ کر لیا جائے یہ گٹھلی اگرچہ خود سخت جسم رکھتی ہے مگر نرم پھلوں میں بھی کسی طرح سے چسپاں اور ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر اسطرح نہ ہوتی تو پھر پھلوں کے پختہ ہونے سے قبل ہی اس میں خرابی پیدا ہو کر پھل کو بھی ضائع کر دیتی بعض گٹھلیاں کھانے کے کام میں بھی آتی ہیں ان سے تیل بھی کشید کئے جاتے ہیں۔ اور کھانوں میں اور دیگر اشیاء میں استعمال میں لایا جاتا ہے۔ گٹھلی کے اوپر کس طرح سے ایک ہلکا سا ورق چڑھا ہوتا ہے اور کس حکمت سے وہ اس میں محفوظ ہوتی ہے اور اس میں کیسی کیسی لذت اور فائدے مضمر ہیں۔ یقیناً قدرت کی بڑی صناعی کا پتہ چلتا ہے۔

اس گٹھلی میں جو خاصیتیں اور اثرات قدرت نے ودیعت فرمائے ہیں

جسطرح مٹی کے ناپاک قطرہ میں انسانی تخلیق کے راز کو پوشیدہ کر دیا۔ یہ سب راز اور حکمتوں کا جاننے والا وہی خدا ہے جس نے انکو بنایا ہے۔

اس گٹھلی پر ایک سخت قسم کا غلاف چڑھا کر قدرت نے کتنی عظیم حکمت کا پتہ دیا کہ اگر کہیں گر جائے۔ تو اس غلاف کی وجہ سے گٹھلی خراب نہیں ہوتی اگر اسکو ذخیرہ کیا جائے تو بھی جلد فاسد نہیں ہوتی۔ بلکہ اس غلاف کی وجہ سے کچھ دن محفوظ رہتی ہے۔ گویا وہ غلاف ایک صندوق یا بکس ہے جسکے اندر ایک قیمتی جوہر محفوظ ہے۔

ایک گٹھلی کو جب زمین میں رکھیں اور پانی دیں تو اس میں سے نسیں نکلتی ہیں۔ پہلی نکلتی ہے اور جوں جوں، اس میں بالیدگی ہوتی ہے نیچے سے نسیں اور جڑیں زمین کے اندر مرکوز ہو جاتی ہیں جس سے یہ درخت مضبوطی سے اپنے تنے پر قایم رہتا ہے اور انہیں جڑوں کے واسطے درخت اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔ اسطرح سے زمین کے نیچے رطوبت اوپر کی شاخوں، ٹہنیوں، پھلوں، پھولوں، پتوں تک پہونچتی ہے اور نہایت انصاف سے یہ تقسیم ہوتی ہے۔ گویا قدرت اپنی حکمت و انداز سے جس کو جس قدر پانی اور رطوبت درکار ہوتی ہے اتنا ہی اس کو پہونچاتی ہے، اور پھر ہر ایک کو اس کے مناسب غذا پہونچتی ہے اسی رطوبت سے پھولوں میں رنگ، خوشبو، پھلوں میں ذائقہ، لذت، یہ سب کچھ قدرت کے نظام سے مکمل ہوتا ہے۔

پھلوں کے آنے سے پہلے قدرت پتوں کو پیدا کرتی ہے کہ نازک پھل اپنی حفاظت کے لئے ان پتوں کے محتاج ہیں۔ تاکہ تند ہواؤں کے جھونکوں اور سورج کی تمازت سے ان کی حفاظت ہو اور پھل ضائع نہ ہو جائے۔ سردی اور گرمی کی شدت اثر سے پھلوں کی حفاظت ان پتوں سے کی جاتی ہے۔ اور پھر سردی گرمی، ہوا، دھوپ یہ سب چیزیں پتوں

www.ahnafmedia.com

سے چھن چھن کر پھلوں تک پہونچتی ہیں۔ اور پھلوں کے پختہ ہونے میں مدد دیتی ہیں۔ پھل کو اپنی پختگی کے لئے ان تمام چیزوں کی ضرورت ہے اور یہی چیزیں پھلوں کو سڑنے گلنے اور خراب ہونے سے روکتی ہیں۔

دیکھو خدا نے درختوں پھلوں اور پھولوں کو کس بہتر طریقے سے مرتب کیا ہے۔ ان کے مختلف رنگ اور گوناگوں شکل و صورت اور طرح طرح کے ذائقہ اور ان کی قسم قسم کی بھینی بھینی خوشبوئیں پھر کوئی بڑا ہے اور کوئی درمیانی کوئی سرخ ہے تو کوئی پیلا کوئی سفید ہے تو کوئی سبز کوئی رنگ میں شدید ہے تو کوئی ہلکا، اور کوئی درمیانی نہ زیادہ تیز اور نہ زیادہ ہلکا اسی تناسب سے ان کے مختلف ذائقے کوئی میٹھا ہے کوئی ترش کوئی سیٹھا ہے تو کوئی تلخ ان کی خوشبو بھی کیسی بھینی بھینی اور اچھی ہوتی ہے اور ہر پھول اور پھل کی خوشبو ایک دوسرے سے مختلف ان کی تمام تفصلات ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ جبکو پڑھکر ایک صاحب عقل و بصیرت کے ایمان میں روشنی اور خدا کی قدرت کا یقین پیدا ہوتا ہے ان چیزوں کو دیکھکر قلب میں کیسی مسرت اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی تازگی اور طراوٹ کو دیکھکر روح کو خوشی حاصل ہوتی ہے ان کے باطن میں جو اثرات و فوائد پوشیدہ ہیں ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں ایسی قوتیں ہیں جن سے زندگی کو بڑی غذا اور قوت پہونچتی ہے۔ کھانے میں اسکی لذت و خوشبو سے عجب انبساط مسرت ہوتی ہے۔ ان کی گٹھلی یا بیج محفوظ ہیں خشک ہونے پر ان سے پھر کاشت حاصل کی جاتی ہے کیسے کیسے فوائد اور ذائقے قدرت نے ان پھلوں میں رکھے ہیں۔

خدا نے فرمایا۔

وشجرة تخرج من طور سيناء تنبت بالدهن وصبغ للاكلين ٥	اس پانی سے ہم نے زیتوں کا درخت پیدا کیا۔ جو طور سینا (پہاڑ کا نام) میں

بکثرت پایا جاتا ہے جو اگتا ہے تیل
لئے ہوئے اور کھانے والوں کے
لئے سالن لئے ہوئے

خدا نے پتھر اور پانی کے درمیان سے صاف لذیذ اور نہایت کارآمد زیتون کا تیل پیدا کیا۔ جطرح اس نے اپنی قدرت سے گوبر اور خون اور گندی چیزوں کے درمیان سفید شیریں اور سفید دودھ پیدا فرمایا۔ اور شہد کی مکھیوں سے خالص شہد، جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں جس میں لذت و فرحت کے علاوہ بہت سے امراض سے شفا بھی ہے۔

زمین کی گہرائی سے جڑوں نسوں اور شاخوں کے ذریعہ درخت کی اونچی اور بلند شاخوں تک پانی کا پہونچانا کیسا حیرت انگیز کرشمۂ قدرت ہے اسطرح غذا کے پہونچانے میں ایک تناسب یہ بھی ملحوظ ہے کہ بیج میں وہی جزو پہونچیں جو اس کے مناسب ہے۔ اور پھل میں وہ جو اس کے مناسب ہو شاخوں، ٹہنیوں میں وہ جو اس کے وجود اور قیام کے مناسب ہے۔ کھجوروں پر نظر کیجئے۔ ابتدا میں وہ نہایت کمزور اور ضعیف حالت میں ہوتی ہے۔ کس عجیب حکمت سے اسکو اسطرح مرتب کیا ہے کہ ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہونے سے محفوظ ہیں۔ ان پر ایک غلاف کا پردہ چڑھا دیا۔ کہ اسکی حفاظت ہو اور جب وہ پختہ اور کامل ہوں تو پھر وہ غلاف تدریجی طور پر شق ہو کر پھل ظاہر ہو جائے اور اسطرح کہ ہوا اور سورج کی گرمی و سردی کا متحمل ہو سکے۔ یہی نظام قدرت اور عجیب حکمت تمام درختوں اور ان کے پھلوں پھولوں میں کارفرما ہے۔

انار کے پھل پر غور کیجئے کس عجیب حکمت سے اس کے دانوں کے اندر ترتیب دیا ہے۔ دانوں کو علیحدہ علیحدہ کسطرح سے خانوں میں تقسیم کیا ہر پھر ان پر ہلکے ہلکے پردے حفاظت کے لئے ہیں۔ ایک موٹے اور نرم

گودے میں وہ دانے جڑے ہیں نیچے سے موٹا اور اوپر سے باریک اور پھر دانوں کو ایک باریک غلاف میں محفوظ کر دیا گیا ہے تاکہ وہ ایک مقام پر مرتب رہ کر پرورش پا سکیں۔ اور کسی ضرب کے پڑنے سے وہ منتشر ہو کر خراب نہ ہوں۔ دیکھو یہ سب کچھ نبدوں کے نفع کی خاطر خدا نے انتظامات کئے ہیں اس میں غذا بھی ہے اور دوا بھی اور پھر ذخیرہ کر رکھنے کی صلاحیت و قابلیت بھی تاکہ بے موسم ضرورت پڑنے پر کام آ سکیں۔ جس زمانہ میں درخت پر پھل نہیں آتے گویا اسطرح ان کی حفاظت کا سامان کر دیا انار کی اس شاخ کو دیکھو جس میں انار لگا ہوتا ہے جب تک انار پختہ ہو کر کھانے کے قابل نہیں ہوتا اس وقت تک یہ شاخ انار کو روکے رہتی ہے۔

اس نباتات کو دیکھو جو زمین کی سطح پر پھیلتی ہیں جیسے بیلیں ان کی شاخیں نرم اور کمزور ہوتی ہیں ان کو ہر وقت تری کی ضرورت ہے وہ پھلوں کو اٹھانے کی متحمل نہیں ہوتیں۔ قدرت نے ان کو اسطرح بنایا ہے کہ یہ زمین پر ہی پھیلتی ہیں۔ ورنہ پھلوں کے زمانے میں بڑی مشکل ہوتی اور پھر یہ پھل ایسے موسم میں آتے ہیں جب طبیعت ان کی خواہشمند ہوتی ہے اگر یہ ٹھنڈے پھل سردی کے زمانے میں آتے تو ایک طرف تو طبیعت اس سے متنفر ہوتی اور ایسے وقت اس کے کھانے سے نقصان ہوتا۔

کھجور میں نر و مادہ پیدا کئے اس لئے وہ تا وقتیکہ یہ دونوں موجود نہ ہوں پھل نہیں دیتے یہ خدا کی قدرت ہے کہ انسان و حیوان کی طرح سے اس درخت میں نر و مادہ کو ملحوظ رکھا تاکہ اس سے قدرت مزید آشکارا ہو ان نباتات میں جڑی بوٹیاں بھی شامل ہیں۔ اور وہ کیسے کیسے عظیم منافع و فوائد اپنے اندر پوشیدہ کئے ہوئے ہیں۔ ان کے خواص و اثرات پر

کرنے سے خدا کی قدرت معلوم ہوتی ہے ظاہر میں وہ جنگل کی گھاس معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں وہ انسانی امراض کو دور کرنے کے لئے بیش بہا دواؤں کا خزانہ ہے۔ اگر کوئی دوا بدن کے تمام فضلات کو نکالنے کے کام آتی ہے۔ تو دوسری صفراء کے دفع کرنے کے لئے۔ تیسری ریاح خارج کرنے کے لئے اور چوتھی طبیعت کے سکون ٹھہرانے کے لئے، کوئی مسہل ہے تو کوئی قابض کوئی قے لانے کے لئے استعمال کی جاتی ہے تو کوئی تسکین طبیعت کے کام میں آتی ہے۔ دیکھو قدرت نے کیسے کیسے راز پوشیدہ کئے ہیں۔ اور یہ سب انسانی فائدے کے لئے ؎

فلسفی سر حقیقت نتوانست کشود!
گشت رازِ دگراں را کہ افشای کرد

دلوں میں خدا کی عظمت پیدا کرنے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

تسبح لہ السموات السبع والارض و من فیھن وان من شئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم انہ کان حلیما غفورا

ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں کی تمام چیزیں اس کی پاکی بیان کرتی ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو زبان حال یا قال سے اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو۔ لیکن تم ان کی پاکی بیان کرنے کو نہیں سمجھتے وہ بڑا حکیم اور بڑا غفور ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

تکاد السموات تنفطرن من فوقھن والملائکۃ یسبحون بحمد ربھم و یستغفرون لمن فی الارض

کچھ عجب نہیں کہ آسمان اپنے اوپر پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے معافی مانگتے ہیں۔

خدا نے فرمایا۔

ویسبح الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ

رعد (فرشتہ) اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی اس کے خوف سے پاکی بیان کرتے ہیں۔

www.ahnafmedia.com

اوپر جو کچھ عجائبات قدرت میں حکمتوں اور کاریگریوں کا مذکور ہوا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس خالق کائنات کی رفعت و قدرت اور اس کی عظمت و ہیبت کس درجہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ اگر تم اپنی ذات میں غور کرو اس میں اس کی بڑی قدرت و حکمت پاؤ گے۔ پھر اپنے مستقر یعنی زمین پر نظر کرو کیسی عجیب اور حکمتیں نظر آئیں گی بلند پہاڑ اور اونچے ٹیلے وسیع میدان اور بہتے دریا اور بے تاہ سمندر ان دریاؤں، نہروں، سمندر میں جو عجائبات ہیں زمین پر نباتات شجر و حجر پر غور کرو چوپاؤں جانوروں اور پرندوں کو دیکھو۔ اہل بصیرت کے لئے کیا کچھ درس و نصیحت موجود ہے۔ یہ ساری چیزیں ان کی حکمتیں ان کے فوائد کا احاطہ کرنا ناممکن ہے یہ ایسی وسیع زمین اور اس پر بسنے والی تمام مخلوقات آسمان کی وسعت کے مقابلے میں ایسی ہے گویا ایک چھلّہ زمین پر ڈالدیا جائے۔ اس سے آسمان اور اس کے ستاروں کی وسعت اور طول و عرض کا اندازہ کرو۔ آفتاب جو آسمانی سیاروں میں سے ایک روشن اور تابناک سیارہ ہے۔ سیاحین کی جماعت نے جو آسمانی سیاروں کی بابت آسمان پر سفر کئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ آفتاب زمین سے ایک سو ساٹھ حصہ بڑا ہے اور بعض دوسرے سیارے زمین سے سو سو حصے زائد ہیں۔ اب تم دیکھو کہ یہ آفتاب و ماہتاب اور دوسرے بے شمار سیارے جو آسمان پر بکھرے ہوئے ہیں اور تمام آسمان ان سے بھرا ہوا نظر آتا ہے ان سیاروں میں سے بعض کی وسعت ہم نے بتا دی اب کم و بیش لاکھوں سیارے آسمان کی وسعت میں موجود ہیں ان سے آسمان کی وسعت اور لمبائی چوڑائی کا اندازہ کرو اور پھر یہ ایسے وسیع سیارے تمہاری آنکھ کے چھوٹے سے ڈھیلے میں سماتے ہیں تو اس سے ان کی دوری اور بعد مسافت کا اندازہ کرو۔ اسی طرح ان کی حرکت کو تم محسوس نہیں کر سکتے اور اسی طرح آسمان کی حرکت ہے جس کو ہم نہیں محسوس کرتے ہیں اور یہ اتنک

لا علمی ہے کہ ہم میں سے اکثر تو اس سے قطعاً غافل اور بے خبر ہیں ان چیزوں کی عظمت اور بڑائی پر نظر کر کے اب تم خدائے قدوس کی قرآنی قسموں کو سنو اس نے فرمایا۔

والسماء ذات البروج	قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔
والسماء والطارق وما ادراك ما الطارق النجم الثاقب	قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے۔ وہ ایک روشن ستارہ ہے۔
فلا اقسم بمواقع النجوم وانه لقسم لو تعلمون عظيم	پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے۔

اسی طرح تم عالم علوی اور اس کے بسنے والے فرشتے وغیرہ پر نظر کرو۔ جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اسرافیل فرشتے کی بابت ذکر کیا۔ اسرافیل کو آپ دیکھیں گے تو آپکو تعجب ہوگا عرش ان کی پشت پر ہے اور ان کے دونوں پاؤں زمین کی تہ میں ہیں اور اس سے زیادہ عظمت و رفعت خدا کے اس فرمان سے سمجھو اس نے فرمایا۔

وسع كرسيه السموات والارض	اس کی کرسی نے سب آسمان و زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے۔

اس کی وسعت سے اس مخلوق کی عظمت و وسعت کا اندازہ کرو اور اس ذات کو سمجھو جس نے ایسی ایسی عظیم المرتبہ اور عظیم الشان اور وسیع وارفع

مخلوقات بنائی ہے۔ اور کیسی کیسی حکمتیں اور تدبیریں اور کیا کیا فائدے اور منفعتیں ان کے وجود میں رکھی ہیں۔ پھر ایسا عظیم الشان آسمان اور اس پر ایسے ایسے وسیع و عظیم بے شمار سیارے اور بسنے والی مخلوق اور یہ آسمان ان سب کو اپنے میں لئے ہوئے ہیں۔ اور بغیر کسی ستون اور ظاہری تبدیلی کے آج تک استحکام اور پائیداری سے قائم ہے پس جو ان اشیاء پر نظر کرے گا اور ملکوت السموات والارض میں غور و فکر سے کام کرے گا۔

اس کے خالق کی عظمت و رفعت اس کے دل میں پیدا ہو گی۔ اور جوں جوں اس کی کائنات و صنعت میں تدبر کرے گا۔ اس کی معرفت زیادہ ہو گی۔ پس لوگوں میں یہ معرفت و نور متفاوت ہیں اور اسی اعتبار سے انکو نور ہدایت اور نور عقل بخشا گیا ہے۔ پس حقیقی وسیلہ اور اس کی معرفت تک پہونچانے کا ذریعہ اس کی کتاب عزیز کی تلاوت اور اس میں تدبر و تفکر ہے۔ اس کی حقیقی معرفت کا یہی دروازہ ہے۔

اب تم سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ قرآن اترا اس میں غور و فکر کرنے اور اس پر عمل کرنے سے انتہائی مقام تک پہونچے خالق کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا۔ امور آخرت کا یقین حاصل ہوا معراج کمال پر اس حد تک رسائی ہوئی کہ گمان کے دونوں چلوں سے بھی زیادہ اپنے رب سے قریب ہو گئے۔

ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ ۝

پس ایسے علم و معرفت کی کیا شان ہو گی کہ خدا کی طرف سے جس کے حاصل کرنے کے لئے دعا کا حکم کیا جائے اور ایسے نور معرفت و ہدایت سے نوازا اس سے بڑھکر خالق کا اور کیا احسان

www.ahnafmedia.com

ہوگا کہ ہم تمام انسانوں کو اس کی اتباع و اطاعت کی توفیق بخشی جس راستہ پر چلکر ہم خدا کے دوستوں میں شمار ہوئے۔ سچ ہے ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

؎ زمیں زنکتہ فرو ماند راز من باقی ست بضاعت سخن آخر شد و سخن باقی ست

اللھم وفقنا لما تحب وترضی وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب ۵

قل الروح من امر ربی

الحمد للہ کہ کتاب لاجواب در بیان روح و دیگر مسایل مشکلہ

الموسوم بہ

حقیقت الروح

ترجمہ

اجوبۃ الغزالیہ فی المسائل الاخرویہ وحل مسائل غامضہ

مصنفہ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ معہ حواشی جدیدہ

جناب فخر پنجاب معنی ستی شاہ دین صاحب دام فیضہ

بہ اضافہ عبارت وفصل اخیر بماہ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ

www.ahnafmedia.com

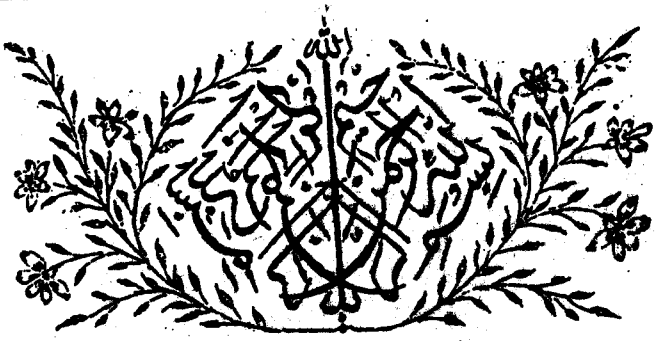

سب تعریف اللہ کو ہے کہ عقل[1] کا بخشنے والا اور حواس اور خیال سے جو اشیاء غائب اور لطیف ہیں اُنکے ادراک کا ہمارے لئے راستہ بنانے والا اور اِن دل کے وسیلہ سے جو عالمِ ملکوت میں جولان کرتا ہے علوم غامضہ اور مشکلہ کے استنباط کا طریقہ بتانیوالا ہے اور ہم اُس سے عقل اور قلب کے نور کی زیادتی اور نفسِ امارہ[2] کے اکھیڑنے پر مدد مانگتے ہیں اور یہ بھی مانگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مخلصوں اور موحدوں کے گروہ میں سے کرے اور اپنے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور محبت کی برکت سے امورِ دنیاوی کی طرف میلان کرنے سے محفوظ رکھے کہ وہی حافظ

---

[1] عقل کا لفظ مشترک ہے حقائق امور کے جاننے یعنی صفت علمی کو بھی کہ جس کا محل قلب ہے عقل کہتے ہیں اور لطیفہ ربانی یعنی روح انسانی پر بھی عقل کا اطلاق کرتے ہیں اسی طرح قلب بھی مشترک لفظ ہے قلب جسمانی کو بھی قلب کہتے ہیں جو ایک گوشت کا ٹکڑا گاؤدم سینے کی بائیں جانب مخروطی شکل میں ہے اور یعنی روح حیوانی کا ہے اور لطیفہ ربانی یعنی نفس ناطقہ پر بھی قلب کا اطلاق آتا ہے جس کو قلب جسمانی سے تعلق ہے ۱۲ منقی شاہ دین سلمہ ربہ ۔

[2] نفس امارہ روح یعنی نفس ناطقہ ہی کو کہتے ہیں لیکن خاص اس حالت میں کہ جب متصف باخلاق

اور مدد گار ہے۔ اما بعد مسکین مفتی شاہ دین ابن حضرت شیخ محکم الدین صاحب
چک مغلانوی پرگنہ نکودر ضلع جالندھر عفی اللہ تعالےٰ عنہما وعن اقاربہما و
سائر المسلمین حضرات سالکین طریقت کی خدمت میں عرض پرداز ہے
کہ اتفاقاً ایک رسالہ موسوم بحل مسائل غامضہ مصنفہ حضرت رئیس العلماء
حجۃ الاسلام محمد ابو حامد امام غزالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان روح و دیگر
مسائل مشکلہ میں اس ناکارۂ خلائق کے ہاتھ لگا جب وہ دیکھا گیا تو ایسے
مسائل اُس میں نظر آئے کہ کسی عالم نے وہ بیان نہیں فرمائے اور نہ کسی
فاضل کی زیر قلم آئے چونکہ وہ رسالہ عربی زبان میں تھا اور عام لوگوں کا
فہم اُسکے سمجھنے سے قاصر اسلئے بنظر افادۂ عام اس عاجز نے اُسکو اُردو زبان
میں ترجمہ کیا اور اکثر حواشی جدیدہ سے اُسکے مضامین کی توضیح بھی کر دی
اور بعد تتبع کتب احادیث کے ہر حدیث کے مخرج کا حوالہ حاشیہ پر لکھدیا
اور اسکا نام حقیقت روح انسانی رکھا اب اُمید حضرات ناظرین سے یہ ہے کہ جب اس
رسالہ سے فائدہ اُٹھائیں اس مسکین کو دعائے خاتمہ بالخیر سے یاد فرمائیں سبھی بزرگوں
کی خدمت میں عرض ہے کامل ۔ دعائے خیر سے عاجز کو یاد شاد کریں۔ من اللہ التوفیق وعلیہ التوکل

ذمیمہ اور شہوات کے تابع ہو جائے اور جسوقت نفس نے ملکہ کو معارضہ شہوات سے اضطراب زائل
اور حکم آلہی کے ماتحت حصول اطمینان ہو نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور جب اضطراب اسکا بالکل زایل ہو لیکن
نفس شہوانیہ یعنی نفس امارہ کے مدافع ہو نفس لوامہ بولتے ہیں غرضیکہ روح ہی کو لحاظ حالات مذکورہ
نفس مطمئنہ اور لوامہ اور امارہ کہا کرتے ہیں ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

بعد تسمیہ و تحمید کے فرمایا ابو حامد محمد امام غزالی ابن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ سائلوں نے مجھ سے چند سوال جو اہلوں کے لایق اور نا اہلوں سے بچائے گئے تھے دریافت کئے جب میں نے اُن میں ہدایت کے آثار اور سمجھ کی علامات دیکھیں تو اُنکی التماس کو قبول کیا اور اللہ تعالےٰ سے توفیق مانگی کہ وہ بندوں کا جمع کرنے والا اور نیک طریقہ کا ہدایت کرنے والا اور بندوں پر مہربان ہے پس سائلوں نے سوال کیا کہ کیا معنی ہیں آیت فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ کے میں نے جواب دیا کہ محل جو روح کے قابل ہو اُس میں تاثیر کرنے کو تسویہ کہتے ہیں وہ محل صفائی اور اعتدال کے ساتھ آدم کے حق میں مٹی اور اُس کی اولاد کے حق میں نطفہ ہے کیونکہ محض خشک چیز آگ کو قبول نہیں کرتی جیسا کہ مٹی اور پتھر اور نہ محض رطب یعنی تر چیز آگ کو قبول کرے جیسا پانی بلکہ آگ تو مرکب کے ساتھ متعلق ہوتی ہے نہ ہر مرکب سے جیسا کہ کیچڑ اس میں آگ شعلہ نہیں پکڑتی بلکہ اس کو ترکیب خاص چاہیئے اور وہ خاص ترکیب یہہ ہے کہ کثیف مٹی کو پیدائش کے کئی طوروں میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ مٹی لطیف روئیدگی یعنی انگوری بنجاوے تب اُس پر آگ شعلہ پکڑے ایسا ہی اللہ تعالیٰ مٹی کو ایک کے پیچھے کئی طوروں میں ڈالتا ہے یہاں تک کہ وہ روئیدگی بنتی ہے پھر اسکو آدمی کھاتا ہے پھر وہ خون بنتا ہے

پھر قوت مغیرہ مرکبہ کہ ہر حیوان میں رکھی گئی ہے اس خون میں سے خالص خون
کو جو اعتدال سے بہت قریب ہوتا ہے چھانٹ لیتی ہے تب وہ خالص خون
نطفہ[1] بنجاتا ہے اُسکو عورت کا رحم قبول کرتا ہے اُس میں جب منی عورت کی ملتی ہے
تو اعتدال زیادہ بڑھ جاتا ہے پھر عورت کا رحم یعنی بچہ دان اُسکو اپنی حرارت
سے پکاتا ہے تب اُس میں مناسبت زیادہ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ صفائی اور
اعتدال میں باہمی نسبت اجزا کی نہایت کو پہنچتی ہے پھر وہ روح کے قبول کرنے
اور اُس کے تھامنے کے قابل ہو جاتا ہے جیسا کہ روغن پی ہوئی بتی شعلہ کے
قبول کرنے اور اسکے تھامنے کی مستعد ہوتی ہے اور نطفہ اعتدال اور صفائی
کے پورا ہونے کیوقت روح کے تھامنے اور اُس کی تدبیر اور تصرف کا
مستعد ہوتا ہے پھر اس میں اللہ تعالیٰ جواد کی طرف سے فیضان روح کا ہوتا ہے
کہ وہ ہر مستحق کو بقدر استحقاق اور ہر مستعد کو بقدر لیاقت بغیر انکار اور بخل کے
فیض بخشنے والا ہے۔ پس تسویہ سے یہہ ہی افعال مراد ہیں کہ اصل نطفہ کو کئی
طوروں میں بدل کر صفائی اور اعتدال کی خاص[†] صفت میں پہنچاتے ہیں۔
پھر اُن سائلوں نے نفخ کے معنی دریافت کئے میں نے **جواب** دیا کہ نفخ سے روح[‡] کے

[1] یہاں خاص صفت سے وہ صفت مراد ہے جس سے نطفہ فیضان روح کے قابل ہوتا ہے ۱۲

† روح کے لفظ کا اطلاق کئی معنوں پر آتا ہے۔ روح انسانی یعنی نفس ناطقہ۔ روح حیوانی یعنی نفسانی۔ روح نباتی۔ قرآن شریف۔ وحی۔ فرشتہ علیم الخلقت۔ حضرت عیسیٰ۔ جبرئیل وغیرہ یہاں معنی اول یعنی نفس ناطقہ مراد ہے اور اس رسالہ میں یہی مقصود و بالبحث ہے ۱۲

نور کا نطفہ کی بتی میں روشن ہونا مراد ہی نفخ کے لئے صورت ہی اور ایک نتیجہ صورت
تو یہہ ہی کہ پھونکنے والے کے اندر سے اُس چیز کی طرف جس کو پھونک رہا ہی
ہوا کا نکلنا مثلاً تا جو لکڑی آگ کے قابل ہی جل اُٹھے نفخ جل اُٹھنے کا سبب ہے
اور یہہ نفخ یعنی پھونکنے کی صورت جو سبب ہے اللہ تعالیٰ کی ذات میں محال ہی
اور مسبب یعنی نتیجہ محال نہیں اور کبھی سبب سے مجازاً وہ فعل مراد ہوتا ہی جو سبب سے
حاصل ہوتا ہے اگرچہ وہ فعل جس کو دوسری معنی میں استعمال کیا ہے اونکی
صورت پر نہو جیسا کہ قولہ تعالیٰ غضب اللہ علیہم اور قولہ تعالیٰ فانتقمنا
منہم صورت غضب کی غصہ والے میں ایک قسم کا تغیر ہی جس سے ایذا حاصل
ہوتی ہی اسکا نتیجہ مغضوب علیہ کو یعنی اُس چیز کو جس پر غصہ کیا گیا ہے ایذا دینا
یا ہلاک کرنا ہی سو غضب سے نتیجہ غضب مراد ہے اور انتقام سے نتیجہ انتقام ایسا
ہی یہاں نفخ سے نتیجہ نفخ مراد ہے اگرچہ نفخ یعنی پھونکنے کی صورت پر نہ ہو۔
پھر مجھ سے سوال کیا کہ نطفہ کی بتی میں جو روح کا نور روشن ہوتا ہے اس کا سبب کیا
ہی میں نے جواب دیا کہ وہ ایک تو فاعل میں صفت ہی اور ایک قابل میں یعنی فاعل
میں صفت ہے اُس سے خدا کی بخشش مراد ہی جو منبع وجود ہی اس سے ہر قابل کو وجود
عطا ہوتا ہی اس صفت کو قدرت سے تعبیر کرتے ہیں اسکی مثال ایسی ہی جیسا کہ

---

۱۰ روح انسانی یعنی نفس ناطقہ ہی کی بحث یہاں مقصود ہے کیونکہ یہی ادراک کنندہ ہی اور اسکی
۱۲ اصلاح سے قرب جوار رب العالمین کا رتبہ حاصل ہوتا ہی ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ ؛

سورج کی روشنی حجاب کے دور ہونے کے وقت اُن چیزوں پر جو روشنی کے قابل ہیں پڑتی ہے پس جو چیزیں روشنی کے قابل ہیں وہ رنگدار چیزیں ہیں ہوا نہیں ہے کہ جس کا کچھ رنگ ہی نہیں - قابل کی صفت سے استوا اور اعتدال مراد ہے جو صفائی سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سَوَّیْتُہٗ قابل کی صفت کی مثال لوہے کے صیقل جیسی ہے کہ جب آئینہ کو زنگار دُھانپ لیتا ہے تو صورت کو قبول نہیں کرتا اگرچہ صورت اسکے مقابل ہی ہو جب کہ صیقل گر نے اُسکو صیقل کر دیا تو جیسے اُس میں صفائی حاصل ہوتی ہے ویسی ہی صورت دکھائی دیتی ہے ایسا ہی جب نطفہ میں استوا اور اعتدال حاصل ہو جاتا ہے تو خالق کی طرف سے اس میں روح پیدا ہو جاتی ہے اور خالق میں کچھ تغیر نہیں ہوتا بلکہ روح اب پیدا ہوئی نہ کہ آگے کیونکہ محل کو اب اعتدال حاصل ہوا آگے نہیں تھا جیسا کہ آئینہ مقابل میں صورت والے کا عکس وہیں پڑتا ہے اور صورت والے میں کچھ تغیر نہیں ہوتا اور صیقل کرنے سے پہلے جو یہ عکس نہ تھا تو اس کا یہ سبب نہیں کہ صورت کو آئینہ میں منقش ہونے کی استعداد نہ تھی بلکہ آئینہ ہی صاف نہ تھا کہ عکس قبول کرتا - پھر مجھ سے سوال کیا کہ فیض کیا چیز ہے میں نے جواب دیا کہ فیض سے جیسا کہ فیضان پانی کا برتن سے ہاتھ پر ہوتا ہے ایسا نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ پانی کا فیضان تو یہ ہے کہ پانی کے اجزا برتن سے الگ ہو کر ہاتھ کے ساتھ متصل ہوئے بلکہ وہ فیضان نور آفتاب کے مشابہ ہے

www.ahnafmedia.com

جو دیوار پر پڑتا ہی بعضوں نے اس میں بھی غلطی کھائی ہی جو کہتے ہیں کہ سورج سے شعاع الگ ہو کر دیوار پر پڑ کر پھیل جاتی ہی سو یہہ انکی بھول ہی بلکہ سورج کے نور سے دیوار پر ایسی شی پیدا ہوتی ہی کہ وہ نور کے ساتھ نورانیت میں مشابہ ہوتی ہی اگرچہ اُس سے ضعیف ہی ہو جیسا کہ صورت والیکا عکس جو آئینہ میں پڑتا ہی اسکے یہہ معنی نہیں ہیں کہ صورت والیکے اجزا اُس سے الگ ہو کر آئینہ کے ساتھ متصل ہوں بلکہ یہہ معنی ہیں کہ صورت والے کی صورت سے ایک ایسی صورت جو اُسکے مشابہ ہوتی ہے آئینہ میں پیدا ہو جاتی ہے اصل صورت میں نہ تو اتصال ہوتا ہی نہ انفصال محض سببیت ہی ایسا ہی جو چیزیں وجود کے قابل ہیں بخشش الٰہی اُن میں انوار وجود کے پیدا ہونے کا سبب ہے جس کو فیض کہتے ہیں **فصل** پھر سائلوں نے **سوال** کیا کہ آپنے تسویہ اور نفخ کا تو ذکر کیا اب روح[1] کی حقیقت بھی بیان فرمائے کہ کیا ہی آیا اس کا بدن میں حلول ہے جیسا کہ پانی کا برتن میں یا عرض کا جوہر میں

[1] روح کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں بعض مشائخ چنانچہ حضرت جنید بغدادی اور اونکے متبعین نے اسمیں کلام ہی نہیں کی اور یہہ کہا ہے کہ ہم موجود کے سوا اور زیادہ کچھ تسہیر نہیں کرتے کیونکہ اسمیں کلام کرنے کا حکم نہیں اسلئے کہ علیہ السلام صلعم نے اس میں کلام نہیں کی - معترض اس میں کہہ سکتا ہی کہ حضرت صلعم کے الروح من امر ربی کے سوا نہ بیان فرمانے سے یہہ نہیں لازم آتا کہ اس میں کلام کرنی منع ہو یا اسکی حقیقت تمام اولیاء کرام پر نہ کھلے یا صاحبان لیاقت اور فہم و فراست پر اسکی حقیقت بیان نہ فرمائی جاے اور آنحضرت صلعم نے الروح من امر ربی کے سوا اور کچھ جو بیان نہیں فرمایا

یا یہہ جوہر بذات خود موجود ہی اگر یہہ جوہر ہی تو ذی مکان ہی یا لامکان اگر ذی مکان ہے تو اوسکا مکان قلب ہے یا دماغ یا کوئی اور جگہہ اگر لامکان ہی تو جوہر لامکان کس طرح ہو امین نے جواب دیا کہ یہہ تو سوال روح کے بھید سے ہی جسکا رسول مقبول صلعم کو نا اہل سے بیان کرنے کا اذن نہین ہوا اگر تو اہل ہین سے ہی تو سن کہ روح عرض نہین ہے کہ بدن مین حلول کرے جیسا کہ سیاہی کا حلول سیاہ چیز مین اور علم کا عالم مین ہوتا ہے بلکہ وہ تو جوہر ہی کیونکہ اپنے آپ اور اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور معقولات کا ادراک کرتی ہے اور عرض مین یہہ صفتین نہین ہوتین اور وہ جسم بھی نہین کیونکہ جسم تو تقسیم کو قبول کرتا ہے اور روح منقسم نہین ہوتی اگر منقسم ہو تو چاہئے کہ ایک جزو سے مثلاً زید کا اس کو علم حاصل ہو اور دوسری جزو سے اس کا جہل جس سے لازم آتا ہے کہ روح ایک ہی حالت

اسکی وجہ یہہ ہی کہ مشرکین کو اسکی حقیقت کے سمجھنے کی استعداد نہ تھی اسلئے علیہ السلام نے ماہیت روح کی آپنے بیان نہ فرمائی علاوہ برین روح کا لفظ مشترک تھا جیسا کہ اول حاشیہ مین بیان ہوا اسلئے ہو سکتا ہی کہ اکابر قریش مکہ سے نضر بن حارث نے یہود یون کے کہنے کے موافق روح کا جو سوال کیا اسکی غرض یہہ ہو کہ آنحضرت کو عاجز کرین اس طور کہ جب حضرت علیہ السلام روح کے ایک معنی مثلاً حقیقت روح انسانی بیان فرماتے تو وہ کہتا کہ یہہ تو ہماری مراد نہین پھر دوسری معنی بیان فرماتے پھر یہی کہتا کہ یہہ ہماری مراد نہین اسلئے آنحضرت صلعم کو ایسا جواب مجمل دینے اور قل الروح من امر ربی کا حکم ہوا تا کہ وہ آگے سوال نہ کرنے پائے۔ بعض نے یون لکھا ہی کہ تین سوالون مین سے دو کا جواب دینا یعنی قصہ ذوالقرنین اور اصحاب کہف کا بیان فرمانا اور ایک کا جواب یعنی حقیقت روح کا بیان نہ کرنا ہی بنی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدق نبوت کی علامت انہون نے سمجھی تھی کیونکہ بیان قصہ

میں ایک شی کی عالم بھی ہوئی اور جاہل بھی اور ایک شی کا علم اور جہل ایک شخص میں محال ہی دو شخصوں میں محال نہیں کیونکہ ضدوں کا تناقص محل واحد میں ہی ہوتا ہی سپیدی اور سیاہی آنکھ کی ایک جزو میں تو متناقض ہیں دو جزوں میں متناقض نہیں اس سے معلوم ہوا کہ روح ایک چیز غیر منقسم ہی سب عقلاء کے نزدیک جزء لایتجزی ہی یعنی ایک چیز ہی کہ تقسیم قبول نہیں کرتی کیونکہ اسکو جزو بھی کہنا نہ چاہیئے اسلیئے کہ جزو تو کل کی نسبت ہوتا ہی یہاں تو کل ہی نہیں جزو کہاں ہوگا مگر اس اعتبار سے جزو بول سکتے ہیں جس اعتبار سے ایک کو دس کا جزو کہتے ہیں کیونکہ اگر تمام موجودات یا تمام اشیاء جن سے انسان کا قوام ہی اعتبار کی جاویں از انجملہ ایک روح بھی ہوگی جب تم نے یہہ سمجھ لیا کہ روح ایک غیر منقسم شی ہی اب دو حال سے خالی نہیں یا تو

ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے سوا حقیقت روح کی انکی کتابوں میں مذکور نہ تھی اسلیئے آنحضرت صلعم نے بھی لعزبن حارث کے جواب میں حقیقت روح کی بیان نہ فرمائی تھی بہرحال آنحضرت صلعم کو اسکے جواب میں صرف قل الروح من امر ربی کا ارشاد ہوا اس امر کو مستلزم نہیں کہ روح کی حقیقت صاحبان لیاقت پر بیان کرنی ممنوع ہو یا آنحضرت صلعم کو حقیقت اسکی معلوم نہ ہو یا تمام اولیاء کرام پر حقیقت اسکی نہ کھلے کہ لاتخفی اور اطباء روح حیوانی کو ہی روح انسانی کہتے ہیں اور فرفوریوس کا قول ہی کہ روح انسانی بدن میں حلول کئے ہوئے ہی اور بدن حلول کرنے کے اس سے متحد ہوگئی جیسا کہ نمک پانی میں بعد حلول کرنے کے متحد ہوجاتا ہی اور افلوطرخس کا یہہ عقیدہ ہی کہ روح ایک ہوا ہی بدن میں سرایت کئے ہوئے اور اطباء کہتے ہیں کہ مزاج بدن کی حرارت غریزی ہے انکے قول کا منشا یہی معلوم ہوتا ہی طالیس ملطی کا یہہ قول ہی کہ روح پانی کا نام ہی کیونکہ وہ منشاء نشوونما کا

ذی مکان ہوگی یا لامکان اسکا ذی مکان ہونا تو باطل ہی کیونکہ جو چیز ذی مکان ہوتی ہے تقسیم قبول کرتی ہے اور جزء لایتجزی (یعنی ایسی جزو کہ ذی مکان تو ہو اور تجزیہ و تقسیم قبول نہ کرے) دلائل عقلیہ اور ہندسیہ سے باطل ہی اُن دلائل میں سے آسان دلیل یہہ ہی کہ اگر اسکو دو چیزوں کے درمیان رکھا جائے تو ضرور ہی کہ وہ دونوں چیزیں اطراف مخالف سے اسکو مس کرینگی جب اسکی مخالف طرفیں نکلیں تو ہوسکتا ہی کہ ایک طرف سے ایک شئی کا علم ہو اور دوسری طرف سے اُس شئی کا جہل پس ایک ہی حالت میں ایک شئی کی عالم اور جاہل ہوئی اور یہہ باطل ہی اور جزو لایتجزی کیونکہ باطل نہ ہو اگر ایک شئی بسیط اجزاء لایتجزی سے مسطح فرض کیجائے تو اسکی وہ طرف جس کو ہم دیکھ رہے ہیں اس طرف کے مخالف ہوگی

ابکار الافکار میں ابنا وقیس کا یہہ قول ہی کہ روح جسم مرکب عناصر اربعہ سے ہی اور بدن میں اسکا حلول ہی جس کی دلیل اُسنے یہہ بیان کی ہی کہ ادراک مناسبت کا مقتضی ہے پس روح کا موالید کو ادراک کرنا ترکیب کو چاہتا ہی اور شفا میں بیان کیا ہی کہ روح مرکب چہار امور یعنی اربعہ عناصر اور قوت اور محبت سے ہی بعض کا یہہ قول ہی کہ روح خون کا نام ہی کیونکہ باقی اخلاط سے خون اشرف ہی اور انسان کی موت کے وقت معدوم ہوجاتا ہی اور بعض کا یہہ عقیدہ ہے کہ روح عبارت اخلاط اربعہ سے ہی جو مجتمع اور کم و کیف میں معتدل ہیں۔ بعض روح مزاج کا نام رکھتے ہیں جو کیفیات عناصر سے پیدا ہوتی ہی۔ بعض روح نفسانی یعنی قوت دماغی کو روح انسانی کہتے ہیں۔ بعض روح حیوانی یعنی قلب جسمانی کی قوت کا نام روح انسانی کہتے ہیں بعض روح بنائی یعنی قوت جگر ہی کو روح انسانی سمجھے ہوئے ہیں۔ بعض نے ان تینوں قوتوں کے مجموعہ کا نام روح انسانی رکھا ہی جمہور متکلمین کا یہہ مذہب ہے کہ روح انسانی جسم

جس کو ہم نہیں دیکھتے کیونکہ ایک شے ایک ہی حالت میں دکھائی دے اور نہ دکھائی دے نہیں ہوتی اور جب سورج اسکی ایک طرف کے مقابل ہوگا تو وہی طرف روشن ہوگی دوسری طرف نہیں ہوگی پس جب اسکے لئے دو طرفیں نکلیں تو جزو لایتجزی نہ رہی **فصل** پھر مجھ سے سوال کیا کہ اس جوہر کی کیا حقیقت ہے اور اسکا بدن کے ساتھ کس طرح پر تعلق ہوا یا وہ بدن میں داخل ہے یا خارج متصل ہے یا منفصل میں نے **جواب** دیا کہ روح نہ تو بدن میں داخل ہے نہ خارج نہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ منفصل کیونکہ یہہ صفتیں جسم میں ہوتی ہیں اور روح جسم نہیں پس دونوں ضدوں سے الگ ہوئی جیسا کہ پتھر نہ تو عالم ہے نہ جاہل کیونکہ علم اور جہل کے لئے حیات چاہیئے جب حیات ہی نہیں علم اور جہل بھی نہیں۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ روح کسی جہتہ میں ہے یا نہیں۔ میں نے **جواب** دیا کہ روح محلوں میں حلول کرنے اور جسموں کے ساتھ

لطیف ہو بدن میں سرایت کئے ہوئے جیسا کہ گلاب کا پانی گلاب میں اور اُس کی جسمیت پر بہت سے دلائل پیش کرتے ہیں اُن میں سے قولہ تعالیٰ اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فیمسک التی قضی علیہا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی وقولہ تعالیٰ ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت والملئکۃ باسطوا ایدیہم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون الآیۃ وقولہ تعالیٰ یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ کہ ان آیات میں نفس کی وفات اور اُسکے بند کھنے اور اخراج اور رجوع کی خبر ہے جو اوصاف جسم سے ہے ان سے معلوم ہوا کہ روح جسم ہے یا یوں کہیں روح موصوف ہے ان اوصاف سے اور جو متصف ہو ان اوصاف سے وہ جسم ہو جسکا نتیجہ یہہ نکلا کہ روح بھی جسم ہے۔ اور قاضی باقلانی اور نظام معتزلی کا یہہ عقیدہ ہے کہ روح جسم لطیف بدن میں سرایت کئے ہوئے

متصل ہونے اور جہتوں کے ساتھ مختص ہونے سے پاک ہے کیونکہ یہہ سب باتیں اجسام اور اعراض کی صفتیں ہیں وہ جسم اور عرض نہیں وہ تو ان عوارض سے پاک ہے۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت روح کے بتلانے اور اس بھید کے ظاہر کرنے کا کیوں اذن نہ ہوا میں نے جواب دیا کہ لوگوں کے فہم اسکو سمجھ نہیں سکتے کیونکہ لوگ دو قسم پر ہیں ایک عام اور ایک خاص جس میں عام ہونے کی صفتیں غالب ہیں وہ ان باتوں کو اللہ جل شانہ ہی کے حق میں تصدیق نہیں کرتا روح انسانی کے حق میں کیا تصدیق کریگا اسی لئے فرقہ کرامیہ اور حنابلہ ان باتوں کا منکر ہے سو جس میں عامیت زیادہ ہوتی ہے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتا اور اللہ جل شانہ کو جسم ٹھہراتا ہے کیونکہ کسی موجود کو سوا ے ذی جسم اور مشار الیہ یعنی ذی اشارہ

ہو تغیر اور تبدل کے قابل نہیں اور وقت قطع ہونے کسی عضو کے جزو روحانی منقطع نہیں ہوتی بلکہ جزو متصل کیطرف جذب اور منقبض ہو جاتی ہے۔ اور بڑا فرقہ اشاعرہ کا یوں قایل ہے کہ جسم مرکب ہے اجزاء لا یتجزی سے اور روح عبارت جزو ان اجزا لا یتجزی سے ہے جنکو اجزا اصلی کہتے ہیں اور ابن راوندی کا قول ہے کہ روح جزو لا یتجزی ہے قلب میں اور بعض متکلمین کا یہہ قول ہے کہ روح عرض ہے یعنی حیوٰۃ کا نام ہے جسکے سبب بدن حی ہے اور امام رازی بھی اسیکا قایل ہے کہ روح عرض ہے عوارض بدن سے اور بعض کا یہہ قول ہے کہ روح خداوند کریم کے اجزا میں سے ایک جزو ہے۔ اور بعض صوفیہ کا یہہ قول ہے کہ روح کوئی صفت جسم کی نہیں بلکہ ذات باری کی صفت ہے کیونکہ خداوند کریم نے قل الروح من امور ربی فرمایا ہے اور امر کلام اسکی ہے پس روح کلام الٰہی یعنی احیاء کا نام ہوا۔ بعض کا یہہ قول ہے کہ روح نسیم طیب باعث حیات ہے جیسا کہ نفس ہوا گرم باعث حرکات و شہوات ہے لیکن ان تمام اقوال کا ضعف و بطلان تقدیر یکہ

ہونیکے نہیں ادراک کرتا بعضوں نے ان عاموں میں سے کچھ ترقی کی جسم کی نفی کی اور عوارض جسمیہ کی نفی نہ کرسکے اور جہت کو جو عوارض جسمیہ سے ہی باری تعالیٰ کے لئے ثابت کیا بعضوں نے ان میں سے ترقی کی انہوں نے خدا تعالیٰ کو لامی جہت یعنی لامکان ثابت کیا وہ اشعریہ اور معتزلہ ہیں۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ ایسے لوگوں کو جو کچھ ترقی یاب ہوئے روح کے بھید کا بتلانا کیوں جایز نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ وہ لوگ اس صفت کو اللہ تعالیٰ اور اُسکے غیر میں مشترک ہونیکو محال جانتے ہیں اگر تو اُن سے یہہ ذکر کرے تجھے کافر ٹھہرائیں اور تجھے یہہ کہینگے کہ جو صفت اللہ تعالیٰ کی خاص تھی وہ اپنے نفس کے لئے ثابت کرتا ہے تو تو اپنے نفس کی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ پھر اُس نے سوال کیا کہ انہوں نے اس صفت کو اللہ تعالیٰ اور اُسکے غیر میں مشترک ہونے کو کیوں محال جانا۔ میں نے

روح سے مراد انکی نفس ناطقہ یعنی روح انسانی ہو۔ ارباب فہم و فراست پر مخفی نہیں کیونکہ بعض کا روح حیوانی کو جو بقول بعضے جسم اور بقول بعضے جسمانی قوت ہے جسکی اصلاح سے صرف صحت بدن کی حاصل ہوتی ہے۔ روح انسانی کہنا یا بعض کا روح انسانی کا حلول بدن میں پانی میں نمک کیطرح لینا جو خواص جسم سے ہے یا ہوا یا پانی ہی کا نام رکھنا جو ایک جسم غیر مدرک ہے یا ایک جسم مرکب عناصر اربعہ سے لینا یا چھ امور سے مرکب لینا یا خون کا نام جو جسم غیر مدرک ہے روح انسانی رکھنا یا اخلاط اربعہ یا مزاج کا نام رکھنا جو ایک مرکب شی ہے یا روح نفسانی یا نباتی وغیرہ کو جو از قسم اعراض ہیں روح انسانی کہنا یا روح افعالی کو جسم لطیف بدن میں سے تغیر و تبدل سرایت کئے ہوئے لینا یا جسم مرکب اجزاء لایتجزی سے لینا یا روح انسانی حیوۃ یعنی عرض کا نام رکھنا یا قلب میں ایک جزء لایتجزی کا نام رکھنا یا یہہ کہنا کہ روح نسیم طیب ہے روح انسانی کی حقیقت اور ماہیت کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی بھلا جب کہ روح انسانی مدرک ہو اور ادراک

جواب دیا کہ وہ لوگ جیساکہ دو ذی مکان کا ایک مکان میں جمع ہونا محال جانتے ہیں ویساہی دو شئی کا لامکان میں جمع ہونا محال سمجھتے ہیں۔ کیونکہ بسبب فرق نہ ہونے کے دو جسموں کا ایک مکان میں جمع ہونا محال ہے ویساہی اگر لامکان میں دو چیزیں جمع ہوویں ان میں بھی کچھ فرق نہیں رہیگا اسلئے کہتے ہیں کہ دو سیاہیاں ایک محل میں جمع نہیں ہوسکتیں اور دو ہم مثلوں کو باہم ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں پھر مجھ سے سوال کیا کہ یہہ تو اشکال رفع ہے اسکا جواب کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اس بات میں آنہوں نے غلطی کھائی جب کہ آنہوں نے یہہ گمان کیا کہ اشیاء میں فرق تین امروں کے ساتھ ہوتا ہے ایک تو مکان کے ساتھ جیسا دو مکانوں میں دو جسم اور دوسرے زمانہ کے ساتھ جیساکہ دو زمانوں میں

شان جوہر سے ہو تو عرض کیونکر ہوگی اور جب اسکے مرکب ہونے سے ایک ہی حالت میں اسکا ایک شئی کی عالم اور جاہل ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے تو جسم کیونکر ہوگی یا عوارض جسمیت آسکے لئے کیونکر ثابت ہونگے۔ متکلمین نے جو دلائل روح کی جسمیت پر پیش کئے ہیں یعنے وفات اور امساک اور اخراج اور رجوع۔ میں کہتا ہوں کہ ان اوصاف میں سے کوئی بھی صفت روح کے جسمیت کی مقتضی نہیں کیونکہ وفات روح کے بدن سے رفع تعلق کا نام ہے نہ کہ روح کا معدوم کر دینا اسلئے کہ روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کا معدوم ہونا ہی باطل ہے جیسا عنقریب دلیل اسکا بیان آئیگا ایسا ہی امساک سے مراد روح کا تعلق بدن سے نہ ہونے دینا اور ارسال سے مراد بعد امساک کے اسکا تعلق کر دینا اور رجوع الی اللہ سے روح کا تصرف فی البدن سے باز رہنا اور خدا کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے اور اخراج عبارت ہے نفس ناطقہ کا تعلق بدن سے موقوف کر دینے سے پس قرآن شریف میں روح کے ان اوصاف کے بیان کرنے سے روح کی جسمیت کا ثابت

دو سیاہیاں ایک جوہر میں ہوں - تیسرے ماہیت اور حقیقت کے ساتھ جیسا کہ عوارض مختلف ایک محل میں مثلاً رنگ اور ذائقہ اور بو اور برودت اور رطوبت ایک جسم میں ہوں کیونکہ انکے لئے محل بھی ایک ہی اور زمانہ بھی ایک لیکن ایک دوسرے سے ماہیت میں مختلف ہیں پس فرق ذائقہ کا رنگت سے ماہیت کی جہت سے ہوگا نہ کہ مکان اور زمان کے ساتھ اور فرق علم کا قدرت اور ارادہ سے اگرچہ سب ایک ہی شے میں ہوں جب کہ اُن میں مکان اور زمان کی جہت سے اختلاف نہیں ماہیت کے رو سے ہوتا ہے پس جب کہ ایک مکان میں عوارض مختلف ماہیت کا ہونا جایز ہوا تو اشیاء مختلف ماہیت کا لامکان ہونا بطریق اولیٰ جایز ہوا فصل پھر مجھ سے سوال کیا کہ یہاں تو اول سے بھی ایک اور اشکال بڑھکر ہے اور ایک اور دلیل اسکے محال ہونے پر اظہر ہے وہ اشکال یہہ ہے

کرنا بایں اعتبار سے ساقط ہے۔ علاوہ بریں ہم یہہ بھی توجیہہ بیان کر سکتے ہیں کہ وفات کے وقت روح حیوانی بدن سے نکالی جاتی ہے جسکے نکلنے سے نفس ناطقہ یعنی روح انسانی کا تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ نفس ناطقہ کا تصرف بدن میں بواسطہ روح حیوانی کے ہے جو ایک بخار لطیف حرارت قلب جسمانی سے تفیج پاکر بذریعہ شریانوں کے تمام اعضاء بدن میں پھیلتا ہے اور حیات تمام اعضا کو دیتا ہے۔ اس بخار لطیف یعنی روح حیوانی کا بدن میں ساری ہونا ایسا ہے جیسا ایک چراغ مثلاً اطراف گھر میں پھیرا جاوے اور اس سے گھر کے چار طرف روشنی پھیل جاوے گویا یہہ بخار لطیف بمنزلہ چراغ کے ہے اور حیات بمنزلہ روشنی کے اس بخار لطیف کے ذریعہ سے نفس ناطقہ کا تعلق بدن کے ساتھ تدبیر اور تصرف کا جو تھا وفات کے وقت جاتا رہا اور اسکے امزاج اور ارسال اور امساک سے روح انسانی کے تعلق کا ہونا یا نہ ہونا وجود میں آیا۔ پس مجازاً ان اوصاف کو جو درحقیقت روح حیوانی کے

کہ اس میں روح کو اللہ تعالیٰ سے تشبیہ ہوئی اور روح میں اللہ تعالیٰ کی اخص صفات کو ثابت کیا۔ میں نے جواب دیا کہ یہہ کہاں ہو سکتا ہے کیونکہ ہم انسان کو حی اور عالم اور سمیع اور بصیر اور قادر اور مرید اور متکلم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی ہے حالانکہ اس میں تشبیہ نہیں ہے کیونکہ یہہ صفتیں اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے نہیں ہیں اسی طرح حیز اور مکان اور جہت سے پاک ہونا بھی اُس کے اخص صفات میں سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے اخص صفات میں سے تو صفت قیومیت کی ہے یعنی وہ بذات خود موجود ہے اور اُس کے ماسوا اُسی کے سبب موجود ہیں بلکہ اشیاء کے لئے تو بذات خود عدم ہے وجود تو اُن کے لئے عاریتاً غیر کی جہت سے ہے اللہ تعالیٰ کے لئے وجود صفت ذاتی ہے عاریتاً نہیں ہے اور یہہ صفت یعنی قیومیت اللہ تعالیٰ کے غیر میں نہیں پائی جاتی

اوصاف ہیں روح انسانی کی صفت ڈالدیا گیا جیسا کہ کسی بادشاہ کا کسی ملک پر تصرف ہو اور اُس بادشاہ کا نائب و لشکر اُس ملک میں رہتا ہو کوئی غنیم بادشاہ کے نائب لشکر کو قتل کر دے یا وہاں سے نکالدے تو اس موقعہ پر ہم یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں بادشاہ مارا گیا یا فلاں ملک سے نکالا گیا یا فلاں ملک اُس سے چھین لیا گیا جس سے ہماری یہہ مراد ہوتی ہے کہ اُس ملک میں اُسکو تدبیر اور تصرف کا اختیار نہ رہا۔ اور اشاعرہ کے عقیدے اور ابن راوندی کے قول کا بطلان معروضات سابقہ سے ظاہر ہی ہے کیونکہ روح کوئی جسم مرکب اجزاء لایتجزی سے یا خود جزء لایتجزی جزء قلب جسمانی کی نہیں بلکہ وہ کسی محل میں سرایت کرنے یا کسی عضو کے جزء پڑنے یا خود جسم ہونے سے پاک ہے علاوہ بریں جزء لایتجزی کا بطلان دلایل ہندسیہ سے ثابت ہے اسلئے کہ ہر شکل مقالہ اول اقلیدس سے یہہ بات ثابت ہے کہ مثلث قایم الزاویہ کے زاویہ قایمہ کے وتر کا مربع اسکے دو ضلعوں کے مربع کے مساوی

پھر مجھ سے سوال کیا کہ آپنے معنی تسویہ اور نفخ کے تو ذکر کئے نسبت کی معنی نہ بیان فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں روح کو اپنی طرف نسبت کیا اور مِن رُّوحی کیوں فرمایا اگر نسبت کے یہہ معنی ہیں کہ وجود روح کا خدا سے ہی تو سب چیزوں کا وجود اللہ تعالیٰ ہی سے ہی حالانکہ بشر کی نسبت مٹی کی طرف کی اور فرمایا۔ اِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ یعنی میں بشر کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔ پھر فرمایا فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی اور اگر اسکے یہہ معنی ہیں کہ روح خدا تعالیٰ کی جزء ہی جس کا بدن پر فیضان کیا جیسا کہ سخی سائل پر مال کا فیضان کرتا ہی پھر کہتا ہے کہ افضت علیہ من مالی یعنی میں نے سائل پر اپنے مال کا فیضان کیا تو اس میں ذات اللہ تعالیٰ کے لئے اجزا ثابت ہوئیں حالانکہ پہلے آپنے اسکو باطل کیا ہی

ہوتا ہی پس جس صورت میں ہم نے ایک مثلث قایم الزاویہ جس کے دو ضلعے مساوی ہوں مثلاً ایک ایک ضلع دس دس جزو کا فرض کریں تو بحکم شکل مذکور وتر اسکا دو سو کا جذر نکلنا چاہئے اور یہہ تو ظاہر ہی ہی کہ دو سو کا جذر صحیح نہیں نکل سکتا مثلاً اگر چودہ کو وتر کہیں یہہ بھی درست نہیں کیونکہ یہہ تو ایک سو چھیانوے کا جذر ہی اور اگر پندرہ کہیں تو یہہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس کا مربع دو سو پچیس ہی پس دو سو کا جذر چودہ جزو معہ کسر جزو کے نکلیگا جس سے اس جزو لایتجزی مفروضہ کا تجزیہ اور انقسام ثابت ہوا۔ اگر کوئی یہہ کہے کہ متکلمین نے نفی جزو لایتجزی کے دلایل کی تضعیف اور اثبات جزو لایتجزی کا دلایل قویہ سے کیا ہی تاکہ اثبات ہیولی وصورت سے جو مؤدی قدم عالم اور نفی حشر اجساد کی طرف ہے نجات ہو جائے میں کہتا ہوں کہ اثبات جزو لایتجزی کے دلایل بھی چنداں قوی نہیں اسی لئے امام رازی نے اس میں توقف کیا

اور فرمایا ہی کہ افاضہ کے معنی جدا ہونے جزو کے نہیں ہیں پس اس کے کیا معنی ہوئے میں نے جواب دیا کہ اگر یہہ بات آفتاب بولے اور کہے اَفَضْتُ عَلَی الْاَرْضِ مِنْ کَوْنِیْ یعنی میں نے زمین پر اپنے نور کا فیضان کیا تو یہہ بات سچ ہوگی اور یہاں نسبت کے معنی یہہ ہونگے کہ جو روشنی زمین کو حاصل ہی وہ کسی نہ کسی وجہ سے آفتاب کے نور کی جنس میں سے ہی اگرچہ بہ نسبت اسکے بہت ہی ضعیف ہی اور یہہ تو نے معلوم کر لیا ہی کہ روح جہت اور مکان سے پاک ہی اور تمام اشیاء کے علم اور اطلاع کی اُس کو قوت ہے۔ اور یہہ مناسبات شئ جسمانی میں نہیں ہوتیں (پس انہی مناسبات کی وجہ سے خدا تعالےٰ نے روح کو اپنی طرف نسبت کیا اور مِنْ رُّوْحِیْ فرمایا) پھر مجھ سے سوال کیا کہ قل الروح من امر ربی کے کیا معنی ہوئے اور عالم امر اور عالم

علاوہ بریں اثبات ہیولی و صورت موذی قدم عالم و نفی حشر اجساد کی طرف نہیں ہو سکتا اسلئے کہ فلسفی ہیولی کے قدیم بالذات ہونیکے تو قائل ہی نہیں البتہ قدیم بالزمان لیتے ہیں اور ہر حادث زمانی کو مسبوق بالمادہ کہتے ہیں لیکن کوئی دلیل قوی اسپر اُنہوں نے بیان نہیں کی چنانچہ ماہرین فن معقول پر یہہ امر پوشیدہ نہیں پس جب قدم ثابت نہیں تو اُنکا اثبات موذی قدم عالم و نفی حشر اجساد کی طرف کیونکر ہوگا اور اگر بالفرض یہی تسلیم کیا جائے کہ ہیولی و صورت کا اثبات موذی قدم عالم و نفی حشر اجساد ہی اسلئے جسم کا مرکب ہونا جواہر فردہ یا اجزاء مقداریہ سے لیا جائے تب بھی ہم کہتے ہیں کہ کونسی ضرورت ہی کہ روح انسانی کو خواہ مخواہ مرکب اجزاء لایتجزی سے کہا جائے حالانکہ اس کا مرکب ہونا ظاہر البطلان ہے اور جو کہتا ہے کہ روح خدا تعالےٰ کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے اُسکے قول کا بطلان ظاہر ہی ہی کیونکہ خدا تعالیٰ مرکب اجزاء سے نہیں ہی کہ ایک جزو

خلق سے کیا مراد ہی - میں نے جواب دیا کہ جس شئی کی مساحت اور اندازہ ہو سکے وہ عالم اجسام اور عالم عوارض میں سے ہی اُسکو عالم خلق سی کہتے ہیں اور یہاں خلق کے معنی تقدیر اور اندازہ کے ہیں ایجاد اور پیدا کرنے کے نہیں - جیساکہ بولتے ہیں خلق الشئی ای قدرہ یعنی چیز کا اندازہ کیا اور شاعر نے کہا ہی شعر ولانت تفری ماخلقت و بعض القوم یخلق ثم یفری ۔ اور جس چیز کا اندازہ اور مقدار نہ ہو اُس کو امر ربی کہتے ہیں اور اُسکو امر ربانی کہنا انہیں مناسبات مذکورہ کی جہت سی ہی اور جو چیزیں اس جنس سے ہیں خواہ ارواح بشری ہوں یا ارواح ملائکہ اُنکو عالم امر سے کہتے ہیں پس عالم امر سے وہ موجودات مراد ہیں جو حس اور خیال اور جہات اور مکان اور حیز سے خارج ہیں اور بسبب نہ ہونے مقدار کے مساحت اور اندازہ میں داخل نہیں ہیں - پھر مجھ سے

یعنی روح اُس سے الگ ہو کر بدن انسان سے متعلق ہو گئی ہو تعالی عن ذالک علوا کبیرا اور بعض صوفیہ کے اس عقیدہ کا بطلان بھی کہ روح صفت جسم کی نہیں بلکہ ذات باری کی صفت ہی ارباب عقل پر مخفی نہیں کیونکہ یہ امر تو ممکن بلکہ واقع ہی کہ زید کو ایک چیز کا علم ہوتا ہی اور عمرو کو اُسکا جہل پس اگر روح مدرک صفت ذات باری کی ہوتی تو نقص جہل کا صفت باری تعالی میں لازم آتا وغیر ذالک من المفاسد علاوہ بریں خدا تعالی کا قل الروح من امر ربی بلفظ من ارشاد کرنا صاف اس امر پر دال ہے کہ روح عالم امر میں سے ہی یعنی اُس عالم میں سے ہی جس کا اندازہ اور مقدار نہیں غرضکہ روح انسانی جس کو اصبہ آخروی اور حقایق عقلی کا ادراک اور جس کی اصلاح سے قرب رب العالمین حاصل ہوتا ہی اور جو مناط طلب معاتب ہی جسکو عقل و قلب یعنی لطیفہ ربانی اور نفس ناطقہ و حقیقت انسانی بھی کہتے ہیں جسکا تزکیہ موجب فلاح ہی جیساکہ خدا تعالی فرماتا ہی وَنَفْسٍ وَمَا سَوّٰىهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا

سوال کیا کہ اس سے تو روح کے قدیم ہونے کا وہم پڑتا ہی۔ میں نے جواب دیا کہ اس بات کا ایک فرقہ کو وہم ہوا ہی وہ انکی جہالت ہی بلکہ روح کو غیر مخلوق اس اعتبار سے کہینگے کہ اُس کا مقدار نہیں کیونکہ وہ منقسم اور ذی اجزا اور ذی مکان نہیں ہی اور اگر مخلوق بمعنی حادث لیں تو روح مخلوق ہی قدیم نہیں ہی اسکے حدوث کی دلیل طویل ہی اور اسکے مقدمات بہت ہیں۔ حق تو یہہ ہی کہ جب نطفہ میں روح کے قبول کرنے کی استعداد ہوئی تو روح پیدا ہوئی جیسا کہ آئینہ میں صیقل کرنے کیوقت صورت پیدا ہوتی ہی مختصر دلیل یوں ہی کہ ارواح بشری اگر بدنوں سے اوّل موجود ہوتیں یا تو بہت ہوتیں یا ایک بدنوں سے اوّل انکی کثرت اور وحدت تو باطل ہی بدنوں سے اوّل اُنکا وجود بھی باطل ہوا وحدت تو یوں باطل ہی کہ بدنوں

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا نہ تو وہ روح حیوانی ہی کیونکہ روح حیوانی کو امور اُخروی اور حقایق عقلی کا ادراک حاصل نہیں ہوتا نہ تمام حیوانوں کا دانستہ امور اُخروی حقایق عقلیہ ہونا لازم آئیگا جو صراحتاً باطل ہی اور نہ وہ قوت نفسانی یا نباتی یا کسی اور عرض کا نام ہی کیونکہ عرض مدرک نہیں ہوتی اور روح انسانی مدرک ہی اور نہ وہ جزو لایتجزی یا کوئی مرکب چیز اجزا سے ہی بلکہ وہ جوہر غیر منقسم بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن و حافظ ترکیب بدن ہے مکان اور جہت سے پاک نہ بدن میں داخل نہ خارج نہ متصل نہ منفصل حکماء مشائین اور اشراقین کا یہی عقیدہ ہی اور اہل تحقیق مثلاً ابو زید و بوسی و امام راغب اور امام غزالی وغیرہ اہل سنت و جماعت کا یہی قول ہی اور معمر معتزلی اور ایک فرقہ امامیہ کا یہی قایل ہی اور محققین صوفیہ کرام کا یہی عقیدہ ہے اور کامل افراد صوفیہ کا مشاہدہ بھی اسی کی طرف منتہی ہوتا ہے ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ ۔

سے متعلق ہونے کے بعد یا تو اُنکی وحدت باقی رہیگی یا کثرت ہو جائیگی وحدت کا باقی رہنا تو محال ہی کیونکہ ہمیں امکان اس بات کا کہ زید ایک شئ کو جانتا ہو اور عمرو نہ جانتا ہو صراحتاً معلوم ہی اگر جوہر ادراک کرنے والا یعنی روح اِن میں ایک ہوتی تو دو ضدوں کا جمع ہونا اس میں محال ہوتا جیسا کہ زید میں محال ہی اور اسی طرح بعد تعلق کے بہت ہو جانا بھی باطل ہی کیونکہ جس ایک کا مقدار نہ ہو اُسکا دو اور منقسم ہونا محال ہی اور مقدار والی شئ کا دو ہو جانا اور منقسم ہونا محال نہیں جیسا کہ جسم کہ ایک ہی جسم بسبب اِسکے کہ مقدار رکھتا ہی منقسم ہوتا ہی اور اُسکے لئے اجزا نکلتے ہیں اور جس چیز کے لئے اجزا اور مقدار نہیں وہ منقسم ہونے کو کس طرح قبول کریگی اور بدنوں سے اوّل ارواح کی کثرت یوں باطل ہی کہ یا تو وہ ایک دوسرے کے ہم مثل ہونگی یا مختلف ہم مثل اور مختلف ہونا تو محال ہی کثرت بھی محال ہوئی ہم مثل ہونا یوں محال ہی کہ دو ہم مثلوں کا اصل میں وجود ہی محال ہی اسی لئے ایک جسم میں دو سیاہیوں کا اور ایک مکان میں دو جسموں کا پایا جانا محال ہی کیونکہ دو ہونا تغایُر کو چاہتا ہی اور یہاں تغایُر ہی نہیں اور دو سیاہیوں کا دو جسم میں پایا جانا ممکن ہی کیونکہ یہاں تغایُر بسبب جسم کے ہو جائے گا اِسلئے کہ ایک سیاہی ایک جسم کے ساتھ خاص ہوگی دوسری دوسرے کے ساتھ ایسا ہی دو زمانوں میں دو سیاہیوں کا ایک ہی جسم میں پایا

جانا ممکن ہی کیونکہ زمانہ خاص میں جسم کے ساتھ متصل ہونا ایک سیاہی کی صفت ہوگی دوسری کی نہیں ہوگی سو مطلقاً دو ہم مثلوں کا وجود ہی نہیں بلکہ اگر ہوگا تو کسی کی نسبت کرکے ہوگا جیسا کہ کہیں کہ زید اور عمرو دونوں انسانیت اور جسمانیت میں ہم مثل ہیں دوات اور کوے کی سیاہی دونوں سیاہ ہونیمیں ہم مثل ہیں۔ بدنوں سے اوّل اُنکا مختلف ہونا یوں محال ہی کہ مختلف ہونا دو قسم پر ہی ایک تو نوع اور ماہیت کے اختلاف کی جہت سے ہوتا ہی جیسا کہ پانی اور آگ اور سیاہی اور سپیدی اور علم و جہل کا اختلاف ہی دوسری قسم کا اختلاف عوارض کے ساتھ ہوتا ہے جو ماہیت میں داخل نہیں ہوتے جیسا کہ پانی سرد اور گرم کا اختلاف ہی ابا ارواح بشری میں بسبب ماہیت کے اختلاف ہونا تو محال ہی کیونکہ ارواح[1] بشری ایک ہی نوع ہیں اور ماہیت اور حقیقت

[1] ارواح بشری کے ایک ہی نوع ہونے کی یہہ وجہ ہے کہ نفس ناطقہ یعنی جوہر مجرد بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن مختص بنوع انسان ہے کما مر اور انسان تو نوع سافل یعنی تمام انواع سے نیچے کی نوع ہے اور جو چیز نوع سافل کے ساتھ مختص ہو ماہیت جنسی نہیں ہوسکتی ورنہ نوع سافل کے ساتھ امر مختص کا غیر مختص ہونا لازم آئیگا یہی وجہ ہے کہ ناطق کو حیوان ناطق میں انسان کے لئے فصل قریب اور ممیز جمیع اغیار سے لیتے ہیں کیونکہ مراد ناطق سے مبدء النطق یعنی نفس ناطقہ ہے جو مختص بانسان ہی پس اسکا جمیع اغیار سے ممیز اور ایک ہی نوع ہونا اظہر من الشمس ہی یہی مذہب ارسطو اور ابو علی کا ہی بعض حکما اسکے خلاف پر ہیں اور ابو البرکات اور امام رازی متکلمین میں سے روح کے ماہیت جنسی ہونیکے قائل ہیں اور آنحضرت صلعم کے قول جسکو مسلم نے بروایت ابو ہریرہ بیان کیا ہے کہ الناس معادن کمعادن الفضة والذهب خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا والارواح جنود مجندة

میں متفق ہیں عوارض کے ساتھ بھی اختلاف محال ہی کیونکہ ایک ماہیت جب جسموں کے ساتھ متعلق ہو اور انکی طرف کسی طرح منسوب ہو تب عوارض کے ساتھ مختلف ہوتی ہی اسلئے کہ جسم کے اجزا میں اختلاف ضروری ہی اگرچہ آسمان ہی کی نسبت اختلاف قریب اور بعید ہونے کا ہو لیکن جب ایک ماہیت جسموں کے ساتھ ابھی متعلق ہی نہ ہو اختلاف اس کا محال ہوگا اس مسئلہ کی تحقیق زیادہ تقریر کی محتاج ہی لیکن اسقدر بیان اس تحقیق پر آگاہ کرنے کے لئے ہی - پھر مجھ سے سوال کیا کہ روحوں کا حال بدنوں سے الگ ہونے کے بعد کیا ہوگا حالانکہ انکو جسموں کے ساتھ تعلق نہیں پھر کیونکر روحوں میں کثرت اور اختلاف ہوا - میں نے جواب دیا کہ روحوں نے بدنوں کے ساتھ متعلق ہونے کی جہت سے مختلف صفتیں حاصل کی ہیں جیسا کہ علم اور

فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف کر اپنے مدعا کے لئے دلیل پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کا اخیر حدیث میں ارواح کو بصیغہ جمع لانا اور اسی طرح ابتدا حدیث میں ارواح کو معدن سونے اور چاندی کے ساتھ جو مختلف بالحقیقت ہیں تشبیہ دینا روح کی ماہیت جنسی ہونے کا مقتضی ہی - میں کہتا ہوں ارواح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بصیغہ جمع لانا روح کی ماہیت جنسی ہونے کو مقتضی نہیں کیونکہ جمع کے واسطے اختلاف افراد کا تشخیص اور صنف میں کفایت کرتا ہی یہ ضرور نہیں ہے کہ صیغہ جمع کا اپنے نیچے جنس و فصل سے مرکب انواع کو بھی مستلزم ہو جس سے مطلق روح کا ماہیت جنسی ہونا ثابت ہو ایسا ہی سونے چاندی کی معدن کے ساتھ تشبیہ اس وجہ سے کہ بعید من ظرف زر و سیم اور لوگ ظرف علوم ہیں صرف اس امر میں ہی کہ جیسا زر و سیم کی معدنوں میں مختلف استعدادیں ہیں مثلاً معدن زر عمدہ استعداد رکھتی ہی ایسی استعداد معدن سیم میں نہیں اسطرح لوگ مختلف

جہل صفائی اور کدورت خوش خلقی اور بدخلقی ان مختلف صفتوں کی جہت سے مختلف ہی باقی رہیں جن سے اُن کی کثرت سمجھی جاتی ہے بدنوں سے تعلق کے اوّل یہہ بات نہیں تھی کیونکہ اِن کے مختلف ہونے کا کوئی سبب نہیں تھا فصل - پھر مجھ سے سوال کیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول † خَلَقَ اللّٰہُ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اور ایک روایت میں عَلٰی صُوْرَۃِ الرَّحْمٰنِ

استعدادیں رکھتے ہیں بعض علی حسب مراتب معدنوں کے قابل فیضان آلہی کے ہیں اور بعض نہیں اور حدیث میں زر وسیم کے ساتھ جو ماہیت میں مختلف ہیں تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ زر وسیم کی معدنوں کے ساتھ دی گئی ہے جو ماہیت میں متحد اور استعدادوں میں مختلف ہیں غرضیکہ اس تشبیہ سے یہہ امر متحقق ہوتا ہے کہ لوگوں میں مختلف استعدادیں ہیں کوئی ان میں فیضان آلہی کے قابل ہے اور کوئی نہیں اور بعض شریف ہیں بعض نہیں مگر جاہلیت کے زمانہ میں جو شریف ہوں زمانہ اسلام میں شریف تب ہی گنے جائینگے جب کہ دین میں انکو سمجھ حاصل ہو چنانچہ خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا کا جملہ اس پر دال ہے - پس اس تشبیہ سے روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کے جو ایک جوہر بسیط بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن اور مدرک امور اُخروی وحقایق عقلی ہے ماہیت حیثی ہونے پر استدلال پکڑنا باطلق لفظ روح کا روح انسانی وغیرہ میں اشتراک لفظی نہ لینا بلکہ اشتراک معنوی جو بالکل درست متصور نہیں اس تشبیہ سے ثابت کرکے اُس کی جنسیت کا قائل ہونا محض خیال باطل ہے کما لایخفی اور الارواح جنود مجندۃ الحدیث سے صاحب لمعات کا اجسام سے پیشتر ارواح کے موجود ہونے پر استدلال پکڑنا بھی ضعیف ہے کیونکہ الارواح جنود مجندۃ کے ساتھ قبل الاجسام کی قید نہیں ایسا ہی تعارف مقید بقید قبل الاجسام نہیں اور بغیر اس قید کے بڑھانیکے معنی حدیث کے بن سکتے ہیں کما لایخفی پس ظاہر ہے کہ خواہ مخواہ اس قید کو بڑھا کر ارواح کا قبل اجسام ہونا ثابت کرنا حالانکہ دلیل تحقیقی اسکے خلاف پر قایم ہے کما مر ضعیف سے خالی نہیں - ۱۲ منہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

† خلق اللہ آدم علی صورتہ الحدیث کو بخاری ومسلم نے بروایت ابوہریرہ بیان کیا ہے یہاں صورت سے مراد صفت سمیع وبصیر ہے معنی حدیث کی یہہ ہوئی کہ پیدا کیا اللہ تعالی نے

کے کیا معنی ہوئے میں نے جواب دیا کہ صورت ایک اسم مشترک ہے کبھی تو شکلوں کی ترتیب اور بعض شکلوں کو بعض سے ملانے یا اختلاف ترکیب پر بولتے ہیں یہہ قسم تو صورت محسوسہ ہے اور کبھی ترتیب معانی پر بھی بولتے ہیں جو محسوسہ نہیں اور معانی کے لئے بھی ترتیب اور ترکیب اور باہمی نسبت ہوتی ہے جیسا کہ بولتے ہیں کہ مسئلہ کی صورت ایسی ہے اور واقع کی صورت ایسی اور علم حسبانی کی صورت ایسی ہے اور علم عقلی کی صورت ایسی سو اس حدیث نبوی میں صورت سے صورت معنوی مراد ہے اس میں روح کے اُن مناسبات مذکورہ کی طرف اشارہ ہے جن کا خدا کی ذات اور صفات اور افعال کیطرف رجوع اور مآل ہے کیونکہ روح کی حقیقت یہہ ہے کہ وہ بذات خود نہ تو عرض ہے نہ جوہر متحیز اور نہ جسم نہ اس کا کسی جہت اور مکان میں حلول ہے اور نہ وہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ منفصل نہ وہ عالم کے جسموں اور بدنوں میں داخل ہے نہ خارج سو یہہ سب کی سب ذات الٰہی کی صفات ہیں اور روح کی صفتیں یہہ ہیں کہ حی اور عالم اور قادر اور مرید اور سمیع اور بصیر اور متکلم ہے اللہ تعالیٰ میں بھی ایسی ہی صفتیں ہیں اور روح کے افعال یہہ ہیں۔ کہ

آدم کو اپنی صفت پر یعنی عالم متکلم بصیر اور اضافت تشریف کی بھی یہاں ہو سکتی ہے جیسا کہ بیت اللہ ناقۃ اللہ میں اور صاحب مجمع البحار وغیرہ کا ایک یہہ احتمال بیان کرنا کہ (صورتہ ای صورت آدم) علی صورت الرحمن کی روایت کے منافی ہے کما لا یخفی لیکن بعضوں نے کہا ہے کہ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِ الرَّحْمٰنِ کی روایت محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ۱۲ منہ عفی عنہ۔

ابتدا فعل انسان میں ارادہ ہوتا ہی جس کا اوّل اثر دل پر ظاہر ہوتا ہی پھر
روح حیوانی کے وسیلہ سے کہ وہ ایک بخار لطیف ہی دل کے درمیان سرایت
کرکے دماغ کو پہنچتا ہی پھر وہاں سے پٹھوں کی طرف جاتا ہی جو دماغ سے خارج
ہیں پھر پٹھوں سے اوتار اور رباطات کی طرف جاتا ہی جو عضلات سے متعلق
ہیں پھر اُس سے اوتار کھینچے جاتے ہیں تو اُس سے انگلیں حرکت کرتی ہیں اور
انگلیوں سے مثلاً قلم کو حرکت ہوتی ہی اور قلم سے سیاہی کو تو سیاہی سے
کاغذ پر جس صورت کے لکھنے کا ارادہ کیا تھا وہ صورت ویسی ہی لکھی جاتی
ہی جیسا کہ خزانہ خیال میں متصور تھی کیونکہ جب تک مکتوب کی صورت اوّل خیال
میں متصور نہ ہو کاغذ پر اُس کا لکھنا ممکن نہیں اور جس شخص نے اللہ تعالی کے
افعال اور اُس کے پیدا کرنے کی کیفیت میں غور کیا کہ نباتات اور حیوانات کو
آسمان اور ستاروں کی حرکت کے ذریعہ سے پیدا کیا اور آسمان اور ستاروں
کو فرشتوں سے حرکت دلائی تو جان لیگا کہ انسان کا تصرف عالم اصغر
یعنی بدن میں ایسا ہی جیسا خالق کا تصرف عالم اکبر میں اور معلوم کرلیگا کہ انسان
کا دل باعتبار اس کے تصرف کے بمنزلہ عرش کے ہی اور دماغ بمنزلہ کرسی
کے اور حواس بمنزلہ ملائکہ کے جو بالطبع اللہ تعالی کے مطیع ہیں یعنے
جن کی جبلّی عادت خدا کی اطاعت ہی اور امر کے خلاف کرنے کی طاقت
نہیں رکھتے اور پٹھے اور اعضا انسان کے بمنزلہ آسمانوں کے ہیں اور

www.ahnafmedia.com

اس کی انگلیوں کی طاقت بمنزلہ طبیعت کے ہی جو جسموں میں گڑی ہوئی اور جمی ہوئی ہی اور سیاہی بمنزلہ عناصر کے ہی کہ جمع اور ترکیب و تفریق کے قبول کرنے کے لئے اصل ہیں اور انسان کے خیال کا خزانہ بمنزلہ لوح محفوظ کے ہی اب جو کوئی ان مناسبات کی حقیقت پر مطلع ہو گا تو وہ معنی حدیث نبوی خَلَقَ آدَمَ الخ جان لیگا۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ †مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے کیا معنی ہیں میں نے جواب دیا کہ چیزیں مناسب مثالوں کے ساتھ پہچانی جاتی ہیں اگر یہہ مناسبات مذکورہ نہ ہوتیں تو انسان اپنے نفس کی معرفت سے اپنے خالق کی معرفت کی طرف ترقی نہ کرسکتا اللہ تعالیٰ نے جو آدمی کو اس عالم اکبر کا مختصر نسخہ بنایا

† حدیث من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کو ابن تیمیہ نے موضوع کہا ہی سمعانی نے لکھا ہی کہ یہہ مرفوع معلوم نہیں ہوتی یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے نووی نے لکھا ہی کہ اسکا ثبوت حضرت سے نہیں اور اسکے معنی تو ثابت ہیں پس بعضوں نے یوں معنی بیان کئے ہیں کہ من عرف نفسہ بالجہل فقد عرف ربہ بالعلم ومن عرف نفسہ بالفناء فقد عرف ربہ بالبقاء ومن عرف نفسہ بالعجز والضعف فقد عرف ربہ بالقدرۃ والقوۃ اور کہا ہی کہ یہہ معنی مستنبط ہیں قولہ تعالیٰ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ سے اور امام غزالی کے معنی مراد ہی ناظرین اعمال پر ظاہر ہی ہیں ۱۲ مفتی شاہ دین رحمۃ اللہ علیہ

‡ نفس کا لفظ لغت عرب میں کئی معنوں میں مشترک ہی چنانچہ چشم اور ذات اور خون اور وجود کو بھی نفس کہتے ہیں جس پر اصابۃ نفس کا اطلاق اور قولہ تعالیٰ حتی تستاذنوا علی اھلکم وقول فتھا ما لا نفس لہ سائلۃ معفو وقول قایل نفس الشئ فی اللغۃ وجودہ شاہد ہو سنگ و بافت چرم وغیرہ کو بھی نفس بولتے ہیں ایسا ہی نفس ناطقہ پر جو مدرک اور عالم اور مخاطب اور معاتب ہی نفس کا اطلاق آتا ہی یہاں ظاہر ایہی مراد ہے جیسا کہ امام غزالی صاحب نے بیان کیا ہے نہ کہ چشم و خون وغیرہ ۱۲ ابوالحسن مفتی شاہ دین رحمۃ اللہ علیہ

چنانچہ وہ اپنے اسباب میں بمنزلہ خدا کے متصرف ہو اگر اس کو اس طرح نہ بناتا تو جہاں اور صفات الٰہی مثل تصرف اور ربوبیت اور فعل اور علم اور قدرت وغیرہ کو نہ پہچانتا اب نفس انہیں مناسبات سے اپنے خالق کی معرفت کا یقیناً آئینہ ہو۔ روح کا مسئلہ جو اول بیان ہوا اس کی معرفت سے بھی اس مسئلہ کا خوب انکشاف ہوتا ہو۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ اگر ارواحیں جسموں کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں تو ان حدیثوں کے کیا معنی ہوئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خَلَقَ اللّٰہُ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بِاَلْفَیْ عَامٍ † وَاَنَا اَوَّلُ الْاَنْبِیَاءِ خَلْقًا وَاٰخِرُھُمْ بَعْثًا ‡ وَکُنْتُ نَبِیًّا وَاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ میں نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی حدیث روح کے ازلی اور قدیمی ہونے پر دلالت نہیں کرتی بلکہ روح کے مخلوق اور حادث ہونے پر یہ دال ہیں البتہ ظاہر میں

† ابو نعیم نے ابی ہریرہ سے دلایل میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اس حدیث کو بیان کیا ہو مگر بایں الفاظ انی کنت اول النبیین فی الخلق واٰخرھم فی البعث ۱۲ منہ شاہ ولی اللہ

‡ کنت نبیا وادم بین الماء والطین کو عسقلانی نے قولہم اور اسیر زرکشی نے قولہم وفی یعنی کنت نبیا فلا ادم ولا ماء ولا طین کو ضعیف لکھا ہو اور زرکشی نے لکھا ہو کہ اس حدیث کا بایں الفاظ کچھ اصل ہی نہیں لیکن مذی میں ہو مَتٰی کُنْتَ نَبِیًّا قَالَ وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ ۱۲ منہ شاہ ولی اللہ

* افلاطون اور بعض صوفیہ روحوں کے ازلی ابدی ہونے کے قائل ہیں لیکن انکا ازلی کہنا باطل ہو اسلئے کہ بدنوں سے اول انکا وجود بلطور کثرت باطل ہو کیونکہ مختلف ہونے کا کوئی سبب نہیں حالانکہ کثرت تغایر اور اختلاف کو چاہتی ہو اور بلطور وحدت بھی باطل ہو کیونکہ بعد وجود ابدان کے تمام نفسوں کی روح ایک ہونی یا ایک حقیقی کا کثیر ہو جانا صراحتاً باطل ہے پس جب بدنوں سے اول انکا وجود باطل ہوا تو ازلی نہ ہوئیں بلکہ حادث ہوئیں یہی مذہب اکثر صوفیہ اور متکلمین

یہہ حدیثیں جسم سے روح کے مقدم ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور ظاہر کا امر آسان ہی کیونکہ اُس کی تاویل ہو سکتی ہی اور دلیل قاطع ظاہر کے سبب چھوڑی نہیں جاتی بلکہ ظاہر کی تاویل کیجائیگی جیساکہ اللہ تعالی کے حق میں آیات تشبیہی کی تاویل کیجاتی ہی چنانچہ قولہ صلعم خَلَقَ اللّٰہُ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بالفی عام کی یوں تاویل ہی کہ ارواح سے ارواح ملائکہ مراد ہی اور اجساد سے اجسام عالم جیساکہ عرش کرسی آسمان ستارے آگ ہوا پانی مٹی اور جبکہ آدمیوں کے جسم سب کے سب زمین کے جسم کی نسبت چھوٹے ہیں اور زمین کا جسم بہ نسبت آفتاب کے بہت چھوٹا ہی اور آفتاب ایسا چھوٹا ہی کہ اس کو اپنے

اور فقہا اور محدثین اشراقین اور مشائین کا ہی کہ ارواح حادث ہیں اور ابدی - ان کے ابدی ہونے کی آسان دلیل یہہ ہی کہ روح انسانی بدن سے رفع تعلق کے بعد معدوم نہیں ہوتی کیونکہ وہ لحوق عدم کی قابلیت نہیں رکھتی اور جو شئی لحوق عدم کے قابل نہ ہو لحوق عدم اُس پر محال ہی اور لحوق عدم کی قابلیت نہ رکھنے کی یہہ وجہ ہے کہ اگر روح لحوق عدم کے قابل ہو تو بروقت موجود ہونے کے موجود بالفعل معدوم بالقوہ ہوگی پس اس صورت میں مبدأ فعلیتہ وجود اور ہوگا اور مبدأ عدم اور نہیں تو کل باقی ممکن الفساد اور کل ممکن الفساد باقی ہو جائیگا جو صراحتاً باطل ہے - پس جب ہر دو مبدأ باہم مغائر نکلے تو روح کی ترکیب لازم آئی اور روح کا مرکب ہونا تو باطل ہی ورنہ اس کا ایک ہی حالت میں ایک ہی شئی کا عالم اور جاہل ہونا لازم آتا ہی کما مر پس اس کا معدوم ہونا بھی باطل ہوا کیونکہ بطلان لازم مستلزم ہی بطلان ملزوم کو پس ثابت ہوا کہ ارواح بشری ابدی ہیں اور قول علیہ السلام کا جس کو مصنف تفسیر عزیزی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہی کہ اِنَّکُمْ مَخْلُوْقُوْنَ لِلْاَبَدِ وَاِنَّکُمْ تَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ بھی اسی کا موید ہی ۱۲ منہ

ح ۱- تحقیق تم پیدا کئے گئے ہو واسطے ہمیشگی کے (البتہ تم) انتقال کرتے ہو ایک گھر سے طرف ایک دوسرے گھر کے ۱۲

آسمان سے کچھ نسبت ہی نہیں ایسا ہی اُس آسمان کو اپنے اوپر کے آسمان سے اور اُس کو اپنے اوپر کے آسمان سے علیٰ ہذا القیاس کچھ نسبت نہیں ہے پھر اُن پر کرسی ہو جس میں سب آسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں اور کرسی بہ نسبت عرش کے چھوٹی ہو اگر اس میں تو سوچیگا تو آدمیوں کے اجسام کو حقیر جانکر مطلق لفظ اجساد سے جو حدیث میں وارد ہو آدمیوں کے اجسام نہیں سمجھیگا ایسا ہی حال ارواح بشری کا ارواح ملائکہ کی بہ نسبت ہو اگر تجھ پر ارواح ملائکہ کی معرفت کا دروازہ کھلے تو دیکھ لے کہ ارواح بشری مثل ایک چراغ کی ہیں کہ نار عظیم سے فیضیاب ہوئے اور نار عظیم ارواح ملائکہ میں سے روح اخیر ہو اور ارواح ملائکہ باترتیب ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ میں منفرد ہو ایسا کہ ایک مرتبہ میں دو روحیں ملکی جمع نہیں ہوتیں بخلاف ارواح بشری کے کہ کثرت سے ہیں اور نواع اور مرتبہ میں باہم متحد ہیں اور ملائکہ ہر ایک اُن کا نوع الگ الگ ہو اسی طرف اشارہ ہو اللہ تعالےٰ کی کلام میں ت وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ - وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ اور رسول مقبول صلعم کی کلام میں ع الراکع منھم لا یسجد والقائم لا یرکع وانہ ما من احد الا لہ مقام معلوم پس ابا ارواح اور اجساد مطلقہ

† ملائکہ ہر ایک اُن کا نوع الگ الگ ہو ارواح ملائکہ بلا واسطہ روح حیوانی کے اپنے اپنے خاص اجسام میں متصرف ہیں بخلاف روح انسانی کے کہ بواسطہ روح حیوانی کے مدبر بدن ہو جس سے اُسکا ارواح ملائکہ سے امتیاز اور علحدہ نوع ہونا ثابت ہوتا ہو ایسا ہی خانات اور صدیقات

سے جو حدیث نبوی میں ہی ارواح ملایکہ اور اجسام عالم ہی سمجھے جائینگے اور قولہ صلعم انا اول الانبیاء خلقا واٰخرھم بعثا کی یہہ تاویل ہی کہ یہاں خلق کے معنی تقدیر کے ہیں ایجاد کے نہیں کیونکہ حضرت اپنی والدہ سے پیدا ہونے کے اوّل موجود اور مخلوق نہ تھے لیکن فوائد اور کمالات تقدیر میں سابق تھے۔ اور وجود میں لاحق یہہ قول کہ اوّل الفکر اٰخر العمل بولتے ہیں اس کے یہی معنی ہیں اس کا بیان یوں ہی کہ مہندس یعنی مستری گھر کا اندازہ کرنے والا پہلے اپنے ذہن میں پورے گھر کی تصویر کا خیال باندھتا ہی سو پورا گھر مہندس کے ذہن میں اندازہ کرنے کے رو سے تو سب سے پہلے اور وجود میں سب سے آخر ہوتا ہے کیونکہ اوّل اینٹوں کا لگانا اور دیواروں کی بنا اور اُس کی ترکیب یہہ سب ایک کمال کا وسیلہ ہی وہ گھر ہی جس کے واسطے اسباب کا

دیگر حیوانات کی ارواح سے روح انسانی ماہیت میں مغایر ہی کیونکہ انسانی روح یعنی نفس ناطقہ ہی کو ادراک حقایق عقلی کا ہی اور ارواح انسانی ہی کی اصلاح اور غیر اصلاح سے استحقاق ثواب اور عقاب کا ثابت ہی اور اسی کا تعلق بواسطہ روح حیوانی کے ہی کما مر اور یہہ باتیں دیگر ارواح میں پائی نہیں جاتیں اور یہہ امر ظاہر ہی کہ اختلاف لوازم مستلزم اختلاف ملزومات کو ہوتا ہے پس روح انسانی کے لوازم کے اختلاف سے اس کا دیگر اشیاء کی ارواح سے ماہیت میں مغایر ہونا اظہر من الشمس ہوا اگر کوئی یہہ کہے کہ نباتات کو روح نباتی یعنی قوت نباتی کے سوا کوئی روح مدرک نہیں رکھتے ایسا ہی پتھر وغیرہ بالکل ذی روح نہیں پس معدنیات وغیرہ کی کونسی ارواح ہیں جن سے روح انسانی کا بسبب اختلاف لوازم کے مغایر اور مختلف بالماہیۃ ہونیکے ثابت کرنے کی ضرورت پڑی سو اس کا جواب یہہ ہے کہ شریعت میں حد تواتر کو پہنچا ہے کہ درختوں اور پتھروں وغیرہ نے نبیوں کے ساتھ کلام اور اُن کے حکموں کی فرمانبرداری کی ہی جس سے

تقدم ہو جب کہ تو نے یہہ معلوم کر لیا پس جان لے کہ خلقت کے بنانے سے یہہ مقصود ہی کہ وہ بارگاہ الہی سے قرب حاصل کرے سو یہہ قرب بدون سمجھے بنیوں کے نہیں ہو سکتا تھا اسلئے ایجاد سے مقصود نبوت ٹھہری نبوت کا اول مقصود نہیں بلکہ نہایت اور کمال مقصود ہی نبوت کا کمال بموجب عادت الہی بتدریج ہوتا ہی جیسا کہ گھر کی عمارت بتدریج کمال کو پہنچتی ہی نبوت کی تمہید پہلے حضرت آدمؑ سے ہوئی پھر بڑھتی رہی یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال کو پہنچ گئی سو نبوت سے غایت اور کمال مقصود تھا اور پہلی تمہیدیں کمال نبوت کے لئے وسیلہ تھیں جیسا کہ بنیاد کا رکھنا اور دیواروں کا بنانا گھر کے کمال کا وسیلہ ہی رسول مقبول صلعم کے خاتم النبیین ہونے میں یہی راز ہی کیونکہ کمال پر زیادتی بھی ایک طرح کا نقصان ہی مثلاً پنجے کی کمال شکل یہہ ہی کہ ایک ہتھیلی

صاف معلوم ہوتا ہی کہ وہ بھی روح اور شعور رکھتے ہیں چنانچہ آواز کرنا اور رونا ستون حنانہ کا بسبب مفارقت آنحضرت صلعم کے اور بعد شفقت رسول مقبول صلعم کے اس کا خاموش ہونا ایسا ہی کوہ حرا کا جب کہ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور علی اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضوان اللہ علیہم اس پر تشریف رکھتے تھے بطور زلزلہ کے ہلنا اور بعد فرمانے آنحضرت صلعم کے کہ ٹھہر اے کوہ اسواسطے کہ تیری پشت پر اور کوئی نہیں مگر پیغمبر اور صدیق اور کئی شہید اسکا ٹھہرنا اس کے ذی روح اور ذی شعور ہونے پر صاف دال ہے اور قولہ تعالیٰ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ اور قولہ تعالیٰ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ سے بھی صاف ظاہر ہو کہ پہاڑ میں روح ہے اب جب نباتات اور معدنیات وغیرہ میں بھی روح ثابت ہوئی اور ارواح ملکی کا بھی ثبوت شرع میں وارد ہی اور انکی عبادت کا طرز بھی احادیث میں مذکور ہی چنانچہ طبرانی نے بروایت

اُس پر پانچ انگلیاں ہوں اب جیسا کہ چار انگلیوں کا ہونا ناقص ہے ویسا ہی چھ انگلیوں کا ہونا ناقص ہی کیونکہ چھٹی انگلی جو کفایت پر زاید ہی اگرچہ صورت میں زیادتی ہی لیکن حقیقت میں نقص ہی حدیث نبوی میں اسی کی طرف اشارہ ہی جو حضرت فرماتے ہیں قولہ صلعم اَمْثَلُ النُّبُوَّةِ مَثَلُ دَارٍ مَعْمُوْرَةٍ لَمْ يَبْقَ فِيْهَا اِلَّا مَوْضِعُ لَبِنَةٍ فَكُنْتُ اَنَا تِلْكَ اللَّبِنَةُ یہی الفاظ ہیں یا اُن الفاظ کے یہہ معنی ہیں جب کہ تو نے یہہ معلوم کر لیا کہ حضرت کا خاتم النبیین ہونا ضروری ہی جس کا خلاف متصور نہیں کیونکہ نبوت حضرت ہی سے نہایت اور کمال کو پہنچی اور شی کی غایت تقدیر میں اوّل اور وجود میں آخر ہوتی ہی پس رسول مقبول صلعم تقدیر میں اوّل اور وجود خارجی میں آخر ہوئے اور قولہ كُنْتُ نَبِيًّا وَاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہی جو

جابر روایت کیا ہی کہ کوئی اُن میں سے رکوع کرنے والا ہی اور کوئی سجدہ کرنے والا اور کوئی کھڑا ہے اور کوئی بیٹھا اسی طرح بعض ملائکہ سے خدمات متعلقہ کی اکثر احادیث میں تصریح بھی آئی ہی پس روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کا بسبب اختلاف لوازم کے تغایر نوعی ان تمام ارواح سے ثابت ہوگا کیونکہ درختوں اور پتھروں کے ساتھ جو روحیں متعلق ہیں وہ مانند ارواح ملائکہ کی بلا واسطہ روح حیوانی کے اپنے اپنے خاص اجسام میں متصرف ہیں لیکن دنیا میں تعلق انکا دائمی طور پر نہیں نفس قدسیہ کی قوت سے اپنے اپنے اجسام سے جب کبھی انکا تعلق ہو جاتا ہے اُسوقت ان اجسام سے افعال شعور اور ارادہ کے صادر ہو جاتے ہیں ورنہ نہیں اسی سبب سے ان کو نفوس ذی روح بولدیتے ہیں کیونکہ ہمیشہ اُن سے افعال شعور صادر نہیں ہوتے ہاں دار آخرت میں تعلق ان ارواح کا اپنے اجسام کے ساتھ دائمی طور پر ہوگا اسی سبب سے وہ اجسام گویا ہی چنانچہ شاعر نے بہشتیوں کی آواز کا جواب اور اُن کی اطاعت کرنے کے بعد

ہم نے ذکر کیا اسلئے کہ حضرت آدمؑ کی خلقت کے تمام ہونے سے اوّل ہی تقدیر میں بنی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اسی واسطے پیدا کیا ہی کہ اُسکی اولاد میں سے عمدہ شخص چھانٹ لے اور بتدریج یہاں تک چھانٹے کہ کمال صفائی کو پہنچکر محمد صلعم کی روح پاک اور مقدس کو قبول کرے اور یہہ حقیقت نہیں سمجھی جاتی جب تک یہہ نہ سمجھا جاوے کہ مثلاً گھر کے لئے دو وجود ہوتے ہیں ایک تو مستری کے ذہن اور دماغ میں اُسکا وجود ہوتا ہی ایسا کہ اُس کو وہ دیکھ ہی رہا ہی اور ایک وجود ذہن سے خارج یعنی ظاہر میں ہوتا ہی اور وجود ذہنی وجود خارجی ظاہری کے لئے سبب ہوتا ہی اور ضرور اوّل ہی ہوتا ہی ایسا ہی جان لے کہ اللہ تعالیٰ پہلے اشیاء کی تقدیر کرتا ہی پھر اُن اشیاء کو اُس تقدیر کے موافق پیدا کرتا ہی اور تقدیر تو لوح محفوظ میں نقش ہوتی ہی جیسا کہ مہندس یعنی مستری کی تقدیر تختی یا کاغذ پر نقش ہوتی ہی سو گھر صورت کاملہ استراعی کے ساتھ کاغذ پر موجود ہوتا ہی وہ گھر کے وجود حقیقی کے لئے سبب ہوتا ہی اب جیسا کہ

روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کے کہ دنیا میں بلا توت نفس قدسیہ اُسکا تعلق دائمی طور پر ہی اور بواسطہ روح حیوانی وغیرہ کے بدن کے ساتھ تعلق ہونا اُسکے لوازمات میں سے ہی اور اختلاف لوازم صاف دلیل ملزومات کے اختلاف کی ہی غرضکہ ارواح ملائکہ وغیرہ جو بلا واسطہ روح حیوانی کے اپنے اپنے اجسام میں تبرا و متصرف پڑتی ہیں الگ انواع ہیں اور روح انسانی یعنی جوہر مدرک مجرد بواسطہ روح وغیرہ بر بدن الگ نوع واحد ہی اور ماہیت میں اُنکے مغائر اور صفات میں انسے ممتاز ہی ایسا ہی جنات کی ارواح جو خاص اپنی دخانی و ناری اجسام میں تبرا و متصرف ہیں بسبب اختلاف لوازم کے نفس ناطقہ کا تغائر ثابت ہی اور احاطہ دیگر حیوانات کی ارواح سے جو امور اُخروی حقائق عقلی کا ادراک نہیں کرسکتیں روح انسانی کا ممتاز ہونا ظاہر ہے ۱۲
مفتی شاہ دین بلطفہ ربہ ۔

یہہ صورت مستری کی تختی پر پہلے قلم کے وسیلہ سے نقش ہوتی ہی اور قلم مستری کے علم کے موافق چلتی ہی بلکہ علم ہی اُسکو چلاتا ہی ایسا ہی امور الٰہیہ کی صورتوں کی تقدیر لوح محفوظ میں پہلے نقش ہوتی ہی اور لوح محفوظ پر قلم سے نقش ہوتا ہی اور قلم اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق چلتی ہی لوح سے وہ شی موجود مراد ہی جو صورت کے نقش کو قبول کرے اور قلم سے وہ موجود مراد ہی جس سے لوح پر صورتوں کا فیضان ہو اب قلم کی تعریف یہہ ہوئی کہ وہ لوح میں معلومات کی صورت نقش کرے اور لوح کی حقیقت یہہ ٹھہری کہ اُن صورتوں کا نقش قبول کرے سو قلم اور لوح کی شرط سے یہہ نہیں ہی کہ وہ دونوں لکڑی اور لوہے کی ہوں بلکہ جسم ہونا بھی اُن کی شرطوں سے نہیں پس قلم اور لوح کی ماہیت اور حقیقت میں جسمیت داخل نہیں بلکہ قلم اور لوح کی حقیقت وہی ہی جو ہم نے ذکر کی اور جو اُسپر زائد ہی وہ صورت ہی حقیقت نہیں۔ اور یہہ بھی بعید نہیں ہی کہ اللہ تعالیٰ کی لوح اور قلم اُسکے ہاتھ اور انگلیوں کے لایق ہو ہاتھ اور انگلیاں اس کی ذات اور الوہیت کے موافق ہوں جسمیت کی حقیقت سے پاک ہو بلکہ یہہ تمام روحانی جواہر ہیں بعض ان میں متعلم ہیں جیسا کہ لوح اور بعض اِن میں معلم جیسا کہ قلم چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہی اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ اب جب کہ تو نے وجود کی دونوں قسمیں معلوم کرلیں جان لے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام سے پیشتر باعتبار وجود اول کے نبی تھے نہ باعتبار دوسرے وجود کے جو حقیقی اور

عینی ہی یہہ روح کے معنوں میں آخیر کلام ہی **فصل** حضرت صلعم فرماتے ہیں ع مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ لفظ قیامت سے قیامت مطلقہ مراد نہیں ہی بلکہ قیامت خاصہ مراد ہی جس کو ہم نے احیاء علوم الدین کی کتاب صبر کے ابتدا میں تفصیلاً بیان کر دیا ہی اور قیامت مطلقہ وہ ہی جو سب کو شامل ہوگی اور وہ خدا تعالی کے نزدیک وقت مقرر ہ ہی جو خلقت پر کسی بھید کی جہت سے مخفی ہی اُس بھید کو خدا تعالی ہی جانتا ہی اگرچہ سب وقت برابر ہیں لیکن بعض وقتوں کے ساتھ وجود کی بعض قسموں کے مختص ہونے کو عقل جایز رکھتی ہی متکلمین کے مذہب کے روسے خدا کے ارادہ پر موقوف ہی جیسا کہ بعض وقتوں میں عالم کا پیدا کرنا خدا کے ارادہ پر موقوف ہی حالانکہ قدرت اور ذات کی نسبت تمام وقت برابر ہیں فلسفیوں کے مذہب کے موجب بھی قیامت مطلقہ کا محال ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ فلسفی متفق ہیں کہ حادث چیزوں کے مبادی آسمانوں کی حرکتیں اور انکے دور مختلفہ ہیں اسیواسطے علوی اور سفلی چیزوں کے حکم اور حال مختلف ہوتے ہیں یہہ ضرور نہیں ہی کہ ہر دور اور گردش کے ساتھ اسکا پچھلا اور پہلا دور اہم مثل ہی ہو اور دور کا ہم مثل ہونا اُنکے مذہب کے روسے ضعیف ہی بلکہ جایز ہی کہ ایک دور ایسا پیدا ہو کہ اس کی نظیر نہ اول ہوئی ہو نہ اسکے بعد ہو اسی لئے کبھی بعض دوروں میں جانور ایسی عجیب شکلوں کے پیدا ہوتے ہیں کہ کبھی ویسے ہوے ہی نہیں

اور یہہ بھی کچھہ بعید نہیں ہی کہ دو رسے آسمانی تو باہم مناسب ہوں اور شکلیں جو اُن کی ترتیب سے حاصل ہیں مختلف ہوں مثلاً پانی میں جو ہم نے ایک پتھر پھینکا تو اُس پانی میں ایک شکل مستدیر پیدا ہوگی۔ اگر ہم ویسا ہی ایک اور پتھر پہلی حرکت کے منقطع ہونے کے اوّل ہی پھینکیں تو یہہ لازم نہیں آتا کہ پانی کی شکل دوسری حرکت کے بعد اوّل حرکت کی مثل ہی ہو کیونکہ پہلا پتھر تو ٹھہرے ہوے پانی میں پڑا اور دوسرا پتھر متحرک پانی میں سو جو دوسرے پتھر نے متحرک پانی میں شکل پیدا کی ہی یہہ اُس شکل کے برخلاف ہوگی جو ٹھہرے ہوئے پانی میں پیدا ہوئی تھی یہاں باوجود مساوات اسباب کے شکلیں مختلف ہوگئیں کیونکہ پہلی کا پچھلی کے ساتھ کچھہ اثر مل گیا اسلئے محال نہیں ہی کہ ایک دور معین ایک ایسی طرح کے وجود اور ابداع کا مقتضی ہو جو پہلی طرح کے مخالف ہو یہہ بھی محال نہیں ہے کہ اُس کا وجود بدلیعی ہو جو اس کی نظیر سابق میں گذری ہو اور یہہ بھی محال نہیں ہی کہ اُس کا حکم باقی رہے اور دور پہلا جو منسوخ ہو چکا ہی اُس کی مثل اُس کو لاحق نہ ہو سو اس قسم کا وجود جو ابداع یعنی بلا سبق نظیر سے حاصل ہوا ہی اپنی جنس میں باقی رہے اگرچہ اُسکے احوال خاص بدلتے رہیں سو قیامت کی میعاد یہی شکل ہوئی جو پہلی شکلوں کی رو سے عجیب و غریب ہی اور یہہ ہی تمام روحوں کے جمع ہونے کا سبب کُلی ہی جو اُس کا حکم سب روحوں پر عام ہوگا اب قیامت کا آنا ایسے وقت کے ساتھہ مخصوص ہوا جس کی پہچان قوی بشری سے نہیں

ہو سکتی اور نہ انبیاء سے ہو سکتی ہے کیونکہ انبیاء کو بھی کشف بقدر استعداد ہوتا ہے جب کہ قیامت کے محال ہونے پر کوئی دلیل کلامی اور فلسفی قائم نہیں اور شریعت میں اس کا صراحتاً ثبوت ہے تو اب اس پر یقین کرنا واجب ہے اور شک کرنا نہیں چاہیئے **فصل** جو شخص کہتا ہے کہ قوام روح کا بغیر بدن کے نہیں ہوتا وہ اگر قبر میں جسم کے ساتھ روح[†] کے تعلق اور پھر روح اور جسم میں مفارقت اور قیامت میں پھر تعلق ہونے کا انکار کرے تو اس کا انکار باطل ہے کیونکہ روح کا قوام بغیر بدن کے مشکل نہیں ہے بلکہ بدن کے ساتھ تعلق اسکا مشکل ہے کہ بدن سے کیونکر متعلق ہوئی حالانکہ روح کا بدن میں حلول نہیں جیسا کہ عوارض کا جوہر میں اسلئے کہ وہ عرض نہیں ہے بلکہ وہ تو جوہر بذاتِ خود (یعنی بلا قیام بالغیر) موجود ہے اور اپنی ذات اور صفات سے اپنے خالق اور اس کی صفات کو پہچانتی ہے اور وہ اس پہچاننے میں کسی حواس کی طرف محتاج نہیں ہے کیونکہ جن چیزوں کو اس نے پہچانا ہے وہ

[†] روح کا تعلق بدن کے ساتھ پانچ قسم پر ہے ایک تعلق جنین کی حالت میں یعنی شکم مادر میں بعد چار ماہ کے نطفہ میں جب اعتدال اور صفائی کمال درجہ کی حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ روح کو اس سے متعلق کرتا ہے۔ دوسرا تعلق شکم مادر سے خروج کے بعد کہ پہلے کی بہ نسبت اس وقت تعلق روح کے زیادہ آثار ظاہر ہوتے ہیں تیسرا تعلق حالت خواب میں کہ من وجہ تعلق اور من وجہ مفارقت ہوتی ہے۔ چوتھا تعلق عالم برزخ میں کیونکہ اس عالم میں اگرچہ مفارقت ہوتی ہے مگر مفارقت کلی نہیں ہوتی کہ بالکل بدن کی طرف اس کو التفات ہی نہ ہو۔ پانچواں تعلق بروز قیامت کہ کامل وجہ پر ہوگا ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہٗ ۔

محسوس نہیں۔ انسان تعلق بدن کی حالت میں قادر ہی کہ اپنے نفس کو تمام محسوس چیزوں سے غافل کرے یہاں تک کہ آسمان اور زمین سے بھی سوا اس حالت میں اپنی ذات اور اسکے حدوث اور خالق کی طرف اُسکے محتاج ہونیکو جانتا ہی حالانکہ کسی محسوس چیز کا اسکو شعور نہیں ہوتا سو بغیر شعور محسوسات کے اُس نے اپنی ذات کو پہچانا۔ چنانچہ ابتدار تصوف میں صوفی کو ہمیشہ اللہ تعالے کا ذکر کرنا اُس حالت میں پہنچاتا ہی کہ اُسکے ذہن میں تمام ماسوائی اللہ غائب ہو جاتا ہی بلکہ وہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو جاتا ہی اور اُس کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شی محسوس اور معقول کا شعور نہیں ہوتا ہی اور اس شعور کا بھی شعور نہیں ہوتا بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہوتا ہی کیونکہ شعور کے شعور میں بھی خدا سے غفلت لاحق ہوتی ہی پس جو حق کی معرفت کے لئے مجرد ہوا بدن اور قالب کی طرف کیون محتاج ہو گا اور جسم سے کیون بذات خود مستغنی ہو گا جو حواس کا مرکب ہی اور محسوسات کو ہی دیکھتا ہی جس نے روح کی حقیقت اور اُس کا بذات خود قوام معلوم کر لیا اُسکو روح کا جسم سے الگ ہونا مشکل معلوم نہیں ہو گا بلکہ روح کا جسم سے اتصال مشکل معلوم ہو گا یہاں تک کہ جان لے کہ اتصال کے یہی معنی ہیں کہ جسم میں تاثیر اور تصرف اور حرکت روح ہی سے ہی جیسا کہ انگلیوں کی حرکت ارادہ کے حرکت دینے سے معلوم کر لیتا ہی حالانکہ اُس کو یقین ہی کہ ارادہ انگلیوں میں نہیں ہی لیکن جسم اس کا مسخر ہی سوا اس

تسخیر کا پیدا ہونا اور زائل ہونا اور رجوع کرنا جائز ہی اور عقل ان میں سے کسی کو محال نہیں جانتی جائز ہی کہ اس کے رجوع اور زوال کے لئے اسباب ملکی اور فلکی اور نفسی ہوں جس کو قوت بشری احاطہ نہیں کرسکتی سو ایسی وجہ پر شریعت میں روح کا جسم سے الگ ہونا اور پھر عود کرنا جو وارد ہوا ہی اُس کی تصدیق واجب ہی

فصل † میزان پر ایمان واجب ہی کیونکہ جب نفس کا قوام بذات خود اور اُسکا جسم سے مستغنی ہونا ثابت ہوا پس وہ نفس اشیاء کے کشف حقایق کی بذات خود استعداد رکھتا ہی اور موت کے بعد اُس کا حجاب کھل جائیگا اور حقایق اشیاء اس کو معلوم ہوجائینگی اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہی فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ جن چیزوں کا اُس کو کشف ہوگا وہ چیزیں اللہ تعالیٰ سے قرب اور بُعد میں اُس کے اعمال کی تاثیریں اور اُن کے آثاروں کی مقادیر ہونگی اگرچہ اُن آثار میں بعض تاثیریں بہ نسبت بعض کے زیادہ ہوں اور اللہ تعالیٰ قادر ہی کہ ایک ایسا سبب پیدا کردے کہ جس سے مخلوقات ایک لحظہ میں

† خدا تعالیٰ کو اختیار ہو کہ میزان حقیقی کو بروز قیامت ترازو مشہور کی صورت پر متمثل کردے اور اعمال مومن کو یا اعمال حسنہ و سیہ کو مجسم کرکے اُس میں وزن کردکھائے یا میزان حقیقی کو کسی اور شکل حسی یا خیالی پر ظاہر فرمائے جس سے ہر ایک نفس کو اپنے اعمال کی تاثیریں اور اُن کے آثاروں کا اندازہ معلوم ہوجائے۔ پس جب شرع میں اس کا ثبوت ہی۔ چنانچہ قولہ تعالیٰ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا اس پر مزاحمت دال ہو اور عقل کے رو سے امکان اسکا ظاہر ہو اسلئے تصدیق میزان کی واجب ہی۔ منہ شاہ ولی اللہ عفی عنہ

قرب اور بُعد میں اپنے عملوں کی تاثیر کے مقدار معلوم کرلے سو میزان کی تعریف یہہ ٹھہری کہ وہ ایک شی ہی جس سے زیادتی اور نقصان کا فرق معلوم ہو اور عالم محسوس میں اسکے لئے مثالیں مختلف ہیں ایک تو ان میں سے ظاہر میں ترازو مشہور ہی جس سے اشیاء ثقیلہ وزن کرتے ہیں اور ایک اسطرلاب* ہی آسمان کی حرکت اور وقت معلوم کرنے کے لئے اور ایک اُن میں سے مسطر ہی جس سے خطوں کی مقدار معلوم ہوتی ہی اور ایک اُن میں سے علم عروض ہی حروف کی حرکتین معلوم کرنے کے لئے ایک اُن میں سے علم موسیقی ہے جس سے آوازوں کی حرکات کے مقدار معلوم ہوتے ہیں سو اللہ تعالیٰ جو خلقت کے لئے میزان حقیقی متمثل کرے گا اُس کو اختیار ہی چاہے ان میزانوں میں سے کسی کی صورت پر متمثل کرے یا اور کسی صورت پر اور میزان کی حقیقت اور ماہیت اِن تمام میزانوں میں موجود ہی وہ حقیقت یہہ ہی کہ جس سے زیادتی اور نقصان معلوم ہو اور اُس کی صورت شکل کے وقت جس میں اور تمثیل کے وقت خیال میں موجود ہوتی ہی اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہی خواہ میزان حقیقی کو شکل حسّی پر بنا دے یا تمثیل خیالی پر اُس کی قدرت بڑی ہی ان سب پر ایمان واجب ہی **فصل** حساب کی تصدیق واجب ہی کیونکہ حساب سے مراد مختلف

* اسطرلاب کے ذریعہ سے آفتاب و دیگر ستاروں کا ارتفاع اور صبح و شفق کی ساعات اور طالع وقت اور طالع سال گذشتہ سے طالع سال مستقبل کا معلوم کرنا اور تعدیل نہار وطلوع و غروب و سمت وغیرہا امور کی معرفت حاصل کیجاتی ہی ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

www.ahnafmedia.com

مقداروں کا جمع کرنا اور اُنکی حد و نہایت معلوم کرنی ہی اور کوئی انسان ایسا نہیں ہی جس کے واسطے مختلف عمل نفع دینے والے اور ضرر دینے والے رحمت خدا سے قریب کرنیوالے اور بعید کرنیوالے نہ ہوں اور اُن کا مجموعہ بعد تفصیل معلوم نہیں ہوتا جب تک اُس کے مختلف افراد کا حصر نہ کیا جاوے جب متفرقات کا جمع اور حصر کیا گیا وہی حساب ہی یہہ تو معلوم ہی ہی کہ اللہ تعالے قادر ہی کہ مختلف اعمال اور اونکے آثار کی حد و نہایت ایک لحظہ میں ظاہر کردے کیونکہ وہ بہت جلد حساب کرنیوالا ہی

فصل شفاعت پر ایمان واجب ہے†

شفاعت سے ایک نور مراد ہی جو بارگاہ الٰہی سے جوہر نبوت پر چمکیگا پھر جوہر نبوت سے اُن جواہر پر چمکیگا جن کی جوہر نبوت کے ساتھ مناسبت مضبوط ہوگی بسبب زیادتی محبت یا بسبب زیادتی ادای سنت یا بسبب کثرت ذکر کے

† شرع میں شفاعت کا ثبوت قولہ تعالی یَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا و دیگر آیات و احادیث کثیرہ سے ہوتا ہی جس کی پانچ قسمیں ہیں اول قبیل حساب کے لئے شفاعت عامہ جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائینگے دوسرے بعض لوگوں کو بغیر حساب جنت میں داخل کرانا یہہ بھی آنحضرت صلعم کے حق میں وارد ہی تیسرے مومنین سے اس قوم کے لئے جو مستوجب دخول نار ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ ملائکہ خدا تعالی چاہے دخول نار سے بچانیکی شفاعت فرمائینگے چوتھے گنہگار مومنوں کے لئے دوزخ سے نکلوانیکی شفاعت جو آنحضرت صلعم اور ملائکہ و دیگر مومنین کرینگے جیسا کہ اکثر احادیث میں وارد ہی پانچویں بہشتیوں کی ترقی درجات کیلئے شفاعت ہوگی اور جب کہ کفار کی نسبت یہ سبب عدم ایمان کے نہ تو بارگاہ الٰہی کے ساتھ مضبوط ہوا اور نہ جوہر نبوت کے ساتھ پس نور بارگاہ الٰہی سے ان پر نہ بلا واسطہ چمکیگا اور نہ بواسطہ جوہر نبوت اسلئے بروز قیامت عذاب سے انکو رہائی نہیں ہوگی اور نہ اونکے حق میں کسی کی شفاعت مقبول ہوگی چنانچہ خدا تعالے فرماتا ہی فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ اور فرماتا ہی مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ

جو درود کے ساتھ ہو اس کی مثال نور آفتاب جیسی ہے کہ جب وہ نور پانی پر پڑے تو اُس سے دیوار کی ایک خاص جگہ پر عکس پڑتا ہے تمام دیوار پر نہیں پڑتا عکس پڑنیکے لئے وہ جگہ خاص اسواسطے ہوئی کہ پانی میں اور اُس جگہ میں وضع کے رو سے ایک طرح کی مناسبت ہے وہ مناسبت دیوار کے باقی اجزا میں نہیں ہے اور دیوار کی جگہ انعکاس کے لئے خاص وہ ہوگی کہ جب اُس جگہ خاص سے ایک خط اُس پانی کی جگہ تک کھینچا جائے جس جگہ پر نور آفتاب کا واقع ہوا ہے تو اس سے زمین کی جہت میں ایک ایسا زاویہ پیدا ہو کہ وہ اُس زاویہ کے مساوی ہو جو پانی میں قرص آفتاب کی طرف خط کھینچنے سے پیدا ہوا ہے اس طرح پر کہ نہ تو اُس سے بڑا ہو اور نہ اُس سے چھوٹا یہہ بات تو ایک جگہ خاص میں ہی ہوگی اب جیسا کہ مناسبات وضعی انعکاس نور کے مختص ہونیکو چاہتی ہیں ایسا ہی مناسبات معنویہ عقلیہ جواہر معنوی میں انعکاس نور کے اختصاص کی مقتضی ہیں جس شخص پر توحید غالب ہوگی اس کی مناسبت تو بارگاہ الٰہی کے ساتھ مضبوط ہوگی اُس پر نور بارگاہ الٰہی سے بلا واسطہ چمکیگا اور جس شخص پر رسول مقبول صلعم کے سنن اور اقتدا اور اُس کے اتباع کی محبت غالب ہوگی اور ملاحظہ وحدانیت میں اُسکا قدم مضبوط نہیں ہوا اُس شخص کی محبت تو واسطہ ہی کے ساتھ مضبوط ہوئی سو نور کے حاصل کرنے میں وسیلہ کا محتاج ہوگا جیسا کہ دیوار آفتاب سے محجوب ہی پانی کے واسطہ کی محتاج ہے

جو آفتاب کے سامنے ہی ایسا ہی دُنیا میں شفاعت ہوتی ہی مثلاً ایک وزیر جو
بادشاہ کے نزدیک معتبر اور اس کی عنایت کے ساتھ مخصوص ہی پس بادشاہ
جو اُس وزیر کے بعض دوستوں کے گناہ معاف کرتا ہی تو یہہ معاف کرنا کچھہ
بادشاہ اور وزیر کے دوستوں میں مناسبت کی جہت سی نہیں بلکہ اسلئے
ہی کہ وہ دوست وزیر کے وزیر کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور وزیر بادشاہ
کے ساتھ مناسبت رکھتا ہی پس بادشاہ کی عنایت اُن پر وزیر کے ذریعہ سے
ہوئی نہ اُن کی جہت سے اگر وزیر کا واسطہ نہوتا تو بادشاہ کی عنایت اُن پر
نہوتی کیونکہ بادشاہ وزیر کے دوستوں اور اُن کے اختصاص کو اسی سبب
سے جانتا ہی کہ وزیر اُن کی تعریف اور اُن کی معافی میں اظہار رغبت کرتا ہے
سو تعریف میں اس کے تلفظ اور اظہار رغبت کو مجازاً شفاعت کہتے ہیں
کیونکہ درحقیقت شفیع تو بادشاہ کے نزدیک اُس کا رتبہ ہی الفاظ تو اظہار
غرض کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو تعریف سی مستغنی ہی اگر بادشاہ اونکا
اختصاص وزیر کے درجہ کے ساتھ جانتا تو شفاعت میں بولنے والے کی
اُس کو کچھہ حاجت نہوتی اور معانی شفاعت بلا نطق کے ساتھ ہوتی اللہ تعالیٰ
تو اختصاص کو جانتا ہی اگر نبیوں کو شفاعت میں اُن کے کلمات کے
تلفظ کا جو خدا تعالیٰ کو معلوم ہیں اذن بھی دیگا تو اُن کے الفاظ شفیعوں جیسے
ہونگے اگر اللہ تعالیٰ شفاعت کی حقیقت کو ایسی مثال کے ساتھ جو جس

اور خیال میں آسکے متمثل کرنا چاہیگا تو وہ تمثیل الفاظ کے ساتھ ہوگی جو شفاعت میں مستعمل ہیں اور احادیث میں جو وارد ہی کہ جو چیزیں رسول مقبول[۲] کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ رسول مقبول صلعم پر درود[۳] کا بھیجنا یا اُنکی قبر مقدس کی زیارت کرنی یا موذن کا جواب دینا یا اذان کے پیچھے حضرت کے لئے دعا مانگنی اور سوا اسکے اِن سب چیزوں سے آدمی شفاعت کا مستحق ہوتا ہی سو اِس سے معلوم ہوا کہ شفاعت مین نور کا انعکاس بطریق مناسبت ہوگا کیونکہ یہہ سب چیزیں مذکورہ رسول مقبول صلعم کے ساتھ علاقہ محبت اور مناسبت کو مضبوط کرتی ہیں **فصل** پلصراط[‡] پر ایمان لانا برحق ہی یہہ جو کہا

† فرمایا حضرت صلعم نے مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ اور فرمایا مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ احمد بروایت رویفع رض اور فرمایا مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ ابن ابی الدنیا بروایت ابن عمر رض بسند ضعیف اور فرمایا آنحضرت صلعم نے مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ النِّدَاءَ اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بخاری بروایت جابر بن عبد اللہ رض ۱۲ منتقی شاہ ولی اللہ رح

‡ پلصراط کا ثبوت قرآن شریف کی اس آیت سے ہوتا ہی قولہ تعالیٰ فَاھْدُوْھُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ وَقِفُوْھُمْ اِنَّھُمْ مَسْئُوْلُوْنَ یعنی پہر چلاؤ ان کو راہ پر دوزخ کے اور کھڑا رکھو اُنکو اُن سے پوچھنا ہی اور اکثر معتزلہ کہ اس خدشے کا جواب کہ جسد اسپر ممکن نہین اور اگر ممکن ہی تو مومنین کے لئے عذاب ہی یہہ ہے کہ اس پل کا ممکن ہونا اور اس پر گذر جانا کچھ دلیل کا محتاج نہین کیونکہ جو حاجب تعالے اس بات پر قادر ہے کہ پانی پر چلاتا ہی اور پرندوں کو ہوا میں اُڑاتا ہی وہ اس بات پر بدرجہ قادر ہے کہ ایسا پل بنا دے اور آدمی کو اوسپر چلا دے اور مومنین کے لئے اُسپر سہل کر دے پس جب عقل کے رو سے اسکا امکان ثابت ہوا اور شریعت مین صراحتاً ثابت ہے اسلئے اس کی تصدیق واجب ہی ۱۲ منتقی شاہ ولی اللہ رح

جاتا ہی کہ پُصراط باریکی میں بال کی مانند ہی یہہ تو اُس کی وصف میں ظلم ہی بلکہ وہ تو
بال سے بھی باریک ہی اس میں اور بال میں کچھہ مناسبت ہی نہیں جیسا کہ باریکی میں
خط ہندسی کو جو سایہ اور دھوپ کے مابین ہوتا ہی نہ سایہ میں اُسکا شمار ہی نہ دھوپ
مین بال کے ساتھہ کچھہ مناسبت نہیں پُصراط کی باریکی بھی خط ہندسی کی مثل ہے
جسکا کچھہ عرض نہیں کیونکہ وہ صراط مستقیم کی مثال پر ہی جو باریکی میں خط ہندسی کی
مثل ہی اور صراط مستقیم اخلاق متضادہ کے وسط حقیقی سے مراد ہی جیسا کہ فضول خرچی
اور بخل میں وسط حقیقی سخاوت ہی۔ تہور یعنی افراط قوت غضبی اور جبن یعنی
بزدلی میں شجاعت اسراف اور تنگی خرچ میں وسط حقیقی میانہ روی ہی تکبر
اور غایت درجہ کی ذلت میں تواضع۔ شہوت اور خمود میں عفت† کیونکہ ان
صفتوں کی دو طرفین ہیں ایک زیادتی دوسری کمی وہ دونوں ہی مذموم ہیں
افراط اور تفریط کے مابین وسط وہ دونوں طرفوں کی نہایت دوری ہی اور وہ وسط
میانہ روی ہی نہ زیادتی کی طرف میں ہی اور نہ نقصان کی طرف میں جیسا کہ
خط فاصل دھوپ اور سایہ کے مابین ہوتا ہی نہ سایہ میں سے ہے نہ دھوپ میں سے

† شجاعت اعتدال غضب کا نام ہی اس طرح پر کہ انسان اُن امور کو اختیار کرے جو شریعت کے
رو سے مفید اور نیک ہیں اور غضب کے افراط کا نام تہور ہی وہ یہہ ہے کہ انسان بیموقع جرأت
کرے اور غضب کی تفریط یعنی کمی کو جبن کہتے ہیں وہ بیجا ڈرنا ہے ۱۲

‡ عفت اعتدال شہوت کو کہتے ہیں اس طور پر کہ جن چیزوں کا شریعت میں اذن ہے اُن
چیزوں پر نفس اُمرے شہوت کی زیادتی کو فجور کہتے ہیں وہ لذات نامشروعہ اور گناہوں کا
اختیار کرنا ہی شہوت کی کمی کو خمود کہتے ہیں اور وہ یہہ ہی کہ لذات مشروعہ اور طیبات مرغوبہ سے نفس کو انقباض

اس مسئلہ کی تحقیق یہہ ہے کہ انسان کا کمال فرشتوں کے ساتھ مشابہ ہونیمیں ہی
اور فرشتے تو ان اوصاف متضادہ سے بالکل الگ ہیں اور انسان کو ان اوصاف
متضادہ سے بالکل الگ ہونیکی طاقت نہیں اسواسطے وسط کا مکلف ہوا
وہ وسط انفکاک یعنی الگ ہونیکے مشابہ ہی اگرچہ حقیقت میں الگ ہونا
نہیں جیسا کہ نیمگرم پانی نہ گرم ہی نہ سرد اور عود کا رنگ نہ سیاہ ہی نہ سفید
سو بخل اور فضول خرچی انسان کی صفتیں ہیں میانہ روی ان دونوں صفتوں میں سے
ہی کہ نہ تو وہ بخیل ہی نہ فضول خرچ اور صراط مستقیم دونوں طرفوں کے بیچ میں خلق متوسط
کا نام ہی جو کسی طرف مائل نہیں وہ بال سے زیادہ باریک ہی اور جو چیز دونوں
طرفوں سے نہایت دوری کو چاہیے اُس کو وسط پر ہی ہونا چاہیئے مثلاً
ایک لوہے کا حلقہ آگ میں تپایا ہوا ہی ایک چیونٹی اس میں گرے جو بالطبع
حرارت سے بھاگتی ہی اب وہ چیونٹی مرکز پر ہی ٹھہریگی کیونکہ محیط گرم یعنے
حلقہ گرم سے غایت دوری پر وسط مرکز ہی ہی وہ مرکز ایک نقطہ ہی جس کا
کچھہ عرض نہیں پس صراط مستقیم طرفین کا وسط ہوا جس کا کچھہ عرض نہیں اور وہ بال
سے زیادہ باریک ہی اسواسطے اُس پر ٹھہرنا قدرت بشری سے خارج ہے
پس ہر شخص کو آگ پر وارد ہونا بقدر میل ضروری ہوا جیسا کہ اللہ تعالےٰ
فرماتا ہی وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا اور اسیواسطے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے
وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ کیونکہ

دو عورتوں کی محبت میں عدل اور درجہ متوسط پر ایسا ٹھہرنا کہ دونوں عورتوں میں سے کسی کی طرف میلان زیادہ نہ ہو کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ تو نے یہہ بات سمجھ لی تو جان لے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے قیامت میں صراط مستقیم کو خط ہندسی کی طرح جس کا کچھ عرض نہیں ممثل کریگا تو ہر انسان سے اُس صراط پر استقامت کا مطالبہ ہوگا پس جس شخص نے دنیا میں صراط مستقیم پر استقامت کی اور افراط و تفریط یعنی زیادتی اور کمی کی دونوں جانبوں میں سے کسی جانب میں میلان نہ کیا وہ اس پلصراط پر برابر گذر جائیگا اور کسی طرف کو نہ جھکیگا کیونکہ اُس شخص کی عادت دنیا میں میلان سے بچنے کی تھی سو یہہ اُس کی وصف طبعی بن گئی اور عادت پانچویں طبیعت ہوتی ہے سو پلصراط پر برابر گذر جائیگا اور ثبوت پلصراط قطعی حق ہے جیسا کہ شریعت میں وارد ہوا ہے **فصل** تو نے جو اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُسکے رسولوں اور دن آخرت پر ایمان لانیکی دلیل پوچھی سو نہ پہچاننے والے کے لئے تو اس میں کلام طویل ہے اور پہچاننے والے کے لئے مختصر ہے کیونکہ جب تو نے معلوم کر لیا کہ تو حادث† یعنی نو پیدا ہے

† تو حادث اسی طرح کل افراد عالم کے حادث ہیں کیونکہ عالم متغیر ہے اور کل متغیر حادث ہوتا ہے جب حادث یعنی نو پیدا ہوا تو حادث کرنیوالیکا محتاج ہوا اور حادث کرنیوالا خود حادث نہیں ہوگا بلکہ واجب الوجود ہوگا کیونکہ اگر حادث ہو تو وہ بھی کسی پیدا کرنیوالیکا محتاج ہوگا اور وہ دوسرا تیسرے کا یہاں تک کہ یہہ تسلسل بے نہایت ہو جاوے اور

اور یہہ بھی معلوم کرلیا کہ جو حادث ہی پیدا کرنے والے سے مستغنی نہیں ہوتا اس سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دلیل تجھ کو حاصل ہوگئی اور یہہ دو معرفتیں بہت قریب الفہم ہیں ایک تو یہہ کہ تو حادث ہی اور دوسرا یہہ کہ حادث خود پیدا نہیں ہوتا اور جب کہ تو نے اپنے نفس کو پہچانا کہ تو ایسا جوہر ہی کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور غیر محسوس چیزوں کی پہچان تیرا خاصہ ہے اور بدن تیری ذات کے لئے قوام نہیں اور بدن کا معدوم اور منہدم ہونا تجھ کو معدوم نہیں کریگا اب تو نے یوم آخر یعنی قیامت کو دلیل کے ساتھ معلوم کرلیا کیونکہ کلام مذکورہ سے یہی ثابت ہوا کہ تیرے لئے دو یوم ہیں ایک یوم حاضر ہی جس میں تو جسم کے ساتھ مشغول ہی اور ایک یوم آخر ہی جس میں تو اس جسم سے الگ ہوگا اسلئے کہ جب تیرا قوام جسم کے ساتھ نہیں ہی اور تو نے موت کے ساتھ اس جسم کی مفارقت کی سو یوم آخر ہوگیا اور جب معلوم کرلیا کہ تو نے جسم کی مفارقت سے محسوس چیزوں کی مفارقت کی اب تو یا خدا تعالیٰ کی

جو شی متسلسل ہوتی ہی اس کا حاصل ہونا محال ہی اگر حاصل ہو تو خلاف مفروض لازم آتا ہی جو باطل ہے کیونکہ اگر بے نہایت حاصل ہو تو وہ معروض للعدد ہوگا اور ہر عدد قابل تضعیف ہی جس سے معروض للعدد کا قابل تضعیف ہونا ظاہر ہے پس جب اس کی تضعیف ہوگی تو اس کا دوچند اس سے زائد ہوگا اور زائد کی زیادتی بعد انتہا کے نکلا کرتی ہے جب بے نہایت متسلسل مفروض کم ہو تو منتہی ہوا جب منتہی ہوا تو بے نہایت نہ ہوا حالانکہ اسکو بے نہایت لیا تھا پس ضرور ہوا کہ عالم کا پیدا کرنیوالا ممکن الوجود اور حادث نہیں ہوگا بلکہ واجب الوجود ہوگا وہی خدا تعالیٰ کی ذات ہی جسپر ایمان لانا واجب ہی (منہ)

معرفت کے ساتھ منعم رہیگا جو تیری ذات کا خاصہ ہو اور بمقتضای طبع اصلی کے تیری لذتوں کا منتہا ہو بشرطیکہ طبیعت کو شہوات کی طرف میلان نہ ہو اور یا اللہ تعالیٰ سے جو باعتبار طبع اصلی کے تیری خواہشوں کا منتہا ہے حجاب کے ساتھ معذب رہیگا جو مابین تیرے اور تیری مراد کے حائل ہوگا اور تجھے معلوم ہو کہ معرفت کے اسباب ذکر و فکر اور غیر اللہ سے اعراض کرنا ہے اور جو مرض خدا تعالیٰ کی معرفت سے مانع ہے اُس کا سبب شہوتیں اور دنیا کی حرص ہے اور یہہ بھی معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اپنے عام بندوں کو کشف کیواسطہ سے معرفت نہ دے جیسا کہ اپنے خاص بندوں کو دی ہے اور یہہ بھی تجھکو معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو لیئے اپنے خاص بندوں کو کشف کے ذریعہ سے معرفت دی اب تجھکو رسولوں کی معرفت†

† انبیا علیہم السلام کے باب میں فرقہ براہمہ کا خلاف ہے کیونکہ یہہ فرقہ اس بات کا قایل ہے کہ انبیا کے بھیجنے میں عقل کے ہوتے کچھہ فایدہ نہیں ہم کہتے ہیں کہ عقل سے وہ کام معلوم نہیں ہوتے جو آخرت میں موجب نجات ہیں اور نہ مستقل طور پر اعمال نیک و بد پر ثواب و عذاب کی تفصیل عقل معلوم کرسکتی ہے اسی طرح کبھی بعض افعال کے نیک ہونے اور کبھی بد ہونے کو عقل بلا واسطہ انبیا کے معلوم نہیں کرسکتی اسلئے ہماری بہبودی دنیوی و نجات اُخروی کے حاصل کرنے کے لئے انبیا علیہم السلام کا جن کو خدا تعالےٰ نے بلا واسطہ کسی دیگر انسان کے صرف کشف کے ذریعہ سے معرفت دی اور تصدیق نبوت کیلئے معجزات عطا فرمائے مفید ہونا اظہر من الشمس ہے جب مفید ہونا ظاہر ہے اور معجزات سے انکی تصدیق ثابت ہو پس نجات اخروی کے حاصل کرنے کے لئے ان پر ایمان لانا واجب ہے ۱۲ ابوالحسن مفتی شاہ دین سلمہ ربہ ؛

دلیل کے ساتھ حاصل ہو گئی اور یہہ بھی معلوم ہے کہ انبیا علیہم السلام کو معرفت الفاظ اور عبارتوں کے ساتھ ہوتی ہے جو الفاظ اور عبارتیں اُن کو وحی کے وسیلہ سے سُنائی جاتی ہیں خواہ سوتے ہو خواہ جاگتے اب اِس سے تجھ کو خدا کی کتاب پر ایمان حاصل ہو گیا۔ اور جب تو نے اس بات کو معلوم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال دو قسم پر منقسم ہیں ایک وہ افعال ہیں جنکو بلا واسطہ کیا اور ایک وہ جن کو واسطے سے کیا اور اس کے وسایط کے مراتب مختلف ہیں وسایط قریبہ تو مقربین ہیں جن کو ملائکہ کہتے ہیں اور ملائکہ کی معرفت دلیل کے رو سے نہیں ہو سکتی اور اِس میں کلام طویل ہے اور رسولوں کا صدق جو تو نے دلیل کے ساتھ معلوم کر لیا اُن کی خبر ہی ملائکہ کے صدق کے لئے کافی ہے اسپر اکتفا کر کیونکہ یہہ بھی ایمان کے درجوں میں سے ایک درجہ

† فلسفیوں کا عقیدہ ملائکہ کے بارہ میں بالکل باطل اور خلاف شرع ہے کیونکہ اول تو وہ جواہر مجردہ یعنی عقول عشرہ کو دس میں منحصر کرتے ہیں دوسرا مادیات کے ساتھ اُن کا تعلق ایجاد کا لیتے ہیں باریتعالیٰ سے عقل اول کا صدور بالایجاب لیکر فلک اول اور عقل ثانی کے لئے مبدء موجد ٹھہراتے ہیں اور عقل ثانی کو فلک ثانی اور عقل ثالث کا موجد کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس دس عقلیں ثابت کرتے ہیں عقل عاشر کو جس کو عقل فعال بھی کہتے ہیں ماتحت فلک قمر کے لئے موجد لیتے ہیں جس پر بہت سے دلائل سوی انہوں نے بیان کئے ہیں کما لا یخفی اور ابن حزم نے ملائکہ کو ارواح بلا اجسام لیا ہے اور متکلمین نے نفسانی اجسام کہا ہے صحیح قول یہی ہے کہ ملائکہ اجسام نفسانی ہیں اصل خلقت عالم کی بنی آدم کی صورت پر نہیں کیونکہ آدم کی صورت تمام مخلوقات کی صورت سے نرالی اور بہت اچھی صورت ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ اسپر شاہد ہے آیت کلام اللہ سے رسل ملائکہ کی مثل

ہے یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات فضل
لذتیں محسوسہ جن کا جنت میں ملنے کا وعدہ ہے جیسا کہ حوریں اور کھانے پینے
اور پہننے سونگھنے کی چیزیں سو انکی تصدیق واجب ہے کیونکہ یہہ سب ممکن ہیں
اور ان کے ممکن ہونے کا تین وجہ پر اعتقاد کرنا چاہئے یا تو وہ لذتیں حسی
ہونگی یا خیالی یا عقلی۔ حسی لذتیں تو ظاہر ہی ہیں جیسے اس عالم میں ہو سکتی
ہیں ویسے ہی اُس عالم میں کیونکہ اُس عالم میں ان لذتوں کا ہونا جسم کی
طرف روح کے رد کرنے کے بعد ہوگا اور روح کے رد ہونیکے امکان
پر دلیل کا قائم ہونا ان سب لذات حسی کے امکان کو ثابت کرتا ہے اور بعض
لذتیں جو عظیم الشان اور نہایت درجہ کی مرغوب الطبع نہیں جیسا کہ وہ

اصلی پروں والی ثابت ہوتی ہے چنانچہ تو تعالیٰ جاعل الملئکۃ رسلا اولی اجنحۃ
مثنی وثلث ورباع اس پر دال ہے ہاں خدا تعالیٰ نے ان کو شکل بدلنے
اور متشکل بشکل انسان وغیرہ ہونے کی قدرت دی ہوئی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے حیوانات
کو بخلاف نباتات کے ہیئت اور وضع کے بدلنے کی طاقت دی ہوئی ہے کہ کھڑے ہونیکے
وقت جو وضع ہوتی ہے مثلاً بیٹھنے سے متغیر ہو جاتی ہے اور ملائکہ کی مثل خدا تعالیٰ نے نباتات
کو بھی شکل بدلنے کی طاقت دی ہوئی ہے لیکن جن و شیاطین کے اجسام جب کہ اجزائے
ناری و ہوائی کا خلاصہ ہیں اور اُن میں شہوت و غضب بھی ہے اسلئے ان میں احتیاج
کھانے پینے اور جماع کی متحقق ہے بخلاف فرشتوں کے کہ وہ گناہوں سے معصوم اور
کھانے پینے و جماع کی حاجت سے پاک ہیں ان کو روحانیات اور ملائکہ اور ارواح
اور ملکوت سے بھی تعبیر کیا کرتے ہیں اور فرشتہ کو فارسی میں سروش اور ہندی
میں دیوتہ بولتے ہیں ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ ؛

اور ریشمی کپڑے اور کیلہ کے درخت جن کا ثمرہ تہ برتہ ہو اسکی مانع نہیں ہیں کیونکہ یہہ لذتیں اُن لوگوں کے لئے ہونگی جن کو حاجت اور رغبت اِن میں زیادہ ہوگی اور بہشت میں جس چیز کو جس کا جی چاہے سو ہوگا اور اِن کو وہ لوگ چاہینگے جن میں نئی خواہش پیدا ہوگی اور جو لوگ اِن کو نہیں چاہتے اور اِن سے لذت نہیں پاتے اُن میں نئی خواہش پیدا کیجاویگی کیونکہ لذتیں شہوتوں کے موافق ہوتی ہیں جیسا کہ جماع کی صورت بدون شہوت کے لذت کو نہیں چاہتی بلکہ نفرت کو چاہتی ہے اللہ تعالیٰ نے خواہشوں کو پیدا کیا اور لذتوں کو اُن کے موافق بنایا خدا کے دیدار کی لذت کی تصدیق وہی کرتے ہیں جن کو خدا چاہے تمام نہیں کرتے اگرچہ ظاہر میں تمام اقرار کرتے ہیں کیونکہ جب ان میں معرفت نہیں ہو تو شوق بھی نہیں پس ادراکِ لذت بھی نہیں لیکن قیامت میں اللہ تعالیٰ اُن کے شوق اور محبت اور معرفت کو بڑھاویگا یہاں تک کہ دیدار الٰہی کی لذت اُن کو بڑی معلوم ہوگی اور لذتوں خیالی کا

† خدا تعالیٰ باوجودیکہ جسم اور عوارض جسمی یعنی صورت حسی اور مقدار اور جہات و اطراف سے پاک ہے اسلئے کہ وہ ذات واجب الوجود واحد حقیقی یعنی احد ہے اور احد وہی ہوتا ہے جو کسی طرح کی قسمت اور بانٹ اس میں نہ ہو سکے یعنی اسکے اجزاء نہ ہوں نہ مکین نہ عقلیہ یعنے جنس و فصل نہ خارجیہ یعنی ہیولی و صورت یا جو اسپر فردہ یا مقدار دار آخرت میں آنکھوں سے دکھائی دینگا جیسا کہ نص قطعی سے ثابت ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ لیکن یہہ نرالی قسم کی دیدہ بصری ہوگی اس دیدار کا امکان عقل کے رو سے بھی ظاہر ہے کیونکہ دیکھنا ایک قسم کا

بھی ممکن ہونا مخفی نہیں ہے جیسا کہ خواب میں مگر اتنا فرق ہے کہ خواب کی لذت جلدی منقطع ہو جانیکے سبب حقیر ہے اگر ہمیشہ رہتی تو لذات حسی اور خیالی میں کچھ فرق نہ ہوتا کیونکہ انسان کا لذت یاب ہونا اُن صورتوں میں ہوتا ہے جو خیال اور حس میں نقش پذیر ہوتی ہیں نہ اُن کے وجود خارجی سے اگر وہ صورتیں خارج میں پائی جاویں اور حس میں نقش پذیر نہ ہوں تو لذت نہیں ہوتی اور اگر وہ صورت جس کا حس میں نقش ہوا ہے باقی رہے اور خارج میں پائی جاوے تو لذت ہمیشہ رہتی ہے اور قوت خیالیہ کو اس عالم میں صورتوں کے اختراع یعنی نو ایجاد کرنے کی قدرت ہے مگر اس کی صورتیں نو ایجاد کی ہوئیں خیال میں ہی ہوتی ہیں حواس ظاہری سے محسوس نہیں ہوتیں اور نہ قوت حافظہ میں منتقش ہوتی ہیں اسلئے اگر بہت عمدہ صورت کا قوت خیالیہ ایجاد کرے اور وہم کرے کہ میرے مشاہدہ اور حضور میں ہے تو اس صورت کی لذت نہیں ہوتی کیونکہ وہ صورت آنکھوں سے دیکھی نہیں گئی جیسا کہ خواب میں

علم اور کشف ہے مگر انکشاف میں اس سے کامل اور واضح تر ہے پس جب کہ یہہ درست ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم متعلق ہے حالانکہ وہ کسی جہت میں نہیں اور جیسا یہہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ خلق کو دیکھتا ہے اور اُن کے مقابل نہیں پس یہہ بھی درست ہوا کہ خلق اسکو دیکھے اور مقابلہ نہو اور جس طرح اُس کا جاننا بدون کیفیت اور صورت کے ہو سکتا ہے اسیطرح اُس کا دیدار بھی بے کیفیت و صورت مجسم ہونے کے ممکن ہے غرض کہ عقل کے رو سے دیدار الٰہی کا امکان ثابت اور شریعت میں اس کا صراحتاً ثبوت ہے اسلئے اس کی تصدیق واجب ہے ۱۲ منہ عفی عنہ و عن سلمہ ربہ ؛

ہوتا ہی اور قوت خیالیہ کو جیسا کہ خیال میں صورت کے نقش کرنیکی قوت ہی ویسا ہی اگر قوت باصرہ میں اُس کے نقش کرنے کی قوت ہوتی تو اِس صورت کی لذت بڑھ جاتی اور وہ صورت خیالیہ بمنزلہ صورت خارجی کے ہوجاتی اور دنیا اور آخرت میں صورت کے منقش ہونے میں تو کچھ فرق نہیں ہوگا مگر اتنا ہی فرق ہوگا کہ آخرت میں قوت باصرہ میں صورت کے نقش ہونے کی کمال قدرت ہوگی سو جس چیز کو دل چاہیگا وہ چیز اُس کے خیال میں حاضر ہوجائیگی پس اُس کا چاہنا تو اوسکے خیال میں آنے کا سبب اور اُسکا خیال میں آنا اُسکے دیکھ لینے کا سبب ہوگا یعنی قوت باصرہ میں نقش ہوجائیگی اور جس چیز کی اسکو رغبت ہوگی جب اُس کا خیال کریگا وہ چیز اُسی وقت اِس طرح موجود ہوگی کہ اُس کو دیکھیگا رسول مقبول صلعم کے قول میں اسی طرف اشارہ ہی چنانچہ فرمایا ہی اِنَّ فِی الْجَنَّةِ سُوقًا یُبَاعُ فِیْهِ الصُّوَرُ۔ سُوق یعنی بازار سی یہاں لطف الٰہی مراد ہے جو اُس قدرت کا منبع ہی جس سے ارادہ کے موافق صورتوں کا اختراع و ایجاد اور قوت باصرہ میں اُنکا نقش ہوگا اور وہ نقش ارادہ کے دوام تک یعنی جب تک خدا چاہے باقی رہیگا ایسا منقش ہونا نہیں ہوگا جو بے اختیار دور ہوسکے جیسا کہ دنیا میں بے اختیار خواب میں زوال ہوجاتا ہی اور یہہ قدرت

† جنت میں ایک بازار ہی جس میں صورتیں بیچی جائینگی۔ ترمذی نے بروایت علی یہی مضمون بیان کیا ہے باندک زیادت۔ الفاظ اسکے یہہ ہیں۔ ان فی الجنة لسوقا ما فیها شرٰی ولا بیع الا الصور من الرجال والنساء الحدیث ۱۲ مفتی شاہین سلمہ

جس کی اوپر تشریح ہوچکی ہی بہت وسیع اور کامل ہی بہ نسبت اُس قدرت کے جو خارج حس میں ایجاد کرنے پر ہی کیونکہ خارج حس میں جو موجود ہوتا ہے وہ دو مکانوں میں پایا نہیں جاتا اور جب ایک شی کے سُننے میں مشغول یا ایک شی کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتا ہی تو غیر سے محجوب ہوجاتا ہی اور یہان تو بڑی ہی وسعت ہی کہ جس میں کسی طرح کی تنگی اور کسی طرح کی روک نہیں یہاں تک کہ اگر اُس نے ایک شی کے دیکھنے کا اِرادہ کیا مثلاً ہزار شخص کا ہزار مکان میں ایک ہی حالت میں دیکھنا چاہا تو وہ اِن سب کو مختلف مکانوں میں موافق ارادہ کے مشاہدہ کرلیگا اور موجود خارجی کا دیکھنا ایک ہی مکان میں ہوتا ہی اور امر آخرت کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس میں بہت وسعت اور پوری پوری خواہشیں ہونگی اور وہ خواہشوں کے بہت موافق ہوگا اور اُسکا صرف حس میں موجود ہونا اور خارج میں نہ پایا جانا کچھ اسکے مرتبہ کو نہیں گھٹاتا کیونکہ اسکے وجود سے مقصود لذت ہی اور لذت وجود حسی سے ہوتی ہی جب اسکا وجود حسی ہوگا تو اُس کی لذت پوری پوری پائی جائیگی اور باقی یعنی خارجی وجود تو فضلہ ہی جس کی کچھ حاجت نہیں اور اس وجود خارجی کا اسلئے اعتبار ہوتا ہی کہ وہ مقصود کے حاصل کرنے کے لئے ایک طریق ہی اور اسکا مقصد کے لئے ایک طریق ہونا اِس دنیا میں ہی ہی جو بہت تنگ اور قاصر ہے اور عالم آخرت میں مقصد کے حاصل کرنے کے لئے طریق کی وسعت ہی کچھ نہیں طی یقہ مقرر

نہیں ہی اور تیسری وجہ یعنی لذت عقلی کا ممکن ہونا بھی کچھہ مخفی نہیں کیونکہ ضرور ہے کہ یہہ محسوسات لذات عقلی کی مثالیں ہوں جو محسوس نہیں ہیں اسلئے کہ عقلی چیزیں مختلف قسموں پر منقسم ہوتی ہیں جیسا کہ حسی چیزیں پس حسیات انکی مثالیں ٹھہریں اور حسی چیزوں میں سے ہر ایک اُس لذت عقلی کی مثال بنیگی جسکا رُتبہ اُسکے برابر ہوگا مثلاً کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ سبزی اور پانی جاری اور خوش شکل نہریں دودھ اور شہد اور شراب کی بھری ہوئیں اور درخت جواہر اور یاقوت اور موتیوں کے ساتھ مزین اور محل سونے اور چاندی سے بنائے ہوئے اور دیوار ہیں جواہر سے مرصع خادم ایک جیسی اُسکے آگے خدمت کیلئے کھڑے ہیں اب اگر تعبیر کرنیوالا اسکی تعبیر کریگا تو لذت اور خوشی ہی کے ساتھ کریگا اور ان سب کو ایک ہی نوع پر قیاس نہیں کریگا بلکہ ہر ایک کو لذت کی علیحدہ علیحدہ قسم پر محمول کریگا بعضوں سے تو لذت علم اور کشف معلومات اور بعضوں سے لذت ملک اور حکومت اور بعضوں سے مقہور اور ذلیل ہونا دشمنوں کا اور بعضوں سے دوستوں کی ملاقات مراد لیگا اگرچہ ان سب کا نام لذت اور سرور رکھا ہے لیکن یہہ تمام مرتبوں اور لذتوں میں مختلف ہیں ہر ایک کا مذاق علیحدہ علیحدہ ہے لذات عقلی کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے اگرچہ وہ لذتیں عقلی نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سُنیں اور نہ کسی بشر کے دل پر انکا خیال گذرا ہوسکتا ہی کہ ایک شخص کے لئے یہہ تمام لذتیں ہوں اور یہہ بھی ہوسکتا ہی کہ

اِن میں سے ہر ایک کو بقدر استعداد ملے پس جو شخص تقلید میں مشغول اور صورتوں ہی میں مدہوش ہی اور حقایق کا رستہ اُسکو نہیں کھلا اُسکے لئے صورتیں ہی ممثل کیجائینگی اور عارف لوگ جو عالم صور اور لذات حسی کے حقایق دیکھ رہے ہیں اُنکے لئے عقلی سرور اور لذات کے لطایف کھولے جائینگے جو اُنکے مراتب اور خواہشوں کے لایق ہوں کیونکہ بہشت کی تعریف یہی ہی کہ اُس میں جس کا جو دل چاہے موجود ہی جب کہ خواہشیں مختلف ہوئیں تو عطیات اور لذات کا مختلف ہونا بعید نہیں ہے اور اللہ تعالی کی قدرت وسیع ہی اور قوت بشری قدرت ربانی کے عجائبات کے احاطہ کرنے سے قاصر ہے اور رحمت الہی نے نبوت کے وسیلہ سے خلقت کو اسیقدر سمجھا دیا ہی جسقدر سمجھ سکتی تھی اب جو سمجھا اُسکی تصدیق واجب ہی اور جو امور بخشش آلہی کے لایق ہیں خواہ سمجھ میں آسکیں یا نہ اُن سب کا اقرار واجب ہی اور اُنکا ادراک نہیں ہوسکتا مگر۔ فی مَقعَدِ صِدقٍ عِندَ مَلِیکٍ مُقتَدِرٍ یعنی سچی ٹھیک میں نزدیک بادشاہ کے جسکا سب پر قبضہ ہی **فصل** اگر تو کہے کہ یہہ لذتیں حسی اور خیالی جنکا جنت میں وعدہ ہی حسی اور خیالی قوتوں کے ساتھ ہی ادراک میں آئینگی اور یہہ تو جسمانی قوتیں ہیں جسم میں ہی پیدا ہوتی ہیں ایسا ہی قبر کا عذاب اور جہنم کا عذاب† جسمانی قوتوں کے ساتھ ہی ادراک اور سمجھ میں آئیگا

† خارجی اور اکثر معتزلہ اور بعض مرجیہ عذاب قبر کے منکر ہیں اس خیال سے کہ مُردہ

جب کہ روح جسم سے الگ ہوگی اور جسم کے اجزا تحلیل ہوجائینگے اور قوی حسیہ اور خیالیہ دور ہوجائینگی پھر کیونکر زکوۃ نہ دینے والے کے لئے گنجا سانپ† متمثل ہوگا اور کافر پر قبر میں ننانوے‡ سانپ کس طرح مسلط ہونگے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کیونکہ یہہ دونوں صورتیں خیالی ہونگی یا حسی ہونگی حس اور خیال دونو موت کے ساتھ ہی باطل ہوگئے پس انکا ثبوت کس طرح ہوا اب جان کہ اس امر کا منکر وہ ہے جو حشر اجساد کا منکر ہے اور روح کا عود کرنا جسم کی طرف محال جانتا ہے حالانکہ اسکے محال ہونے پر کوئی تحقیقی دلیل قائم نہیں ہوئی بلکہ بعید نہیں کہ بعضے جسم اسی لئے بنائے گئے ہوں کہ نفس موت کے بعد ان میں

میں جسا ادراک نہیں تعذیب وتنعیم اسکی محال ہے لیکن یہہ خیال انکا باطل ہے کیونکہ جب ارواح کے لئے فنا نہیں چنانچہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلِقْتُمْ لِلْاَبَدِ اسپر دال ہے۔ پس موت سے رفع تعلق کے بعد قبر میں دوبارہ اسکا تعلق من وجہ ہوجانا جو موجب ادراک ہو امر ممکن ہے جس سے تعذیب وتنعیم کا امکان ظاہر ہے اور جب دلایل شرعی بھی مراحتاً اسپر دال ہیں اسلئے اسکی تصدیق واجب اور انکار محض جہالت ہے ۱۲ مفتی شاہ دین مسلمہ

† بخاری بروایت ابوہریرہ باندک زیادت وآخرت ۱۲

‡ ننانوے اژدہا کے کافر پر قبر میں مسلط ہونے کی حدیث دارمی نے بروایت ابی سعید بیان کی ہے اور ترمذی کی روایت میں ننانوے جگہہ ستر کا عدد آیا ہے مفتی شاہ دین مسلمہ

§ نفس کا تعلق موت کے بعد بعض نئے اجسام کے ساتھ شرع میں ثابت ہے چنانچہ ارواح شہدا کا سبز پرندہ کے شکم میں ہونا یعنی اس جانور کے شکم سے متعلق ہونا جو جنت کی نہروں میں چگیگا اور عرش کے نیچے قندیلوں میں جگہ پکڑے گا جیسا کہ آنحضرت صلعم سے مسلم نے بروایت ابن مسعود بیان کیا ہے اور اس سے تناسخ باطل جسکے ہنود قایل ہیں کہ دنیا میں ایک روح ایک جسم عنصری سے جو متعلق ہو اور اس روح سے اس جسم عنصری کا نشو ونما ہو بعد رفع ہونے اس تعلق کے

حلول یعنی اِن سے متعلق ہو اور یہہ بات کچھہ محال نہیں نہ تو قبر میں اور نہ قیامت
میں اور جو متقدمین نے اِسکے محال ہونے پر دلائل بیان کئے ہیں وہ دلائل تحقیقی نہیں
ہیں اور شرع شریف میں تو اِسکا ثبوت ہی پس اِسکی تصدیق واجب ہی اور
فلاسفہ کے نزدیک جو اِسکے محال ہونے پر کوئی دلیل قایم نہیں ہوئی اِسکا ثبوت
یہہ ہی کہ فلاسفہ کے افضل متاخرین یعنی بوعلی سینا نے اپنی کتاب نجات اور شفا
میں جسم کی طرف اعادہ روح کا (نہ) محال ہونا ثابت کیا ہی اور کہا ہی کہ بعید نہیں ہی
کہ بعضے اجسام سماوی اسلئے بنائے گئے ہوں کہ نفس موت کے بعد اِن میں
حلول کرے اور اُسنے اسی کی ایک حکایت اپنے بڑے سے یون بیان کی ہی

دوسرے جسم عنصری سے جو پہلے جسم سے مغایر ہوتا ہی متعلق ہو جاتی ہے اور اسکا نشو و نما
کرتی ہی لازم نہیں آتا کیونکہ شرع میں ارواح شہدا کا جن جانوروں سے تعلق ثابت ہوا وہ جانور اجسام
عنصری سے نہیں ہیں اور نہ اُن جانوروں کو اِن روحوں سے نشو و نما ہوتا ہے بلکہ ارواح شہدا
کی صرف اُن سے متعلق ہو کر لذتیں حاصل کرتی ہیں بغیر تکلف اور محنت کے جیسا کہ گھوڑے
کا سوار حالت سواری مین لذت حاصل کرتا ہی حالانکہ مرکب یعنی گھوڑے کی روح جو اسکے
بدن میں متصرف ہی اور ہی اور سوار کی روح اور باقی رہا ارواح شہدا کے لئے یہہ خصوصیت سو
اِس کی وجہ یہہ ہے کہ ارواح شہدا نے جب کہ خدا کی راہ مین جان نثاری کی جو موجب اعلی
بدن کے ہوئی اسلئے یہہ بدن انکو بدلے اُس بدن کے ملا کیونکہ جزا موافق عمل کے ہوا کرتی ہی
اور اِسی تلذذ وغیرہ کے حصول کی جہت سے انکو زندہ کہا جاتا ہی جیسا کہ خدا تعالے فرماتا ہی
وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ۔ کیونکہ مرنا موجب
مفارقت بدن اور مانع کسب جدید و ترقی مراتب ارواح و حصول تلذذ کا ہوتا ہی اور انکی
ارواح کو ایک جسم سے تعلق ہو کر تلذذ حاصل ہو اسلئے انکو ایک قسم کی حیات ثابت ہوئی اور یہہ حیات
مثل دنیاوی حیات کے نہین کیونکہ اجسام متعلقہ سے انکو علاقہ تدبیر و تصرف کا نہین

کہ اس عدم استحالہ کے قائل بعض اہل علم ہیں جو یہود ہ گو نہیں اس سے معلوم ہوا کہ بوعلی کو اس قاعدہ میں شک ہے اور اسکے محال ہونے پر کوئی دلیل اسکے نزدیک قائم نہیں ہوئی اگر یہہ محال ہوتا تو اسکے قائل کو یوں کہتا کہ وہ یہود ہ گو یا دروغگو نہیں کیونکہ امر محال کے قایل ہونیسے اور کونسا جھوٹ بڑھکر ہے بعض اوقات قائل کا کہتا ہے کہ بوعلی نے اسکا ذکر بطور تقیہ کے کیا ہے کیونکہ کتاب النفس میں جو اسنے مسئلہ تناسخ کا بیان کیا ہے اسمیں نفس کے تناسخ ابدان کا استحالہ ثابت کیا ہے اور یہہ بعینہ حشر اجساد کے ابطال کی دلیل ہے سو ہم یوں کہتے ہیں کہ تناسخ کے محال ہونیمیں جو دلیل بیان کی ہے وہ دلیل تحقیقی نہیں ہے کیونکہ اسنے تناسخ کے محال ہونے میں یہہ بیان کیا ہے کہ اگر روح کا اعادہ جسم کی طرف ہو

ایسے ہی تناسخ کو جو لاتبیر اور تعرف کے ہو بوعلی نے محال نہیں گنا اور فارابی سے اسی کی حکایت کی ہے چنانچہ طوسی نے شرح اشارات میں لکھا ہے عجم انفا لا یجوزان تکون معطلة عن الادراك وكانت مما لا يدرك الا بالات جسمانية فذهب بعضهم الى انها تتعلق باجسام اخر ولا يخلو اما ان لا تصير صورة لها وهذا ما ذكره الشيخ ومال اليه او تتهيأ فتكون نفوسا لها وهذا القول بالتناسخ الذى سيبطله الشيخ واما المذهب الاول فقد اشار اليه فى كتاب المبداء والمعاد وذكر ان بعض اهل العلم من لا يجازف فيما يقول وظنه يريد الفارابى قال قولا وهو ان هو لا اذا فارقوا البدن الخ۔ اور جس تناسخ کا بوعلی نے استحالہ بیان کیا ہے اس سے جسم اصلی کی طرف نفس مفارقہ کا اعادہ محال ہونا ثابت نہیں ہوتا باقی رہا محمد کا وقت کہ عارض شخصیہ معتبرہ فی الوجود سے لیکر اعادہ معدوم بعینہ کے استحالہ سے حشر اجساد کا استحالہ ثابت کرنا سو بنائے فاسد علی الفاسد ہے کما لا یخفی غرضیکہ ارواح کا اپنے ابدان مفارقہ کے ساتھ دوبارہ تعلق ہو جانا محال نہیں بلکہ امر ممکن ہے اور شریعت میں قبر اور قیامت میں دوبارہ تعلق ہونیکا صراحتاً ثبوت بھی ہے اسلئے اسکی تصدیق واجب ہے اسی طرح دنیا میں اپنے اجسام کے ساتھ بعض ارواح کا دوبارہ تعلق

تو اُسکا اس جسم کیطرف اعادہ ہوگا جو قبول کی استعداد رکھتا ہو اور جو قبول کی استعداد رکھتا ہو اللہ تعالیٰ کیطرف سے روح کا افاضہ اسکی طرف ہوگیا ہو اسلئے کہ جسم مستعد بذاتہ صورت کے قبول کرنے کا مستحق ہو اور اسکا مستحق ہونا روح کے فیضان کو چاہتا ہو اور نفس مفارقہ بھی اسکے ساتھ متعلق ہوا اب ایک بدن کیلئے دو نفس ہوئے اور یہہ محال ہو اور اس دلیل مذکورہ کو حشر اجساد کے محال ہونے میں بھی استعمال کر سکتے ہیں لیکن یہہ دلیل ضعیف ہے کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اجسام کی استعدادیں مختلف ہوں ایک جسم میں ایسی استعداد ہو جو نفس مفارقہ کے مناسب ہو جو اول موجود تھا یہاں تک کہ وہ جسم اس نفس کے ہی تدبیر کے ساتھ مختص ہو اور

ہو جانا ممکن ہے چنانچہ بعض مردے بار الٰہی دوبارہ زندہ ہوئے جسمیں سب جمہور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے انکی اولاد چیونٹیوں کے اجسام کی شکل نما کر حضرت آدم علیہ السلام کو دکھائی گئی اور انکو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کہا گیا جسکے جواب میں انہوں نے بلیٰ کہا جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا پس ایک وقت ارواح کا تعلق اپنے اپنے اجسام سے ہوا پھر وہ جب وہی اجسام بسبیل نطفہ فسلا بعد نسل اپنے اپنے وقت مقررہ پر ظہور میں آتے گئے ارواح کا ان سے تعلق ہوتا گیا اور یہاں مذہب جمہور کی اسلئے قید لگائی گئی کہ بعض محققین اسکے خلاف پر ہیں چنانچہ زمخشری اور شیخ ابو منصور اور زجاج وغیرہ قولہ تعالیٰ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ من بنی آدم من ظھورھم الآیہ کو باب تمثیل سے لیتے ہیں اور معنی اسکے یوں کرتے ہیں کہ اولاد آدم کو اپنے باپوں کی پشت سے پیدا کیا اور انکے واسطے اولا اپنی ربوبیت اور حیات پر قایم کیں اور انکو مثل چوپایوں اور گمراہی میں تمیز کرنیوالی ہے دوبارہ گویا کہ انکو اپنے نفس کے گواہ بنایا گیا اور انکو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کہا گیا اور گویا کہ اونہوں نے اسکے جواب میں بلیٰ انت ربنا کہا اور انکی حجت یہہ ہو کہ من بنی آدم من ظھورھم خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے تاکہ من ظھورھم

نئے نفس کے فیضان کا محتاج نہو کیونکہ مثلاً اگر ایک حالت میں رحموں یعنی بچہ دانوں میں دو نطفہ قبول نفس کے مستعد ہوں تو واہب الصور یعنی جناب الٰہی سے اُن کی طرف دو نفسوں کا فیضان ہوگا اور اُن دونوں نطفوں میں سے ہر ایک ایک نفس کے ساتھ خاص ہوگا اور اسکا مختص ہونا اس میں نفس کے حلول ہونے کی جہت سے نہیں ہے اسلئے کہ نفس کا جسم میں عرض کی طرح حلول ہی نہیں ہوتا بلکہ دونوں مستعد جسموں میں سے ایک جسم کا ایک نفس کے ساتھ مختص ہونا اُس مناسبت کے سبب سے ہے جو اُنکے مابین اوصاف کی جہت سے ہے ایسا ہی دوسرے جسم کا دوسرے نفس کے ساتھ مختص ہونا پس جب کہ دو نفس متناسبہ میں یہہ اختصاص ہوسکتا ہے تو نفس مفارقہ میں جو اول سے موجود تھا اور نئے نفس میں کیونکر نہیں ہوسکتا سو جب ایک جسم مستحق کو نفس مفارقہ کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی تو وہ جسم واہب الصور یعنی خدا تعالیٰ سے نئے نفس کے فیضان کا محتاج ہی نہیں ہوگا جب وہ محتاج نہ ہوا تو اُسپر نئے نفس کا فیضان بھی نہیں ہوگا اِس کلام کے لئے زیادہ تقریر ہے میں اس میں خوض نہیں کرتا کیونکہ مقصود اِس بات کا بیان کرنا ہے کہ جو شخص حشر اجساد کا انکار کرتا ہے اسکے لئے کوئی دلیل

اور دوسرے یہہ کہ سوال وجواب تو ہم کو یاد ہی نہیں پھر اُسکے حجت ہونے کی کیا صورت جس کا جواب بعض مفسرین کی کلام سے یہہ نکلتا ہے کہ مخبر صادق کا اِس امر کو یاد دلانا خود اپنی یاد کے قائم مقام ہے جس سے اس کا حجت ہونا ظاہر ہے لیکن یہہ جواب تکلف سے خالی نہیں۔ کما لا یخفی ۱۲ منتی شاہ دین سلمہ ربہ ۔

نہیں جب اُسکے لئے کوئی دلیل نہ ہوئی تو موت کے بعد قبر اور قیامت میں ادراک حسیہ اور خیالیہ کا ہونا سمجھا گیا - اگر کوئی یہہ کہے کہ ہم میت کو دیکھتے ہیں کہ اُسکو نہ کچھہ حس ہوتی ہی نہ حرکت ہم کہتے ہین کہ سکتہ والیکو بھی ہم ایسا ہی دیکھتے ہین اور ہوسکتا ہی کہ ادراک ایسی چھوٹی جزء کے ساتھہ قایم ہو کہ وہ جزء غیر متجزی ہونے کے قریب ہو اور میت کے دیکھنے والا اسکو نہ دیکھے پس اُس میت میں حرکت کے دیکھے جانیکا کچھہ اعتبار نہین **فصل** † حدیث شریف میں جو آیا ہی کہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کے دفتر میں منتقل ہونگی اور مظلوم کی برائیں ظالم کے دفتر میں سو بعض اوقات جو شخص جوہر سنت کے اسرار احادیث کو نہیں سمجھتا وہ اسکو محال جانتا ہی اور کہتا ہی کہ نیکیاں اور برائیاں اعمال اور حرکات ہیں اور اعمال وحرکات تو گذر چکے اور دور ہو گئے پھر معدوم کا انتقال کیونکر ہوگا بلکہ اگر اعمال اور حرکات باقی بھی رہیں تو وہ عوارض ہیں پھر عوارض کا انتقال کیسے ہوگا ہم کہتے ہیں کہ ظلم کے سبب نیکیوں اور بدیوں کا منتقل ہونا ظلم کرنیکے وقت دنیا میں ہی ہوتا ہی لیکن اسکا انکشاف قیامت کو ہوگا پس اپنی طاعت کو دوسرے کے دفتر میں اور دوسرے کی بدیوں کو اپنے دفتر میں دیکھیگا

† بخاری نے بروایت ابوہریرہ قریب قریب اسکے ایک حدیث بیان کی ہی اسمیں دفتر کا ذکر نہین مضمون حدیث بخاری کا یہہ ہی کہ اگر ظالم کے اعمال صالح ہونگے بقدر ظلم کے اُسکے عمل لیکر مظلوم کو دئے جائینگے اور اگر عمل صالح نہ ہوے مظلوم کے گناہ اُس سے اُٹھا کر ظالم پر رکھے جائینگے اس میں اعمال صالح یا گناہ ہونگے دئے جانیسے انکے

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ آخرت میں اس طرح کے ہونے کی خبر دی حالانکہ دُنیا میں بھی تو ایسا ہی ہے کچھ اسکا آخرت میں تجدد نہیں ہوگا لیکن سب خلقت کو اسکا انکشاف قیامت میں ہی ہوگا اور جس چیز کو انسان نہیں جانتا وہ چیز اُسکے لئے موجود نہیں ہوتی اگرچہ وہ چیز واقع میں موجود ہو جب اُسکو جان لیتا ہے تو اُسوقت اُسکے لئے موجود ہوجاتی ہے پس گویا ابھی اُسکے حق میں موجود ہوئی اور اس حالت میں اُسکے نئے ہونیکا اعتقاد کرتا ہے چنانچہ تجدد وجود کا وہم کرتا ہے پس جو شخص کہتا ہے کہ معدوم کس طرح انتقال کریگا اس تقریر سے اُسکا قول ساقط ہوگیا اور یہہ بھی جواب ہے کہ طاعت کے منتقل ہونے سے اُسکے ثواب کا انتقال مراد ہے نہ خود طاعت کا منتقل ہونا لیکن جب کہ طاعت سے مقصود ثواب ہوتا ہے اسکے مقصود کے نقل کرنے کو نقل طاعت کے ساتھ تعبیر کیا گیا اور یہہ بات مجاز اور استعارہ میں شایع ہے اگر یہہ کہا جاوے کہ طاعت کا ثواب یا تو عرض ہوگا یا جوہر اگر عرض ہے تو اُسکے انتقال میں اشکال باقی ہے اگر جوہر ہے تو وہ جوہر کیا ہے میں کہتا ہوں کہ ثواب طاعت سے اثر طاعت مراد ہے کہ دل کو نورانی کرتا ہے اور گناہ سے اُسکی تاثیر مراد ہے کہ دل کو سخت اور سیاہ کرتی ہے انوار طاعت سے تو بندہ قبول معرفت اور مشاہدہ[1] حضرت ربوبیت کا مستعد ہوتا ہے اور سخت اور سیاہ

[1] مشاہدہ کا درجہ بعد طے کرنے منازل سلوک کے حاصل ہوتا ہے جن سے اول منزل

دِلی میں مشاہدہ جمال الٰہی سے دوری اور حجاب کا مستعد ہوتا ہی سو طاعات دل کے نور اور صفائی کے وسیلہ سے لذت مشاہدہ کو پیدا کرتی ہیں اور گناہ دِل کی ظلمت اور سختی کی جہت سے حجاب کو پیدا کرتے ہیں اب نیکیوں اور بدیوں کے اثروں میں تعاقب اور تضاد ٹھہرا اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہی اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ اور رسول مقبول صلعم فرماتے ہیں اِتْبَعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا اور تکلیفیں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان الرجل ینال علی کل شئ حتی الشوکة تصیب رجله اور رسول مقبول صلعم نے یہہ بھی فرمایا ہی کفارات لاهلها یعنی تکلیفیں موجب کفارہ ہیں تکلیف زدوں کے لئے سو ظالم ظلم کے سبب خواہش نفسانی کا اتباع کرتا ہی اُس سے اس کا دل سخت اور سیاہ ہوجاتا ہے اور طاعت کی جہت سے جو اُس کے دِل میں اثر نور کا تھا دور ہوجاتا ہی پس گویا کہ اُس کی طاعت ہی چھینی گئی اور مظلوم تکلیف پاتا ہی اور خواہش نفسانی اُس کی دور ہوجاتی ہی

دوسری تزکیہ و تصفیہ نفس صفات ذمیمہ کے دور کرنے اور صفات حمیدہ کے حاصل کرنے میں دوام ذکر لسانی و قلبی اور روحی و سری یعنی ناسوتی و ملکوتی و جبروتی و لاہوتی ان منازل کے طی کرنیکے بعد سالک کو مشاہدہ حضرت ربوبیت کا ہوتا ہی اللھم ارزقنا ذلک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان یعنی اخلاص کے بیان میں جو فرمایا ہی کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ چنانچہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہو انہیں حالتوں دل کو مسمی مشاہدہ کہتے ہیں دوسری حالت کو حضور قلبی سے نامزد کرتے ہیں ۱۲ ابوالحسن مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

اس سبب سے اُس کا دِل† روشن ہوجاتا ہی اور سیاہی اور سختی دل کی جو اسکو نفسانی خواہشوں کے اتباع سے حاصل تھی دور ہوجاتی ہی اب گویا کہ نور ظالم کے دِل سے مظلوم کے دل کی طرف منتقل ہوا اور سیاہی نے مظلوم کے دل سے ظالم کے دِل کی طرف انتقال کیا نیکیوں اور بدیوں کے انتقال سے یہی مراد ہی اگر کہا جاوے کہ یہہ تو انتقال حقیقی نہین بلکہ اِس کا حاصل یہہ ٹھہرا کہ ظالم کے دل سے نور باطل ہوگیا اور مظلوم کے دل میں اور نیا نور پیدا ہوا اور مظلوم کے دِل سے تاریکی دور ہوگئی اور ظالم کے دل میں ایک نئی تاریکی پیدا ہوگئی یہہ انتقال حقیقی نہیں ہم کہتے ہیں کہ لفظ نقل کبھی اس قسم پر بھی بطور مجاز اور استعارہ کے بولا جاتا ہی جیسا کہ کہا جاتا ہی اِنتَقَلَ الظِّلُّ مِنْ مَوْضِعٍ اِلٰی مَوْضِعٍ یعنی سایہ نے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف انتقال کیا اور یہہ بھی بولا جاتا ہی اِنتَقَلَ نُوْرُ الشَّمْسِ وَالسِّرَاجِ مِنَ الْاَرْضِ اِلَی الْحَائِطِ وَمِنَ الْحَائِطِ اِلَی الْاَرْضِ یعنی آفتاب اور چراغ کی روشنی زمین سے دیوار

† یہان دل سے مراد لطیفہ قلب یعنی روح ہی نہ کہ مضغہ صنوبری کیونکہ نیکی یا گناہ کے کرنے سے قلب کبھی روشن یا سیاہ نہین ہوتا بلکہ لطیفہ قلب ہوتا ہی اور عرف اہل شرع میں حقیقتاً قلب اسی کو کہتے ہیں اسکا تعلق قلب جسمانی سے جسکو باعتبار لغت کے قلب کہا جاتا ہی ایسا ہی جیسا کہ قوت بینائی کا تعلق چشم ظاہری سے جن لوگون کو علم شریعت یعنی علم تکلیفات شرعیہ علم طریقت یعنی معرفت معاملات قلوب علم حقیقت یعنے دریافت مکاشفات ارواح حاصل ہے وہ قلب حقیقی کی حقیقت اور نیکی اور گناہ سے اسکے مصفا اور کدر ہونے کو خوب پہچانتے ہیں ۱۲ منہ شاہ دین صاحب ربہ ۹

کی طرف اور دیوار سے زمین کی طرف منتقل ہوئی اور (مثلاً) جب حرارت موسم گرما میں زمین پر غالب ہوتی ہے تو طبعی یون بولتا ہی اِنْهَزَمَتِ الْبُرُوْدَةُ اِلٰی بَاطِنِهَا اور انہزام انتقال ہی کو کہتے ہیں اور جیسا کہ بولتے ہیں نقلت ولایت القضاء وَالْخِلَافَةِ مِنْ فُلَانٍ یعنی قضا اور خلافت کی ولایت فلانے سے فلانے کی طرف منتقل ہوئی اِن سب قسمون کو نقل ہی کہتے ہیں - پس نقل حقیقی تو یہہ ہے کہ جو چیز محل ثانی میں حاصل ہوئی ہی بعینہ وہی چیز ہو جو محل اوّل سے نکلی ہے اگر وہ چیز اُس کے ہم مثل ہو اور بعینہ وہ نہ ہو تو اس قسم کو مجازاً نقل کہتے ہین نقل طاعت سے بھی اس قسم کی نقل مراد ہی اور نقل طاعت میں اتنی ہی بات ہی کہ طاعت سے کنایۃً ثواب مُراد ہی جیسا کہ سبب سے کنایۃً مسبب مُراد ہوتا ہی اور ایک وصف کا ایک محل میں ثابت ہونا اور اُس وصف کے ہم مثل کا دوسرے محل میں باطل ہونے کا نام نقل رکھا گیا یہہ سب بول چال میں مشہور ہی اگر اس میں شرع وارد نہ ہوتی تو بھی اسکے معنی دلیل کے ساتھ معلوم ہیں جب کہ شرع میں بھی اِس کا ثبوت ہو گیا پھر کیونکر نہ ثابت ہو **فصل** خواب میں حق سبحانہ تعالیٰ کے دیدار کا تو نے سوال کیا جس میں لوگ مختلف ہو رہے ہیں پس جان لے کہ جب اِس مسئلہ کی حقیقت کا انکشاف ہو جاوے تو کچھہ خلاف اِس میں متصور نہین ہوتا حق تو یہہ ہے کہ ہم بولتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خواب میں دیکھا جاتا ہے جیسا کہ بولتے ہیں کہ رسول صلعم کا خواب میں دیدار

ہوتا ہو اب خواب† میں رسول صلعم کے دیدار کے کیا معنی سمجھے جائیں شاید جس عالم کی طبیعت عام لوگوں کی طبیعت سے قریب ہو وہ یہہ سمجھے کہ جس شخص نے رسول مقبول صلعم کو خواب میں دیکھا اُسنے حضرت کا جسم مبارک ہی دیکھا جو مدینہ منورہ کے روضۂ مقدس میں رکھا گیا ہو کہ قبر کو شق کرکے حضرت ایک مکان کی طرف تشریف لائے سو ایسے عالم سے بڑھکر جاہل کو نسا ہوگا کیونکہ کبھی خواب میں ایک شی ایک رات میں ایک ہی حالت میں ہزار جگہ دیکھی جاتی ہے[ع] پھر کب ہوسکتا ہو کہ ایک شخص ایک ہی حالت میں ہزار جگہ میں مختلف صورتوں کے ساتھ یعنی بوڑھا اور جوان اور دراز قد اور کوتاہ قد تندرست اور بیمار ہو اور ان تمام صورتوں میں دیکھا جائے جس شخص کی حماقت اس حد تک پہنچ گئی وہ تو عقل سے خارج ہو اور مخاطب ہونیکے لائق نہیں اب شاید وہ یہہ کہے کہ

† خواب میں آنحضرت صلعم کے دیدار کی کیفیت اور حدیث من رانی فی منام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی کے معنی میں بعض علما کا اختلاف نووی غیرہ نے لکھا ہو کہ بعض فقد رانی کے یہہ معنی لیتے ہیں کہ رویا صحیحہ یعنی خواب اسکی صحیح ہو اضغاث احلام یعنی خوابہائے شوریدہ پریشان شیطان سے نہیں بعضوں نے یہہ کہا ہو کہ فقد رانی یعنی فقد اور کنی اور ادراک کے لئے قرب مسافت اور جسکو دیکھا جائے اسکا زیر زمین یا بالای زمین ہونا شرط نہیں بلکہ موجود ہونا شرط ہو اور جسم آنحضرت صلعم کا تو موجود ہی ہو پس اسی کی رویت خواب میں ہوتی ہو اور بعضوں نے کہا ہو صورت مخصوصہ پر اگر ہوئی تو رویا حقیقۃ ہو ورنہ رویا تاویل اور بعضوں نے کہا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیدار خواہ صورت مخصوصہ پر ہو یا غیر مخصوصہ پر آنحضرت صلعم کی رویت حقیقۃ ہی ہو کیونکہ وہ صورت آنحضرت صلعم کی روح مقدس کی مثال ہو صحیح قول یہی ہے کما لا یخفی ۱۲ منہ شاہ دین سلمہ ربہ

ع آئینے اگر دس ہوں تو ایک آدمی ایک ہی حالت میں ایک گھر میں ایک جگہ دیکھ سکتا ہو ۱۲

جو شخص حضرت صلعم کو خواب میں دیکھتا ہے وہ آپ کی مثال کو دیکھتا ہے جسم
مبارک کو نہیں دیکھتا اب وہ یا تو مثال جسم علیہ السلام کی کہیگا یا مثال روح کی
جو صورت اور شکل سے پاک ہے اگر مثال جسم کی کہے جو گوشت اور ہڈی اور خون ہے
ہم کہتے ہیں جسم تو بذات خود محسوس ہے اسکے تمثیل کی کیا حاجت پھر جس نے موت
کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی مثال کو دیکھا اور روح کو
نہ دیکھا اُسنے تو نبی علیہ السلام کو نہ دیکھا بلکہ جسم کو دیکھا جو نبی علیہ السلام کی حرکت دینے
کے ساتھ متحرک تھا کیونکہ نبی روح سے مُراد ہے نہ کہ ہڈیوں اور گوشت سے پس کیونکر
جسم کی مثال دیکھنے سے رسول مقبول صلعم کے دیکھنے والا ہوگا بلکہ حق یہ ہے
کہ وہ رسول مقبول صلعم کی روح مقدس کی مثال ہے جو محل نبوت ہے اور جو اُس نے
شکل دیکھی ہے وہ حقیقت میں روح کی مثال ہے وہ حضرت نبی علیہ السلام کی روح
اور اسکا جوہر ہے جسم نہیں ہے اگر کہا جاوے کہ حضرت علیہ السلام کے اس قول کے
کیا معنی ہوئے جو حضرت صلعم فرماتے ہیں ع مَنْ رَآنِی فِی مَنَامٍ فَقَدْ رَآنِی تو
اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت صلعم کی اس حدیث سے یہی مُراد ہے کہ جو اُس نے دیکھا
وہ مثال ہے کہ معرفت حق کے لئے میرے اور دیکھنے والے میں واسطہ ہوگی پس
اب جیسا کہ جوہر نبوت یعنی روح مقدس حضرت کی جو بعد مفارقت حضرت کے باقی
ہے رنگ اور شکل اور صورت سے پاک ہے لیکن مثال مطابق کے واسطہ سے اُمت کو

+ مثال مطابق کے کہنے سے مثال کاذب (یعنی غیر مطابق) سوا احتراز ہو گیا کیونکہ مثال کاذب
نفس الامر میں نبی علیہ السلام کی مثال نہیں پس اس مثال کے دیکھنے پر جزا مذکور مرتب نہیں ہوتی ۱۲ منہ

واسطہ اپنے اور بندہ کے درمیان خیر کے فیضان اور ایصال حق کے لئے پیدا کرے سو یہہ واسطہ پیدا کرنا تو موجود ہی ہے اسکے امکان کا کس طرح انکار ہو اگر کہا جاوے کہ اس مجازی اطلاق کا رسول مقبولؐ کے حق میں تو اذن ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ کے حق میں تو وہی اطلاقات جائز ہیں جن کا اذن ہو ہم کہتے ہیں کہ اسکے اطلاق کا بھی اذن وارد ہو گیا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رَأَيْتُ رَبِّيْ فِيْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ۔ یہہ قول حضرتؐ کا اُن اخبار میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات صورت میں وارد ہیں کقولہ خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ اور اسی طرح اس سے صورت ذات کی مراد نہیں ہے کیونکہ ذات کے لئے تو صورت ہی نہیں مگر باعتبار اس تجلی کے جو مثال کے ساتھ ہے جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحیہ کلبی کی صورت اور دیگر صورتوں میں ظاہر ہوئے یہاں تک کہ رسول مقبولؐ نے حضرت جبرئیلؑ کو کئی دفعہ دیکھا حالانکہ صورت حقیقی میں دو دفعہ ہی دیکھا ہے اور جبرئیلؑ کا* وحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہونا اس اعتبار سے نہیں ہے کہ

† اس اذن پر وہی حدیث دلیل ہے جو اول گذری یعنی قولہ علیہ السلام مَنْ رَآنِيْ فِي الْمَنَامِ

‡ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت صلعم نے صورت حقیقی میں دو دفعہ دیکھا ایک دفعہ کوہ حرا پر اور دفعہ معراج کی رات میں چنانچہ بخاری و مسلم نے بروایت عائشہ صدیقہؓ بیان کیا ہے، امنتی شاہ دین سلمہ یہ

* حضرت جبرئیل علیہ السلام کے وحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہو کر آنے کی حدیث بخاری و مسلم نے بیان کی ہے بروایت اسامہ بن زید؛

کی حاجت نہیں کیونکہ عقل ایسی شی ہے کہ کوئی اور شی حقیقت میں اسکے ہم مثل نہیں ہے اور ہم کو جائز ہے کہ عقل کی مثال آفتاب بیان کریں اسواسطے کہ عقل اور آفتاب میں ایک امر کی مناسبت ہے وہ یہہ ہے کہ نور آفتاب سے محسوسات† کا انکشاف ہوجاتا ہے جیسا کہ نور عقل‡ سے معقولات کا سو اسقدر مناسبت مثال کے لئے کافی ہے بلکہ سلطان کی مثال شمس ہے اور وزیر کی مثال قمر۔ سلطان اپنی صورت اور معنی میں آفتاب کے مماثل نہیں اور نہ وزیر چاند کے ہم مثل ہے مگر یہہ بات ہے کہ سلطان کو سب پر غلبہ ہوتا ہے اور سب کے اس کا اثر پہنچتا ہے اسی قدر میں آفتاب کو اس سے مناسبت ہے اور چاند اثر نور کے فیضان کے لئے آفتاب اور زمین کے درمیان واسطہ ہے جیسا کہ نور دل کے فیضان کے لئے وزیر بادشاہ اور رعیت کے درمیان واسطہ ہوتا ہے یہہ مثال ہوئی نہ کہ مثل اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُّوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ اب خدا تعالی کے نور

† محسوسات کے انکشاف کو علم حسی سے تعبیر کیا کرتے ہیں اگر شعور کا اطلاق بھی اسی پر آتا ہو اسی لئے حواس کو مشاعر کہا جاتا ہے ۱۲ منتی شاہ دین سلمہ ربہ

‡ عقل صفت علمی کو بھی کہتے ہیں کمال اور ایک قوت کو بھی کہتے ہیں جو جوہر حقیقی انسان ہے نور کے ہے جسکے باعث علوم نظری کے قبول کرنے اور غیب مناسبات نکالنے کے سیکھنے کی استعداد ہوتی ہے اسکی مثال نور آفتاب کے ساتھ بیان کیجاتی ہے کیونکہ نور عقل معقولات کے ادراک کا ذریعہ ہے جیسا کہ نور آفتاب محسوسات کے انکشاف کا وسیلہ ہے ۱۲ منتی شاہ دین سلمہ ربہ

اور شبیہہ اور طابق اور رخت اور روغن میں کونسی مماثلت یہہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا الیٰ اٰخرہ اس آیت میں قرآن شریف کی تمثیل بیان کی توصیف قدیم ہی جس کی کوئی مثل نہیں پھر اپنی اس کی کیوں مثل ہو گیا اور اکثر خوابین حضرت علیہ السلام کو دکھائی گئیں جیسا کہ دودھ اور حبل یعنی رسی کو دیکھا اور فرمایا کہ دودھ اسلام ہی اور حبل قرآن شریف اور بہت مثالیں ہیں جن کا کچھہ شمار نہیں اب دودھ اور اسلام میں کچھ مماثلت نہیں اور نہ حبل اور قرآن شریف میں لیکن اُنکے درمیان مناسبت ہی اور وہ یہہ ہی کہ حبل یعنی رسی کے ساتھہ تو نجات دنیاوی کے لئے چمٹل مارا جاتا ہی اور قرآن شریف کے ساتھہ نجات آخرت کے لئے اور دودھ غذا ہے جس سے ظاہری زندگانی ہی اور اسلام وہ غذا ہی جس سے حیات باطنی ہی یہہ تمام مثالیں ہیں مثلین نہیں بلکہ اِن چیزون کے لئے تو کوئی مثل ہی نہیں اللہ تعالیٰ کی بھی کوئی مثل نہیں لیکن اُسکے لئے مثالیں ہیں جو بسبب مناسبات عقلیہ کے اللہ تعالیٰ کی صفات سے خبر دیتی ہیں کیونکہ جس وقت ہم مرید کو سمجھائینگے کہ اللہ تعالیٰ چیزون کو کس طرح پیدا کرتا ہے اور کس طرح اُنکو جانتا ہے اور کس طرح اُنکی تدبیر کرتا ہے اور کس طرح کلام کرتا ہی اور کس طرح کلام بذاتہ قایم ہوتی ہے ان سب کی مثال انسان کے ساتھہ ہی بیان کرینگے

اگر انسان اپنے نفس میں ان صفتوں کو نہ سمجھتا تو اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی ان کی مثال اُس کی سمجھ میں نہ آتی مثال اللہ تعالیٰ کے حق میں حق ہے اور مثل باطل اگر کہا جاوے کہ اس تحقیق سے تو اللہ تعالیٰ کا دیدار خواب میں ثابت نہیں ہوتا بلکہ رسول مقبول صلعم کا بھی خواب میں نہ دیکھا جانا ثابت ہوا کیونکہ جو دیکھا گیا ہے وہ تو مثال ہے اُس کا عین نہیں پس رسول صلعم کے قول مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ میں ایک طرح کا مجاز ہوا معنی اسکے یہہ ٹھہرے کہ جس نے میری مثال کو دیکھا گویا اُسنے مجھہ کو دیکھا اور جو اُسنے مثال سے سُنا گویا اُسنے مجھہ سے سُنا ہم کہتے ہیں کہ جو شخص کہتا ہے رَاَیْتُ اللّٰہَ فِی الْمَنَامِ اُس کی یہی مراد ہوتی ہے اور یہہ مراد نہیں ہوتی کہ اُسنے اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا جب کہ اس بات پر اتفاق ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور نبی علیہ السلام کی ذات نہیں دیکھی جاتی اور ان مثالوں کا دیکھا جانا جایز ہے جن کو سوئے الاخذ اتعالیٰ کی ذات اور نبی علیہ السلام کی ذات اعتقاد کرتا ہے اب اسکا انکار کیونکر ہو سکے باوجودیکہ خوابوں میں اس کا وجود ہے جس شخص نے اس مثال کو خود نہ دیکھا ہوگا اُسکو اُن لوگوں سے خبر متواتر ہی پہنچی ہوگی جنہوں نے ان مثالوں کو دیکھا ہے اور مثال معتقدہ کبھی تو سچی ہوتی ہے اور کبھی جھوٹی اور سچی مثال کو تو اللہ تعالےٰ نے دیکھنے والے اور نبی علیہ السلام کے مابین بعض امور کے معلوم کرنے کے لئے واسطہ بنا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ایسا ہی

اُس روح کی معرفت حاصل ہوجاتی ہی اور وہ مثال ایک شکل ہوتی ہی جو اسکے
لئے رنگت اور صورت ہوتی ہی اگرچہ جوہر نبوت یعنی روح شکل اور صورت اور
رنگت سے منزہ ہی۔ اب ایسا ہی ذات باری تعالیٰ شکل† اور صورت سے پاک ہے
لیکن بندہ کو جو اُس کی معرفت حاصل ہوتی ہی تو مثال محسوسہ کیواسطہ ہوتی ہی
وہ مثال محسوسہ خواہ قسم نور سے ہو یا اسکے سوا کوئی اور قسم صورتوں جملہ میں سے
ہو جو اُس جمال حقیقی مقبول کی مثال بن سکتی ہو جس کی کچھ صورت اور رنگت نہیں
سو یہہ مثال صادق معرفت کے لئے واسطہ ہو۔ اب جو دیکھنے والا کہے کہ میں نے
اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اُسکے یہہ معنی نہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور
روح اور جسم کو دیکھا بلکہ اُسکے یہہ معنی ہیں کہ میں نے اُسکی مثال دیکھی اگر
کہا جاوے کہ نبی علیہ السلام کے لئے تو مثال ہی اور اللہ تعالیٰ کے لئے تو
کوئی مثل نہیں ہم کہتے ہیں کہ یہہ تو مثل اور مثال میں فرق نہ سمجھنے کی بات ہی
مثل تو وہ ہے کہ تمام صفتوں میں مساوی ہو اور مثال میں تمام صفات میں مساوات

† ذات باری کی شکل وصورت سے پاک ہی کیونکہ شکل وصورت خواص اجسام سے ہی جو بواسطہ کیفیات
وکیفیات احاطہ حدود ونہایات کے حاصل ہوتی ہی اور باری تعالیٰ تو جسمیت سے مبرا ہی اسلئے کہ
جسم مرکب ہوتا ہی اجزا سے اور ہر مرکب وجود میں محتاج ہوتا ہی اپنے اجزا کیطرف اور خدا تعالیٰ واجب الوجود
ہی اور احتیاج منافی وجوب کے ہی جب جسمیت سے پاک ہوا تو خواص جسمیت یعنی شکل وصورت سے
بھی پاک ہوا پس خواب میں دیدار باری تعالیٰ کا کسی صورت میں ہونا جیسا کہ نور وغیرہ صور جملہ میں
اسکو تجلی مثالی پر حمل کیا جائیگا کیونکہ تجلی حقیقی پر اس کا حمول کرنا محال ضروری ہے ۱۲ مفتی شاہدین سلمہ

جبرئیلؑ کی ذات وحیہ کلبی کی ذات کے ساتھ منقلب ہوگئی بلکہ اس اعتبار سے ہو
کہ رسول مقبول علیہ السلام کو وہ صورت ایک مثال ظاہر ہوئی جو جبرئیل کی طرف
سے پیغام الٰہی کو ادا کرتی تھی ایسا ہی قولہ تعالیٰ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (یعنے
پھر بن آیا جبرئیلؑ† مریم کے آگے آدمی پورا) پس جب یہہ متمثل ہونا جبرئیلؑ کی
ذات میں استحالہ اور انقلاب نہ ہوا بلکہ جبرئیلؑ اپنی صفت اور حقیقت پر ہی رہے
اگرچہ نبی علیہ السلام کو وحیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہوئے ایسا ہی یہہ اللہ تعالےٰ
کے حق میں محال نہیں خواہ بیداری میں ہو خواہ خواب میں اب اطلاق صورت
کا جائز ہونا خبر کی جہت سے ثابت ہوا اور سلف سے بھی بار تعالیٰ پر صورت
کا اطلاق ثابت ہوتا ہے اس میں بہت سے اخبار اور آثار منقول ہیں اگر اخبار و
آثار سلف سے اسکا بولنا ثابت نہ ہوتا تب بھی ہم کہتے کہ جو لفظ اللہ تعالیٰ کے
حق میں صادق ہو اور سننے والے کے نزدیک خطا کا وہم نہ ڈالے بلا تحریم اور
منع اس کا بار تعالیٰ پر بولنا جایز ہے اور دیدار الٰہی کے لفظ سے بھی بسبب کثرت

† حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت بی بی مریم کے پاس آدمی کی شکل میں آنا اسوجہ سے تھا کہ حضرت
بی بی مریم کو کلام کے سننے میں اُنس ہو مریم کے معنی لغت عبرانی میں خادم کے ہیں چونکہ آپ
کی والدہ نے انکو بیت المقدس کی خدمت کے لئے نذر کیا تھا اسلئے انکا نام مریم ہوا۔ جبرئیل کے لفظی
معنی عبد اللہ کے ہیں کیونکہ جبر بمعنی بندہ بے اختیار اور ایل بمعنی اللہ ہے چنانچہ تفسیر ابن جریر و ابن
ابی حاتم میں حضرت ابن عباسؓ و عکرمہؓ و علقمہؓ سے مروی ہے حضرت جبرئیلؑ کو روح القدس بھی کہتے ہیں
چنانچہ ایک حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ واخر دعوانا ان
الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین

استعمال زبانون کے نزدیک دیدار ذات کا وہم نہیں پڑتا اگر ایسا شخص فرض کیا جاوے جو اسکے نزدیک اس قول سے حق کے برخلاف وہم پڑے تو اسکے ساتھ یہہ قول بولنا لایق ہی نہیں ہے بلکہ اسکے لئے اسکے معنی کی تفسیر کیجائیگی جیسا کہ ہم کو جائز نہین ہے کہ بولیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں اور اُس کا ملنا چاہتے ہیں کیونکہ ان اطلاقات سے کئی لوگون کو خیالات فاسدہ سمجھہ مین آگے ہیں اور اکثر لوگ ان اطلاقات سے وہی معنی سمجھتے ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں اور انکو کچھہ خیال فاسد نہین ہوتا سو ان اطلاقات مین مخاطب کے حال کی رعایت کیجائیگی جہاں مبہم نہ ہو وہاں بغیر کشف اور تفسیر کے بولنا جائز ہے اور جہان مبہم ہو وہاں تفصیل اور کشف ضروری ہے فی الجملہ اس بات پر اتفاق ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں دیکھی جاتی اور جو دیکھی جاتی ہے اوس کی مثال ہے اور اس بات مین اختلاف ٹھہرا کہ بولنا لفظ دیدار کا اللہ تعالےٰ کی ذات پر جایز ہے یا نہیں اب جو شخص گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں مثال کا ہونا محال ہے سو یہہ گمان اُسکا خطا ہے بلکہ ہم اللہ تعالیٰ اور اسکی صفات کے لئے مثال بیان کرتے ہیں اور اُس کی ذات کو مثل سے پاک اور منزہ جانتے ہیں نہ کہ مثال سے فصل جبکہ روح کی حقیقت سے واقف ہو گیا تو ثواب و عذاب قبر بھی جان سکتا ہے - روح جب بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو قوت وہمیہ بھی بدن سے چلی جاتی ہے اور بدن کے ہیئات میں سے کوئی چیز روح کے ساتھہ نہیں رہتی اور یہہ تجھکو معلوم ہو چکا ہے

کہ قوام روح کا بغیر بدن کے بھی ممکن ہے ہر شخص کو اپنے مرنے اور دنیا سے
جانیکا علم رہتا ہے اور یہہ جانتا ہے کہ خود ہے مرا اور اپنا ہی بدن دفن ہوا
جسطرح کہ زندگی مین جانتا تھا۔ قبر مین وہ اپنے اعمال نیک و بد کی جزا پاویگا
ہر ایک کے لئے اعمال کے لحاظ سے قبر یا تو باغ ہے یا گڑہا بمصداق حدیث نبی
کریم صلعم کے۔ ت القبر اما روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر
النیران اگر وہ نیک بخت ہے تو فراغ بالی و نیک حالت یعنے ایسے باغوں
جنکے نیچے سے نہریں بہتیں ہون اور ایسے سرسبز چمنوں مین جسمین غلمان و حورین
ہیں اور پاکیزہ پانیکی پیالے وغیرہ موجود ہیں جسطرح وہ اعتقاد رکھتا تھا اپنے
کو پاتا ہے۔ یہی ثواب قبر ہے۔ اور اگر نہیں تو ان تکالیف میں جو عذاب
کے طور سے اوسکو پہونچتی رہتی ہیں جنکی خبر مخبر صادق نے دی ہے رہتا ہے
اسیکو عذاب قبر کہتے ہیں۔ قبر فی الحقیقت اسی حالت و صورت کا نام ہے
اوسمیں ثواب ہے یا عذاب۔ اور پھر زندہ ہونا قیامت میں جسکو دوسری پیدائش
سے تعبیر کرتے ہیں۔ نفس کا اس صورت سے نکل پڑنا ہے جیسا کہ بچہ پیدا ہوکر
سے نکل پڑتا ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ ت۲ قل یحییها الذی انشاءها اول مرة
وهو بکل خلق علیم وقولہ تعالیٰ۔ ت۳ الذی جعل لکم من الشجر الاخضر
نارا فاذا انتم منه توقدون اس پیدائش کی روشن دلیل و مثال ہے۔
واللہ اعلم بالصواب للہ الحمد والمنة والصلوٰة علی نبیه محمد والہ واصحابه اجمعین

تذکرہ

امام حجۃ الاسلام زین الدین ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ ۴۵۰ھ ہجری میں بمقام طوس پیدا ہوئے وطن شریف آپکا غزالہ ہے طوس کے دیہات میں سے تحصیل علوم آپ نے ابو حامد اسفرائی اور ابو محمد جوینی سے کی ابتدا میں آپ طوس میں رہے پھر بغرض تکمیل علوم بمقام نیشا پور امام الحرمین ابو المعالی کے پاس تشریف لے گئے اصول و فروع مذہب امام شافعی رضؓ کے آپ ماہر تھے آپ کی تصنیفات کا مجموعہ چار سو جلدیں ہیں احیاء العلوم آپنے ایکہزار پچیس دن میں تالیف کی حل مسایل غامضہ کی تصنیف بعد احیاء العلوم کے ثابت ہوتی ہے تفسیر یاقوت التاویل آپ کی چالیس جلدوں میں ہے کیمیای سعادت اور بسیط اور وسیط اور وجیز اور خلاصۃ المختصر اور تہافۃ الفلاسفہ اور محک النظر اور معیار العلم اور مقاصد اور مضنون بہ علی غیر اہلہ اور جواہر القرآن اور المقصد الاسنی فی شرح اسماء الحسنیٰ اور مشکوٰۃ الانوار وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات میں سے ہیں کتاب بنحول جب آپ تصنیف کرکے اپنے استاد امام الحرمین کی خدمت میں لے گئے تو انہوں نے فرمایا تم نے مجھ کو زندہ ہی دفن کر دیا یعنی تمہاری تصنیفات کے سامنے میری تصنیفات کی قدر جاتی رہی جب نظام الملک امیر بغداد کی طرف سے مدرسہ نظامیہ بغداد کا منصب درس و تدریس آپ کے تفویض ہوا وہاں عرصہ تک آپنے درس دیا آپ کا درس ایسا مقبول عام ہوا کہ جب مدرسے سے مکان کو آتے تو پانسو فقیہ دینے والے پیش و پیش آپکے گرد ہوتے پھر آپنے زہد اختیار لیا اور درس وغیرہ کو ترک کرکے قصد حج استوار کیا حج بیت اللہ سے کامیاب ہو کر ملک شام میں راحت فرمائی ایک عرصہ تک وہاں رہے پھر بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے وہاں سے مصر میں گئے کچھ مدت اسکندریہ میں رہے پھر جانب شام معاودت کی کچھ عرصہ کے بعد اپنے وطن مالوف طوس میں تشریف لے گئے اور آخر عمر تک اسی جگہ مقام فرمایا ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ بنا کر اپنی اوقات کو تعلیم و دیگر امور خیر میں تقسیم کیا یہاں تک کہ دوشنبہ کے روز چودھویں جمادی الثانی ۵۰۵ھ ہجری پچپن برس کی عمر میں گرامی علیین ہوئے اللھم اجعلنا فی الجنۃ!

تمت بالخیر

www.ahnafmedia.com

میزانِ عمل

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف

ملن کہ

ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز بی اے ایڈیٹر اخبار مدینہ بجنور
سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر رسالہ صوفی

www.ahnafmedia.com

میزانِ عمل

مضمون	صفحہ نمبر
دیباچہ	۱
فصل :- سعادت کی طلب میں سہل انگاری حماقت ہے۔	۲
فصل :- قیامت کے متعلق عدم یقین بھی حماقت ہے۔	۴
فصل :- شاہراہ سعادت علم و عمل	۱۳
فصل :- تزکیۂ نفس کا اجمالی بیان	۱۶
فصل :- قوائے نفس کا آپس میں ارتباط	۲۴
فصل :- علم کی نسبت سے ان کا ثمرہ سعادت ہے اہلِ تصوف اس پر متفق ہیں اور دوسرے اہلِ نظر مؤید ہیں۔	۲۹
فصل :- صوفیا کے نزدیک علم حاصل کرنیکا طریقہ دوسروں سے جُدا ہے۔	۳۲
فصل :- ان دو طریقوں میں سے اولیٰ کونسا ہے	۳۶
فصل :- جنت ماویٰ تک پہنچنے کے لئے کون سے علم و عمل کی ضرورت ہے	۳۹
فصل :- قوائے تنازعہ اور نفس کی مثال	۴۳
فصل :- مجاہدہ ہوی میں نفس کے مراتب ہوی و عقل کے مشورہ میں کیا فرق ہے۔	۴۶
فصل :- اخلاق بدل سکتے ہیں	۵۱
فصل :- اخلاق کی تبدیلی و ہوی کے علاج کا طریقہ	۵۳
فصل :- فضائل حکمی تحقیق سے سعادت ملتی ہے	۵۶
فصل :- تہذیب اخلاق کا مفصل طریقہ	۵۹
فصل :- امہاتِ فضائل	۶۳
فصل :- فضیلتِ حکمت یعنی مکاری و بیوقوفی	۷۰
فصل :- فضیلت شجاعت کے ماتحت کیا کچھ ہوگا	۷۱
فصل :- عفت اور اسکے متعلق اخلاق رذیلہ کا مندرج	۷۴
فصل :- وہ بواعث جو نیکیوں کی ترغیب دیتے ہیں یا روکتے ہیں۔	۷۹
فصل :- خیرات و سعادات کی قسمیں	۸۴
فصل :- سعادتوں کی غایت اور انکے مرتبے	۹۰
فصل :- مذموم و محمود خواہشات	۹۴
فصل :- عقل علم اور تعلیم کی بزرگی	۱۰۵
فصل :- شرف عقل کے اظہار کیلئے تعلیم ضروری ہے	۱۰۹
فصل :- عقل کی قسمیں	۱۱۱
فصل :- علوم مستعدہ میں استاد شاگرد کے فرائض	۱۱۴
فصل :- مال حاصل کرنا اور اسکے اکتساب کے ضروری امور	۱۲۷
فصل :- غم دنیا کو مٹانے کا طریقہ	۱۴۸
فصل :- موت کا خوف دور کرنا	۱۵۲
فصل :- رہروان الٰہی کی پہلی منزل	۱۵۸
فصل :- مذہب اور فرقہ بندی	۱۶۴

www.ahnafmedia.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

سعادت کی تلاش و جستجو میں ہر زمانہ کے لوگ سرگرداں رہے ہیں۔ اور یہ وہ چیز ہے جو علم اور عمل کے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی۔ ان کی حقیقت اور اندازہ معلوم کرنے کے لئے علمائے سلف و خلف نے اپنی تمام تر توجہ صرف کر دی ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ہم علم اور عمل میں تمیز کرنے اور پہچان کے لئے ایک معیار مقرر کریں اور کھرے اور کھوٹے کی شناخت کے لئے ایک کسوٹی معین کریں۔ چنانچہ ہم نے مناسب سمجھا کہ اس بارے میں کامل غور و خوض سے کام لیکر بتا دیں کہ سعادت کے حصول میں سہل انگاری اور تکاسل سے کام لینا حماقت ہے۔ اور اس کے لئے علم اور عمل کا اجتماع لازمی ہے اس سے بہرہ اندوز ہونے کا طریق معین کریں اور بتائیں کہ عمل سعید کیا ہے! اور اس کا رستہ کیا ہے۔ ان تمام امور کی توضیح کے لئے ہم دلائل و براہین پیش کرینگے محض تقلیدی رنگ مدّ نظر نہ ہوگا۔ یہ درست ہے کہ اس طرح تحریر طویل ہو جائیگی لیکن کیا کریں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ البتہ ہم کوشش کرینگے۔ کہ علم کے اصول و قوانین کی حدود سے سرمو تجاوز نہ کریں، واللہ المستعان، ؎

تیری رحمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں اُنکے دامن کیلئے

غزالی

www.ahnafmedia.com

۷۸۶

فصل

سعادت کی طلب میں سہل انگاری حماقت ہے

سعادت اخروی سے ہماری مراد ہے۔ وہ بقا جو غیر فانی ہے؛ وہ شراب نشاط جس میں درد غم نہ ہو؛ وہ مسرت جس کو غم کی تلخی منغص نہ کرے، اور ایسی عزت ابدی جو ذلت سے آشنا نہ ہو؛ وہ بے فکری و استغنا جس میں احتیاج کو کبھی دخل نہ ہو؛ اور وہ کمال جسے زوال نہ ہو، ساتھ ہی ہر وہ چیز جس کی تمنا کی جا سکتی ہے، اور ہر وہ شے جس کیلئے دل تڑپ سکتا ہے، حاصل اور موجود ہو، ان اور یہ چیزیں ابدالآباد کے لئے ہوں اور زمانے کی تیز تلواران کا رشتہ منقطع نہ کر سکے؛ فرض کرو کہ تمام دنیا اناج سے اٹی پڑی ہے پھر ایک پرندہ ہے، جو ہزار سال کے بعد ایک دانہ اس میں سے چگ لیتا ہے، تو یقین سمجھو کہ ایک روز وہ اناج ختم ہو جائیگا لیکن سعادت اخروی کا وہ گنج بے پایاں ہے جو کبھی نپٹ نہیں سکتا؛

اس قسم کی نعمت عظمیٰ کی ترغیب و تحریص دلانے کی ہم کوئی ضرورت نہیں جبکہ ہم روز مرہ دیکھتے ہیں کہ تمام عقلمند اور سمجھ دار لوگ اس سے بدرجہا کمتر اور ادنے چیزوں کے حصول کے لئے ہزار دقسم کی مصائب اور تکالیف خوشی سے برداشت کر لیتے۔ اور دنیا کی لذتیں تیاگ دیتے ہیں۔ رنج و مصائب ہزار بیشمار ہوں کہ ختم ہو جاتی ہیں۔ اور دنیا کی لذتیں لاکھ بے حساب ہوں۔ آخر گذر جاتی ہیں۔ ہمارے نزدیک تو عقلمند وہی شخص ہے جسے آئندہ کی یقینی اور بہتر نعمت کے لئے موجودہ اور ادنے شے کو چھوڑنا آسان ہو چنانچہ جو لوگ صنعت اور تجارتی کاروبار سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس زریں اصول پر خوب کاربند ہیں۔ علم و فن کی تلاش میں لوگ غریب الوطن۔ فقر و فاقہ۔ ذلت۔ اور برتر از وہم و قیاس مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں، اور ان کے

قلب اور سکون خاطر کی ذمہ دار صرف یہ بات ہوتی ہے۔ کہ زمانہ مستقبل میں وہ گوہر گرانمایہ اُن کے ہاتھ لگ جائیگا جو زمانہ حال کی تمام تکالیف و شدائد کا بہترین عوضانہ اور موجودہ رنج و ملال کا بہترین اجر ہوگا۔ دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو زر و مال کا طالب ہو۔ اور اُسے کہا جائے کہ تمہیں ایک ماہ کے بعد اکسیر اعظم دیدی جائیگی بشرطیکہ تم گھر سے سونا خرچ کرو! اور ایک ماہ تک انتظار کرو! تو وہ اس پر عمل نہ کرے۔ اگر کوئی شخص اس قسم کی آئندہ نعمتوں کی امید میں تھوڑی سی بھوک برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تو اُسے کوئی شخص عقلمند تصور نہیں کر سکتا۔ اور شائد اس قسم کے آدمی کا وجود بھی عنقا کا حکم رکھتا ہے۔ حالانکہ دنیا فانی ہے۔ موت گھات میں ہے۔ اور سونا آخرت میں کام نہیں دیتا۔ اور ممکن ہے کہ وہ مہینے کے اندر یا بعد جان جان آفرین کے سپرد کردے۔ غور کرو کہ یہ شخص اکسیر کی طمع میں بیدریغ مال و زر خرچ کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور ہر طرح کی مصیبت اٹھانے کے لئے آمادہ۔ پھر عقلمند لوگ اس عمر ناپائیدار میں جس کی حد سو سال ہے! اپنی خواہشات نفسانی اور دنیاوی لذتوں کی حد بندی کرنے میں کیسے کوتاہی کر سکتے ہیں۔ جبکہ اس عمل کا عوض عیش سرمدی اور آرام جاوداں کی صورت میں ملنے والا ہے ؎

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال
صد سال مے تواں بہ تمنا گریستن

اور یہ جو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ لوگ سعادت کی شاہراہ پر گامزن ہونے سے گریز کرتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ انہیں قیامت پر پورا یقین ہی نہیں، ورنہ عقل ناقص کا بھی تقاضا ہے کہ سعادت کے حصول کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہئے، چہ جائیکہ وہ لوگ اس کا انکار کریں جو عقل کامل سے بہرہ مند ہیں ۔

www.ahnafmedia.com

فصل

قیامت کے متعلق عدم یقین بھی حماقت ہے

ہماری رائے ہے کہ قیامت کے متعلق ایمان میں کوتاہی کرنا بھی بیوقوفی پر دال ہے کیونکہ اگر غفلت و خود فراموشی غالب نہ ہو تو سعادت کے رستوں سے بے پرواہی بھی نہ ہو۔ آخرت کے باب میں لوگوں کے چار گروہ ہیں :-

اوّل۔ وہ لوگ جن کا اعتقاد ہے کہ حشر و نشر اور جنت و دوزخ بعینہٖ اُسی طرح ہیں جس طرح شریعتوں نے ہمیں بتایا ہے، اور ان میں سب سے زیادہ رطب اللسان اور فصیح قرآن ہے۔ ان کے نزدیک لذتیں اور محسوسات تمام اسی طرح پر ہونگی جیسے دنیا میں مباشرت، کھانا پینا۔ سونگھنا، چھونا۔ پہننا اور دیکھنا ہے، اور ان کو اعتراف ہے کہ ان لذتوں پر ستیزاد اور قسم قسم کی لذات و سرور ہونگی، لیکن ان لذتوں کی کیفیت اور صنف حیطۂ بیان سے باہر ہے۔ یہ وہ جنت نگاہ اور فردوس گوش ہے جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں اور کان نے سنی نہیں۔ اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا تصور سما سکتا ہے۔ یہ غیر منقطع ہے اور ابدالآباد تک رہیگی۔ یہ علم و عمل کی بدولت ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس گروہ میں تمام مسلمان اور یہود و نصاریٰ کا اکثر حصہ داخل ہے +

دوسرا فرقہ جس میں مسلمان فلاسفہ کا وہ طبقہ جو الہیین کہلاتا ہے داخل ہے۔ کہتا ہے وہ ایک اس قسم کی لذت ہے۔ جو انسانی قلب کے تصور میں نہیں آسکتی: اس کا نام لذت عقلی ہے، اور حسیات یا تو خارجی طور پر اُن کی موجودگی کے وہ منکر ہیں، ہاں جیسے نیند میں ہوتا ہے۔ خیالی طور پر ان کا وجود ہو سکتا ہے، لیکن نیند کے حالات بیداری کیساتھ زائل ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ہمیشہ رہینگے۔ ان کا گمان ہے کہ یہ باتیں ان لوگوں کے لئے ہوتی ہیں۔ جو محسوسات کے ساتھ شغف رکھتے ہیں، اور جن کے دل اس جانب بہت مائل ہیں۔ وہ ان کو لذات عقلیہ کی طرف منسوب نہیں کرتے، بہرحال اگر آخرت کی کیفیت صرف اسی قدر ہو تو بھی اس کی طلب میں کوتاہی مناسب نہیں، وجہ یہ ہے کہ لذت بھی

www.ahnafmedia.com

وہی چیز دیتی ہے جس کے ذوق سے انسان کا دل چھونے۔ کھانے یا دیکھنے کے ذریعہ متاثر ہو چکا ہو +

خارجی امور حصول اثر کا موجب ہیں؛ لذت ایک داخلی اثر ہے۔ جو خارجی اشیا کی موجودگی سے پیدا ہوتا ہے؛ جب بغیر خارجی امور کے وجود کے تاثرات حاصل ہو سکتے ہیں جیسے حالت نوم میں۔ تو اُن کی موجودگی میں اثرات کے حصول کے متعلق تو کوئی شک و شبہ گنجائش نہ رہی +

تیسرا طبقہ۔ یہ لوگ خیال اور حقیقت کے طریق سے لذت حسیہ کے انکار کی طرف گئے ہیں؛ ان کا خیال ہے کہ تخیل آلات جسمانی کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ موت بدن اور روح میں جدائی ڈال دیتی ہے؛ اور بدن ہی تخیل اور تمام احساسات کا آلہ ہے؛ جب ایک دفعہ روح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو دوبارہ واپس نہیں ہوتی چنانچہ صرف آلام لذات باقی رہتی ہیں۔ یہ حسی نہیں بلکہ حسی سے بزرگتر ہیں، انسان اس عالم میں بھی لذات عقلیہ کی جانب مائل ہے؛ اور اس سے زیادہ آلام عقلیہ سے نفور۔ یہی وجہ ہے کہ حصول معاش میں ذلت اور بے عزتی کو ناپسند کرتا ہے؛ سزا کے وقت علیحدگی کو دوست رکھتا ہے۔ مباشرت اور خواہش نفسانی کو پورا کرنے کے وقت اُسے پردہ داری محبوب ہے؛ اور گذشتہ رنج و آلام اور مصائب کی یاد اُسے تکلیف دیتی ہے چنانچہ ہم نے بارہا دیکھا ہے۔ کہ شطرنج کھیلنے والے دو ایک روز تک شطرنج کے شوق میں کھانا پینا بھول جاتے ہیں۔ کیونکہ کھیل کی لذت عقل کھانے کی لذت حسی پر غالب آجاتی ہے۔ لذت عقلی کے غلبہ کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ میدان جنگ میں بسا اوقات اکیلا آدمی دشمنوں کے جم غفیر پر پل پڑتا ہے؛ اور ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس حرکت کے پیچھے یہی خیال کارفرما ہے کہ لوگ اس کی شجاعت و جوانمردی کی تعریف کرینگے؛ اور یہی خیال اُسے زندگی کو خیرباد کہدینے پر ابھارتا ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دنیا کی حسیات ان لذات کے مقابلہ میں جو دار آخرت میں ہونگی کوئی نسبت نہیں رکھتیں۔ ممکن ہے ان کی نسبت اُن کے ساتھ وہی ہو جو نفیس و لذیذ طعام کی خوشبو کو اس کے ذائقے سے؛ اور محبوب کے دیدار کو وصال یار سے ہے؛ بلکہ اس سے بھی دور تر کی کوئی نسبت ہو ان کا گمان ہے۔ کہ جب عوام کے فہم سے یہ باتیں بلند تر ہیں۔ تو مثال کے طور

پر اُن کے سامنے انہی لذات کا بیان کیا جاتا ہے۔ جن سے وہ آشنا ہیں؛ جیسے ایک لڑکا ہو اور اُسے فضل و قضا اور وزارت کے عہدے پر فائز کرنے کے لئے تعلیم دیجائے تو چونکہ وہ ان عہدوں کی ذمہ داریوں اور ان کی حقیقت سے ناآشنا ہے اور اُن کی کیفیت نہیں جانتا۔ اس لئے اُسے ان چیزوں کی ترغیب دی جاتی ہے جن کی لذت سے وہ واقف ہے۔ مثلاً گیند جس کے ساتھ وہ کھیلتا ہے یا چڑیا جسے وہ اڑاتا ہے؛ حالانکہ اگر حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کہاں گیند اور چڑیا سے کھیلنا اور کہاں حکومت و وزارت کی لذت، لیکن چونکہ اس کا فہم اعلیٰ شے کے ادراک سے قاصر رہتا ہے اس لئے اُس کے سامنے ادنیٰ بات کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ اور وہ اپنی استعداد کے مطابق بتدریج ترقی کرتا جاتا ہے۔ اگر لذات آخرت کو صرف اسی کے مطابق بھی مان لیا جائے تو طلب و جستجو میں کوتاہی مناسب نہیں۔ بلکہ جد و جہد کو دوگنا کرنا چاہئے۔ صوفیاء اور المیین اس طرف گئے ہیں۔ اوّل سے آخر تک؛ یہاں تک کہ مشائخ صوفیاء نے تصریح کر دی ہے اور مزید تشریح کی گنجائش نہیں رکھی، اور وہ کہ اُٹھے ہیں کہ جو شخص طلب جنت کے لئے یا خوف دوزخ سے اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ لئیم ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف قصد کرنے والوں کا مقصود ان چیزوں سے بہت بالاتر ہے + جو شخص مشائخ سے لیگا۔ اُن کے عقائد کے بارے میں اُن سے گفتگو کریگا اور ان کی مصنفات کا بغور مطالعہ کرے گا۔ اُسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ ان کا یہ اعتقاد اُن کے احوال کے عین مطابق ہے +

فرقہ چہارم۔ عوام اور جہلاء مطلق کا گروہ ہے، جو اپنے نام کے ہجے بھی نہیں جانتے ان کا خیال یہ ہے کہ موت عدم محض کا نام ہے۔ اور طاعت و معصیت کی کوئی جزا و سزا نہیں، انسان مرنے کے بعد اسی طرح نیست و نابود ہو جاتا ہے جس طرح ولادت سے قبل تھا حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو فرقہ کہنا ہی غلطی ہے کیونکہ گروہ کا مفہوم اجتماع سے ہے اور یہ مذہب کسی جماعت کا نہیں، نہ ہی کسی مشہور صاحب نظر سے منسوب ہے۔ البتہ یہ ان عقل کے دشمنوں کا مسلک ہے، جن پر خواہشات نفسانی کا دیو غالب اور اُن کا شیطان اُن پر مستولی ہو چکا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کا قلع قمع کرنے پر قادر نہیں۔ ان کی خود پسندی اور خود رائی انہیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ مقاومت خواہشات میں اپنے

www.ahnafmedia.com

عجز کا اعتراف کریں۔ چنانچہ اپنے قصور فہم کے باعث وہ عذر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی بات واجب اور حق ہے۔ اپنی بات کی ٹیک رکھنے کے لئے وہ اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، اور باطل کی پیروی میں محو ہو جاتے ہیں۔ اتباع ہوائے نفسانی بیوقوفوں کو سب سے زیادہ باطل عقیدوں کی تصدیق میں عجلت کرواتی ہے۔ بعض بدبخت اس عقیدۂ باطل کو بعض مشہور دقیقہ رس علما مثلاً ارسطو۔ فلاطون یا کسی اور فلاسفہ کی جانب منسوب کرتے ہیں! یہ ایک فریب ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ سامع سے کہتے ہیں "میاں تمہاری معرفت ان کے علم کو کہاں پہنچ سکتی ہے، انہوں نے ایک عرصہ دراز ان باتوں کی ٹوہ میں صرف کر دیا ہے"۔ غریب اور سادہ لوح سامع اس تلبیس کو نہیں سمجھ سکتا اور اُن کی ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے۔ ظالموں سے کوئی حوالہ طلب نہیں کرتا جس سے معلوم ہو کہ واقعی ان لوگوں کا یہ مذہب تھا! حالانکہ اگر اسے کوئی ایسی اطلاع دی جائے جس سے اس کا چند ٹکوں کا نقصان ہوتا ہو، تو وہ اس وقت تک اس کی تصدیق نہیں کرتا جب تک کوئی دلیل و برہان پیش نہ کی جائے۔ اگر کوئی شخص اُسے کہے کہ تمہارے باپ نے فلاں شخص سے دس روپے دینے کا اقرار کیا تھا۔ اب اس کے ترکہ میں سے ادا کرو، اس کے پاس ایک دستاویز بھی ہے جس پر گواہوں کے دستخط بھی ثبت ہیں۔ تو وہ فوراً پکار اُٹھے گا حجت لاؤ۔ وہ زندہ گواہ کہاں ہے جو اس کی شہادت دے۔ اور دستاویز اور نقل خطوط کا کیا اعتبار ہے۔ پھر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جو شخص چند ٹکوں کے باب میں اس قدر محتاط تھا مذہب کے بارے میں اس قدر بے پرواہ ہے کہ مذہب کی بابت حوالے کی تصدیق کے وقت دو گواہ بھی طلب نہیں کرتا۔ جو اس امر کی شہادت دیں کہ ہاں ہم نے یہ بات سُنی ہے! اور بغیر کسی تحریر یا اس کی تصانیف دیکھنے کے اگرچہ وہ کسی اور کی لکھی ہوئی ہو آمنا و صدقنا پکار اٹھتا ہے۔ حالانکہ مناسب تو یہ ہے کہ اگر اپنے کانوں سے بھی سُن لے پھر بھی اُسے تسلیم کرنے میں توقف کرے۔ جب تک اس کے بارے میں کوئی دلیل و برہان نہ ملجائے۔ اگر صرف دیکھا دیکھی پیروی کرنا مقصود ہے تو انبیا اولیا علما کی تقلید بلکہ جمہور انام کی پیروی اس ایک شخص کی تقلید سے اولیٰ ہے۔ جو خطا سے معصوم نہیں +

ان تمام مقدمات کو سُن لینے کے بعد اگر تم تلاشی حق ہو تو اس گمراہ فرقہ کی [illegible]

کے بارے میں تمہاری حالت چار باتوں سے خالی نہیں۔ اوّل یہ کہ تم قطعاً اس کے بطلان کے معترف ہو، دوم یہ کہ تم اس کے بطلان کے متعلق ظن رکھتے ہو، سوم یہ کہ اُس کی صحت کے بارے میں تمہیں ظن غالب ہو۔ یا امکان بعید کے طور پر اس کے بطلان کو درست سمجھو۔ اور چہارم یہ کہ اُس کی قطعی صحت کے متعلق تمہارا یقین ہو، بہرحال تمہاری عقل کا یہی تقاضا ہے کہ تم علم و عمل میں مشغول ہو جاؤ۔ اور لذائذ دنیوی سے اعراض کرو۔ ہاں شرط یہ ہے کہ تمہاری عقل سلیم اور طبیعت نیک ہو۔ تم پر یہ بات مخفی نہ رہے کہ پہلی اور دوسری صورتوں میں تمہاری عقل کا اقتضا یہی ہے۔ کہ تم علم و عمل کی طلب میں کمر ہمت چست باندھ کر سرگرم عمل ہو۔ جس طرح دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ طلب نفع کے لئے سمندر میں سفر کرنے کے لئے سواری مہیا کی جائے۔ یا طلب ریاست کے لئے اوّل شباب میں علم حاصل کیا جائے اور وزارت یا کوئی اور عزت و جاہ کے منصب کے حصول کے لئے اُس کے مطابق کوشش کی جائے۔ حالانکہ ان تمام امور کے نتائج ظنی ہیں، اور قطعی نہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جب ایک حریص آدمی کے دل میں یہ بات سما جائے کہ کیمیا کا وجود عنقا نہیں، اور اُسے معلوم ہو جائے کہ ایک ماہ کی مشقت کے بعد وہ اس سے ہم آغوش ہو جائیگا، پھر اس کے بعد تمام عمر خواہ وہ ایک ماہ سے بھی کم ہو، یا زیادہ اُس سے متمتع ہوتا رہیگا اور عیش سے بسر اوقات کریگا۔ تو اس کی عقل کا فیصلہ یہی ہوگا، کہ مصیبت و مشقت کا مہینہ خوش خوش بسر کر دے۔ اور اس تکلیف کو حقیر سمجھے۔ اگر اُسے قطعی طور پر معلوم بھی ہو کہ اس کی عمر زیادہ نہیں۔ تو بھی کامیابی کا خیال اس کے لئے صد وجہ تسلی ہوتا ہے۔

اگر تم تیسری حالت میں ہو اور اُس کی صحت کا ظن غالب ہو، انبیاء اولیاء اور جمہور علماء کی سچائی کا کچھ خیال دل میں باقی ہو۔ تو بھی تمہاری عقل یہی کہیگی کہ طریق امن و سلامتی پر گامزن ہونا اور خطرناک صورت حالات سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ تمہیں کسی بادشاہ کا قرب حاصل ہے، اور تمہارے نزدیک اس قسم کے اسباب جمع ہو جائیں جس سے تم اس کے خاص مصاحبوں اور محرمان راز میں سے ہو سکو، مثلاً کوئی ایسی خدمت جس کے متعلق تمہارا ظن غالب ہو، کہ اس کے سرانجام دینے سے بادشاہ سلامت خوش ہو کر تمہیں خلعت و دینار عطا فرمائینگے ساتھ ہی ظن غالب کے خلاف ایک احتمال بھی ہو اس امر کا

www.ahnafmedia.com

کہ کسی وقت ممکن ہے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جس سے وہ غضبناک ہو کر تمہیں عذاب شاہی میں مبتلا کرے۔ تمہاری ذلت و رسوائی کا موجب ہو۔ اور تمہیں تمام عمر کے لئے مصیبت میں ڈالدے۔ تو تمہاری صائب رائے یہی مشورہ دیگی تم اس خطرے میں کودنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ اگر تم اس خدمت کے سرانجام دینے میں کامیاب بھی ہو گئے تو اس کا اجر کچھ سونا ہے جو تمام عمر تمہارا ساتھ نہ دیگا۔ اور اگر ناکام رہے تو بادشاہ کا عذاب بہت بڑا ہے جو تمہاری زندگی بھر تمہارا پیچھا چھوڑنے کا نہیں۔ اس لئے کامیابی کا ثمرہ ناکامی کی سزا کا حریف نہیں ہو سکتا +

یہی وجہ ہے کہ اگر تمہارے سامنے نفیس کھانے کا ایک طشت رکھا ہو اور چند لوگ یا ایک شخص کہدے کہ یہ زہر آلود ہے۔ حالانکہ اس کا حال نبیوں کا سا بھی نہ ہو۔ جو معجزات کے ذریعہ سے اپنے قول کی تائید کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔ پھر تم اس کے کذب کے متعلق ظن غالب بھی رکھتے ہو۔ جس طرح تم تیسری صورت کے اعتبار سے تمام انبیاء کے کذب کا ظن غالب رکھتے ہو۔ تو تم اُسے سچا ہی سمجھنے کی کوشش کرو گے! اور سمجھو گے کہ کھانا کھانے میں لذت ہے اور زبان کا چٹخارا لیکن اگر وہ زہر آلود ہوا۔ تو ہلاکت میں کوئی شبہ نہیں چنانچہ اس لحاظ سے بھی عقل یہی کہتی ہے کہ اگر تم دانشمند ہو تو خطرے سے اجتناب ہی کرو۔ چنانچہ کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے آکر جھگڑنا شروع کیا اور امر آخرت میں شک و شبہ کا اظہار کیا۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہاں بحث و مجادلے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں اگر تو صورت حالات وہی ہوئی۔ جیسا تمہارا خیال ہے تو ہم سب خلاصی پا جائینگے۔ لیکن اگر بات وہی نکلی جو ہم کہتے ہیں تو تم تو مارے جاؤ گے! اور ہم نجات پا جائینگے" حضرت علی رضی اللہ کے مذکورہ بالا قول سے یہ نتیجہ نکالنا صریح ستم ظریفی ہوگی۔ کہ امیر المؤمنین کو امر آخرت میں کوئی شک و شبہ تھا۔ نہیں بلکہ یہ تو ایک قسم کی تنبیہ ہے۔ مخاطب کی حد عمل کے مطابق جو امور آخرت کو دلائل کے ذریعہ سمجھنے سے قاصر ہے اسی طرز استدلال کو ہم نے استعمال کیا ہے۔ تاکہ جو لوگ اللہ کی طاعت میں کوتاہی کرتے ہیں اور باطل پرستی کی پیروی، تو ان کے لئے امور آخرت میں غور کرنا آسان ہو جائے +

یہ بات قطعی طور پر واضح ہو گئی۔ کہ کوئی عظیم الشان مصیبت اگرچہ معلوم نہ ہو احتمال کے رو سے اُسے یقین مستقر پر ترجیح دینی چاہیئے۔ وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کا حقیر یا اہم ہونا

اضافی ہوتا ہے۔ تو چاہئے کہ تم عمر کے انجام اور اسودہ حال لوگوں کے حصۂ دنیا پر غور کرو اور سعادت اخروی کے کمال اور اس کے دوام کے بارے میں جو تین فرقوں کا اعتقاد ہے اُسے قبول کرو، اور بدیہی طور پر جان لو، کہ دنیا کے عیش و آرام میں سے جو کچھ تم حصول آخرت کے بدلے میں چھوڑتے ہو نہایت حقیر ہے +

اور اگر تم چوتھی صورت میں ہو یعنی تم چوتھے گروہ کے معتقدات کو صحیح تسلیم کرتے ہو تو ہم تمہاری انتہائی جہالت و تصور فہم کو مدنظر رکھ کر دو طریق پر تم سے خطاب کرینگے۔ اوّل یہ کہ آخرت کے انکار کے لئے تمہارے پاس کوئی حقیقی اور ضروری دلیل نہیں جس کو غلط ثابت نہ کیا جا سکے حتیٰ کہ کہا جائے تمہیں کوئی ایسی شہادت اور ثبوت میسر ہوئی ہے جس کو انبیاء اولیا حکماء اور جمیع عاقل لوگ معلوم کرنے سے قاصر رہے، جب اس قدر بزرگ باوجود اپنی کثرت تعداد۔ وسعت معلومات۔ بلندی فطرا اور کثرت معجزات کے ایک بات کو نہ سمجھ سکے اور اُس کے متعلق غلطی میں پڑ گئے، تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم اس معاملہ میں صحیح مسلک پر گامزن ہو اور غلطی سے محفوظ، تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم غلطی کو اپنی ذات سے منسوب کرو لیکن اگر تم کہتے ہو کہ ممکن ہے ان لوگوں سے بھی غلطی ہو گئی ہو۔ اور مجھ سے بھی غلطی ہو گئی ہو، تو تم تیسری حالت میں ہو جاؤ گے، پھر اگر تمہارا سینہ اسقدر وسیع نہیں کہ اس بات کو بھی قبول کر سکو، اور کہو کہ میں نے تمام دنیا کے اعتقاد کا باطل ہونا پہچان لیا ہے اور یہ محال ہے کہ روح موت کے بعد پھر از روئے جوہر باقی ہو، یا پھر لوٹ کر آئے۔ اور اس بات کا تمہیں ایسا ہی یقین ہو، جیسے تم معلوم کر چکے ہو کہ ایک سے دو زیادہ ہوتے ہیں، اور سیاہی اور سفیدی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی، تو یہ بھی تمہاری بدمزاجی اور کوتاہی عقل کی دلیل ہے۔ اور اس قسم کا دشمن عقل و خرد ایسے مرض میں گرفتار ہے جس کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں۔ آہ انہیں لوگوں کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اولئک کالانعام بل ھم اضل یہ لوگ چارپائے ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر +

دوم۔ یہ لوگ سعادت اخروی کا انکار تو کرتے ہیں۔ لیکن دنیوی سعادت کے منکر نہیں ہیں، اب دنیا کی سعادت کی انتہائی منزل کیا ہے؟ عزت و حرمت، بلند اقبالی و حکومت۔ قدرت و اختیار، رنج و ملال اور غم و آلام سے سلامت رہنا، اور ہمیشہ راحت

www.ahnafmedia.com

وآرام سے زندگی بسر کرنا، تو یہ امور بھی علم وعمل کے بغیر انسان کو میسر نہیں آسکتے علم کے بارے میں سب لوگ جانتے ہیں۔ کہ اس کی عزت کو دوام ہے کیونکہ نہ تو اُسے کوئی شخص معزول کرسکتا ہے اور نہ ہی باطل جیسے دنیا کی حکومت اور سیادت سے کوئی افسر معزول وموقوف ہوسکتا ہے۔

یہ بھی مخفی نہ رہے کہ علما کو علم اور ان انکشافات علمیہ میں جو وہ اکثر مشکل مسائل کے حل کرنے میں خصوصاً جب وہ مسائل زمین وآسمان کے ملکوت اور الٰہیات سے متعلق ہوں۔ وجدانی کیفیت اور لطف وسرور حاصل ہوتا ہے جس کو وہ لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں جنہیں مشکلات حل کرنے کا کبھی موقعہ میسر نہیں ہوا پھر یہ ایسی لذت ہے جس کی انتہا نہیں کیونکہ معلومات کی کوئی حد نہیں اور نہ ان کے حصول میں کوئی روک ٹوک ہے۔ کیونکہ جوں جوں وارفتگان علم کی کثرت ہوتی جاتی ہے توں توں معلومات بھی زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ بلکہ جب عالم حطام دنیا اور اس کی ریاست کا طالب ہو۔ تو کثرت شرکا سے وہ علم سے زیادہ اُنس پذیر ہوتا ہے کیونکہ دنیا ہی تو ہے۔ جو مزاحمت سے تنگ ہوتی ہے۔ اور علم تو کثرت طلاب سے اور زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ پھر باوجودیکہ دنیا کا ملتزم لذات ہے۔ اس شخص کے لئے جو اس سے مایوس ہے تو وہ زیادہ دائمی ہو جاتی ہے۔ جب عالم پر اس کا انعام کرنے والا اللہ اور اس کے فرشتے ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ عالم خالصتہً علم کا ہو رہے، اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ رؤسا اور والیان ملک ہمیشہ معزول ہو جانے کے سوان رُوح میں مبتلا رہتے ہیں، اور ان کو بھی اشتیاق ہوتا ہے۔ کہ ان کی عزت علماء کی سی ہو۔

عمل سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ خواہشات نفسانی کو درست راستہ پر لگایا جائے۔ رہوار غضب کو ضبط غیض کی لگام دی جائے، اور نفسانی صفات کو توڑا جائے تاکہ نفس عقل کے تابع ہو جائے۔ اس کے قابو سے کبھی باہر نہ ہو۔ اور اپنی حاجات کے برلانے میں جو تدابیر وہ اختیار کرے عقل کی حدود سے باہر نہ ہوں۔ ع

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل

پس جو شخص اپنی شہوات کو مغلوب کرے وہی حقیقی طور پر آزاد ہے۔ بلکہ وہ بادشاہ ہے ایک عابد زاہد بزرگ نے کسی بادشاہ سے کہا تھا۔ میری سلطنت تمہاری حکومت سے

www.ahnafmedia.com

عظیم تر ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیسے؟ زاہد نے جواب دیا اس لئے کہ جس کے تم بندے ہو وہ میرا غلام ہے۔ مراد یہ ہے کہ بادشاہ اپنے نفس کا غلام ہے اور زاہد کی خواہشات نفسانی مقہور و مغلوب ہو چکی ہیں۔ خواہشات نفسانی کا بندہ جو اُن پر غالب نہیں آسکتا اور ان کی گردن توڑ نہیں سکتا طبعی طور پر کمزور دل اور غلامی پسند ہوتا ہے۔ وائی رنج و غم میں مبتلا اور متواتر مصیبت میں گھرا رہتا ہے۔ اگر ایک روز اپنی مراد دلی سے شاد کام ہو لیتا ہے تو کئی روز مایوسی و نامرادی سے ہمکنار رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے اُسے ہزاروں قسم کے خطرات۔ سو طرح کے مصائب اور لاکھوں مشقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے، اور روز بروز ان کی غلامی کا طوق اس کی گردن پر حاوی ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے خواہشات کی حد بندی اسباب رنج و الم کی حد بندی ہے۔ اور اُن کو مٹانے کی صرف یہی صورت ہے کہ ریاضت و مجاہدے کو کام میں لایا جائے۔ اور یہی عمل کے معنی ہیں! تو جب عالم باعمل کی حالت تمام لوگوں سے بہتر ہے اور اس بات کو وہ شخص بھی تسلیم کرتا ہے۔ جو سعادت کو صرف دنیا میں ہی محدود سمجھتا ہے۔ (دنیا کسی کی ہو کے نہیں رہتی! اور اُس کی لذتیں اُس کی مصیبتوں سے زیادہ بھی ہیں) اتباع شہوات میں غرق رہنے والا اور معقولات میں نظر و فکر کرنے سے اعراض کرنے والا شخص بالاتفاق دنیا میں شقی اور بدبخت ہے، اور تینوں فرقوں کے نزدیک وہ آخرت میں بھی بے نصیب ہے ہاں بیوقوفوں کی ایک قلیل جماعت جن کی ہستی کسی شمار و قطار میں نہیں اور نہ ہی عقلمندوں میں اُن کو گنا جا سکتا ہے مستثنیٰ ہے۔

پس ظاہر ہو گیا کہ آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے علم و عمل میں کوشش و مستعدی کرنا عقل و دانش کے لحاظ سے ضروری ہے۔ اور جو شخص اس میں کوتاہی کرتا ہے۔ وہ جاہل ہے اگر مجھ پوچھو کہ ان لوگوں کا کیا حال ہو گا، جو اس میں کوتاہی کرتے ہیں لیکن آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں، تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اس کا باعث یہ ہے کہ وہ مذکورہ بالا امور میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے، یہی غفلت اُن کی زندگی پر مستولی ہے۔ لوگ اس وقت تک اس خواب خرگوش سے بیدار نہیں ہوتے جب تک خواہشات متواتر اور پے در پے آکر اُن کو فریب دیئے رکھتی ہیں۔ ان کی بیداری اور تنبیہ کے لئے ایک پاکیزہ سیرت واعظ کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ موجودہ زمانے میں اس قسم کے لوگ عنقا ہو چکے

www.ahnafmedia.com

ہیں۔ اور اگر شاذ و نادر طور پر کوئی ہو بھی تو یہ لوگ اس کی جانب التفات نہیں ہوتے اور اگر التفات کریں اور کچھ احساس اور حسن عزم زمانہ مستقبل میں طاعت میں یکسو ہونے کے متعلق ان کے دلوں میں پیدا ہو تو ہوا و ہوس اُن پر ہجوم کر کے آتی ہے! اور تنبیہ و اعتبار کی جو روح ان میں پیدا ہوئی تھی زائل ہو جاتی ہے۔ غفلت و خود فراموشی کا پردہ لوٹ آتا ہے۔ اور عقلمند انسان پھر اپنی نامطبوع حرکات کا مرتکب ہونے لگتا ہے جن سے اُسے منع کیا گیا تھا اور وہ اُسی مہلک اور خطرناک رستہ پر گامزن رہتا ہے حتیٰ کہ ہادم لذات اس کی روح و جسم میں جدائی ڈال دیتی ہے۔ یہ تمام ہوا پرستیاں یہ جملہ شہوات کی پیروی اور یہ سب بدعملیاں اسے موت کی دستبرد سے بچا نہیں سکتیں، اس وقت حسرت و نامرادی کے سوا اور کوئی چارہ کار اُسے نظر نہیں آتا۔ اللہ ہمیں اس غفلت و بدمستی سے اپنی پناہ میں رکھے کیونکہ یہی تمام شقاوت و بدبختی کی جڑ بنیاد اور اصل الاصول ہے +

فصل

شاہراہ سعادت یعنی علم اور عمل

اگر تم کہو کہ یہ تو ہم پر واضح ہو گیا کہ شاہراہ سعادت پر قدم زنی عقلمندی کی دلیل ہے اور اس میں سستی اور تساہل سے کام لینا جہالت کا ثبوت، لیکن جو شخص اس رستہ سے واقف ہی نہیں وہ کیسے اس پر چل سکتا ہے۔ اور ہم کس طرح معلوم کریں کہ علم اور عمل ہی وہ شاہراہ ہے تاکہ ہم اس پر توجہ صرف کریں۔ تو اس کے معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں

اوّل بجملہ پر اتنا رستہ ہی مناسب ہے۔ یعنی تم اس رستہ پر ملتفت ہو جاؤ جس پر اوّل تین فرقے متفق الرائے ہیں۔ ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ فوز و نجات صرف علم و عمل سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس امر میں متفق اللسان ہیں کہ علم عمل سے اشرف ہے۔ عمل گویا علم کا تتمہ ہے۔ عمل علم کو اپنے پروں پر لیکر منازل پر دار ہوتا ہے۔ یہانتک کہ اُسے اس کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: **الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ** کلمات طیب اسی کی طرف صعود کرتے ہیں اور عمل صالح

www.ahnafmedia.com

ان کو بلند کرتا ہے! پاکیزہ کلمات بحث و نظر کے وقت علم کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ تو یہی صعود ہے۔ اور یہی موقع پر پہنچتا ہے۔ عمل ایک غلام ہے جو علم کو اٹھاتا ہے! اور لیکر چلتا ہے۔ علم کی علو مرتبت کے بارے میں یہ ایک تنبیہ ہے +

فرقۂ اول جمہور پر مشتمل ہے اور مفہوم اول یعنی ظاہر شرع پر متمسک ہے۔ اس کا مذہب اور مسلک علم و عمل کے ذریعہ نجات ہونے کے متعلق بالکل صاف اور عیاں ہے اور اس کا مکمل بیان احاطہ تحریر میں نہیں آسکتا۔ صوفیا اور فلاسفہ بھی جو اللہ اور یوم آخرت پر بالجملہ ایمان لا چکے ہیں: اگرچہ اس کی کیفیت کے بارے میں مختلف الرائے ہیں، اس امر میں متفق الخیال ہیں کہ سعادت کا راز علم اور عبادت میں مضمر ہے۔ باوجود اس کے ان لوگوں کا علم و عمل کی تفصیل کا انتظار کرنا اور باوجود اس اتفاق رائے کے توقف کرنا سراسر حماقت ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص کسی مرض میں مبتلا ہے۔ اطبا کی کتابیں اور ان کے اقوال باوجود اصناف طب کے اختلاف کے اس امر پر متفق ہیں کہ اس بیماری کے ازالہ کے لئے مبردات مفید ہیں۔ تو اگر مریض اس میں توقف کرتا ہے تو اس کی عقل میں فتور ہے۔ بلکہ ایسی حالت میں تو اُسے نہایت مبادرت سے کام لینا چاہئے تھا۔ ہاں بعض اوقات مریض کو مرض کے ازالہ کے بعد اس امر کا موقعہ ملجاتا ہے کہ اس بات کے متعلق تحقیقات کرے، تقلید جمہور کے لئے نہیں بلکہ مرض کی حقیقت اور مبردات کے مرض کے ازالہ کے لئے مناسب ہونے کی وجہ کا راز معلوم کرنے کے لئے، چنانچہ اُسے بے حد بصیرت حاصل ہوتی ہے اور جب غور و فکر سے مستقل طور پر کام لیتا ہے تو اتباع و تقلید کے عمیق گڑھے سے نکل کر صاحب بصیرت ہونے کی فلک پیما چوٹی پر پہنچ جاتا ہے۔ غرض صوفیا اور ان کے علاوہ تین فرقوں کا یہی دعویٰ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص اس مقام کو بصیرت اور تحقیق کے ذریعہ حاصل کرلے اس کی صورت یہی ہے کہ تم موت کی حقیقت کو پہچان لو۔ اور اس بات سے خوب واقف ہو جاؤ۔ کہ موت آلہ کو ناقابل استعمال کر دیتی ہے۔ اسے معدوم نہیں کرتی +

اس کے بعد یاد رکھو کہ (اول) ہر ایک چیز کی سعادت۔ اس کی لذت اور راحت اطمینان اس چیز کا کمال خاص حاصل کر لینے میں مضمر ہے۔ (دوم) انسان کے لئے کمال خاص یہ ہے کہ وہ ان عقلیات کی حقیقت کا ادراک کرلے جن پر اُس کی ہستی کا دار و مدار ہے۔ ان سے وہ توہمات اور محسوسات خارج کر دیجئے جو چیزیں جن میں اس کے ساتھ حیوان بھی شریک ہیں

(سوم) روح ذاتی حیثیت سے اس کمال خاص کے لئے سخت تشنہ کام ہے! در فطری طور پر اس کے لئے مستعد، شہوات بدنیہ، اور دوسرے عوارض میں اس کا مشغول و مصروف ہو جانا اُسے اس کمال کے حاصل کرنے سے مانع ہے۔ جب انسان اُن پر غالب آجائے شہوات کو توڑ دے اُن کو بے دست و پا کر دے۔ عقل کو اس کی غلامی سے رہا کر دے۔ اور اس کی حلقہ گوشی سے آزاد، اس وقت انسان ملکوت السموات والارض کو مطالعہ کرنے میں غور و فکر سے کام لینا شروع کرتا ہے۔ بلکہ اپنے نفس اور اس کے متعلق عجائبات کو نظر عمیق ملاحظہ کرتا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب انسان اپنے کمال خاص کی منزل مقصود کو پالیتا ہے۔ دنیا میں وہ نیک بخت اور سعادت اندوز ہوتا ہے کیونکہ سعادت کے معنی یہی ہیں کہ انسان کی روح ہر اُس کمال کو پالے جو اُس کے لئے ممکن ہے۔ اگرچہ درجات کمال کا نہ تو کوئی شمار ہے اور نہ کوئی حد۔ لیکن ہم جب تک اس دنیا میں ہیں۔ اس لذت سے ذوق آشنا نہیں ہو سکتے، اس کی مثال یوں ہے۔ کہ ایک شخص ہو جس کی قوت ذائقہ ضائع ہو چکی ہے اس کے سامنے لذیذ ترین کھانا رکھیئے۔ وہ اس کی لذت سے واقف نہ ہوگا۔ لیکن اگر یکلخت اُس کی حس ذائقہ عود کر آئے تو وہ فوراً کھانے کی لذت سے پوری طرح لطف اندوز ہونے لگے گا؛ اس لحاظ سے موت کی مثال حس ذائقہ کے عود کر آنے کی سی ہے۔ چنانچہ میں نے بعض سرآمد حلقۂ تصوف کو سُنا کہ فرماتے تھے سالک الی اللہ جنت کو اسی دنیا میں دیکھتا ہے اور فردوس اعلیٰ اس کے گوشۂ دل میں اس کے ہمراہ رہتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس مقام کو حاصل کر سکے؛ اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ علائق دنیوی سے یکسر علیحدگی اختیار کی جائے۔ اور امور الٰہیہ میں فکر و نظر پر پوری ہمت صرف کی جائے حتی کہ الہامات الٰہی کے روشن راز ہائے سربستہ کا انکشاف کرنے لگے! در یہ جبھی ممکن ہے کہ روح کو ان تمام کدورتوں سے صاف کر لیا جائے، اس مقام بلند پر پہنچنے کا ہی دوسرا نام سعادت ہے۔ اور عمل اس کے لئے ممد و معاون؛ پس یہی وہ گروہ ہے جسکا دعویٰ ہے کہ علم و عمل کی سعادت کے ساتھ معرفت کو مناسبت حاصل ہے چنانچہ یہ دوسرا طریقہ ہے یقین کی منزل تک پہنچنے کا۔ جو کچھ انہوں نے کہا وہ پختہ ہے اور ان کے نزدیک عرفان مجاہدۂ نفس اور ریاضت کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے، جیسے کہ اللہ نے فرمایا **الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** جو لوگ ہماری راہ

www.ahnafmedia.com

میں کوشش کرینگے ہم انکو اپنے رستہ دکھا دینگے۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ تم جستجو میں مجاہدہ اور یکسوئی کو استعمال کرو۔ بعض اوقات حقیقت حال کا انکشاف تم پر نفی و اثبات کے ذریعہ سے ہوگا۔ تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ تم علم و عمل سے شروع کرو جس پر تینوں فرقوں کا اتفاق ہے۔ کیونکہ تمہاری غرض سوال سے بحث و جدال نہیں بلکہ جستجو کے کامرانی ہے۔ اُس مریض کی مانند جب تمام اصناف کے طبیب اس کے مرض کے بارے میں متفق الرائے ہو جائیں تو بغیر جھگڑا کرنے کے شفا کی طلب میں مصروف ہو جاتا ہے +

فصل

تزکیہ نفس کا اجمالی بیان

اگر تم کہو کہ یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ علم و عمل میں مشغول ہونا واجب ہے لیکن علوم بے شمار ہیں، اور یہی حال اعمال کا ہے کہ وہ نوع اور مقدار کے لحاظ سے کثیر اور مختلف ہیں مثلاً صرف اسی قدر جان لینا کافی نہیں کہ مبردات بیماری کو نافع ہیں، جب تک مبردات کی نوع اُن کی مقدار، ان کے استعمال کا وقت دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر یا متفرق طور پر استعمال کرنے کا طریق، وغیرہ وغیرہ جو امور ضروری طور پر تفصیل کے محتاج ہیں معلوم نہ ہوں۔ لہذا نہایت ضروری ہے۔ کہ قسم اور کمیت بیان کی جائے اور ساتھ ہی اس کے استعمال کا طریقہ اور کیفیت بھی بتائی جائے۔ ان سوالات کا مجمل جواب یہ ہے کہ ان مسائل کے لحاظ سے لوگ دو فرقوں پر منقسم ہیں، اوّل وہ لوگ جو تقلید پر قانع ہیں۔ وہ بحث و نظر کی مشقت گوارا کرنے سے مستغنی ہیں، بلکہ وہ اپنے امام و پیشوا کے قدم بقدم چلنے کو ہی موجب سعادت و طمانیت سمجھتے ہیں۔ دوم وہ لوگ جو تقلید کا ممنون ہونا پسند نہیں کرتے وہ مریض کی طرح طبیب کے فرمودہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کو اس امر کا شوق ہوتا ہے کہ وہ اطبا کا رتبہ حاصل کریں، یہ منزل بہت دُور کی ہے۔ اس کے لئے نوح کی عمر چاہئے۔ اس منزل کو پا لینے کی سعادت صدیوں میں کسی ایک کو ملتی ہے اور وہ بھی شاذ و نادر طور پر۔ لیکن ہم چاہتے ہیں۔ کہ

www.ahnafmedia.com

اپنی تصانیف و تالیفات میں آج بھی اسی طرح روشن و درخشاں ہے۔ اور تا قیامت روشن رہے گا۔ داراشکوہ صاحب سفینۃ الاولیا نے امام غزالی کی قبر بغداد میں بتائی ہے۔

ابن الجوزی نے اپنی کتاب "الثبات عند الممات" میں امام غزالی کی وفات سے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ (مطابق ۱۸ دسمبر ۱۱۱۱ء) کو دوشنبہ کی صبح کو حسب معمول اٹھے، وضو کیا، نماز فجر ادا کی، اور کفن منگوایا، آنکھوں سے لگایا، اور کہا کہ آقا کا حکم سر آنکھوں پر، اور لیٹ گئے اور ایسے لیٹے کہ پھر کبھی نہ اٹھے ؎

رفت آں طاؤس عرشی سوئے عرش
چوں رسید از ہاتفانش بوئے عرش

مترجم
محمد علی لطفی
۱۹۵۶ء

www.ahnafmedia.com

ان ملائکہ سے جو انسان کے نفوس پر موکل بنائے گئے ہیں۔ تاکہ اس پر علوم کی بارش کریں۔ کیونکہ علوم اللہ کی جانب سے کسی واسطہ کے ذریعہ ہی حاصل کئے جاتے ہیں۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا کسی انسان سے اللہ صرف وحی کے طور پر یا پردے کے پیچھے سے یا رسول بھیجکر ہی کلام کرتا ہے۔

نفس کو ہمارے ساتھ دو تعلق ہیں۔ پہلا بدن کی جانب۔ اور چاہئے کہ یہ تعلق غالب اور مستولی ہو نہ اثر قبول کرنے والا ہو اور نہ عوارض اور شہوات بدنیہ سے منفعل ہونے والا دوسرا تعلق شریف و عالی جانب سے، چاہئے کہ یہ تعلق اس جانب کے اثرات سے دایم القبول ہو اور ہمیشہ تاثرات حاصل کرتا رہے۔ کیونکہ یہیں سے نفس انسانی پر اسباب سعادت کا نزول ہوتا ہے۔ یہ قوت نظریہ عالمہ ہی ہے جس کا کام یہ ہے۔ کہ کلی اور ان عوارض سے پاک معانی کا جو انہیں جزئی اور محسوس بنا دیتی ہیں القا کریں۔ معانی کلی کا ذکر ہم اپنی کتاب معیار العلم میں کر چکے ہیں۔

پھر یہ قوت ان علوم کی نسبت سے جو اس میں حاصل ہوتے ہیں۔ تین مراتب پر منقسم ہے اول اس نسبت کی مانند جو بچے کو کتابت سے ہے۔ کیونکہ بچے میں کتابت کی قوت تو موجود ہے۔ لیکن فعل سے بعید ہے۔ یہی حال اس کے ساتھ قوت علم کا ہے۔ مرتبہ ثانیہ یہ ہے کہ اس میں تمام معقولات جو ابتدائی اور ضروری ہیں۔ حاصل کئے جائیں۔ جیسے ایک لڑکا ہو جو صاحب تمیز ہے اور سن بلوغ کو پہنچ رہا ہے۔ اس نے دوات قلم اور حروف مرکب کے علاوہ مفرد کی پہچان حاصل کر لی ہے۔ حالانکہ اسے پنگوڑے میں یہ بات حاصل نہ تھی۔ اس میں کتابت کی قوت مطلقہ تو موجود ہے لیکن فعل سے بعید تھی۔

مرتبہ سوم یہ ہے کہ تمام معقولات کسبیہ عملی طور پر حاصل کی جائیں۔ اور یہ چیزیں انسان کے پاس بطور خزانہ کے جمع ہوں۔ چنانچہ جب چاہے ان کی جانب رجوع کر سکے اور جب رجوع کرلے تو ان پر متمکن ہو جائے۔ اس شخص کا حال علوم کے بارے میں ماہر کاتب و صناع کا سا ہے۔ جو کتابت سے غافل ہے۔ کہ وہ قوت قریب کے ساتھ اپنے فن میں مستعد ہے اور استعداد کے طور پر اسے انتہائی کمال حاصل ہے۔ یہ انسانی درجہ کی انتہا ہے لیکن اس رتبہ میں وہ شخص داخل ہیں جو کثرت و قلت معلومات اور شرافت و خست معلومات اور

نہیں تقلید اور پیروی کی ذلت سے نکل کر شاہراہ ہدایت پر گامزن ہونے کے طریقے بتادیں۔ اگر توفیق الٰہی تمہاری امداد کرے اور تکمیل حاصل کرنے کا داعیہ تمہارے دل میں پیدا ہو جائے تو تم مجاہدہ نفس کے ذریعہ اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے۔ یاد رکھو تم اپنی ارزو کو نہیں پا سکتے جب تک اپنے نفس۔ اُس کی قوتوں اور خاصیتوں کی معرفت کما حقہٗ حاصل نہ کر لو کیونکہ جو شخص زید سے واقف نہیں وہ اس کے ساتھ تعلقات کیسے قائم کر سکتا ہے۔ مجاہدہ معالجہ نفس ہے جس سے اُس کا تزکیہ ہوتا ہے اور انسان فلاح کا مقام حاصل کر لیتا ہے چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا اس نے فلاح پائی جس نے اسے پاکیزہ بنایا۔ اور وہ خائب و خاسر ہوا جس نے اُسے دبائے رکھا۔ جو شخص کپڑے کی صورت سے آشنا نہیں وہ اُس کی میل کے دور کرنے کا تصور کیسے کر سکتا ہے چونکہ نفس کی پہچان ہی اصل الاصول ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس کے معاملے کو تخصیص اور اکرام کے طور پر عظمت عطا فرمائی۔ اور اُس کو اپنی ذات پاک کے ساتھ نسبت بخشی چنانچہ فرمایا انی خالق بشرًا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی اس آیت میں اس امر کی جانب صاف اشارہ ہے کہ انسان کا جسم آنکھوں سے ادراک حاصل کرتا ہے اور نفس عقل اور بصیرت سے۔ نہ حواس سے اللہ تعالےٰ نے اس کے جسد کو مٹی نسبت دی۔ اور اُس کی روح کو اپنی ذات سے۔ خداوند کی زبان میں روح وہی ہے جسے ہم نے نفس کا نام دیا ہے اور یہ اس لئے کہ ارباب بصیرت کو معلوم ہو جائے کہ نفس انسانی امور الٰہیہ میں سے ہے اور پست درجہ اجسام ارضی سے ارفع اور زبردست تر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی تم سے روح کی بابت پوچھتے ہیں کہدو روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ کہتے ہیں کہ سابقہ کتب آسمانی میں بھی لکھا تھا اے بنی آدم اپنے نفس کو پہچانو تم اپنے رب کو پہچان لوگے" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے اعرفکم بنفسہ اعرفکم بربہ تم میں سے جو شخص اپنے نفس سے زیادہ واقف ہے۔ وہ اپنے رب سے بھی زیادہ واقف ہے اور ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم فرما کر اس بات کو واضح کیا کہ دونو ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کا تعلق رکھتے ہیں۔ ایک کو بھول جانا دوسرے کو بھول جانے کے

www.ahnafmedia.com

مراد ہے؛ اسی لئے فرمایا سنریھم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسھم اور وَفی انفسکم افلا تبصرون۔ یہاں ظاہری جسم کو دیکھنے کی جانب توجہ دلانا مقصود نہیں کیونکہ یہ تو بہائم کو بھی نظر آتا ہے۔ چہ جائیکہ انسان کو، مختصر یہ کہ جو شخص اپنے نفس کے حالات سے ناواقف ہوگا۔ وہ دوسری خارجی اشیا سے بدرجہا اولے بے خبر ہوگا؛ اللہ عزوجل کی بندوں پر خاص الخاص رحمت اور عنایت ہے۔ کہ اس نے انسان کے وجود میں باوجود اس قدر صغیر الجثہ ہونے کے اتنے عجائبات جمع کر دیئے ہیں اور اوصاف وخصائل کے لحاظ سے انسان کل کائنات کے عجائبات کا حریف ہو رہا ہے۔ گویا تصنیف عالم کی یہ ایک جیبی تقطیع ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ انسان اس میں غور وفکر کر کے اللہ عزوجل کے علم کی طرف مواصلت حاصل کرے +

نفس کے متعلق جملہ حالات کا میں استقصا تو کروں لیکن اندیشہ ہے کہ گفتگو بہت طویل ہو جائیگی، لیکن اگر تمہاری خواہش ہے کہ ہم مجمل طور پر ضرور کچھ بیان کریں جس سے تمہیں تفصیلی حالات معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا ہو تو کان دھر کر سنو کہ نفس حیوانی کے دو قوتیں ہوتی ہیں، اوّل قوت محرکہ دوم قوت مدرکہ محرکہ کی پھر دو قسمیں ہیں، باعثہ اور مباشرہ مباشرہ محرکت وہ قوت ہے جو اعصاب اور عضلات میں پیدا ہوتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ عضلات کو سکیڑے، اور نسوں اور ریشوں کو جن کا اعصاب سے اتصال ہے۔ مبدا کی جانب کھینچے۔ یا یہ کہ ان کو ڈھیل دے اور نرم چھوڑ دے۔ تاکہ اعصاب اور نسیں مبدا کے مقابل جانب کو ہو جائیں۔ یہ قوت باعثہ محرکہ کے خادم کی حیثیت رکھتی ہے +

جب کبھی آئینہ خیال میں کسی ایسی شے کی صورت منعکس ہوتی ہے۔ جو مرغوب طبع ہے یا قابل نفرت ہے تو جو قوت ترغیب وتنفر کے جذبات پیدا کرتی ہے، اس کا نام باعثہ ہے اور وہ قوت مباشرہ حرکت کو جنبش پر مائل کرتی ہے۔ اس قوت باعثہ کے دو شعبے ہیں، ایک کو شہوانیہ کہتے ہیں۔ اور دوسرے کو غضبیہ، شہوانیہ انسان کو ان اشیا کی جانب طلب لذت کے لئے قریب ہونے کی رغبت دیتی ہے جس کو وہ اپنے لئے ضروری اور منفعت بخش سمجھتا ہے۔ اور غضبیہ، انسان کو ان چیزوں کے دفع کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کی تحریص دلاتی ہے جن کو وہ اپنی ہستی کے لئے مضر رساں اور نقصان دہ سمجھتا ہے +

اب رہی قوت مدرکہ تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ مدرکہ ظاہرہ اور مدرکہ باطنہ ظاہرہ

www.ahnafmedia.com

حواس خمسہ پر مشتمل ہے۔ ہم اس کی تحقیق و تفتیش میں زیادہ غور و خوض نہیں کرینگے۔ اگرچہ اس کے حقائق کی معرفت کے بارے میں بھی بہت طویل گفتگو چاہئے لیکن ہماری غرض اجمالی بیان ہے۔ اس لئے ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ باطنہ پانچ ہیں اول خیالیہ، یہی وہ آئینہ ہے۔ جس میں محسوس چیزوں کے غائب ہو جانے کے بعد ان کی صورتیں عکس پذیر رہتی ہیں چنانچہ صورت مرئی آنکھیں بند کرنے کے بعد بھی خیال میں قائم رہتی ہے۔ تو وہ قوت جس کے پرتو پر وہ چھپ جاتی ہے اس کو قوت خیالیہ کہتے ہیں۔ اور جب جملہ حواس خمسہ کے مدرکات کے نشان اس میں باقی رہیں تو وہ حس مشترک کہلاتی ہے +

دوسری کا نام حافظہ ہے۔ اور یہ مذکورہ بالا نشانات کو محفوظ رکھتی ہے کسی چیز کی صورت کو تمسک کرنے والی قوت اور ہے، اور اس کو قبول کرنے والی طاقت اور دوم اپنی پوست کے باعث نقش کو تمسک کرتا ہے۔ اور رطوبت کے ذریعہ قبول۔ اور پانی قبول کرتا ہے تمسک نہیں کرتا، قوت مقبلہ اور ان قویٰ یعنی حواس خمسہ کے مدرکات کو قبول کرنے والی اور ان کو محفوظ رکھنے والی قوتوں کا مسکن مقدم دماغ کے جوف اول میں ہے، اور جب اس پر کوئی چوٹ لگتی ہے یا آفت نازل ہوتی ہے تو یہ قوتیں مختل ہو جاتی ہیں، یہ باتیں علم طب میں مفصل مذکور ہیں +

سوم وہمیہ ہے۔ اس قوت کا مقام دماغ کے وسطی جوف کی آخری حد پر ہوتا ہے۔ یہ قوت جزئی محسوسات کے ان معانی کا ادراک کرتی ہے جو غیر محسوس ہوں جس طرح وہ قوت جو بکری کو سمجھاتی ہے کہ بھیڑیئے سے بھاگنا اور بچے کی طرف جانا چاہئے +

چوتھی ان معانی کو یاد رکھنے کا کام کرتی ہے۔ جو محسوس نہیں کئے جا سکتے، جیسے قوت دوم صورتوں کو حفظ کرتی ہے۔ وہ حافظۂ صوری ہے اور یہ حافظۂ معانی اس کا نام ذاکرہ ہے اور اس کی جائے سکونت جوف دماغ کا آخری حصہ ہے۔ اب جوف دماغ کا وسطی حصہ باقی رہ گیا، اور یہ قوت مفکرہ کا مسکن ہے۔ جو خزانہ صوری اور خزانہ معانی کے درمیان مرتب ہوتی ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق بعض خیالات کو آپس میں ترکیب دے۔ اور بعض کو منتشر کر دے۔ عام طور پر اس کا ذکر قوائے مدرکہ میں کیا جاتا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کو قوائے متحرکہ میں شمار کیا جائے، کیونکہ اس کا ادراک حرکت کی نوع سے ہے یعنی مرکب خیالات کو منتشر کرنا اور منتشر کو جمع کرنا

وہ کسی ایسی نئی شے کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ جو خیال میں موجود نہ ہو اس کا دائرہ عمل صرف تفصیل و ترکیب پر حاوی ہے۔ مذکورہ بالا قوای حیوانوں اور انسانوں میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ صرف قوت مفکرہ مستثنیٰ ہے۔ اس کی بجائے حیوانات میں ایک قوت قریب قریب اس کے ہوتی ہے۔ اُس کو متخیلہ کہتے ہیں۔ مگر وہ انسان کی قوت مفکرہ کے برابر طاقتور اور قوی نہیں ہوتی۔

اب رہا نفس انسانی تو انسان سے متعلق ہونے کے لحاظ سے اس کی قوتوں کی دو قسمیں ہیں۔ قوت عالمہ اور قوت عاملہ، ان میں سے ہر ایک کا نام عقل ہے لیکن اسم مشترک کے طور پر۔ کیونکہ عالمہ کو عقل صرف اس لئے کہتے ہیں۔ کہ وہ عالمہ کی خادمہ ہے اور نفس کے لئے مقصود ہے۔ قوت عالمہ نظریہ جس کا ہم ابھی ذکر کرینگے کے اقتضا کے مطابق وہ افعال معینہ جو جزئی ہیں اور فکر و رویت کے ساتھ مختص ہیں۔ ان کی طرف انسان کے بدن کو حرکت دینے کا یہ مبدا ہے۔ چاہئے کہ قوائے بدنیہ اس قوت عملیہ کے سوائے سب مقہور و مغلوب اور تابع فرمان ہوں اس طرح کہ یہ قوت ان سے اثر پذیر نہ ہو اور دوسری تمام قوتیں اس قوت کے فرمان و اشارہ کے مطابق سکون و حرکت اختیار کریں۔ کیونکہ اگر یہ قوت مغلوب ہو جائے تو قوائے بدنیہ میں خواہشات کی اطاعت و انقیاد کی ہیئتیں پیدا ہو جاتی ہیں جنہیں بد اخلاقیوں سے تعبیر کرتے ہیں، اور اگر یہ قوت دوسری قوتوں پر تسلط ہو جائے اور غلبہ پالے تو اس استیلاء و غلبہ کو اخلاق فاضلہ و حسنہ کہتے ہیں، اور اس کو دو نسبتیں حاصل ہیں۔ اس قوت کے استیلاء کی صورت کے معنی یہ ہیں، کہ دوسری تمام اس کی مطیع و منقاد ہوں۔ اور یہی مراد ہے اخلاق حمیدہ سے، غرض یہ ہے کہ نفس اس بات سے بالاتر ہے کہ حواس خمسہ اس کا ادراک کر سکیں۔ البتہ عقل اس کو معلوم کر سکتی ہے۔ یا اس کے آثار و افعال سے اس کے متعلق دلائل دے سکتی ہے۔ نفس کو دو نسبتیں حاصل ہیں۔ اوّل نسبت اس پہلو کی طرف جو اس سے نیچے ہے۔ اور دوم نسبت اس پہلو کی جانب جو اس کے اوپر ہے اور ہر پہلو کے اعتبار سے خدا نے اُسے ایک قوت دے رکھی ہے جس سے ان پہلوؤں اور نفس کے درمیان علاقہ کا نظم قائم رکھا جاتا ہے یہی قوت عملیہ ہے اور یہی وہ قوت ہے جو نیچے کے پہلو کا خیال رکھتی ہے یعنی بدن اور اس کی تدبیر و سیاست کا **قوت عالمہ نظریہ** جس کا مذکور اب ہوگا ایک ایسی قوت ہے جو اوپر کے پہلو کا اندازہ رکھتی ہے۔ تاکہ اس سے اثر پذیر ہو۔ اور استفادہ کرے۔

ان کی تحصیل کے طریق کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ یہ بعرف الہام الٰہی، تعلیم اور اکتساب کے ذریعہ ہی حاصل ہوتے ہیں یا تو سریع الحصول ہے یا بطی الحصول۔ اس علم میں علما۔ حکما اولیا اور انبیاء کی منازل متعین ہیں اور اس علم کے تفاوت کے حساب سے ان کے مناصب بھی متفاوت ہوتے ہیں۔ اس میں ترقی کرنے کے مدارج غیر محدود ہیں، اور حصر کے قابل نہیں سب سے بلند ترین درجہ مقام نبوت ہے جس پر تمام حقائق یا ان کا اکثر حصہ منکشف ہوتا ہے بغیر اکتساب اور تکلیف اٹھانے کے بلکہ کشف کے ذریعہ سے نہایت قلیل وقت میں۔ اور یہ وہ سعادت ہے کہ جب انسان اس کے وصال سے شاد کام ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ کا قرب اُسے حاصل ہو جاتا ہے، مکان اور مسافت کے طور پر نہیں بلکہ معنی اور حقیقت کے لحاظ سے ادب کا فرمان ہے۔ کہ اس مقام کے بارے میں گفتگو کی باگ تھام لی جائے کیونکہ بعض لوگ یہاں اس حالت کو پہنچ جاتے ہیں۔ کہ وہ قرب سے گذر کر ذات احدی کے ساتھ اتحاد کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں، چنانچہ بعض پکار اُٹھے سبحانی ما اعظم شانی دوسروں نے انا الحق کا نعرہ مارا بعض نے اس مقام کو حلول سے تعبیر کیا اور نصاریٰ نے لاہوت و ناسوت کے اتحاد سے، یہانتک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہنے لگے وہ خدا کا نصف ہیں واللہ خداوند جل وعلا کی ذات بلند ان بدبخت لوگوں کے قول سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔

الغرض خدا کی طرف پہنچنے کے منازل بے حد و شمار ہیں۔ سالک راہ سلوک میں جس منزل کو پالیتا ہے اس سے واقف ہو جاتا ہے اور اسی طرح گذشتہ تمام منازل کو جن کو وہ قطع کر چکا ہے پوری طرح پہچان لیتا ہے لیکن جو منزل اس کے سامنے ہے اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ الا بطور اجمال کے اور ایمان بالغیب کے۔ چنانچہ حقیقت نبوت سے سوائے نبی کے اور کوئی شخص واقف نہیں ہوتا جس طرح جنین بچے کے حال سے آشنا نہیں اور بچہ صاحب تمیز لڑکے کی کیفیت اور اُن ضروری معلومات سے جو اس پر مکمل چکے ہیں، ناواقف ہوتا ہے۔ پھر صاحب تمیز لڑکا صاحب عقل کے حال اور ان علوم نظریہ سے جو اس نے حاصل کئے ہیں بے خبر ہوتا ہے۔ اسی طرح صاحب عقل و شعور لوگ ان حالات سے نابلد محض ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ نے اپنے کمال لطف و فراوانی رحمت سے ان پر نوازش کئے ہیں بقولہ تعالےٰ وما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا۔ اللہ اپنی رحمت کے دروازے جب کھول دے تو انہیں کوئی بند نہیں کر سکتا۔ یہ

اکرام وعنایات محض جود الٰہی سے مبذول ہوتے ہیں۔ ان میں کسی کا اجارہ نہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ان کا مستحق ہونے کے لئے تزکیۂ نفس کے ذریعہ استعداد حاصل کرنا ضروری ہے، اور جس طرح ایک رنگدار صورت کا اس میں کوئی تصور نہیں اگر زنگ آلود لوہے میں اس کا عکس نہیں پڑتا۔ اس کا باعث تو لوہے کا کھردرا پن اور درشتی ہے۔ جب اس کو صیقل کر لینے سے اس کی کھردراہٹ اور درشتی زائل ہو جاتی ہے۔ اور وہ روشن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تمہیں یقین رکھنا چاہئے کہ پردہ تمہاری طرف سے ہے رحمت الٰہی کی طرف سے کوئی حجاب نہیں۔ ع

جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

اس لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لھا۔ جانب الٰہی کے غایت جود اور نوازش فرمائی کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بے حد زور دار الفاظ میں ترغیب وتشویق کے لئے فرمایا۔ ینزل اللہ کل لیلۃ الی سماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخیر فیقول ھل من داع فاستجیب لہ ھل من مستغفر فاغفر لہ ھل من سائل فاعطیہ

ہر شب کے آخر میں خدا اس آسماں پر آن کر
دیتا ہے رحمت کی صدا مجھ سے طلب کوئی کرے
دونگا میں اس کو برملا
مضطر ہو یا بیتاب ہو بیمار ہو لاچار ہو
ہے طالب رحمت کوئی؟ مانگے کہیں دونگا اسے
سنتا ہوں میں سب کی دعا

اور فرمایا من تقرب الی شبراً تقربت الیہ ذراعاً ومن اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ جو شخص ایک بالشت میری جانب آتا ہے، میں اس کی طرف ایک قدم بڑھتا ہوں۔ اور جو چل کر میری طرف آتا ہے میں اس کی سمت دوڑ کر جاتا ہوں تمہیں لازم ہے کہ تم ان امور کی جستجو کیلئے قرآن وحدیث کا مطالعہ کرو کیونکہ یہ باتیں حصر واحصا سے خارج ہیں [1]

---

[1] احادیث میں یہ بھی ہے لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ (حدیث قدسی) میرا بندہ میرا تقرب نوافل کے ذریعہ حاصل کرتا رہتا ہے یہانتک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے۔ نیز یہ بھی مذکور ہے کہ اگر شیاطین بنی آدم کے دلوں کو نہ گھیر لیتے تو وہ ملکوت السموات والارض کو دیکھ لیتے۔

www.ahnafmedia.com

فصل

قوائے نفس کا آپس میں ارتباط

یاد رکھو کہ یہ قوی مراتب کے لحاظ سے متفاوت ہیں بعض اپنی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ اور بعض دوسروں کے لئے، بعض خادم ہیں اور بعض مخدوم۔ رئیس مطلق وہ ہیں۔ جو اپنی ذات کیلئے خاص ہیں، اور دوسری ان کے لئے مقصود ہو چکی ہیں، یہ آخری رتبہ ہے، اور اس میں اولیاء اور انبیاء کے مراتب مختلف اور متفاوت ہیں کیونکہ انسان ان امور کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جو اس کی فطری خصوصیات سے وابستہ ہیں۔ جو اس کے علاوہ قوتیں ہیں، اور نفس انسانی سے مخصوص ہیں، ان میں حیوانات بھی انسان کے ساتھ شریک وسہیم ہیں انسان کا رتبہ خلقت کے اعتبار سے بہیمیت اور ملکیت کے بین بین ہے۔ اور اس میں جملہ قوتیں اور صفات موجود ہیں، بحیثیت غذا حاصل کرنے اور نسل پیدا کرنے کے وہ نباتات اور حس وحرکت کے اعتبار سے حیوان اور صورت اور قد وقامت کے لحاظ سے وہ اس تصویر کی مانند ہے جو دیوار پر منقوش ہو، یہی وہ خاصہ ہے جس کے لئے قوت عقل وادراک حقائق اشیا پیدا کئے گئے۔ تو جو شخص اپنی قوتوں کو علم وعمل کے شاہد سے ہمکنار ہونے کے لئے استعمال کریگا، وہ ملائکہ سے مشابہ ہوگا، حق یہ ہے کہ وہ ان سے جا ملیگا۔ اور عام یہ کہ وہ بلحاظ نام کے فرشتہ اور ربانی کہلائیگا۔ جیسے قرآن میں ہے ان ھذا الا ملک کریم یہ تو ایک نیک فرشتہ ہے۔ جو شخص بدنی لذات سے متمتع ہونے میں اپنی تمام ہمت صرف کر دیتا ہے۔ وہ ایسا ہی ہے جیسے چار پائے جو چارہ کھاتے ہیں۔ جب وہ بہائم کے افق پر اگرتا ہے تو وہ بیل کی مانند پٹیو۔ خنزیر کی طرح بدکار، کتے کی مثل ذلیل۔ اونٹ کی طرح کینہ ور۔ چیتے کی مانند متکبر اور لومڑی کی طرح مکار ہو جاتا ہے۔ یا راندہ درگاہ شیطان کی طرح اس میں تمام بدخصلتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ غرض یہ ہے کہ جو لوگ مذکورہ بالا قوی میں نظر وفکر کرینگے انہیں معلوم ہو جائیگا کہ مقتضیات عقل اس سے بہت بلند وارفع ہیں، اور وہ حیران ہو کر دیکھیگا کہ کس طرح وہ اپنی فطرت کے مطابق ایک دوسری کی چاکری اور خدمت کرتی ہیں اور ان

www.ahnafmedia.com

امور میں احکام الٰہی کی مخالفت کی انہیں مجال نہیں ہے۔

عقل رئیس مخدوم ہے۔ اس کا وزیر اس کی خدمت بجالاتا ہے۔ اور وہ سب چیزوں سے زیادہ اس کے قریب ہے۔ اُسے عقل عملیہ کہتے ہیں جس کا نام ہم نے مراسم عقل کے مطابق قوت عاملہ رکھا ہے کیونکہ عقل عملی تدبیر بدن کے لئے ہے۔ بدن آلۂ نفس ہے اور اس کا گھوڑا جس پر سوار ہو کر نفس حواس کے واسطے سے ان ابتدائی علوم کو جن سے حقائق اشیا استنباط کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں فکار کرتا ہے۔ پھر عقل عملیہ کو ہے جس کی چاکری وہم بجالاتا ہے وہم کی خادم دو قوتیں ہیں۔ ایک قوت اس کے بعد ہے اور ایک قوت اس کے قبل ہے۔ بعد والی قوت وہم کے ادراکات کی محافظ ہے۔

..... اور قبل والی قوت سے وہ تمام حیوانی قوتیں مراد ہیں جن کا ذکر ہم ابھی کرینگے۔ ان تمام میں سے ایک قوت متخیلہ یعنی مفکرہ ہے اس کے دو مختلف الماخذ خادم ہیں۔ قوت رغبیہ شوقیہ اس کے لئے برانگیختہ کرنے کی خدمت بجالاتی ہے۔ اس کے برانگیختہ کرنے کا فعل تخیل اور فکر کے ذریعہ ہوتا ہے اور وہ قوت حافظۂ صور جو حس مشترک میں ہوتی ہے۔ اس کے اندر موجود صورتوں کی ترکیب تفصیل کو قبول کرنے کی خدمت ادا کرتی ہے۔ یہ دونو قوتیں دو طائفوں کی رئیس ہیں۔ اذل صورتوں کو محفوظ رکھنے والی۔ اس کی امداد کے لئے مشترک مامور ہے۔ جو صورتوں کو اٹھا کر اس کے سامنے پیش کرتی ہے۔ تاکہ وہ انہیں اپنے میں جگہ دے لے۔ دوسری قوت نزوعیہ اس کی خدمت کے لئے شہوت اور غضب مامور ہیں۔ پھر شہوت و غضب کی خادم وہ قوت ہے جو عضلات کو محرک کرنے والی ہے۔ یہاں پر قوائے حیوانیہ ختم ہو جاتے ہیں۔ قوائے حیوانیہ کی صرف نباتی قوتیں ہیں۔ نباتی قوتیں تین ہیں۔ مولدہ مربیہ اور غاذیہ۔ ان کی افسر مولدہ ہے۔ اس کی لونڈی مربیہ اور مربیہ کی لونڈی غاذیہ ہے۔ پھر ان تین قوتوں کی خدمت پر چار کنیزیں مامور ہیں۔ یعنی جاذبہ۔ ماسکہ ہاضمہ اور دافعہ۔ جاذبہ کے بغیر نباتات کی زندگی محال ہے۔ کیونکہ وہ غذا کو کھینچ کر اندر پہنچاتی ہے۔ پھر ماسکہ ہے۔ ہاضمہ اس غذا کو ہضم کرتی ہے۔ جو ماسکہ لے چکی ہے۔ دافعہ ان کے بعد آتی ہے۔ اور اس کا کام یہ ہے کہ فضلات کو دور کرے۔ دافعہ ایک ایسی خادمہ ہے۔ جو سب کی نوکر ہے لیکن اس کی نوکر کوئی نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے

جیسے میونسپل کمیٹیوں میں بھنگی ہوتے ہیں۔ ان کے بعد حرارت۔ برودت۔ رطوبت اور یبوست آتی ہیں۔ جو ہاضمہ، جاذبہ، ماسکہ اور دافعہ کو امداد دیتی ہیں۔ اور یہ جنبوں میں قوتوں کے زیرین ترین مدارج ہیں۔ تو لئے مذکورہ بالا کی آسان اور سہل الفہم مثال یوں ہے۔ کہ قوت مفکرہ کا مسکن وسط دماغ میں ہے جس طرح بادشاہ وسط مملکت میں قیام فرماتا ہے۔ قوت خیالیہ کا مقام مقدم دماغ ہے۔ جیسے صاحب بریدہ کہ اُس کے پاس تمام خبریں جمع ہوتی ہیں۔ قوت حافظہ کا مسکن موخر دماغ ہے اس کی مثال اُس کے خادم کی سی ہے۔ قوت ناطقہ اس کا ترجمان ہے۔ قوت عاملہ اس کا کاتب ہے۔ جو اس خمسہ اس کی خفیہ پولیس ہیں۔ لہجہ نامہ نگاروں کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ افسروں کو وقتاً فوقتاً اُن کے علاقے کی خبروں سے آگاہ کرتے رہیں، ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے علاقہ کی خبریں مہیا کرتا ہے۔ بصارت عالم الوان کی موکل ہے۔ کان آواز کا، اور اسی طرح تمام حواس اپنے اپنے دائرہ عمل کے موکل ہیں۔ یہ لوگ ان تمام خبروں کو صاحب بریدہ کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں۔ صاحب بریدہ ان خبروں میں سے غیر ضروری کو چھانٹ کے الگ کر دیتا ہے اور باقی ماندہ کو صاف و مصفا کر کے ملک معظم کے حضور میں پیش کرتا ہے، بادشاہ سلامت اُن کو پرکھتا ہے، ان کا نفع نقصان معلوم کرتا ہے اور انہیں اپنے خادم کے سپرد کر دیتا ہے۔ تاکہ جب ضرورت واقع ہو تو وہ انہیں نکال کر پیش کرے۔ پھر جس طرح وہ اعمال جن پر بادشاہ بذات خود اور براہ راست حکم کرتا ہے ان اعمال سے افضل ہوتے ہیں۔ جو دوسرے لوگوں کے استعمال میں آئیں۔ اسی طرح نفس کی تولیت میں آئے ہوئے اعمال مشاورت۔ باعتبار قیاس فراست اور نامعلوم باتوں کا استنباط ان خصائل سے اشرف ہیں مثلاً اصابت رائے، عزت پذیری قیاس فراست اور استنباط، ان چیزوں سے افضل ہیں۔ جو نفس کے خدام استعمال کرتے ہیں کیونکہ نفس ہی حقیقت میں قوت مفکرہ کے واسطہ سے بادشاہ ہے۔ یہ مثال اس روایت کے قریب قریب ہے۔ جو کعب احبار سے مروی ہے بیان کیا کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ارشاد کیا انسان کی دونوں آنکھیں اوڑھنا بچھونا ہیں، دونوں کان سواری ہیں، اس کی زبان اس کا ترجمان ہے، دونوں ہاتھ فوج ہیں، اس کے دونوں پاؤں ایلچی ہیں۔ اور دل بادشاہ ہے جب دل اچھا

تو تمام لشکر اچھا ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا میں نے اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ یہ نفس کے احوال کا مجمل بیان ہے جسے ہم نے مختصر کر کے تمہارے سامنے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ نفس کے عجائبات میں سے یہ چند باتیں ہیں اگر تم تشریح اعضاء پر نظر کرو اور عروق، اعصاب نسوں، ہڈیوں، شریانوں اور رگوں کا غور سے مطالعہ کرو، پھر ان اعضا کو دیکھو جو بطور آلہ کے نفس انسانی کے لئے طعام کو اول ہضم پھر اسے دور کرنے کی خاطر تیار کئے گئے ہیں، ان آلات پر غور کرو جو نسل انسانی کے بقا کے لئے بنائے گئے ہیں۔ تم ان عجائبات پر مطلع ہو جاؤ گے۔ جو ان کے خود بخود ایک دوسرے کی خدمت کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں، تشریح اجسام سے فارغ ہو کر جب ان اجسام کے قویٰ کی تفصیل پر نظر کرو گے اور علوم طبیعی کے حقائق کی معرفت کا استقصا کرو گے۔ تو تمہارے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہیگی پھر کس قدر افسوس ہے اس شخص پر جو خدا کا انکار کرتا ہے اور اس کے اس فرمان سے روگردانی کرتا ہے کہ وفی ارض ایات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور تمہارے نفسوں میں۔ کیا تم نہیں دیکھتے؟ ان بلکہ ہر ایک چیز اس امر پر شاہد عادل ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ واحد ہے۔ جو شخص خدا پر اجمالاً ایمان نہیں لاتا۔ یہ عقلمندوں کے گروہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا[1] اور وہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کلمات سے اسے خطاب کیا جائے بلکہ ہمارا روئے سخن تو اس شخص کی طرف ہے۔ جو اجمالی رنگ میں خدا کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر ہم اسے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں بحث و نظر سے کام لینے کی دعوت دیتے ہیں۔ تاکہ اس طریقے سے اس کا ایمان اور یقین ترقی پائے اور خدا کی عظمت و جلال اس کی نظروں میں زیادہ ہو۔ پس جس شے کا ادراک حواس خمسہ نہیں کر سکتے اسے اس کے نشانات کے ذریعہ عقل دریافت کر لیتی ہے۔ چنانچہ اس کی معرفت کے استقصا کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے نشانات میں نظر کو وسیع کیا جائے۔ بلکہ ہم ایک ایسی مثال پیش کرینگے۔ جو تمام لوگوں کے افہام کے قریب ہو۔ طبقۂ علماء میں جس قدر فقیہ ہو گذرے ہیں۔ سب ان مذکورہ بالا امور میں اعتقاد رکھتے

---

[1] یہ قول اسی قول کے مطابق ہے۔ جو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جو شخص خدا کے بارے میں ان پڑھ ہونے کا عذر کرتا ہے وہ قابل قبول نہیں۔ کیونکہ خدا کی قدرتیں تو آنکھوں کے سامنے ہیں۔

تھے مثلاً۔ امام ابو حنیفہ، اور امام شافعی وغیرہ۔ جو اس قدر بلند پایہ بزرگ تھے کہ ہمارا سر اُن کی تعظیم کے لئے بے اختیار جھکا پڑتا ہے۔

اور اس امر میں تمام خلقت مشترک ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو کسی مصنف کی کسی تحریر کا بنظر غائر مطالعہ کرے۔ پھر اس میں مصنف کی صنعت کے عجائبات اور اس کی دانائی کی ندرت طرازیوں سے روشناس ہو! اور پھر بھی اس کا خیال اور عقیدت صاحب مصنف سے وہی رہے۔ جو اس کتاب کے مطالعہ سے پیشتر تھی۔ بلکہ جوں جوں وہ قابل مصنف کے کلام، اشعار یا طرز بیان و اسلوب نگارش کے اوصاف و کمالات سے مطلع ہوتا جائیگا۔ توں توں اس کے دل میں اس کی عقیدت تعظیم اور توقیر زیادہ ہوتی جائیگی، پس جو شخص اس بات کو پہچانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ صانع عالم ہے اس شخص کی مانند ہے جسے معلوم ہے کہ زید اور دوسرے شخص میں فرق یہ ہے کہ زید صاحب دیوان اور مصنف کتاب ہے۔ اب یہ عقیدہ اس شخص کے عقیدہ کو کہاں پہنچ سکتا ہے جو اس کے شعروں کو پڑھتا ہے اور ان میں شاعری کے عجائبات پاتا ہے۔ وہ اس کی تصنیف کا مطالعہ کرتا ہے اور صاحب علم و فضل ہونے کے باعث کتاب کی خوبیاں اس پر روشن ہو جاتی ہیں۔ تو اس شخص کے دل میں تحقیق اور بصیرت کے ذریعہ زید کی عظمت قدر اور بلندی رتبہ کے متعلق نہایت مضبوط اور راسخ اعتقاد پیدا ہو جائیگا۔ بخلاف اس کے دوسرے شخص کا اعتقاد ان امور کے متعلق نہایت مجمل ضعیف اور بے بصیرت و تحقیق ہوگا۔ اور یہی فرق ہے عوام اور اصحاب بصیرت کے درمیان۔ کائنات عالم اس لحاظ سے کہ اس میں اللہ کی صنعت کے عجائبات ہیں، خدا کی تصنیف، ہے یہ صحیفۂ الٰہی ہے یہ اس کی تالیف ہے اس میں اس کی ابداع و اختراع کی کارفرمائیاں بھرپور ہیں نفس انسانی کائنات کا ایک جزو ہے اور اپنے کل کی طرح عجائب و غرائب سے مشحون اور مملو ہے چنانچہ انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ ان کے اندر غور و فکر کرتا رہے اس سے اس کو یہ فائدہ ہوگا کہ اس کا اعتقاد زیادہ اور ایمان پختہ ہو جائیگا۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے "انفس" "آفاق" اور "ملکوت السموات والارض" میں نظر و فکر کرنے کی مجید ترغیب دی ہے[1]۔

---

[1] اس کے بارے میں ہے کہ حیف ۔ آیت ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار لآیات لاولی الالباب تا ذل ہوئی تو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ویل لمن لاکہا بین لحییہ ولم یتفکر فیہا اس شخص پر افسوس ہے جس نے کائنات کو اپنی ٹھوڑی کے قریب پایا پھر اس میں تفکر نہ کیا۔

فصل

عمل کی علم سے نسبت۔ ان کا ثمرہ سعادت ہے۔ اہل تصوف اس پر متفق ہیں اور دوسرے اہل نظر مؤید ہیں

عمل کی تاثیر یہ ہے کہ وہ نامناسب باتوں کو دور کر دیتا ہے اور علم میں کوشش کرنا مبغی امور کے حصول کی سعی ہے۔ اور نامناسب امور کا ازالہ شرط ہے۔ مابغی امور کے لئے جگہ خالی کرنے کے لئے، مشروط ہی بذات خود مقصود ہے۔ اور یہ شرط سے اشرف ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے اولاد حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی بیوی ایک ایسے مرض میں مبتلا ہے جو استقرار حمل کو مانع ہے۔ اب اس شخص کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے دو کام کرنا ہونگے۔ اول اس مرض کو دور کرنا جو نطفے کو رحم میں قرار پکڑنے سے روکتا ہے۔ اور دوم مرض کے ازالہ کے بعد نطفہ کو رحم میں ڈالنا۔ اس لحاظ سے امر اول شرط ہے امر دوم کے لئے، اور امر دوم ہی غایت مطلوب ہے +

فرض کرو کہ ایک مکان بادشاہ کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس کی شان و شوکت اور زیب و زینت بھی بادشاہ کے نزول اجلال کے حسب شان تھی، پھر اس میں خنزیروں اور بندروں نے جبراً جگہ بنائی۔ اب اس کی دوبارہ خوبصورتی اور تکمیل دو باتوں پر منحصر ہے۔ اول ان جانوروں کو نکالنا۔ جو خواہ مخواہ اس پر قابض ہو گئے ہیں اور دوم مستحق کو اس میں تشریف فرما کرنا۔ یا فرض کرو کہ ایک زنگ آلود آئینہ ہے جس کی صفائی اور جلا کو زنگ نے چھپا دیا ہے۔ اور ہماری صورتیں اس میں منعکس نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے آئینے کا کمال یہ ہے کہ قبول صورت کے لئے مستعد ہو جائے اور جیسی شکل اس کے مقابل کی جائے ویسا ہی عکس دیدے۔ اس کے حصول کے لئے دو باتیں ہیں۔ پہلی بات جلا اور صیقل ہے یعنی اس میل کو دور کیا جائے۔ جو اس پر نہ ہونی چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آئینے کو ہم اس کے چہرے کے سامنے لائیں جس کا عکس اس میں لینا مقصود ہے۔ اسی طرح نفس انسانی اس بات کے لئے مستعد ہے کہ جب حق کی طرف ہر شے میں اُسے محاذی کیا جائے۔ تو وہ آئینہ کی مانند ہو جائے اور ان کا عکس لینے اور ایک لحاظ سے وہی ہو جائے۔ اگرچہ دوسرے لحاظ سے وہ اس کا غیر ہو

جیسے صورت اور آئینے کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں نفس انسانی کا اس درجہ کو پہنچ جانا اس کا کمال ہے۔ یہی وہ خاصہ ہے جو نچلے درجہ کے حیوانات سے جدا ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ استعداد قوت اور فعل تمام لحاظات سے انسان کے سوا تمام جانداروں سے سلب کر لی گئی ہے۔ جس طرح لکڑی اور مٹی سے صورتوں کا عکس لینے کی قابلیت مسلوب ہو چکی ہے اور ان کا آئینہ نہیں بن سکتا۔ فرشتوں میں یہ استعداد ہمیشہ کے لئے ابدی طور پر پائی جاتی ہے۔ ان سے کبھی جدا نہیں ہوتی جس طرح صاف پانی میں یہ ہمیشہ موجود رہتی ہے چنانچہ صاف پانی میں خصوصاً صورتوں کا عکس پڑ جاتا ہے۔ انسان میں یہ استعداد بالقوت ہے باعتبار فعل نہیں۔ چنانچہ اگر وہ مجاہدۂ نفس سے کام لے تو فائق ملائکہ سے ملحق ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر انسان خواہشات کی پیروی میں ایسے اعمال پر ہمیشگی اختیار کرے جن سے روح پر زنگ کے تودے جمع ہو جاتے ہیں۔ تو انجام کار اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ تاریکی پر تاریکی چھا جاتی ہے اور کلی طور پر اس کی استعداد باطل اور برباد ہو جاتی ہے۔ اس کا نام بہائم کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے اور اپنی سعادت و کمال سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم و یاس نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ حالت لاعلاج ہے۔

عمل کے معنی ہیں شہوات کو توڑنا اور رد اس طرح کہ نفس کو ان کی جانب جھکنے سے پھیر کر خدا کی بارگاہ معنی کی جانب اس کا منہ کر دیا جائے۔ تاکہ نفس سے تمام وہ ہیئات خبیثہ اور خلائق رویہ دور کر دئے جائیں جنہوں نے اسے جانب سافلہ سے جکڑ رکھا ہے۔ یہانتک کہ جب یہ رشتے باطل ہو جائیں یا کمزور پڑ جائیں، تو نفس حقائق الہیہ کے نظارے میں مشغول ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اسی طرح امور شریفہ کی بارش ہونے لگتی ہے جس طرح اولیاء انبیاء اور صدیقین پر ہوا کرتی ہے۔

یہ ایک شکار ہے جس قدر اس میں زیادہ کوشش کی جائیگی۔ اسی قدر نتائج عمدہ برآمد ہونگے چنانچہ شکار کے ساز و سامان زیادہ کرنے سے شکار بھی زیادہ ملتا ہے۔ یہی حال تجارت اور سودے کا ہے۔ اور یہی کیفیت فقہ نفس کے غزالی کو دوم میں لانے کی ہے۔ ذکاوت فطری کی زیادتی سے تھوڑا اجتہاد بھی مجتہدین کی حد سے گذر جاتا ہے یہی حال ان علائق سے نفس کو پاک کر لینے کا ہے کہ فطرت اول کے اعتبار سے طہارت نفس بھی بہت مختلف ہوتی ہے۔ پھر کوشش کا اختلاف بھی ہے اور یہاں سے استعداد

تفاوت پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کا حصر ناممکن ہے۔ یہی حال سعادت آخرت کا ہے +

پس اللہ عزوجل کی اس رحمت کا فیضان غایت مطلوب ہے! اور یہی عین سعادت ہے۔ جو نفس کو موت کے بعد حاصل ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ نفس کے علائق کا ازالہ کر دیا جائے! اور صفات رویہ کو محو کر دیا جائے۔ جو اتباع شہوات کے باعث نفس کو چمٹ گئے ہیں +

چنانچہ عمل کے معنی یہی ہیں کہ ناجائز امور کا مجاہدہ نفس کے ذریعہ ازالہ کیا جائے جب اس کو اتباع شہوات سے نسبت دی جائے تو ان کی فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے اور جب مایبغی امور کی تحصیل کیطرف اس کو نسبت دی جائے۔ تو ان کا رتبہ اس سے شرط و مشروط کا سا ہوتا ہے! اور خادم و مخدوم کا! اس کو اپنے غیر سے جو نسبت ہے وہی نسبت اس کو اپنی ذات سے ہے۔ اس کے باب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی۔ جب ارشاد کیا الایمان بضع وسبعون بابا ادناھا اماطۃ الاذی من الطریق ایمان کی ستر سے کچھ اوپر قسمیں ہیں، ان میں سب سے چھوٹی رستہ سے اذیت دور کرنا ہے، اور عبادات کے ذریعہ مجاہدہ کرنے کی زیادہ تر غرض یہی راہ سے موانعات دور کرنا ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ اس حدیث سے مراد اینٹ پتھر اور ہڈی کو رستہ سے ہٹا دینا ہے! اور اکثر لوگوں کے فہم کے قریب یہی بات ہے۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں، کہ الفاظ کے معانی سمجھنے میں لوگوں کے افہام مراتب کے حساب سے متفاوت ہیں، اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا ثم ادّاھا کما سمعھا فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ اللہ کی رحمت ہے اس شخص پر جو میرا قول سنے اور اسے ضبط کرے پھر اسے جس طرح سنا تھا ادا کر دے کیونکہ بسا اوقات حامل فقہ غیر فقیہ ہوتا ہے اور بسا اوقات دانائی کا حامل ایسے شخص کی طرف فقہ کی بات لے جاتا ہے۔ جو اس سے زیادہ سمجھ دار ہے +

پس اگر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں بے سمجھ آدمی سے سمجھ دار آدمی کے لئے زیادہ معانی نہ ہوتے تو اس نصیحت پر زور کیوں دیتے۔ پھر کاش مجھے کوئی شخص بتاتا جب کثرت کو میں دیکھوں۔ تو کیا حق فقیہ کی جانب پایا جائیگا۔ یا فقہ کیطرف

یا ان سب کے غیر کی طرف، اس میں شک نہیں کہ یہ بات شاذ و نادر ہے! اور غالب اس کے خلاف ہے۔ جو بات فہم جمہور کے سامنے ہو وہ ممکن ہے حق سے دُور ہو۔ اور فقیہ اور فقہ اشخاص کی سمجھ میں جو بات آئے وہی درست ہو، خصوصاً ایسا لفظ جس کی تصریح بالتخصیص نہ کی گئی ہو۔ چنانچہ لفظ "اذیت" عام ہے اور لفظ "طریق" بھی عام ہے۔ اگر شارع علیہ السلام کو ظاہر معانی مقصود ہوتے تو شیشہ اور ڈھیلے کے لفظ کا ذکر کرتے۔ اور اس کی مثالیں بیان کر کے تنبیہ کر دیتے۔ یہ ظاہر بھی عموم کے نیچے مندرج ہے، اس سے مقصود بھی اصلاح نفس۔ تہذیب اخلاق اور نفس سے غفلت کی خرابی، قساوت اور قلت شفقت دُور کرنا ہے۔ ہم اس کے طریق کا بیان جلد ہی سوئے اخلاق و حسن اخلاق کے باب میں کرینگے +

اب تم جان گئے ہوگے کہ سعادت و کمال نفس یہ ہے کہ امور الٰہیہ کے حقائق کے نقش اس پر ثبت ہو جائیں۔ اور وہ ان سے اتحاد پیدا کر لے۔ یہانتک کہ اس کی اپنی ہستی فنا ہو جائے اور تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری کا مضمون پیدا ہو جائے! اور یہ مرتبہ صرف ان ہیئات رذیہ سے جو شہوت و غضب کی مقتضی ہیں۔ نفس کو پاک کر لینے کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بات مجاہدہ و عمل ہی کر سکتے ہیں۔ عمل طہارت کے لئے ہے اور طہارت شرط ہے اس کمال کی۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین کی بنیاد نظافت پر قائم ہے +

فصل

صوفیا کے نزدیک علم حاصل کرنیکا طریق دوسرے لوگوں سے جدا ہے

یاد رہے کہ عمل کا پہلو تو متفق علیہ ہے! اور یہ صفات رذیہ کو محو کرنے اور اخلاق سیہ سے نفس کو پاک کرنے کے لئے مقصود ہے۔ لیکن علم کی جانب مختلف فیہ ہے۔ صوفیا کے طریقے علماء اہل علم میں سے اصحاب نظر کے طریقوں سے متباین ہیں کیونکہ اہل تصوف تحصیل علوم اور ان کی مہارت پر زور نہیں دیتے! ورنہ یہی حقائق امور سے

www.ahnafmedia.com

متعلق مصنفین کی تصانیف کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں۔ بلکہ ان کا خیال ہے کہ بہترین طریقہ یہی ہے کہ صفات مذمومہ محو اور تمام علائق کو قطع کرنے اور تمام ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونے کے ذریعہ جد وجہد سے ابتدا کی جائے! اور جس شخص کو یہ بات حاصل ہو جائے تو اس پر خدا کی رحمت کی بارش کا سیلاب امنڈ آتا ہے۔ ملکوت کے اسرار امن پر منکشف اور حقائق کے خزانے اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس مقام میں مجرد تصفیۂ باطن، خلوص نیت مع ارادۂ صادق و تشنگیٔ تام۔ اور فتوحات الٰہی کا انتظار کامل لازم ہے۔ کیونکہ اولیا اور انبیا پر جو امور کا انکشاف ہوا اور ان کے نفوس جو سعادت سے ہم کنار ہو کر کمال ممکن کو پہنچے تو اس کا باعث تعلیم نہ تھی۔ بلکہ دنیا سے بے رغبتی اور اس کے تعلقات سے روگردانی و بیزاری اور کامل ہمت و سرگرمی سے اللہ کی طرف رجوع کرنا ہی اس کا موجب تھا۔ کیونکہ من کان للہ کان اللہ لہٗ جو سائیں اُس کا ہو رہے سائیں اُس کا ہوا

چنانچہ ایک زمانہ میں جب مجھے اس شاہراہ پر گامزن ہونے کا شوق صادق پیدا ہوا۔ تو میں نے صوفیائے کرام میں سے ایک پیر کامل سے تلاوت قرآن کی مواظبت اور ہمیشگی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے مجھے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ اس منزل کی طرف چلنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا سے کامل اور کلی طور پر علائق اور روابط منقطع کر لو۔ اس طرح کہ تمہارا دل نہ اہل و عیال کی جانب مائل ہو نہ مال و اولاد پر راغب ہو۔ نہ وطن کی محبت باقی رہے۔ نہ علم و حکومت کا شوق ہو۔ بلکہ تم بے نیازی کی دولت سے اس قدر مالا مال ہو جاؤ کہ ان سب کا عدم و وجود تمہارے لئے برابر ہو جائے۔ پھر تم دنیا سے علیحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ تم صرف فریضۂ عبادت ادا کرو۔ اور مراتب سلوک طے کرو۔ اور کامل فراغت دلی حاصل کر کے ہمہ تن اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تم زبانی طور پر ذکر الٰہی میں مواظبت کرو۔ ہر وقت "اللہ اللہ" کا وظیفہ سوچ سمجھ کر اور حضور قلب کے ساتھ ورد زبان رہے۔ یہاں تک کہ تمہاری حالت ایسی ہو جائے کہ اگر تم زبان بھی نہ ہلاؤ تو بھی یہ کلمہ کثرت تکرار کے باعث تمہاری زبان پر بے اختیار جاری رہے۔ پھر تم اس حالت پر بدستور قائم رہو۔ یہانتک کہ زبان کا اثر محو ہو کر دل اور روح تک جا پہنچے اور یہ دونوں حرکت زبان کے بغیر اس ذکر میں مشغول و منہمک رہیں۔ پھر اس حالت کی اس قدر مشق بہم پہنچاؤ کہ دل میں صرف لفظ کے معانی ہی رہ جائیں۔ اور تمہارے دل

میں الفاظ کے حروف اور ان کی شکل وصورت کا نشان بھی نہ رہے۔ بلکہ تمہارے دل میں اُن کے صرف معنی ہی علی الدوام ولزوم باقی رہ جائیں۔ یہ مقام تمہارے اختیار کی آخری حد ہے۔ اس کے بعد صرف پے در پے آنے والے وساوس کو روکنے اور دُور کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہنے کا اختیار باقی رہ جاتا ہے +

اس مقام سے گذرنے کے بعد تم پھر بے اختیار ہو جاتے ہو۔ اور صرف اس قسم کے مکاشفات کے ظہور کا انتظار باقی رہ جائیگا۔ جو اولیا پر ظاہر ہوا کرتے ہیں بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو انبیاء پر ظاہر ہوتے ہیں، ان کی برق خاطف کی سی مثال ہے۔ جو قائم نہیں رہتے پھر لوٹتے ہیں۔ دیر سے آتے ہیں۔ اگر لوٹ کر دوبارہ آئیں، تو قائم بھی رہتے ہیں۔ بلاشبہ ہوش وحواس کھو دیا کرتے ہیں، اگر قائم وثابت رہیں تو دیر تک رہتے ہیں، لیکن طول نہیں پکڑتے۔ ان کی کیفیت صرف ان سے واسطہ اور سابقہ پڑنے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ ان کی کوئی ایک قسم اور شاخ نہیں اولیاء اللہ کی پیدائش اور اخلاق کے تفاوت کے باعث اس مقام میں ان کی بے حد وحساب منازل ہیں۔ یہی صوفیا کا اسلوب کار ہے۔ انہوں نے اس معاملے کو تمہاری طرف سے تطہیر محض تصفیہ۔ اور جلد کیطرف پھیر دیا ہے پھر فقط استعداد و انتظار کیطرف ارباب نظر وفکر نے بھی اس رستہ کے وجود کا اور اس کے تقصد پر پہنچانے کا انکار نہیں کیا، اور یہ انبیاء واولیا کے احوال کا بزرگترین حصہ ہے لیکن انہوں نے اس رستہ کو بہت مشکل اور دشوار قرار دیا ہے اور ان کا خیال ہے۔ کہ اس ذریعہ سے منزل مقصود پر پہنچنا بہت ہی مستبعد ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اجتہاد کے ساتھ اس حد تک محو علائق ممتنع کا حکم رکھتا ہے۔ اور اگر کسی حالت میں یہ بات حاصل بھی ہو جاتے تو اس کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ بعید ہے اور اس سے وسوسہ اور خطرہ تشویشناک ہوتا ہے اس مجاہدہ کے دوران میں ہی مزاج خراب، عقل مختل اور جسمانی صحت خراب ہو جاتی ہے اور مالیخولیا تک نوبت پہنچ جاتی ہے پس جب نفس نے علوم حقیقیہ برہانیہ کے ذریعہ ریاضت نہ کی تو بعض ایسے خیالات پیدا ہوتے، جن کو نفس نے خیال کیا کہ یہ حقیقتیں ہیں جو اس پر نازل ہو رہی ہیں۔ کتنے ہی صوفی دس دس سال خلاصی پانے تک ایک ہی خیال میں گھرے رہتے ہیں لیکن اگر وہ پہلے علوم کے ذریعہ یقین حاصل کر لیتے۔ تو بدیہی طور پر رہائی پا جاتے۔ اس لئے معیار علم کی معرفت اور علوم منصلہ کے دلائل حاصل کرنے

کے ساتھ تحصیل علوم میں مشغول ہونا ہی اول ہے کیونکہ یہ امر منزل مقصود تک دلیل راہ بنکر وثوق کے ساتھ پہنچا دیتا ہے جس طرح فقہ نفس کی تحصیل کے لئے اجتہاد پختہ کار بناتا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بغیر اجتہاد کے فقیہ نفس تھے لیکن اگر کوئی مرید چاہے کہ ان کے رتبہ کو مجرد ریاضت کے ذریعہ سے حاصل کرلے تو اس کی توقع کا پورا ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے واجب ہے کہ بحث و نظر کے طور پر نفس کے متعلق علوم حقیقی کو جہاں تک ہو سکے حاصل کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اول ان باتوں کی تحصیل کرے جو پہلے ہو کر حاصل کر چکے ہیں۔ اس کے بعد کوئی حرج نہیں کہ ان امور الٰہیہ کے انکشاف کا انتظار کرے۔ جو غور کرنے والے علما پر منکشف نہیں ہوتے کیونکہ منکشف امور سے غیر منکشف کی تعداد زیادہ ہے۔ دونوں گروہوں میں یہ اختلاف دو تا بن ہے۔ یہاں ایک مثال موجود ہے جو امید ہے ان کمزور سمجھ والوں کو جو حقائق عقلیہ کے ادراک کے لئے محسوسات کی مثالوں کے محتاج ہیں بات سمجھانے میں مفید ثابت ہوگی۔ اور مذکورہ بالا دونوں فریقوں کے درمیان فرق بتانے کا باعث بنیگی۔ کہتے ہیں کہ اہل چین و اہل روم نے ایک بادشاہ کے حضور میں اپنا کمال صناعت و نقش دکھانے کا ارادہ ظاہر کیا، بادشاہ کی رائے اس امر پر ٹھیری کہ دونوں کو ایک کمرہ دیدیا جائے جس کی ایک جانب کو اہل چین نقش و نگار سے آراستہ کریں اور دوسری جانب کو اہل روم، لیکن دونوں کے مابین ایک پردہ لٹکا دیا جائے تاکہ ایک دوسرے کی کاریگری سے مطلع نہ ہونے پائیں۔ اور جب فارغ ہوں تو پردہ اٹھا دیا جائے اور دونوں کی کاریگری اور کمال کی پرکھ کرلی جائے۔ چنانچہ اس کے مطابق عمل کیا گیا۔ رومی نقاشوں نے رنگا رنگ کے بیل بوٹے اور قسما قسم کے نقش و نگار سے اپنی جانب کو آراستہ کرنا شروع کیا۔ پردے کے دوسری طرف چینی باکمالوں نے کسی قسم کا رنگ استعمال نہ کیا۔ بلکہ اپنی جانب کو صیقل اور جلا کرنے لگے۔ لوگ دیکھ دیکھ کر متعجب ہوتے تھے کہ یہ کیسے بیوقوف ہیں کہ رنگ استعمال نہیں کرتے، جب رومی اپنا کام ختم کر چکے تو چینیوں نے کہا ہم بھی فارغ ہیں، ان سے پوچھا گیا کیسے؟ حالانکہ نہ تمہارے پاس رنگ و روغن تھا، نہ تم نے نقش و نگار بنائے ہیں۔ وہ بولے تمہیں اس سے کیا غرض ہے۔ تم پردہ اٹھاؤ اور اپنے دعویٰ کی تصدیق ہمارا فرض ہے۔ لوگوں نے پردہ اٹھایا اور حیران ہو کر دیکھا کہ چینیوں کی جانب بھی رومیوں کے سے نقش و نگار سے جگمگ جگمگ کر رہی ہے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی جانب صفائی اور جلا کی کثرت سے آئینہ کی مانند ہو رہی

تھی اور اس میں تمام وہ بیل بوٹے جو دوسری جانب تھے منعکس ہو کر اس کی رونق کو دوبالا کر رہے تھے۔ لہذا تم یوں سمجھو کہ نفس ایک آئینہ ہے جس میں علوم الٰہی کے نقوش منعکس ہوتے ہیں۔ اس مقام کے حصول کے دو طریقے تمہارے سامنے ہیں۔ (اوّل) اہل روم کی طرح بذاتہٖ نقش و نگار حاصل کرنا (دوم) خارجی نقش و نگار کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کرنا اور خارجی نگارستان لوح محفوظ اور نفوس ملائکہ ہیں کیونکہ وہ علوم حقیقیہ کے نقوش سے بالفعل اور دوامی طور پر آراستہ پیراستہ ہیں جس طرح تمہارا دماغ اگر تم حافظ قرآن ہو تو قرآن کے الفاظ اس میں تمام کے تمام نقش ہوتے ہیں۔ اور یہی حال تمہارے دوسرے جملہ علوم کا ہے' ان کے نقوش نہ محسوس ہو سکتے ہیں اور نہ دیکھے جا سکتے ہیں۔ بلکہ عقلی طور پر ان کے نشانات دماغ میں ثبت ہوتے ہیں۔ جو شخص ان کا انکار کرتا ہے اس کی عقل میں فتور ہے کہ وہ محسوسات سے اوپر کسی اور چیز کا ادراک ہی نہیں کر سکتا +

فصل

ان دو طریقوں میں سے اولیٰ کونسا ہے

اگر تم کہو کہ یہ دونوں طریقے تو ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں جن کا تم نے بیان کیا ہے۔ اب ان میں تمہارے نزدیک اولیٰ کونسا ہے۔ تو یاد رکھو کہ اس قسم کے امور میں فیصلہ کی نوعیت کا انحصار اس اجتہاد کے مطابق ہوتا ہے جس کا تقاضا مجتہد کا حال اور مقام کرتا ہے جس میں وہ ہو۔ اور حق بات جو مجھ پر روشن ہوئی ہے۔ اور پورا علم تو اس بارے میں اللہ ہی کو ہے۔ یہ ہے کہ اس معاملے میں مطلق نفی یا اثبات کا حکم صادر کر دینا غلطی ہے۔ بلکہ اضافی طور پر اشخاص و حالات کے مطابق فیصلے میں اختلاف ہوگا۔ جو شخص سالک بننے کی رغبت رکھتا ہے۔ اس کا معاملہ بہت اہم ہوتا ہے۔ اس کے لئے سب سے بہتر یہی ہے کہ صوفیا کے طریقہ پر قناعت کرے' یعنی قطع علائق اور عبادت پر مواظبت اختیار کرے کیونکہ علوم کسبیہ کی جستجو کرنا تاکہ نفس میں ایک قائم و ثابت ملکہ پیدا ہو جائے۔ بہت مشکل ہے اور یہ صرف عنفوان عمر میں آسان ہوتا ہے۔ صغیر سنی میں علم سیکھنا پتھر کی لکیر کا حکم رکھتا ہے۔ بڑھاپے

میں ریاضت ایک مصیبت سے کم نہیں کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ جو شخص پیرانہ سالی میں علم حاصل کرنا چاہے وہ کیا کرے جواب دیا کل کے نہلا و شاید اس کی رنگت سفید ہو جائے اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر لوگوں کے لئے اولیٰ یہی ہے کہ عمل میں مشغول ہوں۔ اور علم صرف اسی قدر حاصل کریں جس قدر عمل کی پہچان کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ عنفوان شباب میں ان امور کی جانب متوجہ نہیں ہوئے۔ اگر کوئی شخص اس امر میں تنبہ و اعتبار حاصل کرے تو یہ اس کی فطری سعادتمندی اور زکاوت کی دلیل ہے۔

پھر اگر اسے معلوم ہو کہ دقیق حقائق عقلیہ کو سمجھنے کی استعداد اس میں نہیں۔ تو بھی اسے واجب ہے کہ عمل میں مشغول ہو۔ کیونکہ نظری علوم میں اس کا اشتغال مفید نہ ہوگا۔ اگر ان کی نظر ت اور علوم کو قبول کرنے کی استعداد رکھنے والا ہو لیکن اس کے شہر یا اس کے زمانے میں کوئی شخص ایسا نہ ہو جو علوم نظریہ کا ماہر اور سابقین کی تقلید سے بے نیاز ہو کر ترقی کرانے والا ہو، تو اس حالت میں بھی اس کے لئے عمل ہی اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس بات کا حاصل کرنا معلم کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ قوت بشریہ کے لحاظ سے شخص واحد کے لئے ناممکن ہے کہ ان علوم کو حاصل کرے۔ سوائے چند کے اور وہ بھی ایک عرصۂ دراز کی محنت کے بعد، اور اسی لئے مثلاً اگر علم طب مرتب اور اس کا قانون تیار نہ ہو چکا ہوتا اور از منہ متطاولہ میں وہ ایک باقاعدہ صورت اختیار نہ کر چکا ہوتا تو بہترین دل و دماغ کے لوگوں کو بھی ایک بیماری کا علاج معلوم کرنے کے لئے ایک عمر طویل کی ضرورت ہوتی۔ چہ جائیکہ سب بیماروں کے مداوا کا طریقہ معلوم کرنے کیلئے اور عام طور پر دنیا اس قسم کے عالم متبحر کے وجود سے خالی ہے۔

پس سب قلیل میں سے پھر قلیل جماعت رہ گئی اور یہ وہ لوگ ہیں جو زکی ہوں۔ وہ ابتدائی عمر میں ہی اس بات کے لئے بیداری حاصل کر لیں فہم علوم کی استعداد نہیں ملجائے اور علوم کے مستقل عالم ہو جائیں، نہ صرف نام کے لحاظ سے بلکہ حقیقت کے اعتبار سے اصلی طور پر نہ رسمی طور پر جیسا کہ اکثر علما کی حالت ہے تو یہ لوگ یا تو اعیان مذاہب کے مقلد ہوتے ہیں یا اعیان مذاہب کے طرز استدلال کے پیرو۔ تو جو شخص ان کی تقلید کرتا ہے اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یا وہ جوان ہے جس نے طلب علم میں نشو و نما پائی۔ اور وہ فی نفسہ زکی ہے اور اس نے علوم کے انواع کے ساتھ رہ کر بیداری حاصل کی ہو، اس نوع کے شخص کیلئے دو طریقے کھلے ہیں۔ اس کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے طریق تعلیم پر گامزن

ہو۔ چنانچہ وہ ان تمام علوم برہانیہ کی تحصیل کرے جس کا ادراک قوت بشری جد و جہد اور تعلیم کے ذریعہ کر سکتی ہے۔ پھر جب وہ حتی الامکان تحصیل علوم کر چکے یہانتک کہ ان علوم کی قسم میں سے کوئی علم باقی نہ رہے جسے اس نے نہ پڑھا ہو۔ تو اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ دنیا اور اہل دنیا سے منہ موڑ کر خالصتاً اللہ تعالےٰ کے لئے ہو جائے۔ اور رحمت الٰہی کا منتظر کرم رہے۔ کچھ عجب نہیں کہ جو باتیں اس راہ کے بہت مسافروں کی نگاہ سے پوشیدہ رہی ہیں۔ اللہ تعالےٰ اس کے لئے ان کا نقاب وا کر دے یہ ہماری رائے ہے۔ اور حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے۔ اس رائے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اکثر مخلوق کے لئے درست طریقہ یہی ہے کہ عمل میں مشغول ہوں +

عمل کا ایک حصہ علم عملی ہے یعنی وہ علم جس سے عمل کی کیفیت معلوم ہو۔ علم عملی عمل سے اشرف نہیں بلکہ اس سے ادنےٰ ہے کیونکہ عمل تو مقصود اور علم سے معلوم افضل ہے جس کے لئے علم ہوتا ہے۔ جیسے اللہ کا علم اس کی صفات کا۔ اس کے فرشتوں کا۔ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کا اور نفس اور اس کی صفات کا علم، اور زمین اور آسمانوں وغیرہ کے ملکوت کا علم۔ یہ علوم نظری ہیں اور عملی نہیں۔ اگرچہ ممکن ہے۔ کہ اتفاقی طور پر ان سے عمل میں کچھ انتفاع ہو جائے۔ چونکہ اکثر مخلوقات کے لئے عمل میں ہی بہتری ہے اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہایت شرح و بسط سے اور تفصیل و تاصیل کے طور پر ان کا احاطہ کیا ہے، یہانتک کہ لوگوں کو استنجا کا طریق اور اس کی کیفیت تک سکھا دی، اور جب علوم نظریہ کے سکھانے کا وقت آیا تو اجمال سے کام لیا اور تفصیل نہ کی، اور اللہ تعالےٰ کے صفات کے باب میں صرف اس قدر فرمایا لیس کمثلہ شیءٌ اس کی مثل کوئی شے نہیں، وھو السمیع البصیر اور وہ سنتا دیکھتا ہے۔ ہاں اجمالی علم کے بعد اس کی عظمت ابزرگی، اور اس کا عمل پر مقدم ہونا بیان کیا۔ اس قدر کہ حیطۂ بیان سے باہر ہے جیسے فرمایا تفکر ساعۃ خیرٌ من عبادۃ سنۃ (حدیث) ایک گھڑی کا غور و فکر ایک سال کی عبادت کے برابر ہے پھر فرمایا فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہے جو چودھویں رات کے چاند کو حاصل ہے وغیرہ وغیرہ جو اس بارے میں وارد ہے۔ پھر یہ علم جو عمل پر مقدم ہے دو باتوں سے خالی نہیں یا تو علم کیفیت عمل کے لحاظ سے ایک ہی ہے مثلاً فقہ اور علم عبادات یا اس کے علاوہ ہے

اور یہ بات کہ اول ہی مراد ہے دو طریق سے غلط ہے۔ (اوّل) یہ کہ عابد پر عالم کو فضیلت حاصل ہے اور عابد وہ ہے جس کو عبادت کا علم حاصل ہو۔ ورنہ وہ فاسق ہے۔ (دوم) یہ کہ عمل کا علم ہونا عمل سے افضل نہیں کیونکہ علم عملی مقصود بالذات شے نہیں۔ بلکہ وہ مقصود ہے عمل کے لئے۔ اور جس چیز کے لئے دوسری چیزیں مقصود ہوں۔ لازمی بات ہے کہ ان سے افضل و اشرف ہو +

فصل

جنت یا ولی تک پہنچنے کیلئے کونسے علم و عمل کی ضرورت ہے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علوم کی اصناف بے شمار ہیں اور اعمال اور ان کی انواع و اقسام مختلف) اور بھی اقسام و انواع کے اور سب تو مطلوب نہیں ہو سکتے پھر کونسی صنف اور قسم نفع بخش اور سود مند ہے تاکہ ہم اس میں مصروف و مشغول ہوں۔ تو ہم کہیں گے کہ علم کی دو قسمیں ہیں عملی اور نظری علوم نظری کثیر التعداد ہیں، ہر ایک علم کا تصور یہ ہے کہ عصار و بلاد اور اقوام کے لحاظ سے مختلف ہو۔ اسے وہ کمال حاصل ہو سکتے ہیں نہیں ملتا جو نفوس میں ابدالدہر باقی رہے۔ حالانکہ ہماری آرزو یہ ہے کہ علم کے ذریعہ نفس اپنے کمال کو پہنچے۔ تاکہ وہ اپنے کمال سے ابدی سعادت مند ہو۔ اور بہا اور جمال حاصل کر کے مسرور ہو۔ اس بیان سے علم لغات۔ اور علم موجبات الفاظ۔ خارج ہو گئے۔ جیسے علم لغت۔ نحو۔ اعراب۔ شعر، تحریر، شرح الفاظ اور ان کی تفصیل، اگر ان میں سے کسی کی ضرورت آپڑے تو اس کی ذات کے لئے طلب نہ کرے۔ بلکہ اس لئے کہ علم مقصود بالذات کے لئے وہ ذریعہ کا کام دے +

اب ہم علم مقصود کا بیان کرتے ہیں، پس اگر ہم حج کے امور کی تعریف کریں تو ہم پر لازم نہیں کہ موزہ اور طہارت کا ذکر بھی کریں۔ اگرچہ حج کرنے کے لئے ان کی ضرورت آپڑتی ہے ہم تو ان علوم کو ممیز کرینگے جن کی معلومات ابدالآباد تک قائم رہتی ہیں۔ نہ زائل ہوتی ہیں نہ کم ہوتی ہیں۔ اس قسم کے علوم اختلاف اعضاء و رسم کے ساتھ بھی مختلف نہیں ہوتے۔ ان میں داخل ہیں اللہ اور اس کی صفات کا علم۔ اس کے ملائکہ کتابوں اور رسولوں کا علم زمین اور آسمانوں کے

ملکوت کا علم، اور انسانی اور حیوانی نفوس کے عجائبات کا علم اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کا رابطہ و تعلق ہے نہ ان کی ذات کے اعتبار سے۔ مقصود اقصیٰ اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے۔ اور ملائکۂ الٰہی کی معرفت کے بغیر بھی چارہ نہیں کیونکہ وہ اللہ اور نبی کے درمیان واسطہ ہیں اسی طرح معرفت نبوت ہے، کیونکہ نبی خلقت اور ملائکہ کے درمیان واسطہ ہیں جس طرح فرشتہ اللہ اور نبی کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ اور اسی طرح علوم نظریہ میں سے آخری علم تک سلسلہ چلا جاتا ہے۔ ان سب کی انتہا اور غایت علم باللہ ہے لیکن اس میں گفتگو کے بیشمار پہلو ہیں۔ چونکہ یہ سب ایک دوسرے پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی تفصیل بھی بے شمار ہے۔

(قسم ثانی) یعنی علم عملی۔ اور وہ تین علوم پر مشتمل ہے۔ علم نفس مع اس کی صفات اور اخلاق کے اس سے مراد ریاضت اور خواہشات کا مغلوب کرنا ہے اور اس کتاب کی سب سے بڑی غرض یہی ہے۔ علم نفس اس لحاظ سے کہ اہل و عیال اور فرزند و زن اور نوکر چاکر کے ساتھ معیشت کی کیفیت کیا ہو۔ کیونکہ یہ لوگ بھی تمہارے اس طرح خادم ہیں جس طرح تمہارے اعضاء و جوارح تمہارے قویٰ اور حواس تمہارے نوکر ہیں۔ جس طرح شہوت و غضب اور دوسرے جذبات خبیثہ کو تمہارے قوائے بدنیہ کے ماتحت لانا ضروری ہے اسی طرح ان لوگوں کو بھی تمہارا فرمانبردار بنانا ضروری ہے۔

سوم علم سیاست ہے یعنی وہ علم جس کے ذریعہ سے ملک اور گرد و نواح کے لوگوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے اکثر علم فقہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سوائے ان امور کے جو عبادات سے تعلق ہے منجملہ ان عبادات کے جو نفس کے ساتھ مخصوص ہیں اس میں اداب قضا ہیں۔ اور ان کی تکمیل جب ہوتی ہے کہ نکاح، بیع اور خراج کے قوانین و احکام کی معرفت حاصل ہو جائے۔ ان تینوں میں سب سے اہم تہذیب نفس اور سیاست بدن ہے اور ان صفات میں عدل و میزان کی رعایت رکھنا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ معتدل ہو جائیں تو دوسروں کی رعیت مثلاً اہل و عیال وغیرہ تک اس کا اثر پہنچتا ہے پھر اہل شہر تک۔ تم میں سے ہر ایک شخص راعی ہے اور اپنی رعایا کے متعلق جوابدہ فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ اس سے اس طرح نکلتا ہے جس طرح نصاب زکوٰۃ زکوٰۃ سے نکلتا ہے۔ سورج سے روشنی درخت سے سایہ

کیا تم درخت کے ٹیڑھا ہونے کی صورت میں سایہ کے سیدھا ہونے کی توقع کر سکتے ہو؟ جب انسان اپنی جان کا انتظام نہیں کر سکتا تو دوسروں کا انتظام کیسے کر سکتا ہے، یہ ہے اختصار علوم عملیہ کا۔ ہم ابھی مخصوص ترین علم کا ان علوم سیاسی میں سے اجمالی تذکرہ پیش کرینگے۔ کہ یہ مقصود بیان ہے، وہ قوی جن کی تہذیب کے بغیر چارہ نہیں تین ہیں۔ قوت فکر قوت شہوت۔ قوت غضب۔ جب کبھی قوت فکر مہذب اور کما ینبغی اصلاح پذیر ہو جاتی ہے تو اس کو حکمت کا وہ خزینہ دستیاب ہو جاتا ہے جس کا ارشاد خداوندی وعدہ دیتا ہے۔ ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ اس کا ثمرہ یہ ہے کہ معتقدات میں حق و باطل میں فرق کرنا، گفتگو میں صدق و کذب معلوم کرنا۔ اور افعال کے حسن و قبح میں تمیز کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ ان امور میں سے کوئی بات اس کے لئے مشتبہ اور ملتبس نہیں رہتی۔ حالانکہ اکثر لوگ ان امور میں التباس و اشتباہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اس قوت کی اصلاح اور تہذیب میں جس کو ہم نے معیار علم کا نام دیا ہے مدد دیتی ہے، دوسری قوت شہوت ہے۔ اور اس کی اصلاح سے عفت کا وصف پیدا ہوتا ہے۔ جو نفس کو فواحش سے روکتا رہتا ہے۔ اور ایثار و فدویت کے مستحسن جذبہ اور سماحت کی جانب اسے لیچلتا ہے تیسری حیثیت غضبیہ ہے۔ اس کو مغلوب اور درست کر لینے سے حلم اور بردباری حاصل ہوتی ہے جس سے مراد ہے غیظ و غضب کو دبا لینا اور انتقام پسندی کو روک لینا۔ اور شجاعت پیدا ہوتی ہے جس سے مراد ہے حرص اور خوف کا دور ہو جانا جنکی قرآن میں مذمت آئی ہے۔ اور جب کبھی تینوں قوتیں تیسری قوت فکریہ کی مطیع و منقاد ہو جاتی ہیں، تو اعتدال کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے اعتدال کی طفیل ہی آسمان و زمین قائم ہیں اس سے مراد ہے مکارم شریعت کا جمع ہونا، طہارت نفس اور اخلاق کا پسندیدہ ہو جانا جیسے کہ حضور علیہ السلام والتسلیم نے فرمایا اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم اخلاقاً و الطفھم باھلہ۔ مسلمانوں میں سے کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جو پسندیدہ ترین اخلاق رکھتا ہے اور اپنے اہل کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہے۔ نیز فرمایا احبکم الی احاسنکم اخلاقاً الموطئون اکنافاً الذین یألفون ویولفون۔ ہمیں تم میں وہ لوگ محبوب ترین ہیں جو بہترین اخلاق رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے محبت سے پیش آتے ہیں۔

حسن خلق کے متعلق شریعت نے جس قدر تعریف کی ہے وہ بیان سے باہر ہے اس کا مفہوم ان تینوں قوتوں کی اصلاح کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے اس آیت میں جمع کر دیا ہے انما المؤمنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر کسی قسم کا شک نہ کیا، اور اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔

اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور پھر کسی قسم کے شک کی نفی کیساتھ علم یقینی اور علم حقیقی پر دلالت کی ہے جن کا حصول بغیر قوت فکریہ کی اصلاح کے ایک خیال خام ہے اور جہاد بالمال سے عفت اور جود مراد لئے ہیں۔ یہ دونوں اوصاف اصلاح شہوت کے لئے ضرورت کے مطابق خدمت سرانجام دیتے ہیں۔

جہاد بالنفس سے مراد لی ہے شجاعت و حلم سے۔ یہ دونوں مقربیں اصلاح حمیت کے لئے اور اسے دین اور عقل کے تابع کرنا چاہئے یہانتک کہ وہ اُسے ابھارنے پر جوش میں آئے اور جہاں اُسے فرو ہونے کا حکم دیں یہ فرو ہو جائے۔ اور اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں فرمایا ان ھو تعفو عن من ظلمک وتعطی من حرمک وتصل من قطعک وتحسن لمن اساء لک اس آیت کے معنی ہیں کہ جو شخص تم پر ظلم کرے اُسے معاف کر دو، جو تمہیں نقصان پہنچائے اُسے فائدہ پہنچاؤ، جو تعلق منقطع کرے اس سے تعلق پیدا کرو، اور جو تم سے جدائی کرے اُس سے احسان کرو، ظالم کے ظلم کو معاف کرنا انتہائے حلم و شجاعت ہے اور نقصان پہنچانے والے پر نوازش کرنا انتہائی سخاوت اور تعلقات توڑنے والے سے علاقہ پیدا کرنا انتہائے احسان و شرافت ہے۔

فصل

قوائے متنازعہ اور نفس کی مثال

انسان کے بدن میں نفس ایسے ہی ہے۔ جیسے بادشاہ اپنے شہر اور مملکت میں ہوتا ہے۔ اس کی قوتیں اور اعضاء جوارح جو۔ بدن کے خدمت گذار ہیں۔ بمنزلہ کاریگروں اور عاملوں کے ہیں۔ قوت عقلیہ مفکرہ اس کا مشیر صائب الرائے اور وزیر باتدبیر ہے۔ اور شہوت اس کا خصلت غلام ہے۔ جو غلہ اور کھانے پینے کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے چلتا ہے۔ غیرت و حمیت اس کا صاحب شرطہ یعنی کوتوال ہے۔ غلہ و جنس و طعام لے کر چلنے والا غلام مکار فریبی بدخصلت پرتلبیس ہے۔ جو ناصح مشفق کے لباس میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس کی پند و نصائح کے پردے میں لاعلاج بیماری اور ہولناک خرابی پوشیدہ ہے۔ اس کی عادت ہے کہ ہر وقت وزیر کی تدابیر کے خلاف جھگڑا کرتا رہتا ہے۔ یہانتک کہ ایک ساعت بھی اس نزاع و جدال کو ترک نہیں کرتا۔ تو جس طرح بادشاہ اپنی سلطنت میں جب وزیر سے انتظام سلطنت میں مشورہ لیتا ہے اس بدخصلت کے مشورہ سے اعراض کرتا ہے۔ بلکہ اس کے مشورہ دینے سے ہی سمجھ لیتا ہے کہ اس کی رائے کے خلاف کرنا ہی درست طریق عمل ہے، اپنے کوتوال کو تادیب کرتا ہے اور اسے وزیر کے تابع فرمان بناتا ہے۔ پھر کوتوال کو اس غلام بدطینت اس کے مددگاروں اور پیروؤں پر مسلط کر دیتا ہے۔ حتی کہ غلام مذکور، محکوم و مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کے اختیارات چھن جاتے ہیں اور وہ حکم کا بندہ بن جاتا ہے۔ اس وقت بادشاہ کے شہر کا انتظام درست نہج پر ہونے لگتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ عدل و مساوات کا قیام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب نفس عقل سے اعانت طلب کرتا ہے۔ اور حمیت غضبیہ کو مؤدب کر لیتا ہے، اسے شہوت پر مسلط کر کے اور عقل سے ایک دوسری کے خلاف امداد لیتا ہے۔ کبھی غیظ و غضب کی مملکت کی سرحد کو شہوت کے ذریعہ تدبیر سے کم کرتا ہے۔ کبھی غضب اور حمیت کو شہوت پر مسلط کر کے اسے مغلوب و مقہور کرتا ہے۔ اور اس کی مقتضیات کی تقبیح کے ذریعہ ان کے قوی کو معتدل کرتا ہے، اور ان کے اخلاق کو پسندیدہ بناتا ہے۔ اور جو شخص اس درجہ اعتدال

www.ahnafmedia.com

سے تجاوز کر جائے۔ اسی کے متعلق ارشاد الٰہی ہے۔ افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم پھر فرمایا واتبع ھواہ فمثلہ کمثل الکلب اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک تیرا سب سے بڑا دشمن تمہارا دل ہے جو تیرے سینے میں ہے۔ اور حق تعالےٰ اس خوش نصیب شخص کے بارے میں فرماتا ہے جو اپنی خواہشات کو مغلوب کرلے واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی جو شخص خدا کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات کی پیروی سے روک لیا تو اسی کا ٹھکانا جنت ہے۔ کسر شہوات کے وہ معنی نہیں جو بعض لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں یعنی غضب اور شہوت کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے۔ انسان کو کلی طور پر شاد دیا جائے۔ اصل یوں ہے کہ ان کو ضابطے میں رکھنا، اور مؤدب بنانا چاہئے۔ کیونکہ عقل حیوانیت غضبیہ کی امداد کے بغیر تادیب پر قادر نہیں۔ کیونکہ اس کا کام تو صرف اتنا ہی ہے کہ نیک رستہ بتادے اور بس کیونکہ وہ اشرف قوی ہے! اسی عقل کی بدولت انسان دنیا میں خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی حیثیت صرف ایک طبیب کی سی ہے۔ جو مفید نسخہ بتادے، تو اگر حیوانیت غضبیہ (جو شہوت کو اطاعت و فرمانبرداری پر مجبور کرتی ہے اور زجر و توبیخ سے اسے عقل کا نوکر بناتی ہے) کی امداد عقل کو حاصل نہ ہو تو اس کا مشورہ کوئی فائدہ نہ دے۔ اسی لئے اس شخص کی عقل کی فضیلت بیان نہیں ہوتی جو بے حس ہو لیکن لازمی ہے کہ اسے ایسا مؤدب بنا دیا جائے کہ عقل کے مشورہ کے بغیر حرکت میں نہ آئے۔ یہی حال شہوت کا ہے کہ جماع سے اس کو بالکل روکے رکھنا تکلیف دہ مصیبت زا اور سلسلہ تناسل کو منقطع کرنے والا ہے۔ حالانکہ تناسل کے ذریعہ ہی نوع انسانی کی بقا ہے۔ اسے کھانے پینے سے روکنا بھی مضرت رساں اور دشوار ہے۔ کیونکہ اس سے انسانی زندگی قائم نہیں رہ سکتی، البتہ اس قدر ہو سکتا ہے کہ طعام کی لذت کو فنا کر دیا جائے، یعنی کھانا تناول کرنے سے مقصود لذت یابی اور لطف اندوزی نہ ہو کہ جسمانی قوت کا برقرار رکھنا ہو تاکہ علم و عمل حاصل کرنے کا وسیلہ بنے۔

انسان کھانا اس طرح کھائے جس طرح اپنے گھوڑے کو گھاس کھلاتا ہے۔ تاکہ وہ جہاد میں اچھا کام دے۔ انسان کا مقصود فقط کام لینا ہے۔ پھر اس کے دل میں اس بات کی آرزو ہو کاش میں کھانے سے مستغنی ہو جاؤں۔ اور علم و عمل کی قوت بھی باقی رہے۔

ایک اور مثال۔ انسان چونکہ بحیثیت خلقت معنوی لحاظ سے ایک جہان کبیر ہے اور جسم

کے لحاظ سے صغیر اس لئے اس کا بدن ایک شہر کی مانند ہے عقل بادشاہ ہے۔ جو انتظام مملکت کرتا ہے۔ اس کے حواس ظاہری و باطنی میں سے تو لمس مدرک، اس کا لشکر ہیں اس کے ہاتھ پاؤں اور اعضاء و جوارح اس کی رعیت ہیں نفس امارہ جو برائی پر ابھارتا رہتا ہے جس کا دوسرا نام شہوت و غضب ہے۔ بمنزلہ دشمن کے ہے۔ جو اس سے ملک کے بارے میں جنگ کر کے اس کی رعیت کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بدن ایک قلعہ ہوا۔ اس میں انسان کا نفس مقیم ہے جو پہروں کے اندر محفوظ بیٹھا ہے، اگر وہ اپنے دشمن سے لڑے اسے قید کر لے اور واجبی طور پر اسے مغلوب کر لے تو جب وہ حضور رب العزت میں حاضر ہوگا تو اس کی عزت کی جائیگی چنانچہ فرمایا۔ فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ وکلا وعد اللہ الحسنی اللہ نے ان لوگوں کو جو مالی اور جانی جہاد کرنے والے ہیں قاعدین پر بلحاظ مرتبہ فضیلت دی ہے۔ اور ہر ایک کو خدا نے نیک وعدہ دے رکھا ہے۔ اور اگر اس کا قلعہ ٹوٹ گیا اور اس کی رعایا مغلوب ہوگئی تو وہ قابل مواخذہ و ملامت ہوگا۔ اور اس کو لقائے الٰہی کے وقت سزا دی جائیگی۔ اور محشر اسے کیسا جیسے کہ حدیث میں مذکور ہے۔ یا راعی السوء اکلت اللحم وشربت اللبن ولم تعد الضالۃ ولم تجبر الکسیر الیوم انتقم منک۔ اے نالائق حاکم تو نے گوشت کھایا اور دودھ پیا اور برائی کو نہ روکا، ٹوٹے ہوئے کو نہ جوڑا تو آج اپنی سزا بھگت۔ یہی وہ جہاد ہے جس کا ذکر زبان سے کرنا مفرح ہے۔ اور روح کی غذا اور اسکی حقیقت معلوم کر لینا اصل میں روح کا معراج ہے۔ اس کی پہچان وہی شخص کر سکتا ہے جو ترک شہوات کے ذریعہ آمادہ جستجو ہو اسی لئے صحابہؓ نے فرمایا تھا رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔ انہوں نے کافروں سے تیغ آزمائی کو جہاد اصغر سے موسوم کیا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کونسا جہاد افضل ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا جہادک ھواک۔ تیری جنگ تیری خواہش سے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی پہلوان کو پچھاڑ لینا تو کچھ مشکل بات نہیں دشوار یہ ہے کہ انسان اپنے غصے کے دیو کو پچھاڑ لے۔

ایک اور مثال عقل کی مثال سوار شکاری کی بھی ہے جو شکار کھیلنے کو نکلے اس کی شہوت بمنزلہ گھوڑے کے ہے۔ اس کا غصہ اس کا کتا ہے، تو جب سوار ماہر فن ہو گھوڑا

قابو میں ہو۔ کتا سدھایا ہوا، سکھایا ہوا، اور اطاعت گذار ہو تو جستجوئے شکار کامیاب ثابت ہوگی، اور جب سوار بذات خود انجان ہو، اس کا گھوڑا سرکش ہو اور اُس کا کتا ناسمجھ ہو تو چونکہ نہ ہی اس کا گھوڑا اس کے حکم کے تابع ہو کر گام فرسا ہوگا نا اس کا مطیع ہو کر انشار پکار کے پیچھے بھاگیگا۔ اس لئے شکاری کو شکار حاصل کرنا تو بجائے خود سخت تکلیف و مصیبت کا سامنا کرنا پڑیگا۔

فصل

مجاہدۂ ہوی میں نفس کے مراتب۔ ہوی و عقل کے مشورہ میں کیا فرق ہے

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ انسان کے لئے خواہشات کے ساتھ لڑائی کرنے کے تین نتیجے ہیں:۔

(اوّل) یہ کہ خواہشات فتح پاکر اُس پر قابض ہو جائیں۔ اور وہ ان کے خلاف کرنے پر قادر نہ ہو۔ عام طور پر لوگوں کی یہی حالت ہے، اسی قسم کے لوگوں کے متعلق خداوند عزوجل کا ارشاد ہے۔ افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ کیونکہ الٰہ کے معنی معبود ہی تو ہیں اور معبود وہ ہے جس کے اشارہ اور احکام کی اتباع کی جائے۔ تو جس شخص کی ہر ایک حرکت بدنی اغراض اور جسمانی خواہشات کی پیروی میں ہوگی۔ وہی ہوا و ہوس کو اپنا خدا بنا چکا ہوگا؛

(دوم) یہ کہ لڑائی ان کے مابین الحرب بیننا وبینکم سجال کے مصداق ہو کبھی یہ شخص خواہشات پر غالب آجائے کبھی وہ اس پر بھاری ہو جائیں یہ شخص مجاہدین میں شمار ہوگا۔ اگر اسی حالت میں صادم اللذات اس کی روح اور جسم میں مفارقت دائمی کر دے تو وہ شہید ہوگا کیونکہ وہ فرمان نبوی کے امتثال میں مشغول تھا۔ جاھدوا اھواءکم کما تجاھدون اعداءکم اپنی خواہشات نفسانی سے اس طرح جنگ آزمائی کرو جس طرح اپنے دشمنوں سے کرتے ہو؛

تیسری حالت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو پچھاڑ کر اُن پر قابو حاصل کر لے اور کسی وقت وہ اس پر غالب نہ آسکیں۔ یہی ملک کبیر ہے۔ یہی نعیم حاضر اور یہی حریت کامل ہے۔ یہی

www.ahnafmedia.com

غلاظت سے پاک ہوتا ہے۔ اور اسی کے متعلق سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔
ما من احد الا وله شيطان ولى شيطان وان الله قد اعانني على شيطاني حتى ملكت۔ ہر ایک شخص کا ایک شیطان ہوتا ہے۔ اور میرا بھی ایک شیطان ہے لیکن میں نے اللہ کی اعانت سے اُسے مطیع و منقاد کر لیا ہے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا جس رستہ سے عمر رضی گذرتا ہے اس رستہ کو شیطان چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں ایک لغزش کا اندیشہ ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس قسم کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ راندۂ درگاہ شیطان ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے اغراض کی اتباع کرتے ہیں لیکن ان خواہشات کی علت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ مذہب کے مطابق ہیں۔ اور ہم ان کو دین کے لئے طلب کر رہے ہیں۔

چنانچہ تم نے ایک گروہ کو دیکھا ہوگا جو وعظ و نصیحت، درس و تدریس اور قضاؤ خطابت اور قسم قسم کی شاندار باتوں میں مشغول ہونگے، حالانکہ وہ ان تمام باتوں میں اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کر رہے ہونگے اور وہ گمان کرتے ہونگے کہ ہمارے اعمال کا باعث دین ہے اور طلب ثواب ہماری محرک ہے۔ اور شریعت ہمیں ان امور پر مامور کر رہی ہے۔ حالانکہ یہ حماقت و غرور کی انتہا ہے۔ اس امر کی حقیقت اسی طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ کوئی واعظ شیریں بیان اور مقبول خلق اگر خالصاً للہ نہ کہ مقبولیت عام کے لئے، وعظ کہتا ہوگا۔ اور اس کا تمثال لوگوں کو اللہ کی جانب بلانا ہوگا، تو اس کا نشان یہ ہے کہ اگر وہ اپنے مکان پر ہوگا تو بلحاظ بیان بہتر بلحاظ علم وسیع تر، اور بلحاظ لہجہ پاکیزہ تر وعظ کہیگا۔ اور وہ خدا کا شکر کریگا کہ اللہ نے اس فرض کی ادائیگی کی دوسرے لوگوں کی بجائے جو اس سے زیادہ مستحق تھے اُسے توفیق بخشی جس طرح کسی مرتد اور کافر کے قتل و جہاد کے لئے کسی شخص کو متعین کیا جاتا ہے۔ تو وہ کافر پر برق سوزاں بنکر گرتا ہے۔ اور اُسے دم بھر میں راکھ کر دیتا ہے۔ وہ کافر سے جہاد پر خوش ہوتا ہے اور اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جو صرف اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی ایک علامت یہ ہے کہ انسان بڑا بننے سے گریز کرتا ہے۔ اور صراحت کے ساتھ کہتا ہے مجھے مار ڈالو میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اگر تم کہو کہ شیطان تو عین وقت بٹ مار کی صورت میں ہمیں قسم قسم کے دجل و فریب کا ہدف

بتاتا رہتا ہے۔ اور ہم کسی حالت میں اس سے مامون و مصئون نہیں رہ سکتے۔ جیسا ان لوگوں کا بیان ہو چکا ہے تو ہم کس طرح مشورہ عقل اور خواہشات کی رائے کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں۔ تو خوب یاد رکھو کہ یہ وادی بہت دشوار گذار ہے اور علوم حقیقی کے ذریعہ ہی اس سے بسلامت گذر ہو سکتا ہے۔ اور اس میں بہترین رفیق بصیرت علم ہے کیونکہ اس سے حق کا چہرہ بے نقاب ہوتا ہے اور مکر و فریب کے پردے دور ہو جاتے ہیں لیکن وہ انداز جس کے ذریعہ سے تم تحیر اور تذبذب کے متعلق حق و باطل میں تمیز کر لو یہ ہے کہ تمہیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ اکثر امور میں عقل کا مشورہ نتائج کے اعتبار سے بہترین ہوتا ہے۔ اگرچہ موجودہ حالات کے لحاظ سے اسمیں تکلیف اور صعوبت ہی ہو۔ اور خواہشات نفسانی ہمیشہ آرام طلبی اور ترک تکلیف کا مشورہ دیتی ہیں۔ تو جب کبھی کوئی معاملہ تمہیں درپیش ہو اور تم کو اس کے عیب و صواب کا علم نہ ہو تو تم تکلیف دہ امر کو لازم کر لو اور اُسے چھوڑ دو جس کی تمہیں رغبت ہو، اخلاق پسندیدہ کا بیشتر حصہ دل کو ناپسند ہوتا ہے چنانچہ دربار رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت الناس بالشھوات جنت ناپسندامور کے اندر گھری ہوئی ہے۔ اور دوزخ مرغوب اشیا میں مستور ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وعسی ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیرا ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں سے خیر کثیر پیدا کر دے۔ نیز فرمایا عسی ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم کیا عجب ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے تم ایک بات کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے باعث تحوست و شرارت ہو تو جب کبھی تم کو ایسی بات کا خیال ہو جو موجودہ لحاظ سے آرام طلبی آسان اختیاری تکلیف سے بچنے راحت کو ترجیح دینے کی دعوت دے تو اُسے چھوڑ دو۔ کیونکہ محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے +

مختصر یہ کہ عقل اپنی قوت کے ساتھ جس چیز کا مشورہ دے اس کے متعلق عبادت اور استدلال کے ذریعہ سے تحقیق کرو یہانتک کہ بصیرت مکمل ہو جائے اور مشورہ کی صحت معلوم ہو جائے۔ عام طور پر خواہشات عقل کے مشورہ کے خلاف نہایت لغو عذر پیش کرتی ہیں، اور عقل حقیقی اور وزنی دلائل سے رہنمائی کرتی ہے۔ یہ صورت مجذوب کا عاشق اور تلخ طعام کا کھانے والا

اپنی عادت کے باعث مجبور ہوتا ہے کہ ان میں شغف رکھے! اور عذر ہائے لنگ کے ذریعہ دل کی تسلی کا متلاشی ہو لیکن عقل صاف کہدیتی ہے کہ یہ عذر اور بہانے تکلیف اور تصنع سے پر ہیں الغرض اس حقیقت کا ادراک نور الٰہی کی روشنی اور تائید آسمانی کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے حیرت کے عالم میں اللہ ہی کی جانب رجوع کرنا چاہئے +

چنانچہ بعض علما کا قول ہے کہ جب عقل کا میلان بحالات موجودہ تکلیف دہ امر اور عاقبت کار نفع بخش شے کی طرف ہو، اور خواہشات کا رجحان اس کے بالکل متضاد حال کے لذت بخش اور مستقبل کی مصیبت ناک بات کی جانب ہو اور دونوں میں تنازع برپا ہو جائے اور دونوں فیصلے کے لئے قوت مدبرۂ مفکرہ کے پاس جائیں۔ تو خدا کا نور عقل کی امداد کے لئے تیز رفتاری کے ساتھ آتا ہے۔ ادھر سے وساوس شیطانی اور ان کے اولیائے کار بھی خواہشات کی اعانت کے لئے دوڑتے ہیں۔ اس طرح دونوں میں ایک معرکۂ جنگ برپا ہو جاتا ہے پھر اگر قوت مدبرہ شیطان اور اس کے دوستوں کے لشکریوں میں سے ہو تو خدائی نور سے غافل ہو کر انجام کی منفعت سے اندھی ہو جاتی ہے، اس کی آنکھیں قریب کی لذت سے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اور اسی کی طرف اس کا میلان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اولیاء اللہ مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اور اگر قوت مدبرہ اللہ اور اولیاء اللہ کے لشکر میں سے ہو تو نور خداوندی سے راہنمائی حاصل کرتی ہے اور قریب کی خوشی کو چھوڑ کر انجام کی ابدی مسرت کو چنگل مارتی ہے۔ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور والذین کفروا اولیاءھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمٰت اللہ تعالےٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان دار ہیں اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور میں لاتا ہے۔ اور کافروں کے دوست شیطان ہیں جو انہیں نور سے نکال کر تاریکیوں میں پھینکتے ہیں +

عقل کو اللہ تعالےٰ نے شجر طیبہ سے تشبیہ دی ہے، اور خواہشات کو شجر خبیثہ سے چنانچہ فرمایا الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ ان تو جب ان دو لشکروں میں صف آرائی ہو کر میدان کارزار گرم ہو جاتا ہے ایک طرف خدا کے دشمنوں کی صف ہے اور دوسری طرف اولیاء اللہ کی، تو اس وقت خدا کی طرف رجوع کرنے اور شیطان مردود سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آنے کے سوا کوئی

چارہ کار باقی نہیں رہتا، جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ واما ینزغنك من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ سمیع علیم۔ ان الذین تقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ہم مبصرون جب شیطان تمہارے دل میں کوئی وسوسہ ڈالنے لگے تو اللہ کی پناہ میں آجاؤ اللہ سمیع وعلیم ہے متقی لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب شیطانوں کا گروہ اُن پر حملہ کرتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اور خدا انہیں فوراً بصیرت عطا فرما دیتا ہے۔ شاید تم پوچھو کہ کیا ہوا و ہوس اور شہوت میں کوئی فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ لفظی بحثوں میں پڑنے کی کچھ ضرورت نہیں ہماری مراد ہوی سے خواہشات کا وہ حصہ ہے جو مذموم ہے۔ پسندیدہ خواہشات اس میں شامل نہیں ہیں۔ پسندیدہ خواہشات خداوند تعالےٰ کا فعل ہیں۔ اور وہ ایک قوت ہے جو انسان میں پیدا کی گئی ہے۔ تاکہ نفس میں ایک تحریک پیدا ہو اس بات کی کہ ان چیزوں کو حاصل کرلے جن سے اُس کے بدن کی بہبودی وابستہ ہے جسمانی بقا کے لحاظ سے یا جسم کے کسی خاص حصے کی بقا کے اعتبار سے یا دونوں کی بہبودی کے قرینے سے، ناپسندیدہ اور مذموم وہ خواہشات ہیں جو نفس امارہ کا فعل ہیں یعنی ان چیزوں کو محبوب رکھنا جو لذت بدنیہ کی باعث ہیں۔ اور جب ان کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو ان کو ہوا و ہوس کا نام دیا جاتا ہے۔ قوت مفکرہ کو وہ اپنے تابع فرمان اور خدمتگذار کرلیتی ہیں۔ تاکہ اس کا تمام تر وقت اُن کے احکام کی متابعت میں گذرے، قوت مفکرہ شہوت وعقل کے درمیان متردد رہتی ہے، عقل اس کے اوپر اس کی خدمت کرتی ہے اور شہوت اس کے نیچے۔ تو جب کبھی قوت مفکرہ عقل کی طرف رُخ کرتی ہے۔ تو بلند مرتبہ اور معزز ہو جاتی ہے اور محاسن اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن جب شہوت کی جانب جھکتی ہے تو اسفل السافلین میں جا گرتی ہے، اور بدیاں اس سے رُونما ہوتی ہیں +

فصل

اخلاق بدل سکتے ہیں

بعض گمراہ اور باطل پرست لوگ گمان کرتے ہیں، اخلاق خلقت کے مطابق ہوتے ہیں ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اپنے اس باطل عقیدے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی آڑ لی ہے فَرَغَ اللّٰہ من الخَلْق، کہ خداوند تعالےٰ خلقت سے فارغ ہو چکا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس میں تغیر و تبدل کرنا خدا کی پیدائش کو بدلنے کی کوشش کرنا ہے۔ ان لوگوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے چشم پوشی کر لی ہے۔ کہ حسنوا اخلاقکم، اپنے اخلاق کو عمدہ بناؤ۔ اگر یہ بات ناممکن ہوتی تو اس کا حکم نہ دیا جاتا۔ اور اگر یہ امر ممنوع ثابت ہو جاتے تو ترغیب و ترہیب اور مواعظ و وصایا کے تمام دفاتر ردی کی ٹوکری میں ڈال دئے جاتے ہیں، کیونکہ افعال اخلاق کے نتائج ہیں جب نیچے کو گرنا ثقل طبعی کا نتیجہ ہے تو چاہئے کہ یہ لوگ اوپر کی طرف کبھی توجہ نہ کیا کریں۔ بلکہ ہمیشہ نیچے ہی کی جانب جایا کریں۔ بلکہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ استیلائے جہل کے ہوتے ہوئے انسان کو مہذب نہیں بنایا جا سکتا ہے اور بہائم کی عادات نہیں بدلی جا سکتی ہیں، جبکہ درندوں کی وحشت کو دور کر کے مانوس کر لیا جاتا ہے۔ کتے سدھانے سے شکار کھانا بن جاتے ہیں۔ اور گھوڑے سرکشی سے باز آ کر اشارے کے مطابق نقل و حرکت کرنے لگ جاتے ہیں، اور یہ تمام باتیں تغیر خلقت ہی تو ہیں +

اس باب میں قول شافی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس پر ہمارا بس نہیں چلتا۔ مثلاً آسمان، ستارے۔ بلکہ ہمارے جسموں کے اعضاء اور ان کے اجزاء۔ یہ چیزیں جیسی ہیں ویسی ہی رہینگی +

دوسرے وہ جن کو پیدا ہونے کے بعد تربیت میسر آ جائے تو بعد میں قبول کمال کی قوت دی گئی ہے۔ اس کی تربیت اختیار سے متعلق ہے۔ مثلاً کھجور کی گٹھلی نہ کھجور ہے نہ سیب لیکن اس میں اس بات کی قابلیت رکھی گئی ہے کہ تربیت سے کھجور بن جاتے لیکن اس میں

www.ahnafmedia.com

اس بات کی قابلیت نہیں کہ سیب کا درخت ہو جائے +

البتہ جب انسان کی تربیت کا اس سے تعلق پڑتا ہے تو وہ کھجور بن جا سکتی ہے۔ اگر ہم کلی طور پر غضب و شہوت کو اپنی جان سے اسی دنیا میں دور کرنا چاہیں تو ہم ناکام رہینگے۔ لیکن اگر ہم ان کو مغلوب کرنا اور ان کو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ سے مہذب بنانا چاہیں تو ہم ایسا کر سکیں گے۔ اسی بات کا ہمیں حکم دیا گیا ہے! اور یہ چیز ہماری سعادت مندی اور نجات کی شرط قرار پا چکی ہے۔ ان حیلتیں مختلف ہیں بعض سریع القبول اور بعض بطی القبول ہیں۔ اس اختلاف کے دو سبب ہیں۔ ان میں سے ایک باعتبار تقدم وجود کے ہے۔ کیونکہ قوت شہوت، قوت غضب اور قوت تفکر انسان میں موجود ہیں۔ سب سے زیادہ مشکل سے تغیر ہونے والی اور سب سے زیادہ سرکش انسان کے لئے قوت شہوت ہے کیونکہ وہ سب قوتوں سے متقدم ہے۔ بلحاظ وجود کے اور سب سے شدید باعتبار گرفت اور چنگل کے، چنانچہ یہ اس کے ساتھ آغاز کار ہی سے پائی جاتی ہے یہانتک کہ اس کا وجود اس حیوان میں بھی ہے جو انسان کی جنس سے ہے۔ اس کے بعد قوت حمیت کی باری ہے اور بعد میں قوت غضب ہوتی ہے۔ قوت فکریہ سب سے آخر میں پائی جاتی ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ اخلاق اس کے بموجب اور اس کے حکم کے ماتحت کثرت عمل کے ساتھ پختہ کئے جاتے ہیں۔ لوگوں کے اس بارے میں چار مراتب ہیں۔

(اول) وہ انسان غافل جو حق و باطل اور حسن و قبیح میں تمیز نہیں کر سکتا۔ وہ اعتقاد سے خالی رہتا ہے اور نہ ہی اتباع لذات سے اس کی خواہشات قوی اور شدید ہوتی ہیں یہ درجۂ مرض سب سے زیادہ قابل علاج ہے، اس کو صرف ایک مرشد کی ضرورت ہے جو اسے تعلیم دے اور ایک ولولۂ عمل کی حاجت جو مرشد کے احکام کی اطاعت پر اسے ابھارتی رہے۔ چنانچہ اس کے اخلاق قلیل ترین وقت میں اچھے ہو جاتے ہیں

(دوم) وہ بدعملی کے مضرات سے تو واقف ہو لیکن عمل صالح کی جانب لوٹنے پر قادر نہ ہو۔ بلکہ اعمال بد کی دلفریبی میں گرفتار ہو۔ شہوات کا مطیع و منقاد ہو کر اور اصابت رائے سے روگردانی کر کے بدکاریوں کا ارتکاب کرے۔ تو اس کا معاملہ اول الذکر سے دشوار تر ہے۔ کیونکہ اس کی بیماری بھی دگنی ہے۔ اس کو دو کام کرنے چاہئیں (ارادۃً) جو باتیں بدعملی کی طرف کثرت سے مائل کرتی ہیں، اور طبیعت میں راسخ ہو چکی ہیں ان کا

قلع قمع کرنا (ثانیاً) طبیعت کے برخلاف کرنا اس نوع کا شخص مجموعی حیثیت سے قبول ریاضت کے مقام میں ہے۔ بشرطیکہ جد و جہد کامل اس کی امداد کرے +

(سوم) اُس کا اعتقاد ہو کہ بد اخلاقی واجب اور مستحسن ہے۔ بدکاری ہی درست اور پسندیدہ ہے۔ اور پھر اس پر وہ کاربند بھی ہو۔ یہ مرض قریباً لاعلاج ہے۔ اس کی اصلاح شاذ و نادر ہی ہوتی ہے، کیونکہ اس پر گمراہی تو برتو متسلط ہو چکی ہے +

(چہارم) وہ شخص جس کی نشوونما ہی عقائد فاسدہ پر ہوئی ہو۔ اس کی تربیت اُنہی پر کاربند ہونے میں ہوئی ہو۔ وہ اپنی بزرگی اور فضیلت کثرت شر اور ہلاکت آفرینی ہی میں سمجھے۔ ان میں اُسے خوشی حاصل ہو! ور اس کا گمان ہو کہ یہ باتیں اس کی قدر و منزلت کو بلند کرتی ہیں۔ تو یہ مرتبہ دشوار تر ہیں ہے۔ اسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بھیڑیئے کو مہذب بنا کر مؤدب بنانا اور حبشی کو نہلا کر سفید کرنا ایک عذاب ہے +

ان مراتب چہارگانہ میں سے اوّل کو جاہل کہیں گے، دوسرے کو جاہل اور گمراہ۔ تیسرے کو جاہل۔ گمراہ اور فاسق، اور چوتھے کو جاہل گمراہ، فاسق اور شریر النفس +

فصل

اخلاق کی تبدیلی اور ہوی کے علاج کا مختصر طریق عمل

یاد رکھو کہ مجاہدہ نفس اور اعمال صالح کی ریاضت سے تکمیل نفس اور تزکیہ و تصفیہ سے تہذیب اخلاق مقصود ہے نفس اور ان قوی کے درمیان ایک قسم کا تعلق ہے جس کے بیان سے الفاظ کی تنگدامانی قاصر ہے۔ صرف تخیل میں اس کی صورت متشکل ہو سکتی ہے کیونکہ یہ تعلق محسوسات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ معقولات میں سے ہے! ور اس کا بیان ہمارے مدنظر نہیں لیکن روح اور جسم دونوں اس سے متاثر ہیں، کیونکہ اگر روح صاحب کمال اور پاکیزہ ہو تو جسم سے بھی مستحسن افعال سرزد ہوتے ہیں۔ یہی حال روح کا ہے۔ کہ اگر جسم کے آثار اچھے ہوں تو ان سے روح میں اچھی ہیئتیں پیدا ہونگی، اور پسندیدہ اخلاق صادر ہونگے +

www.ahnafmedia.com

چنانچہ تزکیہ نفس کا طریقہ یہ ہے کہ جو افعال پاکباز اور کامل نفوس سے صادر ہوتے ہیں ان کو پے در پے کیا جائے، یہانتک کہ جب کچھ عرصہ کے تکرار سے ان کی عادت ہو جائیگی۔ تو اُن سے نفس میں ایک پختہ ہیئت واقع ہوگی۔ جو ان افعال کی مقتضی ہوگی اس کا تقاضا یہانتک بڑھیگا کہ یہ باتیں عادت کے باعث طبیعت ثانیہ بن جائینگی پھر جو باتیں پہلے انسان کی طبیعت پر بے حد گراں تھیں اب اس کو بالکل آسان اور سہل معلوم ہونگی +

اسی طرح مثلاً جو شخص چاہے کہ مجھ میں سخاوت کا خلق پیدا ہو جائے۔ تو اسی کو چاہئے سخاوت کرنے والے شخص کے افعال کی بتکلف پیروی کرے۔ یعنی مال و زر خرچ کرے! ور اس کام کی مواظبت کرتا رہے۔ یہانتک کہ یہ بات اس پر آسان ہو جائے اور وہ خود صاحب جود و سخا بن جائے +

اسی طرح اگر کسی شخص پر تکبر اور پندار کا عفریت سوار ہے اور وہ متواضع اور خلیق ہونا چاہتا ہے۔ تو اُسے چاہئے کہ متواضع اور خلیق لوگوں کے عادات و اطوار پر ہمیشگی کرے۔ اور اس بات کو ہر وقت پیش نظر رکھے +

عجیب بات یہ ہے کہ جسم اور روح کے درمیان ایک چکر سا قائم ہے بدن جب ایک کام بتکلف کرتا ہے تو اُس سے روح میں ایک صفت پیدا ہوتی ہے۔ پھر جب روح میں وہ صفت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ لوٹ کر بدن کی طرف پھر جاتی ہے اس سے وہ فعل جو جسم نے کیا تھا اور بتکلف کیا تھا اس کی طبیعت میں راسخ ہو کر عادت ثانیہ بنجاتا ہے۔ اس کا معاملہ تمام فنون اور صنعتوں کا سا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص خوشنویسی کا وصف حاصل کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی باکمال کاتب کی نقل کرے۔ یعنی خوبصورت الفاظ محنت سے اس کی مانند لکھے۔ پھر حسن خط میں اس قدر مشق بہم پہنچائے کہ خوشنویسی کا ملکہ اس کی طبیعت میں راسخ ہو جائے اور اس فن کی مہارت اس کی ذات کا ایک وصف بن جائے۔ چنانچہ جو بات ابتدا میں تصنع سے کر سکتا تھا اب بالطبع اور خود بخود کرے گا۔ بات تو ایک ہی ہے ابتدا میں بھی اس کا خط وہی حسن و خوبی رکھتا تھا۔ اور اب بھی ویسا ہی ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے آورد تھی اب آمد ہے۔ اور یہ تمام کارستانی ایک واسطہ سے تاثر نفس کی ہے +

www.ahnafmedia.com

اسی طرح جس شخص کو فقاہت کا شوق ہو۔ تو اُسے اس کے سوائے چارہ کار نہیں کہ فقہ میں ممارست کرے، اُسے حفظ کرے، اور بار بار پڑھے۔ ابتدا میں اُسے طبیعت پر زور دینا پڑیگا، یہانتک کہ علم فقہ اس کے نفس پر منعطف ہو جائیگا۔ اور وہ فقیہ نفس ہو جائیگا۔ یعنی اس کی طبیعت میں ایک ایسی حالت پیدا ہو جائیگی جو تخریج مسائل کے لئے خود بخود مستعد رہو گی۔ اور جو چیز ابتدا میں اُسے مشکل معلوم ہوتی تھی اب طبعی طور پر اس کے لئے آسان ہو جائیگی، یہی حال تمام صفات نفس کا ہے +

جس طرح رتبہ فقاہت کا طالب نہ تو ایک رات کی بیکاری سے اس مرتبہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور نہ ہی ایک رات کی زیادتی سے اس تک پہنچ جاتا ہے! اسی طرح کمال نفس کا طالب نہ ایک دن کی عبادت سے اُسے حاصل کر لیتا ہے اور نہ ایک دن کا نقصان اُسے محروم کر دیتا ہے! لیکن ایک دن تعطل دوسرے روز کی بیکاری کو دعوت دیتا ہے۔ پھر یہ سہل انگاری آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی بڑھتی جاتی ہے۔ یہانتک کہ انسان کی طبیعت کسلمندی سے مانوس ہو جاتی ہے! اور تحصیل فقہ کا شوق کم ہو جاتا ہے چنانچہ فضیلت فقہ غائب ہو جاتی ہے +

یہی حال جملہ صغیر گناہوں کا ہے۔ ایک گناہ دوسرے کو بلانے کا کام کرتا ہے جس طرح رات کے تکرار کا اثر نفس کے تفقہ میں محسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ قد کے بڑھنے اور بدن کے نشوونما پانے کی طرح یہ تھوڑا تھوڑا ظاہر ہوتا ہے! اسی طرح ایک ایک طاعت و عبادت کے عمل کا اثر نفس اور اس کے کمال میں محسوس نہیں ہوتا لیکن مناسب یہ ہے کہ انسان اُسے حقیر نہ سمجھے۔ کیونکہ اس کا اثر مجموعی حیثیت سے ہی ظاہر ہو گا ؎

قطرہ قطرہ جمع شود دریا
دانہ دانہ جمع شود خرمن

پھر کوئی طاعت نہیں جس کا ایک اثر نہ ہو۔ اگرچہ کتنا ہی مخفی ہو۔ اور یہی حال ہر ایک معصیت کا ہے +

کتنے ہی خود سر فقیہ ہیں جو ایک دن اور رات کی تعطیل کو معمولی خیال کرتے ہیں اور اسی طرح پیاپے بے کار رہتے ہیں۔ اور کمال علم کے حصول سے قطعاً محروم رہ جاتے ہیں۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو صغیرہ گناہوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ کہ انجام کار محرومان سعادت سے

اُسے دوشناس ہونا پڑتا ہے! اور بہت سے صاحب توفیق فقیہ ہیں جو ایک دن رات کی تعطیل کو بھی معمول نہیں سمجھتے اور پیہم سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اور شاید کمال نفس سے ایک روز ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر نہیں سمجھتے کہ انجام کار درجات سعادت حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ تھوڑی شے زیادہ شے کو بلا لاتی ہے اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایمان دل میں ایک نکتے سے شروع ہوتا ہے۔ جوں جوں ایمان زیادہ ہوتا ہے یہ سفیدی بھی بڑھتی جاتی ہے۔ یہانتک کہ جب انسان کا ایمان کامل ہو جاتا ہے تو تمام دل سفید براق ہو جاتا ہے۔ اور نفاق بھی دل میں ایک سیاہ نکتے سے شروع ہوتا ہے۔ جوں جوں نفاق ترقی کرتا جاتا ہے دل کی سیاہی بھی المضاعف ہوتی جاتی ہے، یہانتک کہ جب انسان کا نفاق کامل ہو جاتا ہے۔ تو دل بھی تمام تر سیاہ ہو جاتا ہے +

فصل

وہ فضائل جن کی تحصیل سے سعادت ملتی ہے

جب یہ معلوم ہو گیا کہ سعادت تزکیۂ نفس اور اس کی تکمیل سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی تکمیل جملہ فضائل کے اکتساب سے ہی ہو سکتی ہے تو ضروری ہوا کہ تمام فضائل بالتفصیل معلوم کئے جائیں جملہ فضائل کا لب لباب دو باتوں میں ہے (اول) جودت ذہن و تمیز اور (دوم) حسن خلق،

جودت ذہن سے اول طریق سعادت و شقاوت میں تمیز حاصل ہوتی ہے، تاکہ اس پر گام فرسا ہوا جائے، +

دوم براہین قاطعہ کے ذریعہ سے جو یقین کے لئے مفید ہوں۔ اشیا کی حقائق معلوم کرنا، نہ تقلیدات ضعیفہ اور نہ کمزور اور بودے خیالات کے ذریعہ سے، اور حسن خلق اس لئے ہے تاکہ تمام عادات سیئہ کو جن کی تفصیل شریعت بتا چکی ہے اس کی امداد سے زائل کر دیا جائے اور ان کو اسی قدر معوض بنا دیا جائے جس قدر شریعت

نے انہیں قرار دیا ہے، اور اُن سے اسی طرح اجتناب کیا جائے جس طرح گندگی سے انسان اجتناب کرتا ہے، نیز اس لئے تاکہ عادات حسنہ عود کر آئیں۔ اور انسان کی طبیعت ان کی مشتاق ہو کر ان سے محبت کرنے اور ان کو نعمت سمجھنے لگ جائے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے +

اور جب کبھی عبادت گذاری اور ترک محظورات دل پر گراں گزریں تو یہ نقصان کی دلیل ہے، اور کمال سعادت اس سے نہیں ملتی۔ ہاں اس پر ہمت سے ہمیشگی کرنا نیکی کی غایت ہے۔ لیکن اسی نسبت سے جو اس کے کرنے میں خوشدلی اور رغبت کو ہے +

جو شخص غیر مہذب ہے اسی کو حق کڑوا معلوم ہوتا ہے چنانچہ حق سے موڑنے کے خیالات باقی رہتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا وانہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین۔ نماز سوائے خشوع کرنے والوں کے سب پر بھاری ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر تم اللہ کی رضامندی کے لئے اعمال صالحہ کر سکو تو بہتر۔ ورنہ مکروہات پر صبر کرنے میں ہی بہت نیکی ہے، پھر سعادت کے حصول کے لئے ایک وقت میں نیکی کرنا اور برائی سے بچنا اور دوسرے وقت میں ایسا نہ کرنا کافی نہیں، بلکہ چاہیئے کہ تمام عمر میں علی الدوام اس پر عمل کیا جائے اور جتنی عمر زیادہ ہوگی، اسی قدر بزرگی زیادہ راسخ اور زیادہ کامل ہوگی، اسی لئے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سعادت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا۔ تمام عمر اللہ کی اطاعت کرنا، حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم موت کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے +

جب عمر کی درازی سے عبادتیں زیادہ کی جائیں گی تو ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ نفس زیادہ زکی اور اطہر ہوگا۔ اور اس کا کمال زیادہ مکمل اور انسان کی خوشی اس کے نفس کے رذائل بدن سے علیحدہ ہونے کے باعث زیادہ زبردست اور زیادہ وافر ہوگی +

اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنی اس نیند سے بیدار ہو جس نے اُسے اپنے نفس کے حال سے اور اس کے جمال سے جن سے وہ منور ہوتا ہے، اور ان ذلت آمیز خیالات و حالات سے جو اس کی فضیحت و رسوائی کا باعث ہیں، غافل کر رکھا تھا۔ یہ تنبہ اور بیداری، اتفاقات

دشاغل کے دُور پھینک دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ لوگ اصل میں سوئے ہوئے ہیں جب مرجاتے ہیں تو جاگ اُٹھتے ہیں، یہی بات مجموعۂ فضائل اور ان کی غایت ہے۔ کہ انسان سے ہمیشہ اچھی باتیں صادر ہوں، بغیر سوچنے کے یا دیکھنے کے یا تکلیف اور رنج و تعب کے، اُسے حق کی اطلاع بغیر کسی لمبی چوڑی محنت کے ہو جائے۔ گویا کہ یہ بات خود بخود اس سے صادر ہو رہی ہے، جس طرح مشاق صناع اور خوشنویس کاتب سے نقش و نگار اور کتابت سرزد ہوتی ہے +

انتہائے بدعملی کی انتہا یہ ہے کہ انسان سے بے اختیار بغیر غور و فکر اور بن دیکھے خود بخود بداخلاقیاں سرزد ہوں۔ یاد رکھو کہ یہ تمام فضائل فن نظری اور فن عملی میں محصور ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دو طریق پر حاصل ہوتا ہے:۔

(اوّل) تعلیم بشری اور تکلیف اختیاری، اس طریقہ میں کچھ عرصہ کی مشق اور مواظبت و ممارست کی حاجت ہے۔ تیسرا یہ کہ بتدریج نامعلوم طریقہ پر تھوڑی تھوڑی نیکی جمع کرتے جائیں جس طرح لوگ نشو و نما میں بتدریج ترقی کرتے ہیں ممکن ہے بعض لوگ ایسے بھی ہوں جن کے لئے ادنیٰ مشق بھی کافی ہے۔ اور یہ بات ذکاوت و بلاوت پر منحصر ہے۔

(دوم) فضل خداوندی سے حاصل ہو جائے یعنی انسان مادر زاد طور پر بغیر معلم کے عالم و فاضل ہو جائے جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور یحییٰ بن زکریا علیہما السلام تھے۔ یہی حال تمام انبیاء کا ہے۔ ان کو حقائق اشیاء کا علم اس قدر وسیع دیا گیا تھا کہ دوسرے طالب علم تعلیم و تعلم کے ذریعہ سے بھی حاصل کرنے سے قاصر ہیں +

بعض کا خیال ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کچھ لوگ اور بھی اس بات کے اہل ہیں ان کو اولیاء اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر یہ وہ عطیۂ الٰہی ہے جس کا اکتساب جد و جہد کے ذریعہ ناممکن ہے۔ جو شخص اس سے محروم ہو اُسے چاہئے کہ فریق ثانی میں سے ہونے کی کوشش کرے +

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس کا رتبہ ان لوگوں کے مراتب سے کمتر ہوگا اسرمہ لگانے سے آنکھوں میں وہ رعنائی نہیں پیدا ہو سکتی جو قدرتی سیاہ آنکھوں میں موجود ہوتی ہے +

اس بات کو مستبعد بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ پیدائشی اور فطری طور پر وہ علوم حاصل

ہوں جو اکتساب اور کوشش کے ذریعہ ملتے ہیں۔ جس طرح اخلاق میں ہوتا ہے۔ چنانچہ بسا اوقات ایک لڑکا صادق القول سخی اور جری ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کے خلاف پیدا ہوتا ہے اور یہ باتیں تادیب و تربیت سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ غرض بزرگی بعض اوقات طبعی طور پر ملجاتی ہے کسی وقت عادت ڈالنے سے اور کبھی تعلیم سے حاصل ہو جاتی ہے جس شخص کو تینوں اعلیٰ جہتیں حاصل ہوں یہانتک کہ طبعی طور پر عادت ڈالنے سے اور تعلیم کی امداد سے صاحب فضیلت ہو تو اُسے انتہائے بزرگی حاصل ہے۔ اور جو تینوں طور پر ذلیل ہو تو وہ غایت رذالت کے گڑھے میں ہے۔ ان دونوں صورتوں کے درمیان اس شخص کا رتبہ ہے جو ان جہتوں سے مختلف ہے +

فصل

تہذیب اخلاق کا مفصل طریقہ

تمہارے لئے اس بات کا علم بھی ضروری ہے کہ نفس کا علاج رذائل کو اس سے دُور کرنے اور فضائل کے اکتساب سے ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال علم طب کی سی ہے جس میں بدن کے مرض کی روک تھام اور تندرستی قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے +

جس طرح مزاج کی اصلیت میں اعتدال غالب ہے اور بیماری جو حالت اعتدال کو لیبیتی ہے۔ اغذیہ وغیرہ کے عارضوں سے ہی حملہ کرتی ہے۔ اسی طرح ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اُسے یہودی۔ نصرانی۔ اور مجوسی بنا لیتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ تعلیم اور بڑوں کی دیکھا دیکھی بُری عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس طرح بدن ابتدا میں غیر مکمل پیدا ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ غذا کے ذریعہ سے نشو و نما اور تربیت پاکر کامل ہوتا ہے اسی طرح نفس بھی ناقص پیدا ہوتا ہے اور تزکیہ، تہذیب اخلاق اور علم کی غذا دینے سے ہی کامل ہوتا ہے۔ مثلاً بدن اگر تندرست ہو تو طبیب کا کام یہ ہے کہ قانون حفظ صحت پر عمل کرائے اور اگر مریض ہے تو اس کا فرض اولین یہ ہے کہ اُسے تندرست کرے۔ یہی حال نفس انسانی کا ہے، اگر وہ پاکیزہ و طاہر اور مہذب ہے۔ تو مناسب ہے کہ اس کے ان اوصاف کو

قائم و محفوظ رکھا جائے اور مزید قوت اور صفائی باطنی سے اُسے بہرہ اندوز کرایا جائے۔ اور اگر عدیم الکمال ہے اور صفائی اُسے حاصل نہیں تو چاہئے کہ پہلے اس میں یہ باتیں پیدا کی جائیں جس طرح حالت اعتدال کو بدلکر مرض پیدا کرنے کی علت کا علاج اس کی ضد سے کیا جاتا ہے۔ اگر سردی سے ہو تو گرم دوائیں دی جاتی ہیں اور اگر گرمی سے ہو تو سرد دوائیں، اسی طرح نفسانی امراض کے اسباب و بواعث کا علاج بھی ان کی ضد سے کیا جاتا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ جہالت کا علاج بے تکلف تعلیم سے بخل کا بے تکلف سخاوت سے، غرور کا بے تکلف انکسار سے اور پرخوری کا غذاؤں سے بے تکلف ہاتھ کھینچنے سے کرنا چاہئے! ور جس طرح ہر ایک ٹھنڈی دوا گرمی سے پیدا ہونے والے مرض کو کافی نہیں ہو سکتی جب تک وہ ایک وزن خاص میں نہ دی جائے۔ کیونکہ اس دوائی کی تیزی کمزوری، دوام و عدم اور اس کی قلت و کثرت بھی مختلف ہوتی ہے اس کے لئے ایک پیمانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس کی نفع بخش مقدار کا اندازہ معلوم کیا جائے کیونکہ اگر اندازے کے مطابق دوائی نہ دی جائے تو مرض بڑھ جائیگا۔ اسی طرح امراض اخلاق کے علاج کے لئے جو دوا دی جاتی ہے اس کے لئے ایک اندازے کی بھی ضرورت ہے۔ پھر جس طرح دوا کا اندازہ بیماری کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے یہانتک کہ جب تک طبیب یہ معلوم نہیں کر لیتا کہ مرض کی علت حرارت ہے یا برودت اور اگر اس کی علت حرارت ہے۔ تو اس کا درجہ قوی ہے یا ضعیف۔ اس وقت تک مرض کے علاج کو ہاتھ نہیں لگاتا! ور جب ان تمام امور سے واقف ہو جاتا ہے۔ تو حالات بدن۔ حالات موسم اور مریض کے پیشہ کی جانب توجہ کرتا ہے! ور انجام کار سب حالات و واقعات کو مدنظر رکھ کر علاج میں مشغول ہوتا ہے۔ اسی طرح شیخ متبوع کو جو مریدوں کے نفوس کی بیماریاں دُور کرتا ہے۔ چاہئے کہ اپنے مریدوں پر خاص قسم کی ریاضت شاقہ اور تکالیف کا ہجوم نہ کر دے جن سے ان کے اخلاق و عادات مانوس نہ ہوں، تو جب اُسے معلوم ہو جائے کہ فلاں برائی مرید پر سوار ہے اس کی مقدار کو جان لے، اس کا حال اور مدت اُسے معلوم ہو جائے اور یہ بھی معلوم کر لے کہ فلاں بات علاج میں مفید ہوگی۔ تو علاج کا طریقہ معین کرے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض پیر اپنے بعض مریدوں کو شہر میں جا کر محنت و مشقت کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ مرید میں کسی قسم کا تکبر اور حکومت کی بُو پائی جاتی ہے۔ اس لئے پیر

www.ahnafmedia.com

ان امراض کا علاج ایسے طریق سے کرتا ہے۔ جو اس کے ان عادات کے نقیض دیکھتا ہے یہانتک کہ اس کے تکبر کو اس کے ذریعہ سے چور چور کر دیتا ہے بعض مریدوں کو پانی بھرنے اور استنجے کے ڈھیلے گننے کا ارشاد ہوتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ مرید کا نفس رعونت کی جانب مائل نظر آتا ہے اور حد اعتدال سے زیادہ نفاست پسندی اس کی طبیعت میں پائی جاتی ہے۔ بعض کو روزے رکھنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ اور افطاری کے لئے برائے نام کھانے کی مقدار دی جاتی ہے اور یہ اس لئے کہ مرید جوان۔ قوی الشہوت اور پیٹ ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ تہذیب نفس کے طریقے برتے جاتے ہیں +

بعض لوگوں کے متعلق روایت ہے جو قوت غضب کو دور کر کے قوت حلم پیدا کرنے کے لئے کم حیثیت آدمیوں کو اجرت دیتے تھے اور اس بات پر مقرر کرتے تھے۔ کہ محفلوں اور مجلسوں میں ان پر خوب گالیوں کی بوچھاڑ کریں چنانچہ حلم اور بردباری کے اوصاف ان میں پیدا ہو گئے۔ یہانتک کہ ان کی قوت برداشت ضرب المثل ہو گئی۔

کچھ اور لوگ تھے۔ جو اپنے میں وصف شجاعت پیدا کرنے کے لئے جاڑے میں دریا میں تیرتے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو عمدہ عمدہ کھانے تیار کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو اپنے سامنے بٹھا کر کھلاتے تھے۔ اور خود پرخوری کی بدعادت دور کرنے کے لئے نان جویں پر گذارہ کرتے تھے +

ہندوستان کے سادھو عبادت میں سہل انگاری اور سستی کے مرض کا علاج تمام رات ایک ٹانگ پر کھڑے ہونے سے کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ حب مال کی بیماری کا علاج یوں کرتے ہیں۔ کہ تمام مال و اسباب فروخت کر کے اس کے دام اٹھا کر دریا میں پھینک دیتے ہیں +

الغرض تہذیب اخلاق کے طریقوں کا یہ مختصر اور اجمالی بیان ہے اور اگر ان کی تفصیل میں جائیں تو سلسلہ کلام بہت طویل ہو جائے +

مدعا یہ ہے کہ شائق لوگ اپنے اخلاق کے بارے میں تزکیہ نفس کریں پس اگر تمہارا نفس پہلے ہی مہذب ہے تو اس کی حفاظت کرو۔ تاکہ بگڑنے نہ پائے اور اگر وہ بگڑنے کی جانب مائل ہے۔ تو اسے پھیر کر حد اعتدال پر لے آؤ۔ اس کے طریقہ کی تفصیل ابھی آئیگی۔ اعتدال حاصل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ افراط و تفریط کی حالت دور کر دی جائے

کیونکہ غرض یہ ہے کہ بدنی عوارض سے جو صفات نفس کو لاحق ہو جاتے ہیں ان سے نفس کو بالکل پاک کر لیا جائے۔

یہاں تک کہ ان کی جدائی کے بعد افسوس و محبت کے طور پر نفس ان کی جانب کبھی متلفت نہ ہو۔ اور نہ ہی ان کے چلے جانے پر اُسے رنج محسوس ہو۔ ساتھ ہی ان سے مشغول ہونے سے منع کئے جانے اور اپنے جوہر کے لائق سعادتوں سے میل ملاپ کرنے میں اُسے کوئی تکلیف نظر نہ آئے۔ چنانچہ جب ہم چاہتے ہیں کہ پانی نہ تو گرم ہو۔ اور نہ ہی ٹھنڈا۔ تو ہم اُسے معتدل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آب فاتر جو ٹھہرنے کو چھوڑ دیا ہو نہ گرم ہوتا ہے نہ سرد۔ تو یہی حال ان صفات کا ہے +

تمہارا کام یہ ہے کہ تم غور کرو کہ جس خلق کے باب میں تم سرگرم عمل ہو اس کے موجبات سے جو افعال ہیں۔ وہ کیسے ہیں۔ پھر اگر ان کے کرنے سے تمہیں لذت حاصل ہو۔ تو سمجھ لو کہ جس خلق سے یہ فعل متعلق ہے وہ تمہاری جان میں راسخ ہے اور اگر وہ فعل قبیح ہے تو جان لو خلق قبیح ہے۔ مثلاً اگر تم مال جمع کرنے اور اُسے دبا رکھنے میں خوشی اور لذت محسوس کرتے ہو تو اس فعل سے متعلق خلق بخل ہے پس تمہیں چاہئے کہ تم اپنی طبیعت کو اس کے برخلاف عمل کی طرف پھیر لے جاؤ۔ اخلاق حسنہ اور اخلاق سیئہ کی تفصیل شریعت کر چکی ہے اور آداب بنی آدم کے باب میں جس قدر تصانیف ہیں۔ وہ ان کو جامع ہیں ہم ان کی جانب جلد ہی اجمالی اشارہ کرینگے۔ ہماری مراد اعتدال سے یہ ہے کہ اگر تم مال خرچ کرنے اور اسراف میں لطف محسوس کرتے ہو۔ تو جان لو کہ یہ بھی مذموم ہے، اسی کو تبذیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ محمود و معتدل حالت وہ ہے جس کو سخاوت کہتے ہیں۔ اور جو کنجوسی اور فضول خرچی کے درمیان ہے اس سے مراد یہ ہے کہ تم پر شریعت و عقل کے اقتضا کے مطابق مال خرچ کرنا آسان ہو۔ خوش دلی اور رغبت سے خرچ کرنا۔ اور شریعت و عقل کے اقتضا کے مطابق خوش دلی اور رغبت سے روک لینا بھی آسان ہو۔ یہی صورت معاملہ ہے تمام صفات میں، ان میں ایک کی مثال ہی کافی ہے

جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ معیار اعمال کا ماخذ مقدار صفات و اخلاق ہے، تو تم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہی، کہ ان کے باب میں اختلاف اشخاص کے ساتھ رستہ بھی مختلف ہوگا۔ نیز اختلاف حالات کے ساتھ ایک شخص کے حق میں بھی مختلف ہوگا +

www.ahnafmedia.com

چنانچہ جس شخص کو بصیرت سے کچھ حصہ ملا ہے وہ علت وسبب کے پیچھے پڑیگا۔ اور اس کا علاج اس کے طریقہ کے مطابق کریگا۔ لیکن چونکہ اکثر لوگ اس لائق نہیں اور شریعت کے لئے مشکل ہے کہ ایسی تفصیل پیش کرے جو سب لوگوں کے لئے سب زمانوں میں کافی ووافی ہو۔ اس لئے شریعت نے تفصیل کے بارے میں صرف ان قوانین مشترکہ کو بیان کردینا کافی سمجھا جن کی حدیں طاعات وترک معاصی کو گھیر رہی ہیں۔ پھر ان صفات کے ذکر کو چھوڑ دیا۔ جو امور جبلیہ کے ساتھ لذت پانے کے لئے مقصود ہیں۔ مثلاً فرمایا حب الدنیا راس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ وغیرہ وغیرہ ٭

اس سے اہل بصیرت نے جان لیا کہ غایت مطلوب اور اس کا طریقہ اور غایت محذور اور اس کا رستہ کیا ہے اور تفصیل سے واقف ہو کر ان لوگوں کو اس رستہ پر گامزن کیا جنہوں نے ان کی اتباع کی۔ اس طرح وہ انبیاء علیہم السلام کے نائب ہوئے کہ انہوں نے اس چیز کی تفصیل بیان کی جن کو انبیاء نے اجمالاً بیان کیا تھا۔ اور جس کو صرف بطور تمہید کہا تھا انہوں نے اس کی تشریح کی، اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا العلماء ورثۃ الانبیاء علما نبیوں کے وارث ہیں ٭

فصل

اُمہاتِ فضائل

یوں تو فضائل بے شمار ہیں، لیکن چار چیزیں تمام شعبوں اور قسموں پر حاوی ہیں، یعنی حکمت، شجاعت، عفت اور عدالت۔ حکمت سے قوت عقلیہ کی فضیلت مراد ہے شجاعت سے قوت غضبیہ کی، عفت سے قوت شہوانیہ کی۔ اور عدالت سے مراد ہے ان تمام قویٰ کا ترتیب مناسب میں واقع ہونا۔ اس کے ذریعہ سے تمام امور کامل ہوتے ہیں اسی لئے کہتے ہیں کہ زمین وآسمان عدل پر قائم ہیں۔ ہم ان بنیادی امور میں سے ایک ایک کی تشریح کرینگے۔ نیز ان کے بیان کی۔ ان کے ماتحت جملہ انواع کی تشریح کرینگے ٭

حکمت کے ہم وہی معنی لیتے ہیں جنکی عظمت اللہ تعالےٰ نے اس قول سے

www.ahnafmedia.com

بیان فرمائی ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا۔ اور جس کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحکمۃ ضالۃ المؤمن۔ حالی ؎

کہ حکمت کو تم گم شدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اُسے مال سمجھو

حکمت قوت عقلیہ کی طرف منسوب ہے۔ تم پہلے جان چکے ہو کہ نفس کی دو قوتیں ہیں:۔

اوّل۔ جو اوپر سے آتی ہے اسی سے ضروری۔ نظری اور کلی حقائق علوم ملأ اعلےٰ کی طرف سے القا ہوتے ہیں۔ یہ یقینی علوم ہیں سچے ہیں۔ ازلی اور ابدی لحاظ سے، اختلاف اعصار واممان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جیسے اللہ تعالےٰ۔ اس کی صفات اس کے ملائکہ، اُس کی کتابوں اور رسولوں کا علم اور عالم میں خدا کی مخلوق کی تمام اصناف کا علم۔

قوت ثانیہ وہ ہے جو نیچے کی جانب متوجہ رہتی ہے یعنی بدن اور اس کی تدبیر اور سیاست کی جانب، اسی کے ذریعہ سے نیک اعمال کا ادراک ہوتا ہے۔ اس کو عقل عمل کہتے ہیں۔ اس کے ذریعہ سے نفس کے قوی اہل شہر اور اہل خانہ کی قوتیں قابو میں رکھی جاتی ہیں۔ اس کا نام ایک لحاظ سے حکمت مجازی طور پر ہے۔ کیونکہ اس کی معلومات گرگٹ کی مانند بدلتی رہتی ہیں اور ایک جگہ قرار نہیں پکڑتیں۔ چنانچہ اس کی معلومات میں سے ایک یہ ہے "مال خرچ کرنا اچھا کام ہے" حالانکہ بعض اوقات اور بعض اشخاص کے حق میں یہ بات برائی بھی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اول الذکر کے لئے حکمت کا نام زیادہ درست ہے اور موخر الذکر اوّل کا کمال ہے اور تتمہ۔ یہ حکمت خلقیہ ہے اور وہ حکمت عملیہ و نظریہ، حکمت خلقیہ سے ہماری مراد ہے نفس عاقلہ کی وہ حالت اور فضیلت جس سے قوت غضبیہ و شہوانیہ قابو میں لائی جاتی ہیں۔ اور مناسب اندازے کے ساتھ انقباض و انبساط میں مقدار مقرر کی جاتی ہے اس سے مراد قوت فیصلیہ ہے یہ ایک فضیلت ہے جس کو دو خباثتیں احاطہ کئے ہوئے ہیں: اوّل مکاری دوم سادہ لوحی۔ یہ دونوں کنارے ہیں افراط و تفریط کے: مکاری افراط کی انتہائی صورت ہے یہ وہ حالت ہے جس میں انسان مکر و حیلہ سے کام لینے کا عادی ہوتا ہے۔ جب قوت غضبیہ اور شہوانیہ مطلوب کی طرف حد سے زیادہ تحریک کرتی ہیں، اور سادہ لوحی انتہائی تفریط اور حد اعتدال سے کم ہونے کا نام ہے یہ وہ حالت ہے جس میں نفس قوت غضبیہ

وشہوانیہ کے مشورہ کو حد سے کم قبول کرتا ہے اس کی وجہ فہم کی کمزوری اور قوت فیصلہ کی کمی ہے +

شجاعت قوت غضبیہ کے لئے فضیلت ہے۔ بوجہ اس کے قوی ہونے کے، حمیت کے ساتھ یہ عقل کی مطیع و منقاد ہے اور بڑھنے اور گھٹنے میں شریعت کے احکام کی پابند۔ قوت غضبیہ کی دو برائیوں کے درمیان جو اُسے گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ ایک متوسط درجہ ہے دونوں برائیاں تہور اور بزدلی ہیں۔ تہور اعتدال سے بڑھی ہوئی کیفیت کا نام ہے اور یہ وہ حالت ہے جس میں انسان ایسے خطرناک امور میں کود پڑتا ہے جن سے بچنا قرین دانشمندی تھا، بزدلی اعتدال سے گھٹتی ہوئی حالت ہے اس میں حرکت غضبیہ کی حد سے زیادہ کمی کے باعث انسان ان امور کو مٹھیہ دکھا کر بھاگ جاتا ہے جن کا سامنا کرنا عقل و خرد کے مطابق تھا۔ جب یہ تمام اخلاق حاصل ہو جاتے ہیں، تو اُن سے افعال صادر ہوتے ہیں یعنی خلق شجاعت سے دلیرانہ اقدام دنیا در ہوتا ہے۔ جہاں چاہئے اور جیسا چاہئے۔ یہی طرز عمل پسندیدہ اور قابل تعریف ہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد اشداء علی الکفار رحماء بینھم سے بھی یہی ہے یعنی کفار پر سخت گراں اور آپس میں نہایت مہربان سہربان حالت میں نہ تو سختی و درشت ہے نہ نرمی ہی، بلکہ مناسب طرز عمل وہ ہے جو عقل و شریعت کے معیار پر پورا اترے۔ جس کو یہ حد اعتدال حاصل ہو جاتے اُسے چاہئے کہ اپنے افعال سے اُسے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور جسے یہ بات میسر نہ ہو تو چاہئے کہ وہ غور کرے اور اگر دیکھے کہ اس کی طبیعت کی شجاعت یعنی بزدلی کی جانب مائل ہے تو بہادروں کے افعال کی پیروی کا تکلف کرے اور اس پر ہمیشہ عمل کرے یہانتک کہ یہ بات اس کا طبعی خلق اور عادت بن جائے اور شجاعت مندوں کے کارنامے اس سے خود بخود صادر ہونے لگیں۔ اور اگر دیکھے کہ اس کی طبیعت حد اعتدال سے متجاوز حالت کی یعنی تہور کی طرف مائل ہے تو یہی مناسب ہے کہ اپنے تئیں ان امور کے نتائج سے ڈرائے اور ان کے خطرات کی عظمت سے دل کو مرعوب کرے۔ ان باتوں پر اسے ابتدا میں بتکلف عمل کرنا پڑیگا۔ یہانتک کہ اس کی طبیعت حد اعتدال یا اس کے قریب کے کسی مقام کیطرف ہٹ آئیگی۔ کیونکہ حد اعتدال کی حقیقت پر قائم رہنا نہایت مشکل بات ہے اور چونکہ یہ بات عزیز الحصول ہے اس لئے فرمایا وان منکم الا واردھا تم میں سے ہر ایک

اس میں وارد ہوگا +

کسی بزرگ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا "حضور آپ کے اس فرمان سے کیا مطلب ہے کہ مجھے سورۃ ھودؑ نے بوڑھا کر دیا" ارشاد ہوا اللہ تعالےٰ کے اس فرمان نے کہ فاستقم کما امرت یعنی صراط مستقیم پر استمرار اور افراط و تفریط سے بچکر توسط اختیار کرنا نہایت سخت مرحلہ ہے۔ یہ بات بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے تیز تر ہے۔ جیسے کہ پلصراط کے باب میں بیان کیا گیا جس شخص نے دنیا کے راستے پر استقامت اختیار کر لی۔ وہ آخرت میں بھی مستقیم رہیگا کیونکہ انسان اسی بات پر مرتا ہے جس پر اس نے زندگی بسر کی ہو اور اس کا حشر اس بات پر ہوگا جس پر وہ مرا۔ اسی لئے نماز کی ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے کیونکہ اس میں آیت اھدنا الصراط المستقیم داخل ہے۔ طالب پر استقامت سب باتوں سے زیادہ سخت اور دشوار ہے اگر ایک خلق میں بھی اس کا مکلف قرار دیا جائے تو مصیبت طویل ہو جائے حالانکہ ہمیں تمام اخلاق میں باوجود ان کے بے حد و حساب ہونے کے اس بات کا مکلف کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوگا خطرات سے عہدہ برائی توفیق الٰہی اور رحمت خداوندی کے بغیر ناممکن ہے اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الناس کلھم موتی الا العلمون والعالمون کلھم موتی الا العاملون والعاملون کلھم موتی الا المخلصون والمخلصون علی خطر عظیم

لوگ سب مردے ہیں سوائے عالموں کے۔ اور عالم سب مردے ہیں سوائے عاملوں کے اور عامل سب مردے ہیں سوائے مخلصوں کے اور مخلصین بڑے بڑے خطروں میں ہیں تو ہم خداوند تبارک و تعالےٰ سے نہایت عاجزی سے دعا کرتے ہیں کہ الٰہی اپنی توفیق سے ہماری مدد فرما۔ تاکہ ہم اس دنیا میں خطرات سے بچکر سلامت نکل جائیں اور غفلت و خود فراموشی کے دام میں گرفتار نہ ہوں +

عفت۔ تو یہ قوت شہوانیہ کی بہترین صورت ہے اس سے مراد قوت شہوانیہ کو نرم اور ہموار کر کے قوت عقلیہ کے تابع کر دینا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی حرکت و سکون اس کے اشارے کے مطابق ہو جائے۔ اس کے دونوں جانب دو خرابیاں ہیں، شہوت پرستی اور نامردی، شہوت پرستی سے مراد ہے لذات نفسانی میں افراط اس حد تک

کہ قوت عقلیہ اسے ناپسند کرے اور اس سے منع کرے۔ نامردی سے مراد ہے شہوت کی آگ کا بالکل بجھ جانا۔ اور اس میں اس قدر جوش بھی نہ رہنا جس کی موجودگی کا عقل تقاضا کرتی ہے۔ یہ دونوں باتیں بری ہیں عفت ان دونوں کا درمیانی اور پسندیدہ نکتہ ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنی شہوت کی نگہبانی کرے۔ اس پر اکثر افراط غالب ہوتی ہے خصوصاً شرمگاہ اور پیٹ کی تقضیات پر اور مال و ریاست اور جب ثنا پر۔ یاد رکھو ان باتوں میں افراط و تفریط دونوں نقصان رساں ہیں +

انسان کا کمال اعتدال میں ہے اور اعتدال کا معیار عقل و شرع ہے مطلب یہ ہے کہ شہوت اور غضب کے اخلاق کی غایت مطلوبہ کا علم ہو جائے مثلاً اس بات کی واقفیت ہو جائے کہ خواہش طعام اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ غذا لینے کی تحریک کرے جو حرارت غریزی میں خلل آنے کا سدباب کرتی ہے حتی کہ بدن زندہ رہتا ہے اور حواس سالم تاکہ حصول علوم اور حقائق اشیا کے ادراک کی طاقت پیدا ہو..... یہ حالت طبقہ علیا سے مشابہ ہے کیونکہ اس میں امن کے خواص پائے جاتے ہیں یعنی رتبہ ملائکہ، یہی کمال سعادت ہے جو شخص ان باتوں کی معرفت حاصل کر لے۔ اس کی غرض تناول طعام سے عبادت گذاری کا تقوی ہوتی ہے۔ نہ کہ اس سے حظ نفس، وہ کم خوری کی عادت کر لیتا ہے۔ لامحالہ مائل پرواز ہوتا ہے اور اس کی حرص تیز نہیں ہونے پاتی۔ وہ جانتا ہے کہ خواہش مباشرت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ جماع کی تحریک کرے جس سے نوع انسانی کی بقا کی حفاظت کا رشتہ وابستہ ہے! اور تاکہ نکاح کی طلب پیدا ہو اولاد پیدا کرنے اور بدکاری سے بچنے کی غرض کے لئے نہ محض لہو و لعب اور حظ نفس حاصل کرنے کے لئے اور اگر لہو و لعب اصل متبوع میں مشغول ہوا تو اس کا باعث محنت اور الفت ہوگی، جو حسن صحبت اور دوام نکاح کی تحریک کرتی ہے وہ صرف اسی قدر شادیاں کریگا جس قدر اس کے حقوق کی ادائیگی میں مزاحم نہ ہوں +

جو شخص ان باتوں سے واقف ہو جائے اس کے لئے کم شادیاں کرنا آسان ہو جاتا ہے یہاں آدمی اپنی ذات کا شارع علیہ السلام کی ذات باابرکات پر خیال نہ کرے۔ کیونکہ بیویوں کی کثرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر الٰہی سے غافل نہ کر سکتی تھی اور نہ ہی آپ کو طلب دنیا پر مجبور کر سکتی تھی۔

جو شخص کثرت سے شادیاں کرتا ہے کہتا ہے کہ بیویوں کی کثرت حضور کے لئے مضر

www.ahnafmedia.com

تھی مجھے بھی ضرر نہ کر سکی۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو خیال کرتا ہے کہ نجاست کا جو ڈھیر ایک بحر ناپیدا کنار کو متغیر نہیں کر سکتا اس سے سمندر میں سے ایک لوٹا بھر پانی بھی متغیر نہ ہوگا اور جو لذیذ اور مرغن غذائیں ایک قوی الجثہ جوان اور بھرپور شخص کو نقصان نہیں پہنچاتیں وہ ایک شیر خوار اور کمزور بچے کو بھی ضرر نہ کریں گی۔ بہت سے عقل کے دشمن بڑائی کی لیتے ہوئے اپنی ذات کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قیاس کرتے ہیں۔ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بری طرح برباد ہوتے ہیں کہ نشان بھی نہیں ملتا نعوذ باللہ۔ خدا ہمیں کور باطنی سے محفوظ رکھے کیونکہ ظاہری اندھا ہونے سے بدتر ہے۔ ظاہری آنکھ کا اندھا تو اپنے عجز اور بے کسی کا اعتراف کر لیتا ہے اور کسی کا ہاتھ پکڑ کر سیدھے رستہ پر ہو لیتا ہے۔ لیکن یہ باطن کے اندھے اس قدر فریب نفس میں گرفتار ہوتے ہیں کہ کسی صاحب نظر کی انگلی تھامنا ذلت سمجھتے ہیں، پھر نہ ان کا نور تکمیل پاتا ہے نہ وہ سیدھے راستہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ ان کے مال کی خرابی یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پرواہ نہیں رہتی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوئے۔

میں نے بعض طبقہ عوام کے بے وقوفوں کو دیکھا کہ تصوف کے بارے میں اپنی رائے سے اٹکل پچو لگا رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ یہ خواہشات اور شہوتیں پیدا ہی نہ کیجائیں اگر ان کی پیروی مذموم اور مہلک ہوتی۔ افسوس انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان دونوں شہوتوں کی پیدائش یعنی شرمگاہ اور شکم کی خواہشات کی خلقت میں دو زبردست حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

(اول) انسان کے وجود کی بقا بذریعہ غذا کے اور نوع انسانی کی بذریعہ جماع کے کیونکہ یہ دونوں اپنی ذات میں ضروری ہیں صفت الٰہی کے مطابق مشیت الٰہی کے ساتھ جاری ہیں۔ جو نہ تبدیل ہو سکتی ہے نہ رد کی جا سکتی ہے۔

(دوم) لوگوں کو سعادت اخرویہ کے حصول کی ترغیب دینا، کیونکہ جب تک ان کو ان لذات و آلام کے ذریعہ سے تکلیف و آرام کا احساس نہ ہوگا اس وقت تک وہ جنت کی رغبت کریں گے نہ دوزخ سے خوف کھائیں گے۔

اگر انہیں کسی ایسی چیز کا وعدہ دیا جائے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گذرا۔ تو ان کے نفوس پر اس کا خاک بھی اثر نہ ہوگا۔ غفلت کا بیان یہاں ختم ہوتا ہے۔

www.ahnafmedia.com

عدل۔ حکمت اور شجاعت اور عفت کی اس منتظم حالت کا نام ہے جس میں وہ مناسب طور پر ایک ترتیب واجب کے ساتھ مختار و منقاد ہوں، اصل میں یہ فضائل اخلاق کا جزو نہیں۔ بلکہ یہ عبارت ہے جملہ فضائل سے۔ اس کی صورت یوں ہے کہ جب بادشاہ۔ اس کے لشکر اور اسکی رعیت کے درمیان ایک عمدہ ترتیب قائم ہو۔ بادشاہ صاحب بصیرت اور صاحب جبروت ہو اُس کا لشکر طاقتور اور اطاعت شعار ہو، اور رعیت مطیع و منقاد ہو، تو کہا جائیگا کہ ملک میں عدل قائم ہے لیکن اگر بعض میں ضروری صفات موجود ہوں اور بعض میں نہ ہوں تو عدل کی موجودگی سے انکار کیا جائیگا۔ مملکت بدن میں بھی ان صفات کے مابین عدل اسی طور سے ہوتا ہے +

نفس کے اخلاق میں عدل سے لامحالہ مراد یہ ہوگی کہ معاملات و سیاسیات میں توازن قائم ہو۔ عدل کے معنی ہیں، ترتیب مستحب خواہ اخلاق میں خواہ معاملات میں یا ان اجزاء میں جن سے شہر و ملک کا قوام ہے +

معاملات میں عدل غبن و تغابن کا درمیانی نکتہ ہے یعنی انسان وہ چیز لے لے جو لینے کے قابل ہے اور وہ چیز دیدے جو دینے کے لائق ہے۔ غبن یہ ہے کہ ناجائز طور پر کوئی چیز لے لی جائے، اور تغابن یہ ہے کہ کسی معاملے میں وہ شے دیدی جائے جس کا نہ اجر ہے نہ ثواب۔ سیاسیات میں عدل یہ ہے کہ شہر کے مختلف اجزا اس طرح مرتب کئے جائیں کہ شہر بلحاظ اپنے تعلقات کے اور باعتبار اپنے اجزا کے تناسب کے اور بحساب اپنے ارکان کے تعاون کے حسب منشا طور پر ہو جائے یعنی اس کی اجتماعی حیثیت شخص واحد کی سی ہو۔ ہر ایک چیز اپنے مناسب مقام پر رکھی جائے۔ اس کے باشندوں میں بلحاظ طبقہ کے تقسیم کر دی جائے، کون شخص کون خدمت سرانجام دیگا۔ کون خادم ہے اور کون مخدوم کس کس طریق سے خادم خدمت کریگا۔ اور کس کس عنوان سے مخدوم خدمت لیگا جیسا کہ ہم قوائے نفسانیہ کے باب میں ذکر کر چکے ہیں +

عدل کے لئے افراط و تفریط کوئی شے نہیں۔ اس کا مقابل خلق ایک ظلم ہے۔ کیونکہ ترتیب اور عدم ترتیب میں کوئی درمیانی نکتہ نہیں۔ اس قسم کی ترتیب اور عدل پر زمین و آسمان قائم ہیں۔ یہاں تک کہ تمام کائنات شخص واحد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے قوی اور اجزا سب ایک دوسرے کے معاون ہیں +

اور اب جبکہ ہم یہ تمام امہات فضائل بیان کر چکے ہیں۔ تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ

www.ahnafmedia.com

ہر ایک فضیلت اور رذیلت، بزرگی اور خرابی کے ماتحت جس قدر فضائل و رذائل کے اقسام و انواع ہیں۔ اُن کی تفصیل درج کریں +

اس بارے میں قوت عقلیہ سے ابتدا ہوگی پھر قوت غضبیہ اور آخر میں قوت شہوانیہ کی باری آئیگی۔ تاکہ اُن کا بیان مکمل ہو جائے +

فصل

فضیلت حکمت اور اسکی افراط و تفریط یعنی مکاری اور بیوقوفی

حکمت کے ماتحت حسن تدبیر، جودت ذہن، نقایۃ الرائی اور صواب ظن کا اندراج ہوگا

حسن تدبیر سے مراد یہ ہے کہ تم عظیم الشان نیکیوں اور نیک اغراض کے حصول میں جو تدبیر منزل، سیاست مدینہ، دفاع دشمن اور دفع شر کے معاملات میں تم سے متعلق ہیں یا دوسروں سے استنباط نتائج کے ذریعہ ایسی صائب رائے قائم کرے جو افضل اور اصلح ہو۔ غرض یہ کہ ہر ایک اہم اور متہم بالشان امر میں تمہیں یہ بات حاصل ہو لیکن اگر مغالطہ حقیر اور آسان ہو، تو اُس کے متعلق جو غور و فکر ہوگا اُسے حسن تدبیر نہ کہینگے۔ اُسے محض اندازہ کہدینا کافی ہوگا

جودت ذہن یہ ہے کہ جب رائیں مشتبہ ہو جائیں اور ان میں بحث و نزاع درپیش ہو تو درست فیصلہ دینے کی قابلیت حاصل ہو +

نقایۃ رائے کا مفہوم ہے پیش آمدہ امور کے بارے میں جو اسباب و بواعث دلپسند نتائج برآمد کرنے والے ہوں ان پر تیز دستی سے پہنچ کر قائم ہو جانا +

صواب ظن یہ ہے کہ بغیر دلائل کی اٹکل پچو لگانے کے شاہدات پر بھروسہ کرتے ہوئے حق کی موافقت کی جائے +

مکاری کے ماتحت حد سے زیادہ تیز فہمی اور فریب کاری کا اندراج ہوگا۔ اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی حد سے بڑھی ہوئی عقلمندی کے باعث کسی کام کے سرانجام دینے میں ایسے طرق کار سے کام لے جن کو وہ اچھا سمجھتا ہو۔ لیکن حقیقت میں وہ اچھے نہ ہوں البتہ ان میں نفع خاصہ ہو، اب اگر نفع جنسیس ہو تو اُسے فریب کاری کہینگے، حد سے زیادہ

تیز فہمی اور فریب کاری میں فرق صرف ذلت اور شرافت کا ہے +

سادہ لوحی کے ماتحت ناتجربہ کاری۔ حماقت، جنون کے نام آئینگے +

ناتجربہ کاری، سلامت ذہن کے باوجود عملی باتوں میں بالجملہ قلت تجربہ کا نام ہے اگر ایک بات کا انسان کو تجربہ ہو چکا ہے تو وہ اس میں آزمودہ کار ہے ورنہ ناآزمودہ کار مجمل طور پر ناتجربہ کار شخص وہ ہے جس کو دنیا کے وسیع سمندر میں اتر کر اس کے معاملات کے تجربوں کا اتفاق نہ ہوا ہو +

حماقت یہ ہے کہ انسان منزل مقصود پر پہنچنے کے درست راستہ کے تعین میں ہی غلطی کرے اور دوسرے راستے پر چل پڑے۔ حماقت اگر پیدائشی ہو تو اسے حماقت طبعی کہیں گے اور یہ علاج پذیر نہیں[1] اور بعض اوقات کسی مرض کے باعث بھی ذہن بگڑ جاتا ہے اس لئے جب وہ مرض دور ہو جائے تو حماقت بھی دور ہو جاتی ہے +

جنون۔ یہ فساد تخیل کا دوسرا نام ہے اس میں انسان ناقابل قبول شے کو قابل قبول شے پر ترجیح دیتا ہے۔ یہانتک کہ اس کا قرعہ انتخاب ہمیشہ غلط شے پر پڑتا ہے جنون کی خرابی اس کی غرض ہے اور حماقت کی خرابی عمل کرنا۔ کیونکہ احمق کی غرض و غایت بھی عاقل کی سی ہوتی ہے۔ اس لئے ابتدا میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن جب اپنے مقصود کی تحصیل کے لئے وہ روانہ ہوتا ہے تو اس کی بیوقوفی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ جنون چونکہ فساد غرض ہے۔ اسی لئے شروع ہی میں ظاہر ہو جاتا ہے +

فصل

فضیلت شجاعت کے ماتحت کیا کچھ درج ہوگا

شجاعت کے عنوان کے ماتحت۔ جود و کرم، دلیری، خود داری، برداشت، بردباری ثابت قدمی، شہامت۔ قدردانی اور وقار آتے ہیں +

جود و کرم کنجوسی اور اسراف کے بین بین ہے اس سے مراد ہے جلیل القدر اور

---

[1] مطلب یہ کہ علاج بہت مشکل ہے ورنہ انسان میں ہر ایک کمال کی استعداد ہے +

عظیم النفع امور میں خوشی سے خرچ کرتا ہے اس کو آزادہ روی اور حریت بھی نام دے لیتے ہیں +

دلیری یہ عبارت اور بزدلی کا درمیانی نکتہ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ضرورت کے وقت انسان بے دھڑک اور بے خوف ہو۔ اور موت کے منہ میں جانے سے اس کا دل نہیں گھبرائے +

خودداری۔ یہ تکبر اور ہیچ میرزی کے بین بین کا مقام ہے اس وصف کے ذریعہ انسان اس بات پر قادر ہو جاتا ہے۔ کہ امور جلیلہ کو باوجود ان کو حقیر سمجھنے کے اپنی جان کا پیوند بنالے۔ اس کا نشان یہ ہے کہ انسان علما کی عزت کرنے میں خوشی حاصل کرے۔ اور فروتر لوگوں کے اکرام و اعزاز میں مسرت نہ پائے۔ ادنی امور میں اسے کوئی لطف نہ ملے، اور نہ ہی اتفاقات حسنہ اور خوش نصیبی کے طور پر جو مفاد و منفعت حاصل ہو۔ اس سے اس کے دل میں فخر اور خوشی پیدا ہو +

برداشت۔ یہ عبارت اور بے صبری کے بین بین ہوتی ہے اس سے مراد ہے۔ تکلیف دہ اور ایذا رساں امور سے نہ گھبرا جانا +

حلم۔ ظلم و سفاکی اور بے غیرتی کے درمیان درمیان ہوتا ہے۔ اس میں انسان کا دل وقار حاصل کر لیتا ہے +

ثابت قدمی کے معنی دل کا قوی ہونا ہے اور ہمت کا ہیٹا نہ ہونا ہے +

شہامت سے مراد ہے احسن و خوبی کے حصول کی امید میں سرگرمی عمل میں حریص ہونا +

قدر دانی بڑے بڑے کارناموں پر دل کا خوش ہونا +

وقار۔ یہ تکبر اور انکسار کے بین بین ہوتا ہے +

وصف شجاعت کے بڑھ کنارے ہیں۔ ۱۔ دل تہور ۲۔ دوم جبن و نامردی۔ ان کے تحت میں چھچھورا پن اور خست جبارت اور بزدلی۔ اکڑفوں اور ہیچ میرزی، بے صبری اور تیز مزاجی سرد مزاجی تکبر اور کمینہ پن عجب و مہابت کا اندراج ہوگا۔ ان میں سے جو باتیں حد اعتدال سے زیادتی کی طرف مائل ہیں۔ تہور کا حصہ ہیں۔ اور جو حد اعتدال سے کمی کی طرف راجع ہیں جبن کے ماتحت ہیں +

۔ چھچھورا پن یعنی نادانستہ امور پر بے ہودہ ہنسی وغیرہ اخیر کرنا اور اس سے مقصود محض

لاف زنی رکھنا +

خست یعنی دنائت طبع۔ ضرورت کے مقام پر خرچ نہ کرنا۔ اور ادنیٰ باتوں میں فخر کرنا +

جسارت بے سود موت کی تلاش کرتے پھرنا۔ موقع بے موقع جان پر کھیل جانے کو تیار رہنا +

بزدلی۔ جہاں ہلاکت کا خوف نہ کرنا چاہیئے وہاں موت کے خوف سے کپکپی پیدا ہو جانا +

اکڑفوں۔ بغیر استحقاق کے بڑی بڑی باتوں کا اپنے تئیں اہل سمجھنا +

ہیچ میرزی۔ اپنے درجہ سے خود کو کم سمجھنا +

ہیچ میرزی۔ اپنے تئیں مستحق باتوں کا بھی حقدار نہ سمجھنا +

جسارت۔ ہلاکت کی بے فائدہ باتوں میں تلاش کرتے پھرنا۔ ضرورت بے ضرورت موقع پر تیار رہنا +

بے صبری۔ ایذا رساں امور اور رنج و آلام کے نام سے دم فنا ہونا +

تیز مزاجی۔ فوراً غضبناک ہو کر بھڑک اٹھنا +

بے غیرتی۔ کسی بات پر غصے نہ ہونا خواہ کیسی ہی ذلت ہو جائے +

تکبر۔ اپنے تئیں مقدور سے زیادہ بلند مرتبہ سمجھنا +

خست۔ اپنے تئیں حد سے زیادہ ذلیل سمجھنا۔ اگر مناسب حد تک ہو تو اسے منکسر مزاجی کہتے ہیں +

نخوت۔ تکبر سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سے مراد ہے اپنی حقیقت کو نہ پہچاننا اور ناحق خیال کرنا کہ میں اعلیٰ مرتبہ پر قائم ہوں +

لوگ تکبر اور بخل کو کمینہ پن اور فضول خرچی سے زیادہ ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب سے بُرے وصف ہیں +

خست اور فضول خرچی اگرچہ بُرے اوصاف ہیں لیکن یہ تو اضع اور سخاوت سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اس لئے پسند کئے جاتے ہیں۔ پھر بھی حقیقت میں یہ اخلاق رذیلہ میں داخل ہیں اور اعتدال سے دور۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طوبیٰ لمن تواضع من

www.ahnafmedia.com

غیر منقصۃ وذل نفسہ من غیر مسکنۃ اُس شخص کے لئے خوش خبری ہے جو مناسب انکسار کرے۔ اور اپنے تئیں حقیر سمجھے لیکن مسکنت کا اظہار نہ کرے +

فصل

عفت اور اس کے متعلق اخلاق رذیلہ کا اندراج

فضائل عفت میں حیا۔ شرمیلا پن۔ مسامحت۔ صبر و سخا۔ حسن تقدیر۔ انبساط۔ نرم خوئی انتظام۔ خوبصورتی۔ قناعت۔ استغنا۔ ورع۔ ظرافت۔ مساعدت۔ رشک اور ظرافت شامل ہیں +

حیا۔ شوخی اور زنانہ پن کے درمیان ہوتی ہے۔ اس کی تعریف یوں ہے۔ کہ یہ ایک قسم کا رنج ہے جو کسی کی عیب چینی سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایک خوف ہے جو انسان کے دل میں اپنے سے بزرگتر کے سامنے فرومایہ ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بُری باتوں کے پیش آنے سے چہرے پر جو انقباض پیدا ہوتا ہے وہی حیا ہے۔ اور یہ تحفظ نفس ہے مذموم باتوں سے۔ غرض یہ ہے کہ حیا کا استعمال بُری باتوں سے گریز کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جس چیز کو ایک شخص بُرا سمجھتا ہے اس سے اس کی طبیعت گھبرا سی جاتی ہے۔ یہ موخر الذکر صورت لڑکوں اور عورتوں کے لئے زیبا ہے اور عقلمندوں کے لئے مذموم ہے۔ شرم کی پہلی صورت سب سے اچھی ہے اور حدیث کا اشارہ اسی کی طرف ہے۔ جب فرمایا ان اللہ یستحی من ذی شیبۃ فی الاسلام ان یعذبہ کہ خدا مسلمان بوڑھے کو عذاب دیتے ہوئے شرماتا ہے۔ یعنی اُس کو عذاب دینا ترک کر دیتا ہے +

شرمیلا پن۔ یعنی فرط حیا سے دل کا گھبرا جانا، مردوں کے سوائے لڑکوں اور عورتوں میں اُس کا ہونا پسندیدہ امر ہے۔ انسان اس سے شرماتا ہے جس کو دل میں اپنے سے بزرگ و برتر سمجھتا ہے۔ انسانوں سے شرمانے کے معنی یہ ہیں، کہ وہ شخص لوگوں سے خود کو کمتر سمجھتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے نہیں شرماتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کے جلالت

www.ahnafmedia.com

مرتبہ کو نہیں پہچانتا، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ استحیوا من اللہ حق الحیاء اللہ سے اس کے حق کے مطابق شرم کرو، اسی کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔ اولم یعلم بان اللہ یری کیا وہ نہیں جانتا کہ خدا دیکھ رہا ہے، کیونکہ اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ خدا دیکھ رہا ہے۔ تو اگر وہ دیندار اور خدا کی عظمت کو پہچاننے والا ہے تو ضرور شرم کھا جائیگا جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا ایمان لمن لا حیاء لہ جس شخص میں حیا نہیں اس میں ایمان بھی نہیں۔ کیونکہ حیا انسان کے لئے عقل کا پہلا تقاضا ہے۔ اور ایمان عقل کا آخری مرتبہ پھر جو شخص پہلا زینہ بھی طے نہیں کرتا وہ آخری زینہ پر کیسے پہنچ سکتا ہے +

مسامحت بعض حقوق کو خوشدلی سے چھوڑ دینے کا نام ہے۔ یہ مناقشت یعنی حساب میں باریکی کرنے اور اہمال یعنی ترک کامل کے بین بین ہوتی ہے +

صبر نفس انسانی کا ہوا و ہوس سے مقابلہ کرنا اور لذات قبیحہ سے دور رہنا +

سخاوت فضول خرچی اور انتہائی کنجوسی کا وسطی مقام یعنی خرچ کرنے میں آسانی اور فضول شے کے حاصل کرنے سے اجتناب +

حسن تقدیر اخراجات میں بخل اور تبذیر سے احتراز کرتے ہوئے اعتدال اختیار کرنا +

نرم خوئی اشتیاق مشتہیات میں نفس شہوانیہ کا انداز پسندیدہ +

انتظام نفس کی وہ حالت جس میں اسے مناسب طور پر اخراجات کرنے کا انداز معلوم ہو جائے +

خوبصورتی جائز اور واجب زینت کا شوق جس میں رعونت کو دخل نہ ہو +

قناعت معاش کی حسن تدبیر جس میں فریب کاری کو دخل نہ ہو +

استغنا جو چیزیں لذات جمیلہ سے انسان حاصل کر چکا ہے اس پر دل کا قانع ہو جانا

ورع ریاکاری اور رسوائی کے بین بین یعنی اعمال صالحہ کے ساتھ نفس کو مزین کرنا۔ کمال نفس اور قرب الٰہی کی طلب کے لئے اس میں نہ ریا کو دخل ہوتا ہے نہ اعلان کو +

ظلاقت بامذاق خوش مزاجی جس میں فحش اور افترا کو دخل نہ ہو۔ جد و ہزل کی افراط و تفریط کے درمیان وسطی مقام ہے +

ظرافت۔ ترش روئی اور سخراپن کے بین بین ہوتی ہے۔ یعنی انسان مجلس میں حفظ مراتب کا لحاظ رکھے۔ اور خوش طبعی کا موقعہ محل دیکھ کر اس کے مطابق گفتگو کرے۔ اور ہر ایک شخص سے اس کی اہلیت کے موافق پیش آئے۔ جب ایک آدمی کا دل چاہے کہ میں ہنسی مذاق کے ذریعہ دل خوش کروں، تو اُسے دس باتوں میں سے ایک کا خیال رکھنا ضروری ہے اُسے مہذب اور پاکیزہ مزاح سے جو سخرگی اور بے ہودگی کی حد تک نہ پہنچے۔ اور صرف اتنی مقدار میں جس سے پریشانی طبع دُور ہو جائے۔ کام لینا چاہئے۔ لغو گوئی اور تمسخر سے کامل احتراز کرنا چاہئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی خوش طبعیوں کا مذکور کتابوں میں درج ہے جس سے اُس کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے اس لئے ہمیں اس موضوع کو طول دینے کی ضرورت نہیں +

مسامحت۔ سرکشی اور چاپلوسی کے درمیان کا وسطی نکتہ یعنی قابل عمل امور میں انکار اور مخالفت چھوڑ کر لوگوں کے آرام کے لئے اپنا فائدہ ترک اور ان کا کام کر دینا +

رشک۔ حسد اور شماتت کے مابین، یعنی غیر مستحق لوگوں کی آسائش اور کامیابی پر اور مستحق لوگوں کی تکلیف اور ناکامی پر اندوہگین ہونا +

عفت کی افراط و تفریط کے ماتحت حسب ذیل امور درج ہونگے۔ بے حیائی۔ زنا پن فضول خرچی۔ کنجوسی۔ ریاکاری۔ ذلت پسندی۔ ترش روئی۔ بے ہودگی۔ چھچھورا پن۔ بدمزاجی تملق۔ حسد اور شماتت +

بے حیائی۔ علانیہ بُرے کاموں کی پیروی کرنا۔ بے عزتی اور مذمت کا خوف کئے بغیر زنا پن۔ انسانی طبیعت کی وہ حالت جس میں انسان فرط حیا سے قولاً اور عملاً کھل نہ سکے +

فضول خرچی۔ عام طور پر مال خرچ کرتے وقت نہ موقع کا لحاظ کرنا نہ بات کا دھیان اور دولت برباد کئے جانا +

کنجوسی۔ جہاں مال خرچ کرنا واجب ہے۔ وہاں ہاتھ کھینچ لینا۔ اس کے تین اسباب ہیں۔ بخل۔ شح اور لئامت، ان میں سے ہر ایک کا ایک رتبہ ہے +

بخیل تو وہ ہوتا ہے جو خرچ کرنے میں حد سے زیادہ کمی کرتا ہے، اس خوف سے کہ تنگدست اور مفلس ہو جاؤنگا، تو کھاؤنگا کہاں سے اور ایسا نہ ہو کہ دشمن ذلیل کر ڈالیں

تجمل کا سبب خیال کی بزدلی ہے +

شیخ وہ ہوتا ہے جس میں تنگدستی کو بے وجہ خوف اور دشمنوں کے ڈر کے ساتھ اسے دوسروں کی حالت کی بہتری ناپسند ہو۔ تاکہ محتاج لوگ مجبور ہو کر اس کے پاس آئیں۔ اور اس طرح اس کو مرتبہ اور رفعت حاصل ہو۔ اس کا باعث جہالت ہے +

لئیم۔ اس میں مذکورہ بالا سب بداخلاقیاں جمع ہوتی ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ بات ہوتی ہے کہ وہ حقیر باتوں میں شرم نہیں کرتا، اس کا سبب خباثت نفس کی ایک قسم ہے۔ اس کی مثال چور اور دیوث کی سی ہے +

ریاکاری۔ نیک اعمال میں لوگوں کی مشابہت اس لئے کرنا کہ لوگ سنیں اور تعریف کریں اور عزت کریں +

ذلت پسندی۔ نیک اعمال کے ذریعہ روح کو زینت دینے سے اعراض کرنا اور بداعمالی کا ارتکاب +

ترش روئی۔ متانت کی حد افراط +

بے ہودگی۔ حد سے زیادہ مسخرگی +

چھچھورا پن۔ انیس اور دوست کی ملاقات پر حد سے زیادہ خوشی کا اظہار کرنا +

اندوہ گینی۔ مجلس میں بیٹھکر اندوہ گین سا رہنا +

بدمزاجی۔ لوگوں سے خلاف انسانیت سلوک کرنا +

تملق۔ لوگوں سے اس درجہ عاجزی اور خوشامد سے پیش آنا کہ گویا استحقاق اور ذلت کی پرواہ ہی نہیں ہے +

حسد۔ مستحق لوگوں کی آسائش اور کامیابی دیکھ کر پیچ و تاب کھانا۔ اور ان کے زوال عزو جاہ کا آرزومند ہونا +

شماتت۔ نالائق لوگوں کو نقصان اور تکلیف پہنچتے دیکھ کر خوش ہونا اور ملامت کرنا +

عفت کا اعتدال ان تمام اخلاق فاضلہ کے مجموعہ کا نام ہے اور اس کے بالکل مقابل کی حالت جملہ اخلاق رذیلہ کے مجموعہ کا نام ہے +

ان اخلاق میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی تعریف کے متعلق احادیث و اخبار میں تحریک انگیز احکام نہ صادر ہو چکے ہوں۔ اور اخلاق رذیلہ میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں

www.ahnafmedia.com

جس سے متعلق تنبیہ اور زجر و توبیخ کے لئے اخبار و احادیث میں بیان موجود نہ ہو۔ اس لئے ہم اس بارے میں گفتگو کر کے تحریر کو طول دینا نہیں چاہتے۔ جو شخص ان کا طالب ہو اسے عادات و آداب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حالات صحابہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے متعلق کتابوں کی جانب رجوع کرنا چاہیئے +

اس تذکرہ سے ہماری غرض یہ ہے کہ انسان ان تینوں قوتوں کے سبب سے ان اخلاق کے قریب ہوتا ہے! در اُن میں سے ہر ایک کی دو جانبیں ہیں! اور ان کے درمیان ایک مقام اوسط ہے۔ اب انسان اس بات پر مامور ہے کہ وہ ان سب میں افراط و تفریط کے دونوں کناروں کے درمیان توسط اور استقامت اختیار کرے۔ یہاں تک کہ جب اُسے یہ سب باتیں حاصل ہو جائینگی تو اس کا کمال مرتبۂ تکمیل کو پہنچ جائیگا اور یہ کمال اُسے خداوند جل وعلیٰ کا قرب بلحاظ رتبہ عطا فرمائیگا۔ لیکن مکانی قرب جیسے ملائکہ مقربین کو میسر ہے اُسے نہیں ملیگا۔ ہمارے اعظم اور کمال اتم تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے +

موجودات میں سے ہر ایک شے کمال ممکن کی مشتاق ہے اور یہی غایت مطلوبہ ہے تو اگر اُسے پالیا تو وہ اپنے سے اوپر کے عالم میں جا پہنچا! اور اگر ناکام و محروم رہا تو اس غار عمیق میں جا پڑا۔ جو اُس کے نیچے ہے۔ اسی طرح انسان جب اس کمال کو حاصل کر لیتا ہے تو افق ملائکہ پر اللہ کے قرب کے مقام سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اور یہی اُس کی سعادت ہے یا جب وہ شہوت و غضب کے اخلاق رذیلہ کو قبول کر لیتا ہے جو اُس کے اور بہائم کے درمیان مشترک ہیں۔ تو وہ بہائم کے درجہ میں انحطاط پذیر ہو کر دائمی طور پر ہلاک اور برباد ہو جاتا ہے! اور یہی اس کی شقاوت ہے +

اس کی مثال رہوار سبک رفتار کی سی ہے کہ اُس کا کمال تیز رفتاری ہے! اگر اس سے یہ بن نہ آئے تو اپنے مرتبہ سے گر جاتا ہے! پھر لوگ اُس پر بوجھ لادتے اور گھاس چارہ ڈھوتے ہیں انسان کے لئے کمال کے مراتب ان اخلاق اور غیر محصر علوم کے مطابق ہوتے ہیں۔ اسی لئے آخرت میں لوگوں کے درجات بھی مختلف اور متفاوت ہونگے جس طرح دنیا میں پیدائش اخلاق بشریت، اسائش اور دوسرے تمام حالات کے لحاظ سے لوگوں کے مراتب الگ الگ ہوتے ہیں +

www.ahnafmedia.com

فصل

وہ باعث جو نیکیوں کی ترغیب دیتے ہیں یا ان سے روکتے ہیں

دنیوی نیک کاموں کے محرکات کی تین اقسام ہیں۔ اوّل۔ ترغیب و ترہیب جن کے ذریعہ حال کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے اور انجام سے ڈرایا جاتا ہے +

دوم تحسین اور شاباش کی امید اور مذمت و ملامت کا خوف +

سوم طلب فضیلت و کمال نفس کا شوق +

ان میں سے پہلی قسم خواہشات کا اقتضا ہے اور عوام کا رتبہ اس سے متعلق ہے +

دوم کا حیا اور مبادیات عقل تقاضا کرتی ہیں۔ یہ نوع سلاطین و ملوک، اکابر دنیا، اور عقلا میں سے اکثر کو شامل ہے۔ ان کی نسبت بھی عوام کی طرف ہے +

سوم۔ کمال عقل کا اقتضا ہے اور اولیا، حکما اور محقق عقلا کا فعل ہے۔ اسی تفاوت مراتب کے متعلق ہی کہا گیا ہے۔ کہ سب سے بہتر چیز جو انسان کو دی گئی عقل ہے جو اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو حیا ہے جو اسے ممنوعات سے روکتی ہے! اگر یہ بھی نہ ہو تو خوف ہے جو اسے بدعملیوں سے باز رکھتا ہے اگر یہ بھی نہ ہو تو مال ہے جو اس کے عیوب کو چھپا لیتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو بجلی چاہیئے جو اس پر گرے اور جلا کر راکھ کر دے، تاکہ زمین اور اہل زمین اس کے وجود سے نجات پا جائیں +

یہ تفاوت اور اختلاف انسان کے بچپن سے بڑھاپے تک اس کے ساتھ رہتا ہے کیونکہ بچپن میں نہ تو زجر و توبیخ ہی ممکن ہے نہ تحسین اور ملامت کے ذریعہ برانگیختہ کرنا۔ بلکہ اگر لذیذ کھانے پینے کی چیز سامنے لا دی جائے، یا دو چار تھپڑ رسید کئے جائیں تو البتہ اس کا حس چمک اٹھتا ہے جب تمیز حاصل کر کے سن بلوغ کے قریب پہنچتا ہے تو زجر ممکن ہے اور مدح و ذم کے وسیلہ سے تحریک بھی۔ اس کو زجر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے ان لوگوں کی مذمت کی جائے جو جھڑکی کے تختۂ مشق بنتے ہیں۔ اور اس کی برائیاں بیان کی جائیں، اور اسے ادب وغیرہ سکھانے کی صورت یہ ہے کہ با ادب لوگوں کی کثرت سے تعریف و توصیف

اور بے ادب کی اکثر مذمت بیان کی جائے۔ اس سے اُس کے دل پر کافی اثر پڑیگا اور اُس کا نتیجہ جلد ظاہر ہوگا۔ اکثر لوگ ان دو مراتب سے آگے بڑھکر تیسرے درجہ تک نہیں پہنچتے ان کی ترقی اور تنزل انہی محرکات اور متصرفات کی رہین منت رہتی ہے +

تیسری قسم نہایت معزز ہے اور یہی حال آخرت کی نیکیوں کا ہے۔ ان میں بھی اسی طرح لوگ متفاوت ہوتے ہیں۔ کیونکہ آخرت اور دنیا میں کوئی فرق نہیں۔ سوائے تاخیر و تقدیم کے۔ بہرحال نیکی۔ جلد یا بدیر حاصل ہونے والی ہر ایک عقلمند کی مطلوب و مقصود ہے اس کی طلب کے محرک امور گنتی میں نہیں سما سکتے۔ البتہ اقسام کی ترتیب کے لحاظ سے جو لوگ اللہ کی اطاعت اور ترک معصیت کرتے ہیں۔ ان کے تین مرتبے ہیں۔

اوّل جو لوگ خدا کے بندے ہوتے ثواب کی رغبت رکھتے ہیں جس میں جنت داخل ہے۔ یا خدا کے عقاب موعود سے خوف کھاتے ہیں جس میں دوزخ داخل ہے۔ یہ قسم عام ہے اور اس میں اکثر لوگ داخل ہیں +

دوم۔ خدا کی خوشنودی اور شاباش کی امید اور اس کی ناراضی اور مذمت کا خوف یعنی شرعی لحاظ سے مدح و ذم یہ صالحین کا مرتبہ ہے۔ اس میں مرتبۂ اوّل سے کم لوگ شامل ہیں +

قسم سوم۔ یہ بہت بلند رتبہ ہے۔ یعنی جو شخص صرف قرب الٰہی کا آرزومند ہے اس کی رضا کا طالب ابتغاء وجہہ پر عامل اور زمرۂ مقربین الٰہی یعنی ملائکہ مقربین سے ملحق ہونے کا متمنی ہے +

یہ درجہ صدیقوں اور انبیا کا ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔ واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه۔ ان بزرگ نفس لوگوں کے ساتھ اپنی جان کو ملا دو۔ جو اللہ کی عبادت صبح و شام کرتے ہیں۔ اور صرف اُسی کی رضامندی کے طالب ہیں۔ ایک چوتھا گروہ بھی ہے جو کہتے ہیں کہ تم خداوند سے جنت کے طلبگار نہ ہو۔ ان میں سے بعض تو یہاں تک بھی گئے ہیں۔ کہ جو شخص خدا کی عبادت کسی عوض کے لئے کرتا ہے وہ لئیم ہے۔ چونکہ عقل ضعیف ہے اس لئے اس قول کے بطلان کی کنہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ اور اکثر عقلیں کمزور ہی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ پیدا فرمائے اور وعدہ اور وعید سے مخلوق کو ڈرایا اور رغبت

دلائی، اور نہایت شرح وبسط سے اُن کا بیان کیا۔ لیکن مذکورہ الصدر آیات کا صرف اشارۃً ہی ذکر کیا ہے۔ مثلاً فرمایا یریدون وجہہ۔ اور وعدت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمت تیار کر رکھی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا تصور آیا۔ جانب الٰہی سے پھرنے والی دو چیزیں یعنی قصور اور تقصیر۔ اور تقصیر مرض مانع اور قوت نفس اور اہل وعیال وغیرہ کی طلب میں ضروری شغل سے قابل درگذر اور غیر ملوم ہے۔ اس میں خسارہ صرف یہ ہے کہ انسان اس میں زیادہ کمال سے محروم رہتا ہے۔ اس کا علاج صرف خدا کی جانب رجوع کرنا اور اس سے دعا کرنا ہے کہ اپنے فضل وکرم سے ان رکاوٹوں کو دور فرمادے۔

تقصیر کی دو قسمیں ہیں۔ جہالت اور شہوت غالب۔ ان میں سے جہالت یہ ہے کہ خبر اخروی اور اس کی شرف وبزرگی کی پہچان ہی حاصل نہ ہو۔ نیز اُن کے مقابلے پر تمام دنیا اور اس کے ساز وسامان کو حقیر سمجھنے کا داعیہ نہ پیدا ہو۔ اس کے دو مراتب ہیں:

(اوّل) یہ کہ اس جہالت کا باعث غفلت اور کسی قابل رہنما کی ملاقات نہ ہونا ہے۔ اس کا علاج سہل ہے۔ اس کے لئے چاہئے کہ ہر ایک مقام میں علماء اور واعظوں کی ایک جماعت ہو۔ جو مخلوقات کو غفلت وخود فراموشی سے بیدار کرتے رہیں۔ اور دنیا کی طرف سے ہٹا کر آخرت کی جانب اُن کا رُخ پھیرتے رہیں۔ لیکن انہیں دنیا کے اکثر واعظوں کا سا اسلوب کار اختیار نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس طرح تو لوگ معاصی پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ اور دین ان کے نزدیک حقیر ہو جاتا ہے۔

(دوم) یہ کہ لوگوں کے اعتقاد میں یہ بات داخل ہو جائے کہ سعادت یہی دنیوی لذات اور موجودہ عیش واقبال ہے۔ اور امر آخرت کی کوئی اصل نہیں۔ یا یہ کہ ایمان ہی تنہا نجات کو کافی ہے۔ اور یہ ہر مومن کو حاصل ہے۔ اس کے عمل خواہ کچھ ہی ہوں۔ یا یہ گمان کہ خدا کے غفور ہی ہونا نجات کا باعث ہوگا۔ اور اللہ کریم ورحیم ہے۔ اُسے گناہگاروں کے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس لئے وہ ضرور ان پر رحم کریگا۔ اسی قسم کی بہت سی خیالاتیں ہیں جنہوں نے اکثر لوگوں کو حسن عمل سے محروم رکھا ہے۔ اور انہیں ارتکاب معاصی پر دلیر اور بے باک کر دیا ہے۔ تو جو شخص خیال کرتا ہے کہ آخرت کی کوئی اصل نہیں یہ صریح اور کھلم کھلا گمراہی

خالص جب جب اور جس جس کے دل میں یہ اعتقاد راسخ اور پختہ ہوا اس میں سے انسانیت پرواز کر گئی اور وہ یقیناً ہلاک ہو گیا۔ اور جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ مجرد ایمان ہی اسے بس کرتا ہے۔ تو یہ ایمان کی حقیقت سے جہالت ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک سے روپوشی ہے، من قال لا الہ الا اللہ مخلصا دخل الجنۃ۔ اخلاص کا مطلب ہی یہ ہے کہ اعتقاد و عمل قول کے مطابق ہو۔ تاکہ انسان منافق نہ ہو۔ اور اس کا سب سے نچلا درجہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو اپنا خدا نہ بنائے، تو جس شخص نے اپنی خواہشات کی اتباع کی اس نے انہیں اپنا معبود بنالیا! تو اس فعل نے اس کے قول لا الہ الا اللہ کو غلط قرار دیا۔ اور وہ اخلاص کے منافی ہوا۔ اور جو شخص خیال کرے کہ سعادت اخروی صرف لا الہ الا اللہ کہدینے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ بغیر معاملہ کی حقیقت معلوم کئے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس شخص کا گمان ہو کہ کھانا صرف کہدینے سے کہ اس میں گڑ ڈالا گیا ہے میٹھا ہو جائیگا خواہ اس میں گڑ بھی ڈالا گیا ہو۔ یا بچہ پیدا ہو جائیگا صرف کہدینے سے کہ میں اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا۔ حالانکہ ہم بستر نہ ہوا ہو۔ اور صرف کہدینے سے کہ میں نے اناج بویا۔ حالانکہ اس نے بویا نہ ہو۔ فصل پیدا ہو جائیگی جس طرح یہ تمام مقاصد اسباب کا تہیہ کئے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ خوب یاد رکھو کہ امر آخرت بھی اسی طرح ہے کیونکہ امر آخرت و امر دنیا ایک ہی ہے۔ صرف زبانی لحاظ سے اس کو آخرت پکارا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اس دنیا کے بعد آئیگی ماں کے پیٹ سے نکل کر فضائے عالم میں آنے کا وقت شکم مادر کے اندر ہونے کے زمانہ کے اعتبار سے آخرت ہے۔ سن بلوغ کو پہنچکر تمیز کی عمر کو پہنچنا ہے۔ اس سے قبل کی زندگی کے لحاظ سے آخرت ہے اور سن بلوغ سے گذر کر رتبہ عقلا میں قدم رکھنا اضافی طور پر اس سے قبل کے زمانے کی نسبت آخرت ہے۔ مخلوقات کے اندر اسی قسم کا ہیر پھیر ہے +

موت بہت سی حدود فاصل میں سے ایک حد فاصل ہے اور ترقی کی ایک اور قسم اور ایک اور عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کی ایک نئی صورت۔ جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا القبر حفرۃ من حفر النار اور روضۃ من ریاض الجنۃ آغوش لحد یا تو آگ کا ایک گڑھا ہے یا ریاض جنت میں سے ایک چمنستان، یا بالفاظ دیگر موت صرف تبدیل منزل ہے جس طرح ایک بھوکا پیاسا شخص جو رحمت و نعمت الٰہی کے بھروسے پر توکل کر کے بیٹھ رہتا ہے اور پانی پینے اور کھانا کھانے کا طریقہ عمل میں نہیں لاتا

لازمی طور پر ہلاک ہو جائیگا . . . . . .

. . . اور جو شخص . . مال کی جستجو میں خدا کا بھروسہ کر کے پاؤں توڑ کر بیٹھ رہتا ہے اور جد و جہد اور سعی و کوشش نہیں کرتا۔ مال و دولت حاصل نہیں کر سکتا۔ اور نامراد رہتا ہے . . . . . اسی طرح جو لوگ آخرت کے طلبگار ہیں۔ پھر کوشش بلیغ سے کام لیتے ہیں اور وہ مومن بھی ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی سعی مشکور اور جن کی جد و جہد کامرانی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ اسی لئے خداوند جل و علا نے اس حقیقت کو عالم آشکارا کیا اور فرمایا وان لیس للانسان الا ما سعیٰ انسان صرف وہی کچھ پا سکتا ہے جس کے لئے کوشش کرے +

جب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بہائے اکمل اللہ ہی کے لئے ہے اور سعادت اخروی کا راز قرب الٰہی میں مضمر ہے۔ اور یہ قرب مکانی نہیں۔ یہ حسب امکان اکتساب کمال کا ہی دوسرا نام ہے! اور کمال نفس حسن اخلاق کے ساتھ علم و عمل اور حقائق امور سے واقفیت حاصل کرنے سے ہی ملتا ہے۔ تو جو شخص کمال نفس ہی حاصل نہ کریگا۔ وہ قرب الٰہی سے کیسے فائز المرام ہوگا +

اور جو شخص چاہے کہ میں بادشاہ کا کسی علم کے ذریعہ مقرب ہو جاؤں اگر وہ بیکار بادشاہ کے احسان و کرم پر توکل کر کے گھر پر بیٹھ رہتا ہے اور طلب علم میں کوشش کرنے میں راتیں آنکھوں میں نہیں کاٹتا اور صرف فضل الٰہی پر اعتماد کرتا ہے کہ ایک رات سوئیگا اور اور جب صبح جاگیگا تو اہل دنیا سے افضل و برتر ہو جائیگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا فضل وسیع تر ہے! اور اس کی قدرت بہت زبردست ہے۔ تو کہا جائے گا۔ کہ اس شخص کا یہ فعل سراسر باطل اور حماقت پر مبنی ہے۔ اور خال خول دعویٰ ہے، یہی حال اس شخص کا ہے۔ جو خیال کرتا ہے۔ کہ سعادت اخروی بے کار بیٹھ رہنے اور فضول وقت ضائع کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے +

www.ahnafmedia.com

فصل

خیرات و سعادات کی قسمیں

اللہ سبحانہ وتعالےٰ کی نعمتیں اگرچہ نہایت بے حساب ہیں، لیکن وہ تمام پانچ انواع میں منقسم ہیں:۔

(اوّل) سعادت اخروی، یعنی بقائے غیر فانی، وہ مسرت و سرور جس میں غم نہیں اور علم جس میں جہالت نہیں۔ غنا جس میں فقر و تنگدستی نہیں۔ اس سے ہم آغوش ہونے کے لئے اللہ کی امداد و اعانت درکار ہے۔ یہ نوع ثانی کے وسیلے سے تکمیل پذیر ہوتی ہے +

(نوع ثانی) فضائل نفسی دروحی، جن کا ہم مفصل ذکر عقل کے امور چہارگانہ میں کر چکے ہیں یعنی عقل کا کمال علم ہے، عفت کا کمال ورع و تقوی ہے، شجاعت کا کمال مجاہدہ ہے، اور عدالت کا کمال انصاف ہے۔ یہی تحقیقی طور پر دین کے اصول ہیں +

یہ فضائل، نوع ثالث سے کامل ہوتے ہیں یعنی فضائل بدنی و جسمی سے، اور یہ چار امور پر مشتمل ہیں، صحت، قوت، خوبروئی، اور طول عمر۔ ان کی تکمیل نوع چہارم سے ہوتی ہے نوع چہارم انسان کے مامول کے فضائل ہیں، ان کا احاطہ بھی چار قسمیں کرتی ہیں۔ مال و منال، اہل و عیال، عزت اور شرافت خاندانی، ان چہارگانہ اقسام و انواع میں سے کسی ایک سے بھی پوری طرح منتفع ہونے کے لئے ایک پانچویں نوع بھی لازمی ہے یعنی فضائل توفیقی، یہ بھی چار ہیں، ہدایت الٰہی۔ ارشاد خداوندی۔ تائید ربانی۔ اور تسدید الٰہی +

سعادت اخروی کو چھوڑ کر یہ سولہ سعادتیں ہیں، ان میں سے کسی ایک کے اکتساب کے لئے سوائے فضائل نفسی کے اجتہاد کو کسی میں دخل نہیں، فضائل نفسی کے اکتساب کی صورت اوپر گذر چکی ہے +

اب تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ خیرات اور نیکیاں پانچ ہیں یعنی اخروی، نفسی، بدنی، خارجی، اور توفیقی، ان میں سے ہر ایک دوسرے کی محتاج ہے۔ مثلاً فضائل نفسی کے بغیر نعیم اخرت کا حصول ناممکن ہے، اور صحت بدنی کے بغیر فضائل نفسی سے بہرہ ور ہونا

www.ahnafmedia.com

خواب وخیال سے زائد نہیں، یہی حال فضائل خارجی کا ہے کیونکہ اگر مال و دولت وغیرہ نہ حاصل ہوں تو فضائل خارجہ کی جانب گامزن ہونے میں ہزاروں موانع سدِ راہ ہو جاتے ہیں، اگر تم کہو کہ فضائل خارجہ کے حصول کے لئے مال اہل وعیال عزت اور خاندانی شرافت کی کیا ضرورت ہے۔ تو خوب یاد رکھو کہ ان امور کی مثال دست و بازو اور ہتھیار کی سی ہے جن سے مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہو۔

مثلاً مال و دولت کو لیجئے، تنگدست اور محتاج کا طلب کمال میں نکلنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ہتھیاروں کے بغیر میدان جنگ میں ھل من مبارز کا نعرہ مارتا ہے۔ یا جیسے بازو پروں کے بغیر شکار کا قصد کرتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم المال الصالح للرجل الصالح۔ صالح آدمی کے لئے مال صالح ایک نعمت ہے۔ پھر فرمایا تقویٰ کے لئے سب سے اچھا مددگار مال ہے۔ کیونکہ جو شخص فقیر و تہیدست ہے اس کا تمام وقت قوت لباس مسکن اور دوسری ضروریات معیشت کی تلاش میں بسر ہوگا۔ اُسے علم جو افضل فضائل ہے کے حصول کے لئے تگ و دو کرنے کا موقع و فرصت ہی نہ ملیگا۔ پھر وہ فضائل حج۔ صدقہ و زکات اور دوسری نیکیاں حاصل کرنے سے محروم رہیگا۔ اور نیک بیوی اور بچوں کی ضرورت تو صاف ظاہر ہے۔ صالح بیوی خاوند کی کھیتی ہے، اور اس کے دین کی حفاظت کا مضبوط قلعہ۔ فرمایا آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے نعم العون علی الدین المرأۃ الصالحۃ۔ صالح بیوی دین میں اچھی مددگار ہے اور اولاد کے متعلق فرمایا اذا مات الرجل انقطع عملہ الا من ثلاث صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ۔ آدمی جب مرتا ہے تو اُس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، بجز تین کے، صدقہ جاریہ، علم نافع، اور اولاد صالح جو اُس کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہتی ہے۔ جب کسی شخص کے اہل وعیال اور اس کے خویش واقربا زیادہ ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اس کے لئے کانوں۔ آنکھوں، اور دست و بازو کا کام دیتے ہیں۔ ان کے سبب سے اس کے دنیوی امور میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اگر وہ منفرد اور تنہا ہوتا تو اس کو یہ وسعت و فراغت حاصل نہ ہوتی جب دنیا کے ضروری اشغال میں تخفیف واقع ہو جاتی ہے۔ تو دل کو بھی عبادت و علم کے لئے فراغ حاصل ہو جاتا ہے اور اس طرح اُسے دین کے بارے میں قابل قدر اعانت میسر ہو جاتی ہے

عزت و قوت سے انسان لوگوں کی آزار دہی کی مدافعت کرتا ہے مسلمان اُن سے مُبرّا نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جان و مال کے بیری دشمنوں کا وجود اُس کے لئے لازمی ہے۔ اور ایسی ظالم ہستیاں بھی ضرور ہونگی جو اس کے وقت کو ضائع اور اُس کے دل کو مشوش کرنے کے لئے اس پر حملہ آور ہونگی۔ اسی لئے کسی کا مقولہ ہے کہ "دین اور سلطنت توام یعنی لازم و ملزوم ہیں اور دین قلعہ ہے اور حکومت اس کی پاسبان"۔

جس عمارت کی حفاظت نہ کی جائے وہ منہدم، اور جس چیز کا پاسبان نہیں وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی لئے بارگاہ ایزدی کا فرمان ہے ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض۔ اگر اللہ تعالےٰ ایک کی دوسرے سے مدافعت نہ کراتا تو زمین فتنہ و فساد سے بھر جاتی۔

غرض یہ ہے کہ اذیت کی مدافعت عبادت کے لئے فراغ قلب کے واسطے ناگریز ہے یہ بات عزت و غلبہ و قوت کے ذریعہ ہی پوری ہو سکتی ہے۔ جس طرح نیکی کی منزل پر پہنچانے والی چیز بھی نیکی ہے اسی طرح نیکی سے روکنے والے امور کی مدافعت بھی بذات خود نیکی ہے۔

اب رہی خاندانی وجاہت و شرافت، تو آبائی عزت، ناقابل وقعت شے ہے۔ کہتے ہیں انسان کی شرافت اس کی اپنی ذات سے ہے اور لوگ اپنے نیک اعمال کے بیٹے ہیں، مجھے اپنی عمر کی قسم ہے۔ جب خاندانی شرافت بغیر شرافت ذاتی، کا مقابلہ ذاتی شرافت بغیر خاندانی شرافت سے کیا جاتا ہے۔ تو خاندانی شرافت حقیر اور کم وقعت ہو جاتی ہے تاہم جب ذاتی شرافت بھی حاصل ہو تو شرافت نسبی کی فضیلت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ امامت میں بھی حسب و نسب کی شرط اور قید لگا دی گئی ہے۔ حدیث میں ہے الائمۃ من القریش۔ امام قرشی النسل ہوا کریں، اور کیوں نہ ہو اخلاق مزاجوں اور طبیعتوں کی اتباع کرتے اور اصول سے فروع کی جانب چلتے ہیں۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تخیروا لنطفکم اور ایاکم وخضراء الدمن یعنی خوبصورت بد اصل عورت سے بچو۔

شرافت بھی ایک سعادت ہے لیکن ہماری مراد یہ نہیں کہ ابنائے دنیا اور امراء و رؤسا سے نسبی تعلق ہو۔ بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ نیک۔ پاک باز اور علم و عبادت اور عقل سے

مزین بزرگوں سے انتساب ہو +

اگر تم پوچھو کہ فضائل جسمی کی کیا ضرورت ہے تو ہم کہینگے، کہ صحت وقوت اور طویل عمر کی بے شک حاجت ہے بعض لوگ خوبروئی کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فضائل جسمی کے لئے یہی کافی ہے کہ جسم امراض سے محفوظ و سلامت ہو، تاکہ فضائل کے حصول میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ مجھے اپنی عمر کی قسم ہے کہ خوبصورتی کی واقعی تھوڑی ضرورت ہے۔ تاہم یہ بھی ایک سعادت اور خیر ہے۔ دنیوی لحاظ سے تو ہر ایک شخص جانتا ہے، اور اخروی اعتبار سے دو طریق پر (اول) بدصورتی مذموم ہے اور طبیعتیں اُس سے نفرت کرتی ہیں حُسن ایک طاقت ہے جسمین کی ضروریات جلد پوری کی جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے خوبصورتی بھی ایک کامیاب ذریعہ اور جزو ہے۔ جیسے مال۔ اور جو شے دنیوی حاجتوں کے پورا کرنے میں معین و مددگار ہے وہ آخرت میں بھی ممد و معاون ہے کیونکہ آخرت کی منزل پر بھی دنیوی اسباب کے ذریعہ ہی پہنچا جاتا ہے +

(دوم) حُسن عام طور پر خوبی روح پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ روح کی روشنی کی نورانیت جب کامل ہو جاتی ہے تو اُس کا پرتو بدن پر پڑنا شروع ہوتا ہے۔ انسان کا ظاہر اُس کے باطن کا گواہ ہے۔ اسی لئے اصحاب فراست قیافہ سے اخلاق باطنی کے لئے استدلال کیا کرتے ہیں، آنکھ اور چہرہ باطن کا آئینہ ہیں، اسی لئے ان میں غصہ اور شرارت کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ چہرے کی حالت عنوان ہے دل کے خیالات کا، اور زمین کے اندر اگر بُری شے ہے تو یقین جانو کہ اس کی سطح پر اس سے بدتر ہوگی +

ایک دفعہ ماموں رشید ایک لشکر بھرتی کر رہا تھا۔ ایک گونگا شخص اُس کے سامنے حاضر ہوا۔ ماموں نے اُس سے گفتگو کرنی چاہی تو وہ گونگا نکلا، اُس نے اس کا نام کاٹ دیا اور کہا یہ روح کی بادی جب ظاہر پر پرتو فگن ہو جائے تو یہ باعث فوقیت ہے لیکن یہاں نہ اُس کا ظاہر ہے نہ باطن" اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطلبوا الحاجۃ عند احسان الوجوہ۔ خوبرو لوگوں سے ضرورت طلب کرو۔ پھر فرمایا اذا بعثتم رسلکم فاطلبوا حسن الوجوہ وحسن الاسم۔ جب تم کہیں ایلچی بھیجنے لگو تو اُس شخص کا انتخاب کرو۔ جو سب سے خوبصورت اور جس کا نام بھی عمدہ ہو +

فقہا کا قول ہے کہ جب تمام نمازی درجات و مراتب کے لحاظ سے مساوی ہوں تو

امامت کے لئے سب سے زیادہ خوبصورت شخص اولیٰ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے بھی جسمانی خوبی کا احسان بیان کرتے ہوئے فرمایا وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم جالوت علم اور جسامت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھے +

خوبروئی سے ہماری مراد وہ جمال وحسن نہیں جو محرک شہوت ہے۔ کیونکہ یہ تو نسائیت ہے ہمارا مطلب یہ ہے کہ بلند و بالا قد ہو گوشت اور پوست معتدل ہو، اعضا متناسب ہوں، چہرہ ایسا بھلا اور سہاونا ہو کہ نگاہ پر بار نہ ہو +

اب تم پوچھتے ہو کہ فضائل توفیقی یعنی ہدایت الٰہی ارشاد خداوندی، تسدید الٰہی اور تائید ربانی سے کیا مراد ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ۔ توفیق وہ نعمت ہے جس سے انسان کسی حال میں مستغنی نہیں۔ اس کے معنی ہیں انسانی ارادہ اور فعل کی حکم و تقدیر الٰہی سے موافقت یہ خیر و شر میں استعمال ہوتی ہے لیکن خیر و سعادت میں ہی متعارف ہو گئی ہے۔ توفیق کی احتیاج بین و ظاہر ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب نوجوانوں کو خدا کی امداد حاصل نہ ہو، تو اکثر ان کا اجتہاد گم ہو جاتا ہے +

ہدایت الٰہی کے بغیر طلب فضائل کی طرف ایک قدم چلنا بھی دشوار ہے کیونکہ یہ نیکیوں کا مبدا ہے اور خیر کا منبع۔ جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا اعطی کل شی خلقہ ثم ھدی ہر ایک چیز کو پیدا فرمایا پھر اُسے ہدایت دی، اور فرمایا ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ ما زکی منکم من احد ابداً ولکن اللہ یزکی من یشاء اگر تم پر اللہ کی رحمت اور فضل تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص کبھی پاکباز نہ ہوتا لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے! در حدیث میں ہے ما من احد یدخل الجنۃ الا برحمۃ اللہ کوئی فرد بشر جنت میں داخل نہ ہوگا۔ مگر اللہ کی رحمت سے، یا بالفاظ دیگر اُس کی ہدایت کے ساتھ۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی +

ہدایت کے تین درجے ہیں، (اول) خیر و شر کے رستہ کی پہچان جس کا اشارہ آیت وھدیناہ النجدین میں ہے یعنی ہم نے اُسے دونوں رستے سوجھا دئے اللہ نے اپنے کمال فضل و کرم سے اپنے تمام بندوں کو صراط مستقیم کی معرفت عطا فرمائی بعض کو عقل کے ذریعہ اور بعض کو زبان نبوت و رسالت سے۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا، واما ثمود

فھدیناھم فاستحبوا العمی علی الھدی ثمود کو ہم نے درست راستہ بتا دیا پھر انہوں نے ہدایت پر بے راہ روی کو ترجیح دی ۔

(دوم) جو بندے کو کھینچ کر اس کے علوم اور اعمال صالحہ کی ترقی اور زیادتی کے مطابق ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف لے چلتی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے والذین اھتدوا زادھم ھدی وآتاھم تقواھم جو لوگ درست راستہ پر گامزن ہوئے اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کیا اور ان کو ان کا تقویٰ عطا فرمایا ۔

(سوم) یہ ایک نور ہے جو عالم نبوت اور ولایت میں چمکتا ہے اور اس سے وہ راستہ نظر آتا ہے جس کی رہنمائی عقل کی شمع نہیں کر سکتی میری دلیل کی بنیاد خدا کے اس قول پر ہے قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ کہدے کہ ہدایت اللہ ہی کی اصلی ہدایت ہے اپنی ذات سے نسبت کر کے خدا نے اسے ہدایت مطلق کا نام دیا۔ قرآن میں ایک جگہ اسے زندگی سے بھی تعبیر کیا، اور فرمایا، اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا۔ اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہ جس شخص کا اللہ نے اسلام کے لئے سینہ کھول دیا تو وہ اپنے اللہ کے نور پر ہے ۔

رشد الٰہی سے ہماری مراد ہے عنایت الٰہی جو انسان کو اس کے مقاصد کی طرف توجہ کرنے میں اعانت کرتی ہے پھر اس کی صلاحیت کے مطابق اسے قوت دیتی اور اس کے فساد طبیعت کو پراگندہ اور منتشر کرتی ہے اور یہ باطن سے ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ نے فرمایا ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین بیشک ہم نے ابراہیم کو اس کا رشد دیا پہلے سے اور ہم ہی جانتے تھے ۔

تسدید الٰہی اس لئے ہے کہ انسان کے ارادے اور حرکات کو منزل مقصود کی جانب ڈال دے تاکہ قریب ترین وقت میں وہ اس پر پہنچ جائے۔ رشد پہچان کے ساتھ خبردار کرتا ہے اور تسدید اعانت و نصرت ہے تحریک کے ساتھ ۔

تائید ربی داخلی طور پر بصیرت کے ذریعہ سے معاملے کی تقویت اور خارجی لحاظ سے گرفت کی طاقت ہے۔ خداوند تعالیٰ کے قول اذ ایدتک بروح القدس

جب میں نے روح القدس سے تیری تائید کی، یہی مراد ہے۔

اس کے قریب قریب عصمت ہے۔ اور وہ فیض الٰہی ہے جس سے انسان خیر میں گرمجوشی اور شر سے اجتناب کی تقویت حاصل کرتا ہے۔ یہانتک کہ وہ انسان کے اندر غیر محسوس طور پر ایک روک سی بن جاتی ہے۔ اس کی تائید خدا کے اس قول سے ہوتی ہے ولقد همت به وهم بها لولا ان رأ برهان ربه (عزیز کی بیوی نے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف اس کی بیوی کا ارادہ کر لیتا۔ اگر اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھ لیتا۔ ان باتوں کے حصول کے لئے اسی وقت اللہ کی مدد، صاف و تیز فہم، ہوشیار و شنوا گوش، صاحب بصیرت اور بیدار دل، ناصح معلم، فراخ و کشادہ مال و دولت، جو ضروریات زندگی کے مطابق ہو۔ اور اتنا کثرت سے نہ ہو کہ دین کی طرف سے روک دے اہل و عیال، اور عزت و غلبہ جو کمینوں کی شرارتوں سے بچائے، اور دشمنوں کے ظلم سے محفوظ رکھے، کی ضرورت ہے۔ یہ ہیں وہ اسباب جن سے سعادتیں مکمل ہوتی ہیں۔

فصل

سعادتوں کی غایت اور انکے مرتبے

سعادت حقیقی اور سعادت اخروی ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ اس کے علاوہ جن امور کو سعادت کے خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے وہ یا تو بالکل مجاز میں یا غلط طور پر کیا گیا ہے۔ جیسے سعادت دنیوی، جو آخرت میں کسی کام نہیں آتی۔ بلحاظ مصداق کے نام سعادت اخروی پر ہی سب سے زیادہ صادق آتا ہے، اور اس میں ہر وہ بات داخل ہے جو سعادت اخروی کی منزل تک پہنچاتی ہے یا اس مقصد میں امداد دیتی ہے۔ کیونکہ خیر و سعادت سے ہمکنار کرنے والی شے بذات خود خیر و سعادت ہے۔ منافع اور معاون اسباب کی تشریح چار قسمیں کرتی ہیں:-

(اول) جو ہر حال میں سود مند ہیں۔ اور وہ فضائل نفسی ہیں۔ ان میں سے بعض ایک وقت نفع بخش ہیں، دوسرے وقت نہیں۔ اور نفع زیادہ ہے۔ جیسے تھوڑا مال اور بعض کا ضرر خلقت

کے حق میں زیادہ ہے، ان میں علوم و صنائع کی بعض قسمیں ہیں، چونکہ ان میں التباس زیادہ ہے، اس لئے عقلمند کو لازم ہے کہ ان امور کے حقائق کی معرفت اچھی طرح حاصل کرلے، تاکہ مضر کو نفع بخش پر ترجیح نہ دے۔ ورنہ شاہد مقصود سے ہمکنار ہونے میں زیادہ دیر لگتی، بہت سے آدمی آماس کو فربہی پر محمول کر لیتے ہیں، اور کئی رسی کی تلاش کرتے کرتے سانپ کو پکڑ لیتے ہیں، جو فوراً ڈس لیتا ہے، درحقیقی علم وہی ہے جو ان امور کا انکشاف کرے۔

(تقسیم ثانی) نیکیوں کی تقسیم ایک اور طرح بھی ہو سکتی ہے (۱) موثرۂ لذات (۲) موثرۂ غیر لذات (۳) ایک وقت موثرۂ لذات (۴) اور دوسرے وقت غیر موثرہ، تو چاہئے کہ انسان ان کے مراتب کو خوب پہچان لے تاکہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق حصہ دے۔ موثرۂ لذات سعادت اخروی ہے، اور اس سے آگے اور کوئی حد نہیں، موثرۂ غیر لذات مال و دولت ہے جیسے درہم و دینار اور روپیہ پیسہ۔ پھر اگر حاجتیں اور ضروریات ان سے پوری نہ ہوں تو وہ تمام زر و جواہر سنگریزے اور ٹھیکریاں ہیں۔

ایک وقت موثرۂ لذات اور دوسرے وقت غیر موثرہ کی مثال صحت جسمانی ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ انسان پیدل چلنے سے جس میں پاؤں کی سلامتی ناگزیر ہے مستغنی ہے پھر بھی اس کا جی چاہتا ہے کہ اس کے پاؤں درست اور سالم ہوں۔ ان کی سلامتی بذات خود ایک نعمت ہے۔

(تقسیم ثالث) نعمتوں کی تقسیم ایک اور طرح بھی ہو سکتی ہے۔ نافع، جمیل اور لذیذ اور برائیاں بھی تین ہیں مضر، قبیح اور تکلیف دہ۔ ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں،

اول مطلق، اس میں تینوں باتیں موجود ہوتی ہیں، نیکی کے اعتبار سے جیسے حکمت، یہ نافع ہے جمیل ہے اور لذت بخش بھی۔ برائی کے لحاظ سے جیسے جہالت، یہ مضر بھی ہے قبیح بھی ہے اور تکلیف دہ بھی۔

دوم محدود، اس میں تین باتوں میں سے کوئی ہوتی ہے کوئی نہیں ہوتی۔ مثلاً بعض اوقات نافع اور تکلیف دہ جیسے زائد انگلی کا کٹنا، یا گاہے نافع ایک وجہ سے اور مضر دوسری وجہ سے جیسے غرق ہونے سے بچنے کے لئے زر و مال کو سمندر میں پھینک دینا، کیونکہ مال کے اعتبار سے مضر ہے درجان کے لحاظ سے مفید، آگے نافع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول ضروری جیسے فضائل نفسی، اور سعادت اخروی کا اتصال۔ دوسرے غیر ضروری، جس کی جگہ دوسری شے بھی پوری

کرسکتی ہے جیسے تسکین صفرا کے لئے سکنجبین +

(تقسیم رابع) قوائے ثلاثہ اور مشتہیات ثلاثہ کے حساب سے لذات تین ہیں کیونکہ لذت کے معنی ادراک مشتہی ہیں۔ شہوت سے عبارت ہے نفس کا تحریک کرنا اُس شے کی طرف جس کی لذات عقلیہ اور لذات بدنیہ مشتاق ہیں۔ ان میں سے بعض میں تمام حیوانات مشترک ہیں اور بعض میں چند۔ رہی عقلیات جیسے لذت علم و حکمت، اس کا وجود سب سے زیادہ قلیل اور سب سے زیادہ بزرگ ہے۔ اس کی قلت اس لئے ہے کہ حکمت سے صرف حکیم ہی لذت اندوز ہوتا ہے۔ اگر شیر خوار بچہ شہد، فربہ پرندوں کے گوشت اور پاکیزہ حلاوتوں کی لذت کے ادراک سے قاصر ہے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ یہ چیزیں لذیذ ہی نہیں اور اس کے رغبت سے دودھ پینے سے یہ مطلب تو نہیں کہ دودھ سب سے زیادہ لذید اور دلپسند شے ہے +

عام طور پر سب کے سب لوگ ابتدا میں علم کے مرتبہ سے غافل ہوتے ہیں اور اسی میں فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی لئے جہالت میں انہیں مزا ملتا ہے۔ اِکا دُکا کوئی اس سے مستثنیٰ ہو تو ہو ؎

ومن یک ذا فم مرا مریض یجد مرا بہ ماء الزلال
منہ کے کڑوے پن کا مریض آب زلال کو بھی کڑوا سمجھتا ہے

ان کی بزرگی تو چونکہ لازم ہے اور غیر زوال پذیر دائمی ہے اور نہ زائل ہونے والی اُس کی لذتیں بھی باقی رہنے والی ہیں اور دار آخرت میں اس کا ثمرہ بے نہایت ہے +

اور اگر کوئی شخص برتر اور قائم رہنے والی نعمت کے حصول کی قدرت رکھتا ہوا کم مایہ اور فانی شے پر راضی ہو جاتا ہے۔ تو لازمی طور پر کہنا پڑیگا کہ اُس کی عقل نے دھوکا کھایا اور اپنی سعادت اور ادبار سے محروم رہا۔ اس امر میں چھوٹی سے چھوٹی خوبی یہ ہے۔ کہ فضائل نفسی خصوصاً علم و عقل کو نہ تو مددگاروں کی ضرورت ہے نہ محافظوں کی۔ بخلاف اس کے مال و دولت ان کے بغیر آج بھی گیا اور کل بھی ضائع ہوا۔ علم تو تمہاری نگہبانی کرتا ہے اور تم مال کی پاسبانی کرتے ہو۔ علم خرچ کرنے سے زیادہ اور مال کم ہوتا ہے۔ علم ہر حال میں مطلق اور ابدی طور پر نفع بخش اور سود مند ہے۔ مال وزر کبھی رذائل کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ کبھی فضائل کی جانب لے چلتا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں بعض مواقع پر اس کی مذمت آئی

ہے اور بعض جگہوں میں اُسے "خیر" کا نام دیا گیا ہے +

(دوم) وہ لذات جو انسان اور حیوانات میں مشترک ہیں۔ جیسے کھانے پینے کا ذائقہ، جفت و وطی کی لذت، اس کا وجود سب سے زیادہ ہے +

(سوم) وہ جو سب انسانوں اور بعض حیوانوں میں مشترک ہیں۔ جیسے ریاست و غلبہ کی لذت عقلمندوں کے دلوں میں یہ سب سے زیادہ چسپاں ہوتی ہے، اسی لئے کہتے ہیں کہ صدیقین کے سر سے جو چیز سب سے آخر میں خارج ہوتی ہے حب ریاست ہے +

لذت جماع اور ذوق خورد و نوش لذات مطلق نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ ایک لحاظ سے ازالۂ الم ہیں۔ اسی کے متعلق کہا گیا ہے کہ انسان صریع جوع و قتیل شبع انسان بھوک کا غلام ہے اور سیری کا قتیل +

دنیوی لذتیں سات ہیں، کھانا۔ پینا۔ مباشرت۔ پہننا۔ رہنا۔ سونگھنا۔ سننا۔ اور دیکھنا یہ سب کی سب حقیر ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے حضرت عمار کو حزن و ملال دکھ کے باعث آہیں بھرتے دیکھ کر فرمایا، اے عمار اگر تم آخرت کے لئے آہیں بھرتے ہو تو تمہاری تجارت بہت نفع بخش ہے اور اگر تم دنیا کے لئے مضطرب ہو رہے ہو، تو تمہاری بیقراری اور اضطراب ذلیل اور کم مایہ ہے۔ میری طرف دیکھو کہ میں دنیا کی تمام لذات، ماکولات، مشروبات، منکوحات، ملبوسات، مسکونات، مشمومات، مسموعات اور مبصرات سے لطف اندوز ہو چکا ہوں، ان میں سے ماکولات میں افضل شہد ہے، یہ مکھی کا فضلہ ہے، مشروبات میں پانی افضل ہے، یہ تمام موجودات میں کم مایہ اور جملہ مخلوقات میں بلند مرتبہ ہے، منکوحات میں فتنہ در فتنہ ہیں، ملبوسات میں بہترین ریشم ہے اور یہ ایک کیڑے کی دم کی تار ہے، اور اُسے ایک کیڑا بناتا ہے۔ مشمومات میں بہترین کستوری ہے اور وہ ایک جانور کا خون ہے۔ مسموعات ہوا کا ترنم ہے اور بس، اور مبصرات خیالی صورتیں ہیں جو جلد فنا ہو جاتی ہیں۔ یہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول +

لذات دنیوی کے متعلق بدبختی یہ ہے کہ پورا ہونے کے بعد وہ فوراً زائل ہو جاتی ہیں، مباشرت سے فارغ ہونے اور کھانا کھا چکنے سے قبل کی حالت قابل غور ہے دیکھو کس طرح مطلوب امر قابل گریز ہو جاتا ہے۔ پھر یہ باتیں اس لذت دوام کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہیں۔ جو کبھی فنا نہیں ہوتی۔ اور اس کی راحت ابد الآباد تک رہتی ہے وہ لذت

دوام فضائل نفسی کے ذریعہ کمال روحانی حاصل کرنا خصوصاً تمام پر علم و عقل کے ساتھ غلبہ اور استیلا پا جانا ہے +

فصل

مذموم و محمود خواہشات

بھوک غذا کی طلبگار ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی دو قسمیں ہیں۔ ضروری اور غیر ضروری ضروری جس کے بغیر بدن اور صحت بدن کا قائم رہنا ناممکن ہے۔ جیسے کھانا جو غذا بنتا ہے اور پانی جو تازگی بخشتا ہے۔ اس کی پھر چار قسمیں ہیں محمود، مکروہ، حرام اور مضر +

محمود وہ جس کے بغیر انسان کے لئے علم و عمل کے میدان میں گامزن ہونا ناممکن ہو اگر اس کا استعمال ترک کر دیا جائے تو بدن کی قوتیں تحلیل ہو جائیں اور جسم بیکار ہو جائے۔ اگر اُسے صرف اسی قدر مقدار میں کھایا جائے جس قدر ضروری ہے تو یہ قابل درگذر ہے بلکہ لائق تعریف اور لائق اجر، وجہ یہ کہ بدن رُوح کی سواری ہے جس کے ذریعہ خدا کے کوچہ کی راہیں قطع کی جاتی ہیں جس طرح جہاد عبادت ہے اسی طرح جہاد کرنے والے گھوڑے کی پرورش بھی عبادت ہے۔ کہ اُس سے گھوڑا طاقتور ہوگا۔ اور غازی کو اٹھا کر میدان میں جا لڑے گا۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عند اکل الصالحین تنزل الرحمۃ نیک بندے جب کھانا کھاتے ہیں تو خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے یہ اس لئے کہ اس کا کھانا ناگزیر طور پر ہوتا ہے اور اس کی عین آرزو اُس سے مستغنی ہو جانے کی ہوتی ہے +

کھانے والے کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کا درختوں اور سبزیوں کے فضلات نباتی کو ناخن و بال کے انسان کا پاخانہ اور دوسرے فضلات کو چاٹ کرنے کے برابر ہے۔ اگر درختوں کے زبانیں ہوتیں تو وہ سبزیوں اور پودوں کے فضلات کھانے والوں کو حیوانات کے فضلہ کھانے والوں سے تشبیہ دیتے +

مکروہ کے معنی ہیں حلال کے بارے میں اسراف و امعان، اور حد سے زیادہ مقدار

میں کھانا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ما ملأ وعاء البغض الی اللہ تعالے من بطن ملئ من حلال خدا کو تمام برتنوں میں ناپسند برتن وہ پیٹ ہے جو رزق حلال سے بھر گیا اور یہ طبی لحاظ سے بھی مضر ہے کیونکہ یہ بات سب بیماریوں کی جڑ ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے البطنۃ اصل الداء والحمیۃ اصل الدواء وعودوا کل جسد ما اعتاد، پیٹ سب بیماریوں کی جڑ ہے پرہیز تمام دواؤں کی بنیاد ہے جہانتک ہو سکے پرہیز کرو۔

محقق اطبا کی رائے ہے کہ حکیم عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام طب کا نچوڑ ان تین فقروں میں رکھدیا ہے۔ طالب سعادت کو مناسب ہے کہ اس زیادتی کو حقیر نہ شمار کرے۔ ہم نے اس کا نام مکروہ رکھا ہے! ور اُسے مضر نہیں کہا۔ کہ مکروہ نہایت تیزی سے مضر صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ خواہشوں کو برانگیختہ کرنے والی قوت شہوانیہ ہے اور اس کی تقویت کا موجب یہی غذائیں ہیں۔ پیٹ کا پُر ہونا شہوات کو مضبوط کرتا ہے! ور اس کی مضبوطی خواہشات کو بلاتی ہے! ور خواہشات شیطان کا سب سے بڑا لشکر ہے جو تسلط اور غالب انسان کو اس کے رب سے دور رکھتا ہے اور اللہ کے دروازے سے اُسے پھیر دیتا ہے! ور دشمن کے لشکر کی امداد کرنا اور اس کو قوت دینا گویا خود دشمن بن جانا ہے اس لئے مکروہات مضرات کے قریب قریب ہو جاتی ہیں چنانچہ کسی نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ پھر کیا سبب ہے کہ آپ اپنے جسم کی تقویت کا سامان نہیں کرتے حالانکہ وہ بہت کمزور ہو چکا ہے! اس نے جواب دیا اس لئے کہ بدن سریع الانبساط ہے اور جلد حد سے گذر جاتا ہے! تو میں ڈرتا ہوں کہ یہ سرکش ہو کر مجھے ہلاک نہ کر ڈالے! ور مجھے یہ امر زیادہ پسند ہے کہ اُسے تکلیف میں ڈالوں بہ نسبت اس کے کہ یہ مجھے فواحش کے ارتکاب پر مائل کرے۔

اب رہی غذا کی مناسب مقدار۔ تو سُن لو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی اندازہ دو حدیثوں میں فرمایا ہے۔ فرمان اوّل حسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبہ فان کان لا بد فثلث للطعام وثلث للشراب وثلث للنفس ابن آدم کے لئے صرف چند لقمے اس کے قوی کے قائم رکھنے کو کافی ہیں۔ اگر اُسے ضرور ہی زیادہ کھانا ہو تو معدے کی ایک تہائی روٹی کے لئے ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی

سانس کے لئے ہونی چاہئے لقموں کی تعداد دس سے کم ہونی چاہئے۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ملتی ہے جس میں فرمایا المومن یاکل فی معی واحد والمنافق یاکل فی سبعۃ امعاء مومن ایک انت کھانا کھاتا ہے اور منافق سات انتوں کو پُر کرتا ہے اسب سے پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ پیٹ کا ساتواں حصہ پُر کیا جائے، پھر اگر خواہش زیادہ ہو تو تیسرا حصہ +

میرا رجحان ہے کہ اکثر لوگوں کے بارے میں تیسرا حصہ ہی درست ہے لیکن یہ بات مختلف اشخاص کے ساتھ مختلف ہے +

مختصر یہ ہے کہ پیٹ بھر کر نہ کھانا چاہئے تاکہ بدن رات کی عبادت اور تہجد کے لئے ہلکا پھلکا رہے۔ اور شہوات کی جانب مائل کرنے والی قوتیں ضعیف ہو جائیں +

حرام سے مراد ہے اُن غذاؤں کا کھانا جو اللہ عزوجل نے حرام کر دی ہیں۔ ان میں مال غیر اور محرمات شامل ہیں۔ ان میں بدترین منشیات کا استعمال ہے کیونکہ خدا کے لشکری اور دل یعنی عقل کے ازالہ اور شیطان کے لشکریوں اور دوستوں یعنی شہوت اور قوائے حیوانیہ کے غلبہ کے لئے سب سے بڑے بڑے منشیات ہی ہیں۔ غذاؤں کے متعلق یہ مجمل احکام ہیں +

کوئی شخص شاہراہ سعادت پر گامزن ہونے کا خیال بھی دل میں نہ لائے جب تک مطعومات کی مقدار اور ان کی حلت کے اسباب کی نگہداشت کی قابلیت نہ پیدا کر لے، کیونکہ معدہ ہی تو تمام قوتوں کا منبع اور مخزن ہے! درگویا یہی دروازہ ہے اور یہی کلید ہر قسم کے خیر و شر کی، یہی وجہ ہے کہ شریعت میں روزے کی بہت عظمت آئی ہے کہ یہ خاص طور سے اعدائے الٰہی کو مغلوب کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ چنانچہ روایت ہے ان الصوم لی وانا الذی اجزی بہ۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث اس کے متعلق وارد ہوئی ہیں +

پسندیدہ اور محمود مقدار غذا وہ ہے جو انسان کی زندگی اور قوت برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہو۔ بنکاح نوع انسان کی بقاؤ تحفظ کے لئے ضروری ہے جیسے غذا ہستی کی بقا کے لئے موت تک لازمی ہے +

جس طرح شہوت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ طبیعت کو وطی کرنے کے لئے

بھلائے۔ تاکہ بقائے نسل کی صورت پیدا ہو۔ اسی طرح بھوک کو خدا نے اس لئے بنایا کہ کھانے کی رغبت پیدا کر کے بقائے شخصیت کا موجب بنے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تناکحوا تناسلوا تکثروا فانی مباہ بکم الامم نکاح کرو، اولاد پیدا کرو، تاکہ دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری شان بڑھے، تو جس شخص کے پیش نظر نکاح سے دو مقاصد ہوں (اول) کثرت مباہات اور اولاد صالح کے حصول کے لئے جو بعد میں دعائے مغفرت سے یاد کرے نسل پیدا کرنا (دوم) طبیعت میں سے فضلۂ منی دور کرنا جو اگر جمع ہو جائے تو تلخی سی پیدا کر دیتی ہے اور خون جب اجتماع پکڑ جائے تو جسم کو اپنی کثرت کے باعث امراض کے لئے اثر پذیر کر دیتا ہے اور فسق و فجور کی طرف طبیعت کو مائل کر کے دین کو خراب، تو نکاح اس طریقہ پر محمود و پسندیدہ ہے اور مسنون اور اس حدیث کے ماتحت آتا ہے۔ من احب فطرتی فلیستن بسنتی جو شخص میرے دین کو محبوب رکھتا ہے اُسے میری سنت پر عمل پیرا ہونا چاہئے، اور جس نے نکاح کر لیا اس نے اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیا۔ اس کے علاوہ تیسری غرض کا مدنظر ہونا بھی معیوب نہیں یعنی گھر میں کوئی ایسی ہستی موجود ہو جو اس کے گھر کا انتظام کرے تاکہ علم و عبادت کے لئے اُسے فراغ تام حاصل ہو۔ اس صورت میں نکاح افضل عبادات ہے۔ کیونکہ اعمال نیتوں پر منحصر ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ بیوی کا حسن و جمال اس لئے مطلوب ہو کہ پرہیزگاری اور یکسوئی پیدا ہو۔ حسن اخلاق تدبیر منزل کے لئے اور پاکدامنی کے لئے ایمان داری اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیک بذات الدین تربت یداک وایاکم وخضراء الدمن پھر فرمایا تخیروا لنطفکم بیوی کی صحت بدنی اور بانجھ نہ ہونا اس لئے پیش نظر ہو کہ اولاد پیدا ہو، اور یہی بیان کا مقصود ہے۔ اسی لئے عذل اور عورت سے پیٹھ کی طرف سے مباشرت کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اسکر پیدائش کے خلاف ہیں۔ اور عورتیں مردوں کی کھیتیاں ہیں، دوشیزگی اور کنوارپن کے مطالبہ اور آرزو میں بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر استحکام محبت مقصود ہے تو شریعت نے اُس کی رغبت دلائی ہے نکاح کے بارے میں مکروہ بات یہ ہے کہ صرف تمتع اور تقاضائے شہوت مدنظر ہو جو بچوں کی اس میں غرق ہو جائے اور ہمیشہ اسی دھن میں لگا رہے۔ بعض اوقات ایسی غذائیں کھائے جو ازدیاد شہوت کا موجب ہوں۔ یہ شرعاً مضر ہیں، لیکن فی نفسہ مکروہ نہیں اور مباح ہیں،

لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اس طرح طبیعت اتباع ہوی کے باعث خدا سے پھر جاتی ہے اور انسان میں گدھوں اور بیلوں سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔

مقوی غذاؤں اور دوسرے جوش آور طریقوں سے شہوت کو برانگیختہ کرنا درندوں اور خطرناک چار پایوں کو بھڑکانے اور غصہ دلانے پھر اُن سے رہائی کے لئے آمادہ ہونے کے برابر ہے محرمات دو طرح پر ہیں:۔

(اوّل) کہ قضائے شہوت مقام پیدائش میں کی جائے لیکن بغیر عقد شرعی کے، اور بغیر اجازت کے۔ اس کو زنا کہتے ہیں۔ یہ شرک کے قریب ہے چنانچہ قرآن پاک میں ہے الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ زانی مرد زانی اور مشرک عورت کے ساتھ ہی نکاح کرتا ہے۔

(دوم) خلاف وضع فطری عمل کرنا۔ یہ زنا سے بھی زیادہ بُرا اور فحش ہے۔ کیونکہ زانی منی تو ضائع نہیں کرتا صرف اُسے ناجائز طور پر استعمال کرتا ہے۔ لیکن یہ اس گراں قیمت شے کو برباد کرتا ہے اور خلاف شریعت امر کا ارتکاب بھی کرتا ہے ایسے شخص کا شمار اُن لوگوں میں ہے جن کے بارے میں فرمایا ویھلك الحرث والنسل کھیتی اور نسل کو ہلاک کرتے ہیں۔ اسی لئے اس کا نام اسراف رکھا گیا چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا انکم لتأتون الرجال شھوۃ من دون النساء بل انتم قوم مسرفون تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے خلاف وضع فطری کرتے ہو تم تو مسرف لوگ ہو ایسے شرمگاہ کی شہوت کے متعلق لوگوں کے مراتب ہیں +

بعض اوقات بے راہ روی عشق کی صورت اختیار کر لیتی ہے، یہ عین حماقت اور انتہائی جہالت ہے۔ یہ بہائم کی حد سے بھی آگے بڑھ جانا ہے اس لحاظ سے کہ اس میں اپنے محبوب کے متعلق یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں اس کا مالک ہو جاؤں اور صرف اپنے لئے خاص کر لوں کیونکہ عاشق شہوت جماع کے ارادہ پر ہی قناعت نہیں کرتا! یہ سب سے قبیح شہوت ہے اور سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس میں شرم و لحاظ اٹھ جاتا ہے اس کو بھی دھن لگ جاتی ہے کہ میں اپنی خواہشات کو صرف ایک ہی ہستی سے پورا کروں گا اس کے برخلاف حیوانوں میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں اتفاق ہو گیا شہوت کو پورا کر لیا، لیکن عاشق کی یہ حالت ہے کہ جب تک اُسے معشوقہ نہ ملے اس کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں یہاں تک کہ

www.ahnafmedia.com

ذلت پر ذلت سہتا ہے۔ ماریں کھاتا ہے غلامیاں کرتا ہے عشق میں عقل شہوت کی خدمت کے لئے مسخر ہو جاتی ہے حالانکہ انسان تو آمر اور مطاع پیدا کیا گیا تھا نہ اس لئے کہ شہوت کا غلام بن جائے اور اس کے احکام کی پیروی میں ہر قسم کا مکر و فریب استعمال کرے۔ آہ یہ ایک ایسا مرض ہے جس میں غیرت باقی نہیں رہتی۔ اس سے شروع میں ہی بچنا چاہئے اور اس کا طریق یہ ہے کہ نظر و فکر کو بے محابا ہونے سے بچایا جائے۔ ورنہ استحکام کے بعد اس کا دفعیہ سخت مشکل ہو جائیگا۔ یہی حال عشق جاہ و مرتبت اور حب مال و زمین اور محبت اولاد کا ہے۔ یہانتک کہ مرغبازی، نرد اور شطرنج کا شوق بھی اسی ذیل میں آتا ہے کیونکہ یہ تمام باتیں جن لوگوں پر مستولی ہو جاتی ہیں۔ وہ دین دنیا دونوں سے گذر جاتے ہیں ابتدا ہی میں کسی بری خصلت کو روک لینا ایسا ہی ہے جیسے اپنے گھوڑے کی مکان کے دروازے میں داخل ہونے سے قبل ہی لگام پھیر لینا۔ اس وقت اس کو روک لینا اور لگام پھیرنا نہایت سہل ہوتا ہے۔ اس کے استحکام کے بعد اس کے علاج کی مثال ایسی ہی ہے جیسے سوار گھوڑے کو دروازے میں داخل ہونے دے۔ پھر اس کی دم پکڑ کر باہر کو کھینچے۔ . . . . . اس لئے ابتدا ہی میں احتیاط کرنی چاہئے رہا بعد میں دوا کرنا تو اکثر حالتوں میں سخت جد و جہد کے بعد اگرچہ علاج کیا جا سکتا ہے لیکن یہ روح سے لڑائی کرنے کے برابر ہے +

اب انفعال غضب کی بھی تین قسمیں ہیں، محمود، مکروہ اور محظور یعنی حرام۔ ان میں سے محمود دو طرح کے ہوتے ہیں:-

(اول) غیرت، اس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی آدمی کی آبرو پر حملہ آور ہو۔ تو وہ اس کی مدافعت کے لئے صف آرا ہوتا ہے۔ اس وقت اس سے غصہ آتا ہے۔ یہ مدافعت پسندیدہ ہے اور ایسے مواقع پر غیرت نہ آنا نامردی ہے۔ اور بیحمیتی ہے۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان سعداً لغیور وانا اغیر من سعد غیرت مند ہے سعد غیرت مند ہے اور اللہ تعالےٰ اس سے بھی زیادہ غیرت مند ہے۔ اللہ تعالےٰ نے غیرت کا مادہ انسانوں میں حفظ انساب کے لئے ودیعت کر دیا ہے کیونکہ اگر لوگ مزاحمت میں مسامحت اختیار کرتے، تو انساب مختلط ہو جاتے چنانچہ اسی کے متعلق مقولہ ہے کہ ہر ایک قوم میں غیرت مردوں میں رکھی گئی ہے

اور پاکدامنی عورتوں میں۔

(دوم) سناکر و فواحش مشاہدہ کرنے پر دینی حمیت سے مجبور ہو کر اور انتقام لینے کے لئے غضبناک ہونا۔ ان لوگوں کی لسان الہی نے بہت تعریف کی ہے۔ کیونکہ وہ اشداء علی الکفار اور رحماء بینھم ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یوں فرمایا خیر امتی احداوھا میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن میں حدت بہت زیادہ ہے۔ یہاں حدت سے مراد حمیت دینی ہے۔ اور ارشاد خداوندی ہے ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ۔ اللہ کے دین کے بارے میں ان سے نرمی نہ کرو مع ھذا جب بادشاہ کسی گنہگار کے جرم پر غضبناک ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنے غصہ کو ضبط کرے۔ اور مجرم کو سزا نہ دے جب تک اس کے بارے میں نظر ثانی نہ کرلے سبب یہ ہے کہ غصہ ایک بھوت ہے جو انسان کی عقل کا دشمن ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ انسان غصہ میں آکر انتقام لینے میں حد واجب سے تجاوز کر جاتا ہے غضب کی مکروہ صورت وہ ہے جب انسان اپنے ذاتی فوائد و لذات کے ضائع ہونے پر آپے سے باہر ہو جاتا ہے جیسے نوکر اور غلام پر کوئی برتن بھانڈا توڑ دینے پر خفا ہونا۔ یا اپنے خادم کی خدمت کرنے میں تغافل آمیز کوتاہی پر جس سے وہ محترز رہ سکتا تھا ناراض ہونا۔ یہ غصہ وری مذموم کی حد سے متجاوز نہیں لیکن ایسے معاملات میں عفو اور درگذر اولیٰ اور زیادہ محبوب ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ کسی دانا سے کسی نے کہا، اپنے غلام سے جب وہ تمہاری خدمت کرنے میں کوتاہی کرے تو درگذر نہ کیا کرو کیونکہ اس سے وہ خراب اور ناکارہ ہو جائے گا اس نے جواب دیا۔ اگر میرا خادم میری ذات کے آرام میں خراب ہو گیا، تو یہ اس سے بہتر ہے، کہ میری طبیعت غلام کی اصلاح میں بگڑ جائے۔ کیونکہ غلام کی کوتاہیوں اور گستاخیوں کو برداشت کرنا میری روح کی اصلاح ہے اور سزا دینے میں غلام کی بہتری ہے۔

غصہ میں مذموم صورت وہ ہے جب فخر، تکبر، مباہات، منافست، کینہ، حسد اور وہ باتیں جو حظوظ بدنیہ سے متعلق ہوں انسان کو جامے سے باہر کر دیں، اور اس ناراضگی و خفگی اور سزا دینے میں دین و دنیا کے مستقبل کا کوئی فائدہ مدنظر نہ ہو۔ اس قسم کا غصہ اکثر لوگوں پر غالب ہے۔ یہ حلم و تحلم کے خصائل کی ضد ہے۔ حلم سے مراد ہیجان غضب سے طبیعت کو روکنا، اور تحلم کے معنی ہیں خواہشات کے جوش کو تھام لینا

www.ahnafmedia.com

حسن اخلاق کا کمال حلم میں ہے۔ لیکن تحلم یعنی مکروہات سے باز رہنا بھی بہت سی نیکیوں کا سرمایہ دار ہے۔ یہ ہیں افعال غضب کے مراتب +

غصے کے لحاظ سے لوگوں کے مختلف مراتب ہیں بعض گھاس پھوس کی مانند ہیں جلدی بھڑک اٹھنے والے اور جلدی بجھ جانے والے بعض دیر سے جلتے ہیں دیر سے بجھتے ہیں بعض کو دیر سے آگ لگتی ہے اور جلدی بجھ جاتی ہے اور یہ صورت اچھی ہے۔ بشرطیکہ حمیت و غیرت کے قصور تک نوبت نہ پہنچے +

غصے کے اسباب۔ مزاج کے لحاظ سے حرارت اور یبوست پر منحصر ہیں۔ غضب کی تعریف ان پر دلالت کرتی ہے کیونکہ غصہ کے معنی ہیں دل کے خون کا کھولنا اگر انتقام اختیار سے باہر ہو تو خون جمع ہو کر دل کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس سے حزن و ملال پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ اگر غصہ ایسے شخص پر آئے جو کمزور ہے تو دل کا خون گردش میں آجاتا ہے اس سے غضب حقیقی اور جذبۂ انتقام پیدا ہوتا ہے۔ اگر برابر کے آدمی پر طیش آئے تو اس سے خون میں ایک تردد سا پیدا ہوتا ہے کبھی انقباض اور کبھی انبساط، اس سے چہرے کی رنگت میں تنوع پیدا ہوتا ہے کبھی سرخ۔ پھر زرد۔ اور کبھی مضطرب، غرض قوت غضب کا محل دل ہے۔ اور اس کے معنی خون کی حرکت اور کھولنا ہے +

غصہ دیکھا دیکھی پر منحصر ہے چنانچہ جو شخص غصہ ور اور لڑاکا پن میں ڈینگ مارنے والے اور درندہ مزاج لوگوں کی صحبت میں بیٹھے گا اس میں وہی خصلتیں نقش ہو جائیں گی +

اور جو شخص متین اور پر وقار لوگوں کی مجلس اختیار کرے گا۔ اس میں یہی عادتیں پیدا ہو جائیں گی +

اب رہا یہ سوال کہ غصہ قوت سے فعل کی صورت کیسے اختیار کرتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا باعث نخوت۔ افتخار۔ دکھاوا۔ لجاجت۔ مخول۔ لاف زنی استہزا ظلم و ستم اور تنافس۔ حسد اور خواہش انتقام کی طلب ہیں۔ اور یہ سب مذموم ہیں +

جس شخص پر غصے کا بھوت سوار ہو جائے اسے چاہئے کہ وہ کسی حکیم کا قول یاد کرلے جو اس نے کسی بادشاہ سے کہا تھا۔ بادشاہ نے اس سے غصہ دور کرنے کی ترکیب پوچھی حکیم نے جواب دیا۔ آپ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ .....

آپ مطاع ہی نہیں ہیں مطیع بھی ہیں

آپ صرف مخدوم ہی نہیں ہیں خادم بھی ہیں۔ آپ کو برداشت بھی کرنا ہے صرف مغلوب الغضب ہی نہیں ہونا۔ اور یہ کہ اللہ آپ کو ہر وقت دیکھ رہا ہے +

غضب کی کئی فروع ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ازاں جملہ شجاعت۔ تہور۔ نفسانیت غبطہ حسد۔ جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے لیکن ہم ان کی مزید تشریح کرتے ہیں۔

شجاعت یہ تہور اور جبن کے درمیان پیدا کی گئی ہے۔ اس سے خطرات کے وقت دل کی دلیری وچابکدستی اور ہولناکیوں کے وقت اپنی نگہبانی میں مستعدی اور حسب موقع میدان میں قدم بڑھانا مراد ہے +

یہ غصے اور حسن مال سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان شدائد و مہالک کا مقابلہ کرتا ہے انہیں بلکہ معاصی سے باز رہتا ہے۔ کیونکہ غصہ جب خواہشات پر غالب آجائے تو انہیں توڑ دیتا ہے اب چونکہ دین کی ایک سمت رغبت خیر ہے اور دوسری ترک شر، چنانچہ فرمان نبوت ہے۔ الصبر نصف الایمان صبر نصف ایمان ہے اس لئے بعض خرابیاں شرمگاہ، اور شکم کی خواہشات سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور بعض ان دونوں کے علاوہ باتوں سے۔ پھر فرمایا روزہ نصف صبر ہے! اور صبر دو طرح پر ہیں۔ اول صبر جسمی جس سے انسان کا جسم مشقتیں برداشت کرتا ہے۔ بلحاظ فعل کے جیسے اعمال شاقہ یا انفعالی طور پر جیسے ضرب شدید اور مرض عظیم کو برداشت کرنا +

محمود تام قسم ثانی یعنی صبر نفس ہے۔ اگر شہوات کے حاصل کرنے سے صبر ہو تو اسے عفت کہیں گے اگر مکروہات کے متعلق ہو تو مکروہات کے اختلاف کے اعتبار سے نام بھی مختلف ہونگے۔ اگر کسی مصیبت کے بارے میں ہو تو صرف صبر کہینگے۔ اس کی ضد جزع و فزع ہے۔ اگر احتمال غنا میں ہو تو ضبط نفس نام ہوگا۔ اس کی ضد سبک مزاجی ہے اگر میدان جنگ میں ہو تو شجاعت اس کی ضد بزدلی یا جبن ہے۔ اگر غصہ فرو کر لینے میں ہو تو حلم ہوگا اور اس کی متضاد خصلت انتقام پسندی ہوگی، کسی اندوہناک مصیبت کی صورت میں صبر کو حوصلہ مندی کہینگے، اس کی متضاد خصلت تنگدلی، اندوہگینی، اور کم ظرفی ہے۔ اگر اخفائے کلام کے متعلق ہو تو رازداری کہینگے، اگر عیش و عشرت سے باز رہنے کے متعلق ہوگا تو زہد و قناعت کا نام پائیگا۔ اس کی ضد حرص اور بوالہوسی ہوگی۔ اسی لئے

www.ahnafmedia.com

ومن یک ذا فم مریض یجد مرا بہ الماء الزلالا
منہ کے کڑوے پن کا مریض آب زلال کو بھی کڑوا ہی سمجھتا ہے

ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے۔ پھر اُسے چاہیئے کہ علم کی کسی نوع کو حقیر نہ سمجھے بلکہ ہر ایک علم حاصل کرے۔ اس کا حق ادا کرے، اور اسی کا رتبہ پہنچانے کیونکہ ہر ایک علم اپنے اپنے درجے پر ہے۔ بعض انسان کو اللہ کی طرف لیجانے والے ہیں۔ یا اس سفر کے لئے اسباب مہیا کرنے والے۔ ہر ایک علم کی پھر مقصود سے قرب و بعد کے اعتبار سے مختلف منازل بھی ہوتے ہیں۔ اور ان کی حفاظت بھی لازمی ہے جس طرح حج اور جہاد کے رستہ میں پہرہ دار اور چوکیاں ہوتی ہیں۔

(وظیفہ سادس) یہ ہے کہ تمام فنون میں دفعۃً نہ کود پڑے۔ بلکہ اُن کی ترتیب کی رعایت رکھے۔ چنانچہ ابتدا سب سے اہم فن علم سے کرے! ور اس وقت تک دوسرے فن کو ہاتھ نہ لگائے جب تک پہلے فن کو تکمیل کے درجہ تک نہ پہنچائے کیونکہ علوم کی بھی ایک ترتیب ہے۔ جس کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ایک فن سے دوسرے فن کی جانب راہ نکلتی ہے! اللہ تعالےٰ نے اس کی ترتیب وتدریج کی نگاہ داشت کے متعلق فرمایا ہے۔ الذین اٰتینٰھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ یعنی اس وقت تک ایک فن کو چھوڑ کر دوسرے فن کی طرف رُخ نہیں کرتے جب تک علمی اور عملی طور پر اس میں تحکیم نہیں حاصل کر لیتے۔ طالب علم کا مقصد ہر علم سے یہ ہونا چاہیئے کہ اوپر کے علم کی جانب ترقی کا شوق پیدا ہو۔ پھر یہ بھی لازم ہے کہ کسی علم کے متعلق غلط اور خراب ہونے کا حکم صرف اس لئے نہ لگایا جاوے کہ اس علم کے حاملوں میں اختلاف واقع ہے۔ یا ان میں سے کوئی غلطی پر ہے۔ یا ان کے علم اور عمل میں تضاد و تخالف ہے۔

بعض ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئینگے جنہوں نے عقلیات اور فقہیات میں نظر و فکر کرنا چھوڑ دیا ہوگا۔ صرف اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ اگر ان کی کوئی اصلیت ہوتی تو عقلاء اور فقہا اس کا ضرور ادراک کر لیتے۔ اس شبہ کا ازالہ ہماری کتاب معیار العلم میں گذر چکا، بعض ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئینگے۔ جو علم نجوم کی صحت کے صرف اس لئے معتقد

ہونگے کہ ایک شخص کو اس کے درست ثابت ہونے کا اتفاق ہوا؛ دوسرا فریق صرف ایک شخص کے لئے اس کے غلط ہونے کی بنا پر اس کے بطلان کا قائل ہو جائیگا۔ یہ تمام گروہ غلطی پر ہیں، مناسب یہ ہے کہ ہر ایک چیز کی معرفت فی نفسہٖ حاصل کی جائے ہر ایک علم پر ہر ایک شخص حاوی نہیں ہو سکتا۔ ہر کارے و ہر مردے! اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ لوگوں کے ذریعہ سے تم حق کی معرفت نہیں حاصل کر سکتے۔ البتہ حق کی پہچان کے بعد اہل حق سے روشناس ہو جاؤ گے +

(وظیفہ ہفتم) اگر جمیع علوم کی تحصیل کے لئے عمر ناپائدار کفایت نہ کرے تو چاہئے کہ ہر ایک علم میں سے اس کا بہترین حصہ اخذ کر لے۔ کہ ہر ایک علم میں سے تھوڑا تھوڑا لے لینا کافی ہوگا، اور زندگی کا آسودہ ترین حصہ اس علم کی تحصیل کے لئے صرف کرے۔ جو نجات اور سعادت کا سبب ہے، یہی شے تمام علوم کی غایت ہے اور یہی بات حقیقی اور درست طور پر معرفت الٰہی ہے[1]۔ اس علم کے سب علوم خادم ہیں! اور یہ خود بالکل آزاد ہے۔ کسی کی نوکری نہیں کرتا۔ اسی کے متعلق ارشاد الٰہی ہے۔ قل اللہ۔ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔ کہدو اللہ! پھر انہیں اپنے خیال میں مگن رہنے دو۔ یہاں صرف زبان سے ان حروف کو ادا کر دینا مقصود نہیں۔ چنانچہ ارشاد رسالت پناہی ہے۔ من قال لا الٰہ الا اللہ مخلصاً دخل الجنۃ جس نے خلوص دل سے لا الہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہو گیا۔ زبانی جمع خرچ کسی کام کا نہیں۔ جب تک وہ دل پر اثر نہ کرے۔ یا جب تک اس اعتقاد کی پختگی کا اثر دل سے صادر نہ ہو۔ اس کا نام ایمان رکھا گیا ہے۔ پھر یہ ایمان بتدریج ترقی پا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایمان تک منتہی ہو جاتا ہے! ان کے ایمان کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور تمام دنیا کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھیں، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایمان صاف وزنی نکلے گا۔ کیونکہ انہیں تم پر کثرت صوم و صلوٰۃ کی بنا پر فضیلت حاصل نہیں۔ بلکہ اس راز کی وجہ سے جو اُن

[1] یہ دونوں باتوں سے حاصل۔ حریت عقل نظری۔ جو وہم اور تقلید سے بے نیاز کرنیوالی ہے اور حریت عقل عملی جو جسم کی غلامی سے رہائی بخشنے والی ہے۔ جب ایک شخص کو یہ دونوں حریتیں بدرجہ کمال حاصل ہو جائیں، تو وہ اس مقام پر پہنچ جائیگا جسے نہ آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور نہ کسی انسان دل پر اس کی حقیقت وارد ہوئی +

کے دل میں مخفی ہے +

یہاں سے منصف مزاج آدمی پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صوفیا کا طریق اگرچہ بہت سے ظواہر میں دور جاتا ہو۔ نہ بر دست شواہد کے ذریعہ سے اس پر شریعت شہادت دیتی ہے اس لئے ناواقف شخص کو محض اپنے قصور فہم اور جہالت کی بنا پر اس سے دشمنی نہ رکھنی چاہئے مختصر یہ کہ معرفت الٰہی کل معرفت کی غایت ہے! در کل مذاہب کے مطابق جملہ علوم کا ثمرہ روایت ہے کہ ایک بار کسی نے دو عابد و زاہد بزرگوں کی صورتوں کو مسجد میں دیکھا۔ دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک رقعہ تھا۔ ایک پر لکھا تھا "اگر تم تمام نیکیاں کر لو تو دت خیال کرو کہ تم نے کوئی نیکی کی ہے جتنی کہ تم اللہ کو پہچان لو۔ اور معلوم کر لو کہ خدا مسبب الاسباب ہے اور تمام اشیاء کا موجد" دوسرے پر تحریر تھا "میں معرفت الٰہی حاصل کرنے سے پہلے پینے کے باوجود پیاسا تھا۔ یہانتک کہ جب میں نے اُسے پہچان لیا تو بغیر پینے کے سیر ہو گیا +

(وظیفہ ہشتم) بعض علوم کا بعض علوم سے اشرف ہونے کی پہچان کر لینا: علم کی فضیلت دو طرح سے پہچانی جاتی ہے۔ اوّل۔ اس علم کے ثمرہ کے اشرف ہونے کے لحاظ سے۔ دوم۔ اس علم کے متعلق دلائل کی پختگی کے اعتبار سے، مثلاً علم دین اور علم طب، علم دین کا ثمرہ حیات ابدی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے وہ علم طب سے افضل ہے۔ جس کا ثمرہ حیات بدنی ہے۔ جو موت تک ہے +

پھر علم حساب کا اگر تم علم طب سے مقابلہ کرو گے تو اول الذکر موخر الذکر سے باعتبار پختگی دلائل اشرف ثابت ہو گا۔ کیونکہ علم حساب کے متعلق جس قدر نظریے ہیں سب یقینی ہیں اور تجربہ کے محتاج نہیں بخلاف اس کے طب کو یہ بات حاصل نہیں؛ ہاں علم طب باعتبار ثمرہ کے علم حساب سے افضل ہے۔ کیونکہ صحت بدن گنتیاں اور مقداریں معلوم کرنے پر فضیلت رکھتی ہے فضیلت ثمرہ پر نظر رکھنا پختگی دلائل کی تلاش سے بہتر ہے۔ اور تمام علوم سے ثمرہ کے لحاظ سے افضل علم خدا اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور رسولوں کا علم ہے۔ مع ہر اس علم کے جو اس علم کی اعانت کرے؛ کیونکہ اس کا ثمرہ سعادت ابدی ہے +

(وظیفہ نہم) یہ ہے کہ تم علوم کی اقسام کی مجمل طور پر شناخت کر لو اور وہ تین ہیں:-

اوّل وہ علم جو لفظ سے متعلق ہے بحیثیت معنی پر دلالت کرنے کے۔

www.ahnafmedia.com

دوم وہ علم جو صرف معنی سے تعلق رکھتا ہے! اول الذکر سے وہ علم مراد ہے جس سے ہم چاہتے ہیں، کہ تم ان الفاظ کی شناخت کر لو جو اُن پر دلالت کرنے کے لئے اصطلاحی طور پر وضع کئے گئے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک علم لغات اور اس کے دوسرے متعلقات ہیں، جیسے علم تشتقات و اعراب و نحو و صرف، اور علم عروض و قوافی، اس کی آخری حد علم مخارج حروف مع اپنے متعلقات کے ہے +

علم متعلق بالمعنی، موقع و محل کے لحاظ سے جس قسم کے الفاظ اس پر صادق آئینگے نام قائل کرے گا کبھی علم جدل و مناظرہ، کبھی علم برہان اور کبھی علم خطابت، کیونکہ جو شخص ان علوم میں صاحب نظر ہے ما در لغت۔ موجبات الفاظ۔ معانی، وغیرہ علوم کا عالم ہے۔ تو جس رنگ اور جس عنوان سے وہ ان کو استعمال کریگا اسی رنگ اور عنوان کے اعتبار سے اس کا نام ہوگا اگر وہ علم یقینی کی تحصیل کا کام لیتا ہے تو علم برہان، اگر فریق مقابل کو خاموش کرنے کے لئے تو جدل و مناظرہ، اگر دلوں کو نرم کرنے کے کام آئے تو خطابت اور وعظ کہیں گے، اُسے دلیل بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ وہ مخاطب کو مقاصد حقہ کی جانب رہنمائی کرتا ہے! اور ان اعتقادات کی طرف انہیں لے کر چلتا ہے جس میں ان کی نجات ہے۔ احادیث اور قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ قرآن کافروں کے خلاف اسی رنگ میں استدلال سے کام لیتا ہے ما در قرآن لحاظ عموم نفع جمہور کے حق میں سب سے بڑھ کر ہے۔ مستقل طور پر برہان حقیقی و یقینی کا ادراک اور فہم صرف اکابر علمائے محققین ہی کو حاصل ہوتا ہے جن کی زمانہ قدر نہیں کرتا ؛

جدل و مناظرہ ہدایت کے لحاظ سے کمترین نفع دینے والی شے ہے! کیونکہ محقق اپنی دلائل و براہین کو چھوڑ کر فریق مخالف کی بات کو تسلیم نہیں کر سکتا، اور نہ ہی دل میں اس کا قائل ہوتا ہے۔ اور عامی بات ہی نہیں سمجھتا۔ بلکہ اُسے سمجھنے کے لئے اپنے فہم کو ناکارہ پاتا ہے! خود مناظرہ کرنے والے لوگ، عام طور پر شکست کھانے کے بعد بھی اپنے عقائد پر قائم رہتے ہیں۔ اور کوتاہی دلیل کو اپنے قصور علم پر محمول کرتے ہیں! اور کہتے ہیں اگر ہمارا امام زندہ اور موجود ہوتا تو اس بات کا فیصلہ کن جواب دیسکتا! اس لحاظ سے تم دیکھو گے کہ اکثر وہ باتیں جو ماہرین علم کلام اور مناظر اپنے مناظروں میں کر چکے ہیں، کم و بیش جدلیات ہیں، اور یہی حال ہے تمام باتوں کا جو فقہی مباحثوں میں واقع ہوتی ہیں یہی مذہب ہے

www.ahnafmedia.com

کرنا ظاہر کرنے والے لوگ خبردار ہو کر بھی دوسرے کے مذہب کو قبول نہیں کرتے ؟

قسم سوم معنوی کی دو قسمیں ہیں محض علمی اور عملی۔ علمی قسم میں اللہ تعالیٰ ملائکہ انبیاء اور مراتب نبوت۔ ملائکہ کے مراتب، اسرار ارض و سما۔ آفاق و انفس، اور ان کے اندر کی سب چیزیں۔ کواکب سماوی۔ عالم بالا کے نشانات۔ جملہ اقسام موجودات، ان کے ایک دوسری سے ترتیب کی کیفیت۔ قیامت۔ حشر۔ نشر۔ جنت و دوزخ۔ صراط۔ میزان۔ جن و شیاطین۔ کی معرفت کا نام ہے۔ علاوہ ازیں اس امر کی تحقیق بھی اس میں داخل ہے کہ الفاظ کے حقیقی معنی بھی وہی ہیں۔ یا کچھ اور۔ مثلاً عام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق بہت امور کا تخیل اپنے ذہن میں پیدا کر رکھا ہے۔ مثلاً اللہ کا عرش پر مقیم ہونا۔ دنیا سے بلند بلحاظ مکان کے! اور اس سے پہلے زمانہ کے اعتبار سے، فرشتوں شیاطین اور آخرت کے واقعات جنت و دوزخ کے متعلق ان کے کیا عقاید ہیں؟ کیا یہ امور ایسے ہی ہیں جیسے انہوں نے سمجھے ہیں؟ بغیر کسی قسم کے تفاوت کے یا یہ مثالیں اور خیالات ہیں۔ کیا ان کے ظاہری مفہوم کے علاوہ بھی کچھ معنی ہیں۔ غرض ان تمام امور کی تحقیق کرو، سچائی کے ساتھ، شک و شبہ سے پاک بطریق حقیقت ظاہر نیت کے اوہام باطلہ کو دور پھینک کے اندازہ اور انکل پچو لگانے سے دور ہٹ کر، یہ ہیں علوم نظریہ۔ اور ان کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ اب رہے عملی تو ان میں احکام شرعیہ۔ علوم فقہیہ۔ سنن نبویہ شامل ہیں۔ ان میں معرفت سیاست نفس، اور تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، اہل و عیال، لباس و طعام، معیشت اور معاملات کی معرفت، داخل ہیں۔ اسے علم حقہ کہتے ہیں۔ یہ چہار گانہ معاملات، نکاح اور شرعی حدود پر مشتمل ہے۔ پھر جب اس کی انواع کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کے مراتب کی پہچان اور شناخت کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ تاکہ اوقات عزیز صرف منزل مقصود کی طرف گام فرسائی میں صرف ہوں۔ یا ان امور میں جو اس کے قریب لیجائیں +

اب جو شخص قسم اول یعنی متعلق بالفاظ علوم پر ہی قناعت کر گیا۔ تو گویا وہ محض چھلکے پر ہی پر قانع ہو گیا۔ ان میں سے جس نے نحو۔ اعراب، عروض اور مخارج حروف پر قناعت کی تو اس نے بھی صرف پوست پر انحصار رکھا۔ اور جو شخص اس رستہ کی پہچان میں منہمک ہے تو وہ ایک مراسم میں مشغول ہے۔ پھر اگر اسی بات پر قصر کر دے تو گویا اس نے صرف آلہ اور وسیلے پر اکتفا کیا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص حج کا ارادہ کرے۔ پھر

اونٹ اور زادراہ اور سواری خرید لے اور گھر میں بیٹھ رہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ چیزیں بہت اہم ہیں۔ اور بوجہ الہ اور وسیلہ حج ہونے کے ضروری ہیں لیکن جب ان کو اس بات میں استعمال نہ کیا جائے جس کے لئے اُن کو خرید کیا گیا ہے تو وہ بالکل بے سود ہیں علی ہذا القیاس تیغ و سنان اور خنجر و دشنہ بیکار ہیں۔ اگر انہیں جنگ میں استعمال نہیں کیا جاتا ؛

اور جو شخص علوم عملیہ میں منہمک ہے اور صرف انہی پر اکتفا کرتا ہے یعنی فقہیات وغیرہ پر تو اس کا حال لغات پر انحصار رکھنے والے کے زیادہ قریب ہے۔ وہ اضافی طور پر عظیم القدر ہے جس طرح علم لغات اضافی طور پر علم رقص و سرود سے زیادہ رفیع الشان ہے لیکن اگر اس کو منزل مقصود کی نسبت سے دیکھا جائے گا۔ تو معلوم ہوگا کہ وہ اس سے بہت ہی بعید ہے۔ یہ بات مثال کے بغیر پورے طور پر سمجھ میں نہ آئیگی ؛

چنانچہ جب ایک آقا اپنے غلام سے وعدہ کرلے کہ میں تمہیں آزاد کر دوں گا بشرطیکہ تم حج کر آؤ۔ اور اس کے بعد میں تمہیں سرداری عطا کروں گا؛ تو سعادت آزادی وغیرہ کے حصول کے لئے غلام کے لئے تین مقامات ہیں۔ (اوّل) اسباب کا تہیہ کرنا۔ مثلاً اونٹ مشک۔ زاد راہ وغیرہ خرید لینا۔ اور سامان سفر تیار کرنا (دوم) وطن کو چھوڑ کر بادیہ پیمائی اور راہ نوردی پر کمربستہ ہو جانا۔ اور منزل بمنزل چلکر منزل مقصود کی طرف روانہ ہونا (سوم) فریضۂ حج کا ایک ایک رکن ادا کرنا۔ ان تمام امور کو طے کرنے کے بعد اُسے آزادی کی نعمت حاصل ہوتی۔ اُسے منزل بمنزل ایک بات کو طے کرنے کے بعد دوسری منزل میں قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اور ایک منزل کے اسباب و سامان کی تیاری کے بعد دوسری منزل کے وسائل کے تہیہ کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ یہی حال کمال نفس کا ہے۔ طہارت اخلاق اور رذائل و ذمائم کے ازالہ اور حقائق و معارف کے انکشاف سے اخلاق کو مکمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس تشبیہ میں مال کی مثال موت کی ہے۔ جو اس حجاب کو دور کر دیتی ہے۔ جو انسان اور اُس کے رتبہ کے درمیان حائل ہے۔ اس کے وسیلے سے نفس اپنے کمال اور جمال کی حقیقت سے روشناس ہوتا ہے چنانچہ جب یہ حجاب اُٹھ جاتا ہے۔ تو نفس اپنے کمال کو دیکھ لیتا ہے جو اعلیٰ علیین میں اُسے حاصل ہے۔ اُسے اس نظارے سے ایک ابدی فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے ؛ اور منزل بمنزل قطع راہ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنا

خلق بد اخلاقیوں کو محو کرنے اور علوم نظریہ کو دوسرے علوم کے علاوہ ایک ایک کرکے حاصل کرنے سے مہذب بنالیا ہے۔

توشہ دان اور مشک وغیرہ کی تیاری، زاد راہ اور سواری کی خریداری کی مثال کے مطابق وہ تمام علوم ہیں جو فقہ اور لغت جیسے علوم نظریہ کے خادم ہیں۔ اور جو شخص فقہ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے اس کی حیثیت توشہ دان وغیرہ کی تیاری کرنے والے کی سی ہے۔ اور جو شخص انہی پر بس کر دیتا ہے، وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص توشہ دان بنا کر بیٹھ رہے۔ علاوہ ازیں جو شخص علم لغت کے اندر ہی محدود ہو جائے۔ وہ اس شخص کی مانند ہے جو توشہ دان کی کھال کو رنگ چھوڑنے پر اکتفا کرے۔ اس لحاظ سے جو شخص اپنے اوقات کو فروعات فقہی میں (جن میں اختلافی مسائل اور وہ باتیں شامل ہیں، جو عہد صحابہ میں پائی ہی نہ جاتی تھیں) مشغول و مستغرق رہتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی توشہ دان کے احکام اور اسے سینے سلانے کے مسائل میں اپنی زندگی کو وقف کر دیتا ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ اگر تم نے یہ باتیں اعتقادی طور پر کہی ہیں تو اجماع فقہا اس کے خلاف ہے۔ اور اگر بطور حکایت اور مثال کے کہی ہیں تو ان باتوں کو کون مانتا اور تسلیم کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ میں نے یہ باتیں حکایت کے طور پر کہی ہیں۔ ان کا تعلق اس مذہب سے ہے جس پر اس کتاب کا اکثر دارو مدار اور انحصار ہے اور وہ تصوف ہے۔ عام لوگوں نے ان معانی سے اتفاق کیا ہے۔ جو اس مثال سے مستنبط ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کے نزدیک یہ تشبیہ بعینہٖ مشبہ بہ کے مطابق نہیں، اگر تم پوچھو کہ آیا جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں درست ہے یا نہیں، تو جواب یہ ہے کہ یہ کتاب ان امور کے حق و باطل میں تمیز کرنے کے دلائل و براہین پیش کرنے کی غرض سے نہیں لکھی گئی۔ بلکہ اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ غفلت و خود فراموشی کے ازالہ کے لئے پند و نصیحت کو قلمبند کیا جائے۔ اور طلب و جستجو کے راستے دکھلائے جائیں۔ تاکہ انسان ان امور سے بے پرواہ نہ ہو جائے۔ جن کی تعلیم یہ لوگ دیتے ہیں۔ کہ ابتدائے کار میں یہ بات بعید معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے جو طالب علم کسی علم و فن کی جستجو میں نکلتا ہے اُسے لازم ہے کہ خوب سوچ سمجھ لے تاکہ حقیقت سے واقفکار ہو جائے۔ اور وہ اندھا دھند اسی وادیٔ پُر خار میں قدم نہ رکھے!

اس مقام پر یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ جب تم اپنی عمر فقہ کی نذر کر چکے اور تصوف سے

تمہیں کوئی شغف اور حسن ظن نہیں۔ علاوہ ازیں تمہارا دل اس قدر وسیع بھی نہیں کہ بدرہبی اور رسمی طور پر دیدہ و دانستہ اس ادنیٰ بات کے درپے ہو جاؤ۔ تو ہم نے یہ کیوں کہا کہ ان کے مسلک میں یہ بات ضروری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تم اس کا سبب متحقق کر لو گے۔ جب تم ان تمام تفاصیل سے باخبر ہو جاؤ گے جو اوپر گذر چکیں اور جن میں ہم نے بتایا ہے کہ سعادت کے حصول سے مبنی یہ ہیں، کہ تزکیہ نفس کے لئے نامناسب امور کو نفس سے محو کر دیا جائے اور کشف حقائق سے تکمیل نفس کے لئے مناسب امور کو نفس میں جاگزین کیا جائے۔

اور اس بات کے حصول کے لئے یہ بات لازمی ہے کہ انعامات الٰہی اور ملکوت السموات والارض میں نظر و فکر سے کام لیا جائے۔ تاکہ ان کے اسرار ظاہر ہو جائیں اور فقہ اس کی اسی طرح محتاج ہے جس طرح بدن اس کا دست نگر ہے۔ بدن کی بقا کا انحصار علم ابدان یعنی علم طب اور علم ادیان یعنی فقہ پر ہے۔ باعث یہ کہ آدمی کی خلقت کچھ ایسے نہج اور عنوان پر عمل میں آئی ہے کہ وہ وحشی جانوروں کی طرح تنہائی اور علیحدگی کی زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ اسے لازمی طور پر سوسائٹی میں رہنا پڑتا ہے۔ ایک دوسرے کی امداد و اعانت کا وہ محتاج ہے، کھانے پینے پہننے اور دوسری ضروریات کے تہیہ میں وہ ایک دوسرے کا دست نگر ہے۔ غرض چونکہ انسانوں کا اجتماع ناگزیر ہے۔ اس لئے ان میں عدل و مساوات قائم کرنے اور آپس میں لین دین اور معاملہ کرنے کے لئے ایک قانون کی بھی اشد ضرورت ہے۔ ورنہ بنی آدم میں ہمیشہ تنازع اور جنگ و جدال برپا رہ کر انہیں ہلاک کرتا رہے گا۔ اور فقہ میں اسی قانون کا بیان ہوتا ہے۔ اور نکاح و طلاق۔ معاملات اور عقوبات اس قانون کی تفصیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے رستہ میں بادیہ پیما ہونے والوں کے لئے بدن کی حیثیت ایک ناقہ، اور توشہ دان وغیرہ کی ہے جن کی ضرورت حج میں پڑتی ہے، بدن کی مصلحتیں ناقہ اور توشہ دان کی طرح ہیں۔ علم معالجہ بدن کا کفیل ہے۔ جس طرح توشہ دان بنانے کے لئے سینا، وضع قطع کرنا، اور دباغی کے فنون کفیل ہیں، اس لئے جو تعلق ان چیزوں کو اس مقصد کے ساتھ ہے۔ وہی رتبہ علم کو اپنے مقصد سے ہے۔ سلوک استعداد اور مقصد کے بارے میں ان لوگوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بالکل درست اور بے عیب ہے، ان کا قول ہے

کہ اگر خدا کو دنیا کی آبادی منظور نہ ہوتی تو پردے اٹھ جاتے غفلت دور ہو کر تمام دنیا کی مخلوق اللہ کی جانب دیوانہ وار متوجہ ہو جاتی! اور لوگ ہر اس بات سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتے جو منزل مقصود سے بے تعلق کرنے والی ہے! لیکن ہر کس بحسب خویش خبطے دارد، اسی بے خبری کے ذریعہ سے کائنات کا قیام ہے۔ ورنہ صنعتیں اور فنون سب رائگاں ہو جاتے تم خود غور کرو! کہ اگر درزی، حجام اور دوسرے کاریگروں کے دلوں سے ان فوائد کا اعتقاد جاتا رہے جو انہیں اپنے فنون کی جانب مائل کئے ہوئے ہے۔ تو وہ فوراً ان سے دستبردار ہو جائیں۔ اور ہر ایک شخص اعلیٰ درجہ کی صنعتوں کی جانب جھک پڑتے نتیجہ یہی کہ صنائع اور فنون کی یہ کثرت نہ رہے۔ یہ اسباب و وجوہ ہیں جن کی بنا پر ارباب صنائع سے چیزیں تیار کروائی جاتی ہیں چنانچہ یہ غفلت اور بے خبری بھی اللہ تعالیٰ کی ایک لحاظ سے رحمت ہی ہے! اور بعض حضرات نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان اختلاف أمتی رحمۃ میری امت کا اختلاف بھی رحمت ہے! کو اسی بات پر محمول کیا ہے۔ یعنی انسیوں کی ہمتوں اور رجحانات کا اختلاف باعث رحمت ہے۔ اگر خاکروب کو معلوم ہو جائے کہ اس کا پیشہ بے سود اور لغو ہے۔ تو وہ اسے آج ہی چھوڑ دے۔ پھر علما۔ خلفاء اور اولیاء کو خود اپنی نجاست اٹھانی پڑے۔ یہی حال دباغی، حدادی، زراعت، اور تمام پیشوں کا ہے۔ چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ کو علم فقہ، علم نحو، علم مخارج، حروف، اور طب کا لوگوں کے دلوں میں جاگزین ہونا منظور نہ ہوتا۔ تو یہ علوم بالکل بے کار اور معطل ہو جاتے۔ اور نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ جو شخص کسی علم یا صنعت میں تمام دوسرے خیالات کو چھوڑ کر مصروف ہو اس کے لئے یہ شرط نہیں کہ اپنے رتبہ اور اپنے مافوق کی نسبت کے مطابق اطلاع حاصل کرے۔ بلکہ اپنے سے نیچے والوں کے قدر اور نسبت کے موافق اسے معلومات ہونی چاہئیں۔ علوم کے تمام مراتب سے مطلع ہونا تو صرف اسی شخص کی قسمت میں ہوتا ہے۔ جو تمام علوم کا متکفل ہو۔ یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ نے حکمت عطا فرمائی ہے اور حقائق اشیاء کا کما حقہ مشاہدہ کروا دیا ہے! تو یہ جواب ہے ان کا اس کے بعد ہم تمہیں یہ رائے دیتے ہیں، کہ جس بات میں تم مصروف ہو، اسی پر اکتفا کرو! یا ان لوگوں کے رستہ پر چل پڑو۔ اور اس فن میں حق و صداقت کی شناخت کے لئے بحث و نظر سے کام لو +

www.ahnafmedia.com

(وظیفہ دھم) یہ ہے کہ جو کچھ وہ سیکھے اس سے اس کا مقصود دنیا میں اپنے نفس کا کمال اور فضیلت ہو۔ اور آخرت میں تقرب الی اللہ ریاست وجاہ، مال منال اور احمقوں کا فخر ومباہات، اور علما کی ریاکاری مطلوب نہ ہو +

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من تعلم العلم لیباھی به السفھاء ویماری به العلماء دخل النار جو شخص بے وقوفوں پر فخر کرنے اور علما کے دکھاوے کے لئے علم حاصل کرتا ہے دوزخ میں جائیگا۔ اوپر گذر چکا کہ اللہ تعالے عزوجل تک علوم کے ذریعہ سے رسائی حاصل کرنے کے لئے ان کے مختلف مدارج ومنازل ہوتے ہیں۔ ان علوم کے ساتھ مضبوطی سے قائم رہنا ایسا ہی ہے جیسے جہاد کے رستہ میں نگہبانی کے لئے پہردار مقرر کرنا جب کوئی شخص ہر ایک علم کا مرتبہ پہچان لے، اس کا حق ادا کرے۔ اور اس سے صرف رضائے الٰہی مقصود رکھے۔ تو اللہ تعالے اس کا اجر کبھی ضائع نہ کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالے ہر شخص کو اس کے علم کے درجہ کے مطابق دنیا اور آخرت میں بلندی عطا فرماتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یرفع اللہ الذین اٰمنو منکم والذین اوتو العلم درجات۔ اللہ تم میں سے مومنوں اور عالموں کو بلند مرتبے عطا فرماتا ہے۔ اور فرمایا ھم درجات عند اللہ ان کو اللہ کے نزدیک مدارج حاصل ہیں۔ صوفیوں کا مسلک جو ہم نے علوم کے متعلق بیان کیا ہے۔ اسی سے تمہارے دل میں علوم کے متعلق بدظنی نہ پیدا ہونی چاہیئے۔ کیونکہ ان کا مطلب اس سے حقارت علوم نہیں، بلکہ یہ تو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ ان کی حرمت اور عظمت کی نگہداشت کرے۔ انہوں نے علوم کے متعلق اولیاء اور انبیاء کے مرتبہ کی علوشان مدنظر رکھتے ہوئے گفتگو کی ہے۔ بعینہ جس طرح تم اولیاء اور انبیاء کے مقابلہ پر سلاطین و وزراء کو کتے سے بھی زیادہ حقیر سمجھتے ہو۔ لیکن جب انہی کے رتبے کو تم خاکروبوں اور چماروں کے مرتبے سے قیاس کرو۔ تو انہیں اس طرح ذلیل کہنا درست نہ ہوگا بلند ترین مرتبہ سے اتر آنے سے کسی چیز کی بالکل ہی قدر ومنزلت تو برباد نہیں ہو جاتی، چنانچہ سب سے اوپر کا درجہ انبیاء کا ہے۔ پھر اولیاء کا۔ پھر علماء کا۔ اپنے اپنے مراتب کے تفاوت سے پھر نیک عمل کرنے والوں کا۔ مختصر یہ کہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ جو رائی برابر بھی نیکی کرے گا اس کا اجر پائے گا۔ اور جو شخص قرب

الٰہی کا علوم کے ذریعہ سے قصد کریگا اُسے اللہ تعالےٰ لامحالہ فائدہ دیگا اور رفعت قدر عطا فرمائیگا۔ یہ وظائف تو معلم کے لئے ہیں +

رہا معلم تو اس کے لئے آٹھ باتیں قابل توجہ ہیں اسب سے پہلے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ انسان کے لئے علم کے لحاظ سے چار حالات ہیں جس طرح مال جمع کرنے کے اعتبار سے چار صورتیں ہیں؛ اول استفادہ کی حالت جس سے وہ اکتساب کرتا ہے؛ دوم جو مال اس نے کمایا ہے۔ اُسے ذخیرہ کرتا ہے۔ اس سے وہ دوسرے لوگوں سے سوال کرنے سے بے پرواہ ہو جاتا ہے؛ سوم اس مال کو اپنی جان پر خرچ کرنے کی صورت ہے۔ اس میں انسان مال سے نفع اٹھاتا ہے۔ یا چہارم کمائے ہوئے مال کو دوسرے لوگوں پر خرچ کرتا ہے؛ تو صاحب عزت اور سخی کہلاتا ہے۔ یہ چاروں صورتوں میں افضل ہے۔ یہی حال علم کا ہے؛ صاحب علم کا ایک حال یہ ہے کہ وہ طالب علم ہے دوسرے وقت میں جب وہ تحصیل علم سے فارغ ہو چکا ہے تو دوسرے لوگوں کا دست نگر ہونے سے مستغنی ہے۔ تیسری استبصار کی صورت ہے یعنی جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے اس میں تفکر کرتا ہے؛ چوتھی صورت تبصیر اور تعلیم کی ہے۔ اور یہ سب صورتوں سے اشرف اور بزرگتر ہے +

جس شخص کا علم سے سابقہ پڑے پھر وہ خود بھی استفادہ کرے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے تو وہ سورج کی طرح ہے جو خود بھی روشن ہے اور دوسروں کو بھی منور بناتا ہے۔ یا کستوری کی مثال ہے جو خود بھی خوشبودار ہے اور دوسروں کو بھی معطر کرتی ہے؛ اور جو شخص دوسروں کو نفع پہنچاتے لیکن خود فائدہ نہ اٹھائے وہ کتب خانہ کی مانند ہے۔ کہ دوسرے اس سے متمتع ہوتے ہیں لیکن اُسے خود کوئی فائدہ نہیں ہوتا +

وظیفہ اوّل یہ ہے کہ معلم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ متعلم کو اپنے بیٹے کی مانند سمجھے؛ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تم پر ایسا ہی مہربان ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کے لئے ہوتا، اور متعلم کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ استاد کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے؛ کیونکہ باپ تو بیٹے کی حیات فانی کا سبب ہے اور استاد اس کی حیات ابدی کا موجب؛ چنانچہ جب سکندر نے کسی سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک آپ کے استاد کی عزت زیادہ ہے یا باپ کی، تو جواب دیا میرے استاد کی +

www.ahnafmedia.com

جس طرح ایک باپ کے بیٹوں کا فرض ہے کہ آپس میں محبت اور پیار سے رہیں اور بغض وعناد نہ رکھیں، اسی طرح ایک استاد کے بیٹوں کا حق ہے کہ اس سے شاگرد بغض و عناد نہ رکھے، اور محبت سے پیش آئے، بلکہ ہم تو کہیں گے کہ سب دینی بھائیوں کا یہی حق ہے۔ علماء سب خدا کی جانب جانے والے مسافر ہیں، اور اس کے رستہ کے سالک اور مسافروں کو جو ایک ہی رستہ پر چل رہے ہیں آپس میں گہرا پیار اور مودت رکھنی چاہئے چنانچہ علمی برادری کو پیدائشی اخوت پر فوقیت حاصل ہے +

آپس میں تناقض و تحاسد اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انہیں علم سے مال و جاہ کا حصول مقصود ہو۔ جب یہ حالت ہو تو خدا کے رستہ پر چلنے کی منزل سے نکل جاتے ہیں۔ اور ارشاد الٰہی کے دائرہ انما المؤمنین اخوۃ (مسلمان سب بھائی بھائی ہیں) سے خارج ہو کر اور خدا کے اس قول کے اندر داخل ہو جاتے ہیں کہ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین قیامت کے روز دنیا کی دوستیاں ختم ہو جائینگی اور سوائے متقیوں کے سب ایکدوسرے کے دشمن ہو جائیں گے +

وظیفہ دوم یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کی اقتداء سے سرمو باہر نہ ہو، اور نہ ہی تعلیم دینے کا کوئی اجر اور معاوضہ طلب کرے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الے رسول کہدو کہ میں تعلیم شریعت کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا چنانچہ جو شخص علم کے ذریعہ سے مال و دولت اور اغراض دنیا طلب کرتا ہے۔ وہ اس شخص کی مانند ہے۔ جس نے ہاتھوں کی میل کچیل کو اپنے چہرے اور ڈاڑھی سے ملکر ہاتھوں کو صاف کر لیا۔ اس نے مخدوم کو خادم بنا دیا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے لباس اور غذائیں بدن کی خدمتگذار پیدا کی ہیں، اور بدن کو نفس کا خادم اور مرکب بنایا ہے اور نفس کو علم کا چاکر مقرر کیا ہے علم مخدوم ہے خادم نہیں۔ اور مال خادم ہے مخدوم نہیں۔ اس حقیقت کے عکس کے معنی ہی گمراہی ہیں +

تعجب ہے کہ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے، زمانہ اس قدر پلٹا کھا چکا ہے، اور زمین علمائے دین سے اس طرح خالی ہو چکی ہے کہ متعلم اب معلم کی تقلید میں تعلیم حاصل کرتا ہے تو احسان جتاتا ہے۔ اس کے بالمقابل بیٹھتا ہے، اور اپنے استفادے سے دنیوی اغراض کا لالچ مدنظر رکھتا ہے۔ یہ ذلت و پستی کی انتہا ہے۔ اس کی وجہ صرف

یہ ہے کہ معلمین ریاست و تجمل کی آرزو میں کثرت متعلمین کے متمنی ہوتے ہیں۔ ایک تو علم انہیں کم ہوتا ہے۔ دوسرے ذاتی طور پر انہیں اپنے کمال سے کوئی ذوق نہیں ہوتا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم بھی ان سے یہی چیز حاصل کرتے ہیں۔

تیسری اہم اور غور طلب بات یہ ہے کہ طالب علم کو نصیحت کرنے کے وقت ذلیل و خوار نہ کرے، اُسے بد اخلاقیوں سے روکنے کے لئے یا اپنے استحقاق سے مافوق رتبہ کے شوق اور اپنی طاقت سے بڑھ کر محنت کرنے سے باز رکھنے کے لئے یا غایت علوم سے آگاہی دینے کے لئے تصریح سے کام نہ لے اگر استاد دیکھے کہ کوئی شاگرد صرف طلب جاہ و مال اور فخر و مباہات کے لئے تعلیم حاصل کر رہا ہے، تو اُسے تعلیم حاصل کرنے سے روکے نہیں بلکہ اس کا علم سیکھنے میں مشغول ہونا اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے اعراض کرے کیونکہ ممکن ہے کہ جب وہ علم کا اکتساب کرے تو حقیقت نفس لامری سے آگاہ ہو جائے اور جان لے کہ اغراض دنیوی کے لئے علم حاصل کرنے والا زیاں کار ہے۔ علمائے کرام نے اس مفہوم کو اپنے قول ذیل سے واضح کیا ہے۔ کہ "ہم نے جب غیر اللہ کے لئے علم سیکھا تو علم نے ماسوا اللہ کے لئے ہونے سے انکار کر دیا" لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو اللہ کے لئے علم حاصل کرنے کی رغبت نہ ہو، تو چاہیئے کہ انہیں علم کی کسی ایسی نوع کی طرف دعوت دیں جس سے جاہ و مال حاصل ہو۔ پھر انہیں طمع ریاست کے ذریعہ سے وہ علم سکھائیں، یہاں تک کہ علم حاصل ہونے کے بعد بتدریج وہ حق کی طرف آجائیں۔ اسی لئے علم مناظرہ اور علم فقہ کا ترک کرنا مناسب ہے۔ کیونکہ یہ علوم ہمیشہ ابتداء میں طلب مباہات کے باعث ہیں، اور انجام کار فسادنیت سے خبردار کر دیتے ہیں؛ اور انسان کو منہاج قویم کی طرف لے آتے ہیں؛ اس مفہوم کے بعینہٖ مطابق ہے۔ ہماری وہ مثال جس میں ہم نے کہا تھا کہ بچے کو ریاست جاہ و مال کے لالچ دلا کر تعلیم کی جانب مائل کیا جائے۔ ہم اُسے چوگان کھیلنے، پرندے خریدنے اور لہو لعب کے اسباب کا طمع دلاتے ہیں؛ اور بعض اوقات ہم اُسے ان باتوں میں مطلق مصروف کر دیتے ہیں؛ تاکہ اس کے دل میں تعلیم حاصل کرنے کے داعیے پیدا ہوں؛ اس سے ہمارا مقصود یہ ہوتا ہے کہ آخر کار وہ ہماری مرضی اور منشا کی طرف بتدریج آجائے۔

اللہ تعالیٰ نے علم سیکھنے کے ارادے کو شریعت اور علم کا نگہبان بنا دیا ہے، طمع

ریاست اور نیکنامی کے ساتھ متعلمین کے دلوں میں علم کی آگ بھڑکانا ایسا ہی ہے جیسے بیل کو خوب پھیلانے کے لئے باغبان رسیاں اور لکڑیاں قریب قریب گاڑتے ہیں، یا جیسے غذا اور نکاح کی خواہش۔ ان دونوں کو خدا نے اس لئے خلقت کیا ہے کہ اُن سے وہ داعیہ پیدا ہو جس سے شخصیت اور نوع انسانی کی بقا ہے۔ اور اگر علم مناظرہ کے بارے میں یہ مصلحت پیش نظر نہ ہوتی تو اُس کی کسی صورت میں اجازت نہ دی جاتی، کیونکہ اس کے ذریعہ سے کبھی تبدیلی مذاہب اور ترک معتقدات کی نوبت نہیں آئی۔

چوتھی اہم بات یہ ہے کہ جن باتوں سے شاگرد کو روکنا واجب ہے اُن سے اُسے تعریض کے ساتھ باز رکھنے کی کوشش کرے۔ تصریح کا استعمال نامناسب ہوگا، کیونکہ تعریض یعنی اشارے کنائے سے کام لینا زجر و توبیخ میں مفید ہوتا ہے۔ اور تصریح یعنی صاف صاف تنبیہ کرنے سے منع کی ہوئی بات کی دل میں اور خواہش پیدا ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لو نهى الناس عن فت البعر لفعلوه وقالوا ما نهينا عنه الا وفيه شيئ، اگر لوگوں کو مینگنی بکھیرنے سے منع کیا جائے تو وہ اُسے ضرور بکھیریں گے، اور کہیں گے اس کے اندر کچھ نہ کچھ ہے تو ہمیں اس بات سے باز رکھا گیا ہے۔ آدم و حوا کا قصہ اس حقیقت کی بین مثال ہے۔ بعض اوقات تعریض تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو نفوس فاضلہ استنباط غیر معروف باتوں کی کنہ معلوم کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں، وہ تعریض کے معانی معلوم کرنے کے لئے نہایت محبت سے مائل ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تعریض استاد کے لحاظ اور رعب کا پردہ بھی چاک نہیں کرتی۔ حالانکہ تصریح کامل طور پر اس کی دھجیاں بکھیر دیتی ہے اور شاگرد میں مقابلہ کرنے کی جرأت پیدا کرتی ہے۔

وظیفہ پنجم یہ ہے کہ استاد کو چاہئے کہ علاوہ اس علم کے جو وہ اپنے تلامذہ کو پڑھا رہا ہے۔ دوسرے علوم کی انہیں نفرت نہ دلوائے۔ جیسے معلمین لغت کا قاعدہ ہے کہ طالب علموں کے سامنے فقہ کی برائی بیان کر کے ان کو اس سے روکتے ہیں۔ اور فقہا کی عادت ہے کہ علوم عقلیہ کی ہنسی اڑا کر شاگردوں کو ان کے قریب پھٹکنے سے منع کرتے ہیں۔ بلکہ چاہئے کہ طالب علم کے دل میں اوپر کے علم کی قدر و منزلت بٹھائے۔ تاکہ وہ موجودہ علم میں تکمیل کا درجہ حاصل کر کے اس میں مشغول ہو جائے۔ اور اگر استاد دو علم

www.ahnafmedia.com

پڑھا سکتا ہے۔ تو جب شاگرد ایک علم سے فارغ ہو تو دوسرے علم کے حصول کی طرف ترقی کرلے، اور اسی طرح بتدریج اوپر چڑھتا جائے +

وظیفہ ششم یہ ہے کہ طالب علموں کے سامنے وہی چیز پیش کرے۔ جو اُن کے افہام واذہان کے حسب حال ہے۔ چھوٹتے ہی انہیں تابڑ توڑ بیک وقت جلی سے دقیق کی طرف اور ظاہر سے خفی کی سمت نہ لیجائے؛ بلکہ کافہ انام کے معلم اور مرشد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے ان کی استعداد کے مطابق انہیں ترقی دے فرمایا۔ انا معشر الانبیاء امرنا ان ننزل الناس منازلھم ولکلم الناس بقدر عقولھم۔ ہم معشر انبیاء کو حکم ہے کہ لوگوں کے مقام کے مطابق نیچے اتریں اور ان کی عقل کے مطابق گفتگو کریں۔ اور فرمایا ما انت بمحدث قوما حدیثا لا تبلغہ عقولھم الا کان ذالک فتنۃ علی بعضھم۔ جب کوئی شخص لوگوں کے سامنے کوئی ایسی بات کہتا ہے جس کی بلندی کو ان کی عقلیں نہیں پہنچ سکتیں۔ تو وہ بات ضرور ان میں سے بعض کے لئے باعث فتنہ ہو جاتی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دنیا میں علوم کی ایک کثیر تعداد ہے۔ کاش ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا موقعہ ملتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کلموا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون اتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ، لوگوں سے وہ باتیں کہو جن کو وہ سمجھ سکتے ہیں، اور ان باتوں کو چھوڑ دو جن کا وہ انکار کر دینگے؛ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلا بیٹھیں، چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد کیا۔ ولو علم اللہ فیھم خیرا لاسمعھم اگر اللہ ان کے اندر کوئی بھلائی دیکھتا تو انہیں سنا کے رہتا۔ ایک دفعہ کسی محقق سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ اس نے بتانے سے گریز کیا۔ سائل نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من کتم علما نافعا جاء یوم القیامۃ ملجما بلجام النار، جس شخص نے کوئی نفع بخش علم چھپایا تو وہ قیامت کے دن آگ کی لگام منہ میں لے کر آئیگا محقق نے کہا لگام کو پھینک اور یہاں سے چلا جا۔ اگر کوئی سمجھ دار شخص آیا اور میں نے اس سے علم چھپایا تو وہ مجھے لگام دے لیگا" اللہ تعالےٰ نے ولا تؤتوا السفھاء اموالکم اپنے مال سفہا کو نہ دو فرما کر اس بات کی تنبیہ

www.ahnafmedia.com

کی ہے کہ علم کی حفاظت کرنا اور اُسے روک رکھنا اس شخص سے جو اُسے خراب کرے اولیٰ ہے! اور فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم پھر جب ان کو صاحب تمیز معلوم کرو۔ تو ان کے مال ان کو دیدو! ارشاد کر کے یہ حقیقت واضح کر دی! کہ جو شخص علم میں صاحب تمیز ہو جائے تو چاہئے کہ اس کے سامنے حقائق علوم کھول دے۔ ظاہر اور جلی سے باطن کے دقیق اور خفی مسائل کی طرف لے چلے۔ چنانچہ مستحق سے کسی چیز کو روک رکھنا غیر مستحق کو وہ چیز دیدینے سے کم ظلم نہیں متقدمین میں سے کسی شاعر کا قول ہے ؎

فمن منع الجھال علما اضاعہ ومن منع المستوجبین فقد ظلم

جو شخص جاہلوں کو علم سکھاتا ہے اُسے ضائع کرتا ہے۔ اور جو مستحقین سے اُسے روکتا ہے وہ بھی ظلم کرتا ہے +

حقائق علوم کو مستحق لوگوں سے چھپا رکھنا بھی بہت بری بات ہے! چنانچہ ارشاد خداوندی ہے! واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمون جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ وہ تعلیم حق کا اعلان کرینگے اور لوگوں سے نہ چھپائینگے +

وظیفہ ھفتم یہ ہے کہ کند ذہن اور غبی طالب علم سے ایسی گفتگو کرے۔ جو اس کے فہم کو حوصلہ مند کرے! اُس سے یہ کبھی نہ کہے کہ جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ تحقیق اور تدقیق کے لحاظ سے تمہاری پہنچ سے بالاتر ہے۔ اس کے پیچھے نہ پڑو! کہ اس سے تمہاری اس کی رائے میں خرابی واقع ہوگی۔ اور جو کچھ اُسے بتایا جائیگا اور علم سے جو کچھ اُسے دیا جائیگا وہ اُسے قبول کرنے سے ناقابل ہو جائیگا۔ بخلاف اس کے استاد کو چاہئے کہ اس کے دل و دماغ میں یہ بات ڈالدے کہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا یہی اصل مقصود ہے! پھر جب وہ اس پر مستقل طور پر قائم ہو جائے تو اُسے بتدریج دوسری باتوں کی طرف ترقی کرائے! اس سے یہ بات بھی جاننے کے قابل ہے کہ عوام میں سے جو شخص قید شرع کے اندر اپنے تئیں بند کرے! اور ظاہری طور پر اعتقادات رکھے! اور اس کی سیرت کے لحاظ سے اُس کا حال پسندیدہ ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اس کے اعتقاد کو متزلزل اور مشوش کرے! اور ظواہر کی تاویلات پیش کرے کیونکہ اس سے نتیجہ یہ نکلیگا۔ کہ آہستہ آہستہ شریعت کی قید سے وہ

www.ahnafmedia.com

بے پرواہ ہو جائے گا۔ پھر خواص کی تحقیق کے اندر وہ مقید نہ ہو سکیگا؛ انجام یہ ہو گا۔ کہ اس کے اور برائیوں کے درمیان جو دیوار حائل ہے اٹھ جائیگی اور وہ شیطان اور شریر ہو جائیگا؛ بلکہ چاہیئے، کہ عبادات ظاہری، کے علم اور اس صناعت میں دیانت داری سے کام لینے کی طرف (جس کے وہ قریب ہے) اس کی رہنمائی کرے؛ اور اس کے دل کو ترغیب و ترہیب سے لبریز کر دے۔ اس کے لئے طریقہ وہ استعمال کرے جو قرآن نے کیا ہے؛ اور شاگرد کے دل میں شبہات نہ پیدا ہونے دے لیکن اگر شک و شبہ سر اٹھالے۔ اور اس کا دل ان کے حل کرنے کے شوق میں گرفتار ہو جائے تو اُس کے شبہات کا ازالہ اس طرح کرے جس طرح ایک عامی کو سمجھایا جاتا ہے۔ اگر اس سے کام نہ چلے تو دلائل کے حقائق کے ذریعہ سے عمل پیرا ہو۔ یہ بھی نامناسب ہو گا کہ اس کے سامنے باب بحث و طلب کھولدے کہ اس سے اس کی کاریگری اور صنعت کو نقصان پہنچیگا۔ جو صفحہ زمین کی رنگینی کی باعث اور خلقت کے نفع کی موجب ہے؛ پھر درک علوم سے بھی وہ قاصر رہیگا۔

اگر استاد اپنے شاگرد کو ذکی الطبع اور ذہین پائے، اور حقائق عقلیہ کے قبول کرنے کے لئے مستعد دیکھے۔ تو اُسے اجازت ہے کہ تعلیم میں اس کی امداد اور حل شبہات میں اس کی اعانت کرے؛ ائمہ سابقہ میں سے کسی کے متعلق حکایت کرتے ہیں۔ کہ وہ ایک مدت تک متعلم کے اخلاق کی خبر گیری کرتے تھے۔ پھر اگر اس میں کوئی عیب پاتے تو اُسے تعلیم دینے سے انکار کر دیتے؛ اور کہتے کہ علم کے ذریعہ سے وہ اپنے بُرے اخلاق کے تقاضے کے مطابق امداد حاصل کریگا؛ اور علم اس کے حق میں آلہ شرارت بن جائیگا۔ اور اگر اُسے مہذب اخلاق کا پاتے، تو اُسے مدرسے میں بند کر دیتے۔ اُسے پڑھاتے سکھاتے اور درجہ تکمیل حاصل کرنے سے پہلے اُسے نہ چھوڑتے؛ وہ ڈرتے کہ اگر صرف چند علوم پر اس نے اکتفا کر لیا تو اس کی تعلیم کمال حاصل نہ کر سکی۔ اس کا دل خراب ہو جائیگا اور اس کے ساتھ اس کا اپنا دین اور دوسروں کا دین برباد ہو جائیگا۔ اسی کے متعلق کہا گیا ہے نیم ملا خطرہ ایمان۔ نیم حکیم خطرۂ جان، وہ دین میں فساد پیدا کرتا ہے۔ اور یہ زندگی کو برباد۔

وظیفۂ ہشتم متعلم کے لئے ضروری ہے کہ علم عملی یعنی شریعت پر خود کاربند ہو۔ تاکہ اس کے قول کی تکذیب اس کا فعل نہ کرے؛ ورنہ لوگ اس سے ہدایت

درہنمائی حاصل کرنے سے نفرت کر جائینگے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عمل بصارت کو نظر آتا ہے اور علم سے صرف بصیرت واقف ہوتی ہے اور بصارت ظاہری کے مالک اصحاب بصیرت سے زیادہ ہیں۔ اس لئے یہ لازمی بات ہے۔ کہ تزکیہ اعمال کی طرف اس کی توجہ بہ نسبت خوبی علم اور اس کے توسیع سے زیادہ ہو۔ چنانچہ جو طبیب خود تو ایک چیز کھائے اور لوگوں کو اس سے روکے، اور کہے اسے مت کھانا یہ زہر ہے زہر تو اس کی یہ بات مذاق اور حماقت سمجھی جائیگی، اور لوگ اس شے کو سب سے زیادہ نفع بخش تصور کرینگے، یہی وہ شخص ہے جو لوگوں کو کسی چیز سے باز رکھنا چاہتا ہے لیکن الٹا اسے اور مرغوب اور مطبوع بنا دیتا ہے، نصیحت سننے والا شخص واعظ سے وہی حیثیت رکھتا ہے، جب کسی چیز میں نفس ہی نہیں تو اس سے مٹی کیسے نقش حاصل کریگی اور سایہ کیسے سیدھا ہوگا جبکہ لکڑی ہی ٹیڑھی ہے۔ اسی کے متعلق شاعر نے کہا ہے ؎

لاتنه عن خلق وتأتی مثلہ ۔۔۔ عار علیک اذا فعلت عظیم

جو کام تم خود کرتے ہو اس سے لوگوں کو منع نہ کرو۔ جب تم خود کرو گے تو زیادہ شرم کا مقام ہوگا

اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے۔ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی ذات کو بھلا دیتے ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ عالم کے گناہوں کا بوجھ غیر عالم کے بوجھ سے زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ بوجھ پر بوجھ اٹھاتا ہے۔ جیسے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا الی یوم القیامۃ جو شخص کوئی برا طریقہ رائج کریگا، تو اس کا وبال اس پر ہے۔ اور وبال ہر اس شخص کا جو اس پر عمل کرے، قیامت تک۔ تو ہر ایک گنہگار کے لئے ہر ایک معصیت میں ایک بات قابل توجہ ہے یعنی ترک نصیحت اور ترک اظہار تاکہ لوگ اس کے اتباع میں ہلاک نہ ہوں چنانچہ جب اس نے اس گناہ کا اظہار کیا۔ تو اس نے دو فرائض سے اعراض کیا۔ اور اگر اس نے انقباض سے کام لیا تو ایک واجب امر کے ترک کا ارتکاب کیا چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا قصم ظہری رجلان جاھل متنسک وعالم متھتک فالجاھل یغر الناس بنسکہ والعالم یفرھم بتھتکہ دو شخصوں نے میری کمر توڑ دی جاہل پرستار اور عالم بے باک نے کہ جاہل لوگوں کو اپنی پرستاری سے فریب

میں ڈالتا ہے اور عالم اپنی بے باکی سے ان کا ایمان چھینتا ہے ۔

فصل

مال حاصل کرنا اور اسکے اکتساب کے ضروری امور

معلوم رہے کہ جب دنیا تمام خرابیوں کی جڑ۔ اور دنیا آخرت کی کھیتی ہے تو اس میں بھلائی ہے نفع بخش اور زہر ہے ہلاکت افگن۔ دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ عرق نکالنے والا اس میں سے تریاق نکالتا ہے اور ناواقف پکڑتا ہے تو بے خبری میں اس کے زہر سے ہلاک ہو جاتا ہے؛ کہتے ہیں، مال اوسط درجے کی نیکیوں میں سے ہے۔ کہ ایک لحاظ سے وہ فائدہ مند ہے اور ایک اعتبار سے مضرت رساں، اس لئے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ اس کے سودمند حصہ پر اکتفا کیا جائے۔ اور اس کے ہلاکت آفرین حصہ سے احتراز؛ اصل بات یہ معلوم کرنا ہے کہ مقاصد کے لحاظ سے مال کا کیا مرتبہ ہے؛ تمام امور کی بنیاد حقائق اشیاء کا علم ہے اس لئے ہم کہتے ہیں، سعادت اخروی کے طالب اور شناسائی کے لئے چند اہم اور ضروری باتیں ہیں۔ جو اسے مال کے طابع میں آمد و خرچ اور استعمال کی مقدار واجب کے اعتبار سے مدنظر رکھنی چاہئیں ؛

پہلی بات مال کے مراتب کی پہچان ہے؛ اوپر گذر چکا ہے کہ فراہمی زر کے لحاظ سے تین مرغوب صورتیں ہیں؛ پہلے نفسی پھر بدنی پھر خارجی؛ خارجی سب سے ادنی مرتبہ ہے؛ ہر قسم کا مال خارجی قسم میں داخل ہے؛ اور اس کی اعلیٰ صورت درہم و دینار اور روپے پیسے ہیں۔ کہ یہ دونوں خادم ہیں، اور ان کا خادم کوئی نہیں کیونکہ نفس فضائل نفسیہ کے لئے علم کا خدمت گذار ہے؛ اور بدن نفس کا نوکر ہے؛ اور اس کے ہتھیار کا کام ہے؛ اور غذا و لباس کی چیزیں بدن کی چاکر ہیں؛ اوپر گذر چکا ہے کہ غذا کی چیزوں سے مقصود بدن کی بقا ہے؛ اور بدن سے مقصود تکمیل نفس، تو جس نے اس ترتیب کو معلوم کر لیا۔ اور اس کی رعایت ملحوظ رکھی، اس نے مال کی قدر و منزلت اور اس کے مرتبہ کی وجہ معلوم کر لی اور مال کے شرف و مجد کی لحاظ اس امر کے کہ وہ کمال نفس کے لئے ضروری ہے بیچان حاصل

کرلی، جو شخص کسی چیز کی غرض و غایت سے واقف ہو جائے اور اس مقصد کے لئے اسے استعمال میں لائے۔ تو وہ شاید کامرانی سے ہم کنار ہو جاتا ہے؛ اس وقت اُسے چاہیئے کہ صرف اسی قدر طلب کرے جس قدر اس کے مقاصد کے حصول میں امداد و اعانت کے لئے مفید ہو۔ اس مثال سے اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے؛ جو اللہ تعالیٰ کے مال کی مذمت کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ کہ فرمایا۔ انما اموالکم واولادکم فتنۃ، تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ اور نیز اس اشکال کا جو اللہ تعالیٰ کے مال کا احسان جتانے سے برپا ہوتا ہے کہ فرمایا ویمددکم باموال وبنین: اللہ تمہیں مال اور بیٹوں کے ذریعہ سے امداد دیتا ہے؛ اس لئے مال اس لحاظ سے کہ وہ وسیلہ آخرت ہے پسندیدہ ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ وہ آخرت سے روگردان کر دیتا ہے مذموم ہے اسی لئے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نعم المال الصالح۔ سب سے اچھا مال وہ ہے جو اعمال صالح میں امداد کرے؛ اور قرآن میں ہے۔ لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذالک فاولئک ھم الخاسرون۔ مسلمانو تم اپنے مال اور بچوں کی محبت میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جایئے اور جو ایسا کرینگے وہی خاسر و ناکام ہونگے بھلا نامراد خاسر کیوں نہ ہو وہ شخص جو اپنے سواری کے جانور کے لئے جو خریدتا ہے۔ پھر جانور کو تو بھول جاتا ہے اور جَو کی صفائی اور اُسے ماپنے اور اس کے گرد دیوار تعمیر کرنے میں مصروف و مشغول ہو جاتا ہے۔ یہانتک کہ جانور بھوک کے مارے ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہی مثال ہے اس شخص کی جس کی دنیا اس کی آخرت کو پسے پھینک دے اور یہی سب سے بڑا گھاٹا ہے؛ بلکہ یہ مثال ہے تمام لوگوں کی دنیا کی مشغولی اور اس کی لذات پر جھکے پڑنے کی؛ جیسے ایک کشتی میں دو شخص سوار ہوں، اور وہ کسی مشہور شہر کی طرف روانہ ہوں، جہاں کسی اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کی توقع ہو لیکن کشتی انہیں لے کر کسی ایسے جزیرے کے ساحل سے جا لگے۔ جہاں حبشیوں کی آبادی ہو؛ وہ انہیں کہیں کہ نہانے دھونے کے لئے کشتی سے نکل آؤ۔ اور ایسا نہ ہو کہ جزیرے کے وحشی تمہیں نقصان پہنچائیں۔ پھر وہ انہیں خوبصورت پتھر اور دلفریب چیزیں دکھائیں، وہ مسافران پر فریفتہ ہو کر ان کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اور کشتی سے دُور ہو جائیں۔ سفر اور مقصد کو بھول جائیں، اور کھیل کود اور لہو لعب میں مصروف ہو جائیں؛ یہانتک کہ کشتی سمندر کی لہروں میں بہ جائے اور رات

کی تاریکی اپنی سیاہی روئے عالم پر پھیلا دے۔ پھر جنتی ان پر پل پڑیں انہیں زدوکوب کریں اور مارے طمانچوں کے منہ لال کر دیں۔ اس وقت انہیں وہ خوبصورت پتھر وغیرہ کوئی فائدہ نہ دیں۔ تو ان میں سے ایک چلائے یالیتنی کنت ترابا اے کاش میں مٹی ہوتا! دوسرا رو کر کہے ما أغنی عنی مالیہ هلك عنی سلطانیہ مجھے مال نے کوئی فائدہ نہ دیا میں برباد ہو گیا! وہ پکاریں واحسرتا ہم نے کیوں اللہ کے رستہ سے علیحدگی اختیار کی۔ سوائے ابدی حسرت و ندامت کے انہیں کوئی چارہ نہ ہو! درندوں اور سانپوں کا پڑوس ہو اور ذلت و رسوائی اور عذاب و مصیبت ان کا حصہ۔ جو لوگ متاع دنیوی کے فریب خوردہ ہیں ان کی بعینہٖ یہی مثال ہے۔ اسی خطرہ عظیم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی پناہ مانگی تھی۔ اور کہا تھا اجبنی وبنی ان نعبد الاصنام مجھے اور میری اولاد کو صنم پرستی سے دور رکھیو! ان کی مراد بتوں سے یہی زر و جواہر اور چاندی سونا تھی! کیونکہ نبوت کا رتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ پتھروں کو خدا سمجھنے لگے۔

اسی کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے سرخ و سفید حسن میرے علاوہ کسی اور کو جا کر فریب دے اور اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی درہم و دینار اور سیم و زر کے متلاشیوں کو پتھروں کے پجاریوں سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا بندگان درہم دینار کے لئے ہلاکت ہے!

دوسری اہم بات آمد و خرچ کی صورتوں کی رعایت کے متعلق یہ ہے کہ آمدنی یا تو کمانے سے ہوتی ہے یا اتفاق حسنہ اور خوبی قسمت سے یعنی ورثہ میں مال و دولت مل گیا۔ یا کوئی خزانہ گڑا دبا پالیا! یا کسی سے بن مانگے کچھ بطور عطیہ مل گیا! کمائی کی صورتیں سب لوگ جانتے ہیں! غرض اگر مال ایسے طریقے سے حاصل ہوتا ہو تو شرعاً مذموم ہے تو چاہئے کہ اُسے حاصل نہ کرے! کمائی کی صورت وہی اچھی ہے جو شریعت کے مطابق ہو! اور حلال و طیب طریقے شریعت نے سب بتا دیئے ہیں۔ چنانچہ اگر حلال و طیب مال ملے تو لیلے لیکن اگر حرام ہو تو اس سے اجتناب کرے، اگر بے رنج و تعب حلال مطلق مال کے حصول کی طاقت ہو تو مشکوک مال کو جس کے متعلق خیال غالب اس کے حلال ہونے کا ہو! چھوڑ دے، کیونکہ جو جانور چراگاہ کے گرد چرے اندیشہ ہے کہ کسی وقت اس میں گھس جائے، اور اگر حلال مطلق روزی بہت طویل تکلیف و مصیبت اور وقت و محنت خرچ کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہو تو دو صورتیں ہیں! اگر محنت مشقت سے

کما کر کھانے والا عام اعتقاد کا آدمی ہے۔ اور عزم مصمم رکھتا ہے تو اُسے چاہئے کہ طلب حلال میں مشغول ہو۔ اگر اس میں اُسے رنج و محنت اٹھانا پڑیگی، تو یہ بھی دوسری تمام عبادتوں کی طرح عبادت ہی کی۔ اگر تم اصحاب قلوب اور ارباب علوم سے ہو اور حلال مطلق کی تلاش اور کمائی میں وقت خرچ کرنے سے تمہارے شغل علم و عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے۔ تو جو چیز بھی آسانی سے میسر ہو اس میں سے بقدر حاجت لے لو کیونکہ جو چیز محض مضر ہے، وہ اس مضر محض شے کے مقابلہ پر مباح ہو جاتی ہے۔ جو اس سے زیادہ خراب ہے مثلاً جس شخص کے خلق میں لقمہ اٹک جائے تو اُسے جائز ہے کہ جان بچانے کے لئے شراب کا گھونٹ پی لے۔ یاد رکھو علم اور عمل کے برابر کوئی شے نہیں۔ ہر ایک اس کا خادم ہے تو جس طرح کسی غیر شخص کے مال کا نقصان کر لینا جان بچانے کی غرض سے جائز ہے۔ بلکہ خنزیر کا گوشت کھانا بھی حلال ہے۔ اسی طرح مشتبہ موقعہ پر حقیقت معلوم کرنے کی رغبت میں سستی کر لینا جائز ہے۔ ایسے موقع پر جاہل شخص کسی ایسی چیز کے حاصل کرنے کی طرف نہایت رغبت سے متوجہ ہوتا ہے جسے عالم خود تو لیتا ہے اور جاہل کو روکتا ہے۔ کیونکہ جاہل شخص ان دونوں باتوں کے درمیان کے باریک فرق کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اور عالم کو چاہئے کہ اس بات میں نرمی سے کام لے۔ تاکہ شیطان کے بندے نہ کھل جائیں +

تیسری ضروری بات مقدار کا خیال رکھنا ہے۔ جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ مال حاصل کرنا ناگریز ہے تو اس کو حاجت مذکورہ کے مطابق ہونا چاہئے۔ لباس، مکان اور غذا کے بغیر چارہ نہیں۔ اور ان تینوں کے لحاظ سے تین مراتب ہیں، ادنےٰ، اوسط اور اعلےٰ۔ مکان کا ادنےٰ مرتبہ یہ ہے کہ اتنی جگہ ہو جہاں انسان لیٹ سکے، یا مسجد ہو، یا کوئی وقف شدہ عمارت ہو۔ اوسط درجہ مکان کا یہ ہے کہ اپنی ملکیت کی جگہ ہو۔ کوئی شخص مزاحم نہ ہو۔ اور تم تنہائی اختیار کر سکو۔ اور وہ جگہ تمہاری زندگی بھر تمہارے پاس رہے۔ یہ حسن بنا اور کثرت آسائش کے لحاظ سے کمترین درجہ ہے۔ اور یہ کفایت کی حد ہے۔ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک گھر ہو کھلا ہو وسیع خوبصورت اور بہت ہی آرام دہ۔ اور اس میں قسم قسم کی آسائشیں ہوں جن کا کوئی شمار نہیں، جیسے تم دنیا داروں کے ہاں دیکھتے ہو یہ سب سے اوپر کا رتبہ ہے۔ درجہ اول ضرورت کے مطابق ہے کہ مسکن سے مقصود اتنی

جگہ ہے جس میں انسان لیٹ سکے۔ اس کے گرد دیوار ہو جو درندوں کے گزند سے محفوظ رکھے، اور اس پر چھت ہو جو تمازت آفتاب اور بارش اذیتوں سے بچائے لیکن اس پر صرف متوکل لوگ ہی قناعت کر سکتے ہیں۔ اوسط درجہ مقدار کافی کی حد ہے۔ اور اس کے اوپر جو کچھ ہے دین سے خارج ہے۔ اور دنیا داری میں شامل اس قسم کے مکان میں بیٹھنا بشرطیکہ اس کی خوبیوں کی طرف توجہ نہ جائے، اور اس کی آسایشوں اور دلفریبیوں میں مسرور و گرفتار نہ ہو۔ مباح ہے۔ رہا اس کی تزئین میں وقت صرف کرنا تو یہ عوام کے لئے جائز ہے۔ فقہا نے عوام کی جہالت قصور فہم اور ممنوع بات سے نہ رکنے کی عادت کو دیکھتے ہوئے اس کی ضرورت تجویز کی ہے، لیکن طریق تصوف میں یہ حرام ہے۔ تصوف سے ہماری مراد ہے اللہ کے قرب کی منزل کی طرف گام فرسا ہونے اور عبادات سے اور اس میں جھگڑنے کی کوئی بات نہیں، اسی لئے کہتے ہیں کہ صوفیا کی مباحات فرائض ہیں اور ان کے فرائض مباحات، یعنی مباح چیزوں سے بقدر ضرورت ہی لیتے ہیں۔ اور فرائض پر اسی طرح مواظبت کرتے ہیں جس طرح وہ ان مباحات پر مواظبت کرتے ہیں تو وہ ان کے نزدیک بلحاظ مواظبت کے مباحات ہی ہوتے ہیں۔ اب غذا کا معاملہ آیا۔ یہ بنیادی بات ہے کیونکہ معدہ نیکیوں اور بدیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس کے لئے بھی تین ہی مراتب ہیں، ادنیٰ درجہ بقدر حاجت مقدار ہے یعنی جو زندگی کو باقی رکھے اور بدن اور قوت کو قائم، اس کا کم کرنا بھی عادت کے ساتھ ممکن ہے۔ بعض اوقات غذا کو آہستہ آہستہ کم کرتے جانے سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دس بیس روز تک اس کے بغیر گذارا کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جائے۔ بعض زاہدوں نے مقدار غذا کو یہاں تک کم کر دیا تھا کہ روزانہ ایک چنے پر ان کا گذارہ تھا۔ بعض نے بیس بیس دن تک کچھ نہ کھایا۔ بعض کے متعلق چالیس دن مشہور ہیں، اور یہ بہت بلند رتبہ ہے۔ کوئی شخص اس سے بھی کم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اس بات کی قدرت نہ ہو تو درجہ اوسط ہی مناسب ہے، اور وہ تیسرا حصہ شکم ہے۔ بہرحال جس مقدار کی شریعت نے حد مقرر کر دی ہے۔ اس سے زیادہ کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ اور اس سے زیادہ شکم سیری ہے۔ پھر نوع غذا کے لحاظ سے بھی انسان اوسط درجہ اختیار کرے جس طرح اس کی مقدار میں اس نے کیا تھا۔ وہ شخص کیا ہی خوش قسمت اور سعادت مند ہے، جو ہر لحاظ سے غذا میں کفایت کے درجہ کو

اپنا مسلک قرار دیتا ہے لیکن قدر کفایہ کی تحدید بلحاظ وقت مختلف ہوتی ہے؛ چنانچہ بسا اوقات انسان ایک دن کے کھانے کے لئے بے فکر ہوتا ہے تو دوسرے روز کے لئے دلگیر؛ یونہی اس کی حرص بڑھتی جاتی ہے؛ یہانتک کہ اس کے دل میں یہ خیال جاگزین ہوجاتا ہے کہ میں ایک طویل عرصہ تک زندہ رہونگا؛ اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی تمام زندگی فراغت سے بسر کرے پھر اس کی بے شمار آرزوئیں اور حاجتیں برپا ہوجاتی ہیں۔ اور وہ چاہتا ہے کہ میں کثرت کے ساتھ خزانے جمع کرلوں؛ اور یہ گمراہی محض ہے؛ ذخیرہ کرنے والوں کے بھی تین درجے ہیں ادنیٰ درجہ ایک رات کی قوت ہے؛ سب سے بڑا درجہ وہ ہے جو ایک سال سے زیادہ ہو اور اوسط مرتبہ ایک سال کی خوراک ہے؛ سب مدارج سے بلند درجہ یہ ہے کہ انسان کل کی فکر سے آج کے خیال تک آجائے۔ پھر آج کے خیال سے ایک گھڑی تک اور ایک گھڑی سے ایک سانس تک آجائے۔ ہر ایک سانس کے ساتھ خیال کرے کہ میں دنیا سے ابھی کوچ کرنے والا ہوں؛ اور روانگی کے لئے تیار و مستعد رہے۔ جو شخص اس طریق عمل پر کاربند نہ ہو؛ اور جب ایک سال کی خوراک سے بے فکری حاصل کرلے تو اگلے سالوں کی فکر میں پڑجائے تو اس کا شمار مردودوں میں ہے جن کا ذکر اللہ تعالےٰ نے یحسب ان مالہ اخلدہ وہ خیال کرتا ہے کہ میرا مال ہمیشہ رہیگا۔ میں فرمایا ہے؛

لباس کے بھی تین مدارج ہیں؛ ادنےٰ درجہ بلحاظ مقدار کے اتنا ہے جو ستر پوشی کرنے یا ستر کے جملہ لحمات کو ڈھانپ لے؛ اور ادنیٰ قسموں کا اور کھردلا رہو۔ اور وہ وقت کے اعتبار سے کم از کم ایک دن رات کے لئے ہو۔ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا گیا ہے؛ کہ انہوں نے اپنی قمیص میں درخت کے پتے کا پیوند لگایا۔ لوگوں نے عرض کیا یہ تو قائم نہ رہیگا؛ فرمایا کیا میں اس کے پھٹنے تک زندہ رہونگا۔ لباس کا اوسط درجہ وہ ہے جو انسان کے حال کے مطابق ہو۔ نہ اس میں تنعم اور آرام پسندی کا شائبہ ہو اور نہ حرام لباس جیسے ریشم کا جزو اس میں غالب ہو۔ اعلیٰ درجہ کپڑوں کا جمع کرنا ہے اور ان سے آرام طلبی کی کوشش ہے۔ جیسے کہ تمام دنیا داروں کا طریق عمل ہے +

اب نکاح کی باری آتی ہے اس کا اضافہ اس شخص کے بارے میں ہوتا ہے جس کا نفس اسے جماع پر مجبور کرے۔ اور اسی کے مطابق اس کی حاجت بڑھتی ہے۔ ہم نے اوپر بیان کیا تھا کہ نکاح کونسی پسندیدہ ہے اور کونسا مذموم؛ اور جو کچھ ہم نے اس فصل میں

ذکر کیا تھا وہی کافی ہے۔ جو شخص ان امور میں کافی مقدار کی مساعدت سے شاد کام ہو، پھر اپنے دل کو ان کے علاوہ باتوں میں مشغول کرے تو وہ زیاں کار ہے۔ بلکہ ملعون۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من اصبح امنا فی سربہ معافا فی بدنہ ولو قوت یومہ فکانما خیرت لہ الدنیا بحذافیرھا جو شخص صبح کو بخریت جاگے اور اس کے گھر میں اس روز کی خوراک بھی موجود ہو، تو گویا دنیا نے اس کو اپنے دونوں کناروں سے گھیر لیا۔ اور یہ اس لئے ہے کہ دنیا آخرت تک پہنچانے والی ہے۔ اور پہنچانے کے لئے اسی قدر زاد راہ کافی ہے۔ پھر جو کچھ اس سے زائد ہے وہ مقدار کفایہ سے زاید اور فضول ہے اور اس کا وجود اور عدم وجود عقلمند کے نزدیک برابر ہے +

چوتھی بات خرچ کرنے کے متعلق ہے جس طرح آمدنی کے وجوہات معین ہیں۔ اسی طرح خرچ کے لئے بھی مواقع مقرر ہیں۔ اور ان کے مراتب کا لحاظ رکھنا لازمی ہے آمدنی کی طرح خرچ کرنے کی صورتیں بھی بعض پسندیدہ اور بعض مذموم ہیں۔ خرچ کی پسندیدہ صورت وہ ہے جو لازمی ہے۔ مثلاً دوسرے کو اپنے آپ پر ترجیح دینا ایسے طریقے سے جو شرعاً مستحب ہے، مذموم خرچ کی دو قسمیں ہیں، افراط اور تفریط۔ اول الذکر یہ ہے کہ اپنی حیثیت اور طاقت سے بڑھ کر صرف کرے؛ اور نا واجب طور پر جو چیز اہم ہے اس پر خرچ نہ کرنا۔ اور جو چیز غیر اہم ہے اس پر مال لٹائے جانا۔ موخر الذکر یہ ہے کہ جس موقع پر خرچ کرنا درست ہو وہاں ہاتھ روک لینا؛ اور اپنی وسعت اور مناسبت حال سے کم خرچ کرنا؛ جب بندہ درست طریق سے مال حاصل کرے اور درست طریق پر ہی خرچ کرے تو اس کا فعل پسندیدہ ہوتا ہے اور اس کو نیک اجر ملتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالےٰ مال کی وسعت دے اور وہ اسکو نیک کاموں میں خرچ کرے تو کیا یہ اولیٰ ہے یا اس کے حاصل کرنے سے اعراض کرنا، تو معلوم ہونا چاہئے کہ لوگ اس بارے میں مختلف الخیال ہیں۔ ان کی تین قسمیں ہیں، اوّل وہ جو دنیا میں منہمک ہیں، اور عقبےٰ کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ ہاں قولی طور پر زبانی جمع خرچ بہت کرتے ہیں، ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ انہیں کتاب اللہ عبد الطاغوت اور شر الدواب وغیرہ کا خطاب دیتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں، جو

مذکورہ بالا گروہ کے بخط مستقیم مخالف ہیں۔ انہوں نے اپنی تمام توجہ عقبیٰ پر صرف کر رکھی ہے۔ اور دنیا کی طرف التفات کرنا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ یہ تارک الدنیا لوگ ہیں۔ صنف سوم ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہ دونوں گھروں کو اپنا اپنا حق دیتے ہیں۔ دنیا کو بھی اور عقبیٰ کو بھی، یہ لوگ محققین کے نزدیک افضل ہیں۔ کیونکہ ان پر دنیا اور آخرت کے قوام کا دار و مدار اور انحصار ہے۔ ان میں تمام انبیا علیہم السلام شامل ہیں، کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں اس لئے بھیجا ہے کہ معاش اور معاد میں بندوں کے لئے مصالحت قائم کریں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس قول خداوندی میں یہی تینوں گروہ مراد ہیں، و کنتم ازواجاً ثلاثۃ فاصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ و اصحاب المشئمۃ ما اصحاب المشئمۃ، والسابقون السابقون۔ اور تم تین گروہ تھے۔ اصحاب میمنہ۔ اصحاب مشئمہ اور سابقون، تو جو شخص دین اور دین کی حیا کرنا چاہئے رعایت رکھتا ہے۔ اور ان دونوں کو جمع کرتا ہے، اللہ کا نائب ہے۔ اس دنیا میں، اور اسی کا نام سابق ہے۔ اگر تم کہو کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں نے جن و انسان کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ تو معلوم ہونا چاہئے، کہ خدا کے بندوں کی مصلحتوں کا خیال رکھنا بذات خود عبادت بلکہ تمام عبادتوں سے افضل ہے۔ حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الخلق کلھم عیال اللہ واحبھم الی اللہ انفعھم لعیالہ۔ مخلوق خدا سب اللہ کا قبیلہ۔ اور جو اس کے قبیلہ کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے وہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اقبال ؎

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اگر تم کہو کہ بعض محققین نے تو کہا ہے کہ لوگوں کے تین گروہ ہیں، اول وہ جو معاش سے بے فکر ہو کر اپنے معاد میں مشغول ہیں، یہ کامیاب و بامراد گروہ ہے۔ دوسرے سے جو معاد سے بے پرواہ ہو کر خیال معاش میں غرق ہیں۔ یہ ہلاک ہونے والے ہیں۔ تیسرے جو دونوں میں مشغول ہیں یہ خطرے میں ہیں۔ اور کامیاب شخص خطرے کی حالت والے شخص سے افضل ہے۔ تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس بات میں ایک بھید ہے۔ کہ بلند درجے

اور اعلیٰ مراتب خطرات و مہالک میں کودنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ مذکورہ بالا امر بطور تحذیر و تنبیہ کے ہے، کہ اللہ کے بندوں کے معاملے میں خلافت الٰہی بہت خطرے کا مقام ہے، تاکہ جو شخص مقدرہ نہیں رکھتا اس کی خواہش ہی نہ کرے۔ حکایت ہے کہ کسی بادشاہ کے بیٹے کو علم و حکمت کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ حاصل ہوا۔ تو وہ لوگوں کو چھوڑ کر عزلت گزین ہو گیا؛ اور دنیا سے بے رغبت؛ آخر اسے ایک بادشاہ نے لکھا کہ تم نے ہر اُس شے کو چھوڑ دیا ہے جس میں ہم مصروف ہیں، تو اگرچہ جس حالت میں تم ہو وہ ہماری حالت سے افضل ہے۔ تو ہمیں بتاؤ کہ ہم بھی ڈریں اور بچیں۔ لیکن بے دلیل و حجت قول کو میں کبھی تسلیم نہ کروں گا۔ اس پر اس نے جواب دیا سنو ہم شہنشاہ رحیم کے غلام ہیں، جنہیں اُس نے دشمن سے لڑنے کے لئے بھیجا ہے، اور ہم معلوم کر چکے ہیں کہ مقصد اس سے یہ ہے کہ ہم اسے مغلوب و مقہور کر لیں۔ یا اس سے صحیح و سلامت بچ نکلیں، جب میدان کارزار برپا ہوا تو ہمارے تین گروہ ہو گئے۔ اوّل خائف اور کمزور جنہوں نے بادشاہ سے معافی طلب کر لی۔ اس نے ان سے درگذر کیا۔ اور ان کو ملامت بھی کی مگر وہ تعریف کے مستحق نہ ہوئے؛ دوم مہتور جو بے سمجھے بوجھے دشمن پر پل پڑے تو اس نے انہیں پچھاڑ لیا اور مجروح کر کے مغلوب کر لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے عذاب اور ناراضی کے مستوجب ہوئے؛ تیسرے شجاع جو دیکھ بھال کر دشمن پر حملہ آور ہوئے؛ دشمن سے میدان قتال گرم کیا مصیبتیں اٹھائیں جد و جہد کی اور کامیاب اور سرخرو نکلے، اور یہ پوری کامیابی ہے، میں نے جب دیکھا کہ میں کمزور اور ضعیف ہوں، تو میں نے ادنیٰ صورت قبول کر لی؛ تو اے بادشاہ تم تینوں گروہوں میں سے افضل فریق میں شامل ہو جاؤ۔ اللہ کے ہاں ان میں سب سے زیادہ صاحب عزت اور محبوب ہو جاؤ گے؛ معاملہ زیر بحث میں یہ گفتگو حقیقت نفس الامری کا کماحقہٗ انکشاف کر رہی ہے۔ اور ہمیں اللہ کے اس قول کی صحت سے آگاہ کرتی ہے۔ کہ وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الآخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد جو کچھ اللہ نے دار آخرت سے تمہیں دیا ہے وہ طلب کرو۔ اور اپنے حصۂ دنیا کو بھی فراموش نہ کرو۔ اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم بھی لوگوں سے احسان کرو۔ اور دنیا میں فساد

پھیلانے کی خواہش نہ کرو۔ اب احسان جبھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں صرف مال کے ذریعے سے خوشی اور مسرت پیدا کی جائے۔ لیکن اس میں خطرہ بھی بہت بڑا ہے کیونکہ بسا اوقات ضعیف البصیرت آدمی بے خبری میں اُس کی مضر صورتوں میں منہمک ہو جاتا ہے۔ اسی خطرے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے باز رکھنے میں مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے چنانچہ ؎

بدریا در منافع بے شمار است
وگر خواہی سلامت برکنار است

پانچویں بات، یہ ہے کہ اخذ و ترک مال و زر میں انسان کی نیت صالح اور نیک ہو۔ کہ جو کچھ حاصل کرے اس لئے کرے کہ اس کے ذریعہ سے عبادت میں اعانت چاہے اور کھالے تو اس لئے کہ عبادت کرنے کی قوت پیدا ہو! اور کچھ ترک کرے تو اس لئے نہ اس سے بے رغبتی ہو اور اُسے حقیر سمجھتا ہو۔ چنانچہ سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من طلب رزقا علی ماسن فھو جھاد جس نے سنت کے مطابق رزق طلب کیا تو یہ بھی جہاد ہے، نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا ان المؤمن لیوجر فی کل شئی حتی للقمۃ یضعھا فی فم امرتہ، مومن ہر ایک بات میں اجر حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لقمہ وہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے وہ بھی باعث ثواب ہے مومن سے حضور کی مراد وہ شخص ہے جو حقائق امور سے واقف اور عطیات الٰہی سے اُسے رضائے الٰہی اور خدا کے رستہ پر چلنے میں مدد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ زاہد وہ نہیں جس کے پاس مال نہ ہو، بلکہ حقیقی زاہد وہ ہے جو مال کی محبت میں مشغول نہ ہو جائے! اگرچہ اس کے یہاں مملکت اقلیم کے خزانے ہوں۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ اگر ایک شخص دنیا و مافیہا کا مال اکٹھا کر لے لیکن اس سے رضائے الٰہی مقصود رکھے تو اُسے مال کی محبت میں گرفتار نہ کہیں گے۔ اس لئے چاہیے کہ تمہاری تمام حرکات و سکنات اللہ کے لئے ہوں۔ یہاں تک کہ تمہاری نقل و حرکت عبادت کے لئے یا عبادت میں امداد حاصل کرنے کے لئے ہو۔

عبادت گذار لوگ ان باتوں سے مستثنیٰ نہیں۔ جیسے کھانا پینا اور قضاء حاجت وغیرہ کہ یہ بھی عبادت میں معین و ممد ہیں۔ حالانکہ عبادت کے لحاظ سے یہ بعید ترین باتیں ہیں اس لحاظ سے کامل النفس شخص دنیا حاصل کرنے میں اس ماہر غرق بکالنے والے کی طرح ہے: جو سانپ کو ہاتھ میں پکڑتا ہے اور اس کے زہر سے بچکر اس کا جوہر اور عرق نکالتا ہے۔ اسی تشبیہ کو قائم رکھتے ہوئے جب آدمی اس ماہر راقی کو دیکھتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ اس نے سانپ کو اس لئے پکڑا ہے کہ اُسے اس کی شکل و صورت پسندیدہ اور دلفریب معلوم ہوتی ہے۔ اس کی جلد نرم و نازک ہے۔ اور چھونے میں اُسے بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اور سانپ کو پاس رکھنا وہ اچھا سمجھتا ہے۔ چنانچہ جب اس قسم کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، تو وہ سانپ کو پکڑ لیتا ہے اور اس سے ڈس کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ دنیا کو سانپ سے ہی تشبیہ دی گئی ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ دنیا ایک سانپ ہے جو ہلاکت آفرین زہر اگلتا ہے۔ خواہ وہ چھونے میں نرم ہی معلوم ہو جس طرح اندھے شخص کو قلماتے کوہ سمندروں کے کناروں اور خارزار منزلوں سے گذرنے میں صاحب بصارت اور آنکھوں والے آدمی سے تشبیہ دینا محال ہے۔ اسی طرح عامی کو کامل سے دنیا حاصل کرنے میں برابر نہیں کیا جا سکتا جب ملک سلیمان اور دوسرے لوازمات کی جو انہیں دیئے گئے مع رتبۂ نبوت کے آرزو کی جا سکتی ہے۔ تو یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ زہد دل کا زہد ہے نہ کہ ہاتھ کا خالی ہونا؛ بھلا انبیا اور اولیا کو دنیا کس طرح ضرر پہنچا سکتی ہے جبکہ انہیں اس کے وجود کے منافع مضرات اور مراتب کی خوب شناخت ہے اور انہیں معلوم ہے کہ انسان کو اپنے وجود میں تین منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں، منزل اوّل ماں کے پیٹ میں۔ منزل دوم فضائے عالم میں اور منزل سوم موت کے بعد دنیا اس مثال میں سرائے کی سی ہے۔ اور منزل اوسط میں مسافر اس میں پہنچتا ہے۔ اس میں اسباب، برتن اور خوراک کے سامان مہیا کر دیئے گئے ہیں؛ مسافر ان سے عنایت اور عاریت کے طور پر نفع اور تمتع حاصل کرتا ہے۔ اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے اُسے خالی کر جاتا ہے؛ شکریہ کے ساتھ ان چیزوں کو تبدیل کرتا ہے اور فراخدلی اور انشراح صدر کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اس سرائے فانی میں بعض ایسے

بیوقوف بھی آڈیرے جماتے ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ یہ منزل اپنا گھر ہی ہے! اور یہ تمام ساز و سامان مانگنے کا نہیں۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمیں دیدیا گیا ہے۔ پھر جب تک ان کے ہاتھ نہ توڑ دیئے جائیں اور ان کا سر نہ پھوڑ دیا جائے۔ وہ اُسے چھوڑنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے۔ بعض کا خیال ہے کہ دنیا و مافیہا سے جو کچھ انسانوں کو دیا گیا ہے اُس کی مثال یوں ہے کہ ایک آدمی ہو، جو ایک مکان تیار کرے اور اس میں لوگوں کو آنے کی دعوت دے۔ ایک کے بعد ایک علی الترتیب چنانچہ ایک شخص آئے اور مکان میں داخل ہو۔ تو ایک طلائی تھال اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اُس تھال میں بخور اور خوشبودار چیزیں ہوں، تاکہ وہ انہیں سونگھے اور اپنے پاس والے شخص کے لئے چھوڑ دے! اور اس تھال پر قبضہ نہ جمالے، لیکن جو شخص اس رسم کو نہ سمجھے اور خیال کرے کہ یہ تھال مجھے بطور عطیہ نذر کیا گیا ہے پھر جب وہ تھال اس سے لوٹایا جائے تو وہ چیخے چلائے! اور واویلا کرے! اور جو اس رواج سے واقف ہو، وہ اس تھال سے فائدہ حاصل کرے۔ اور شکریہ ادا کرے اور فراخ حوصلگی کے ساتھ اُسے واپس کردے۔ دنیا کے مال و منال سے متمتع ہونے کے متعلق یہ باتیں مدنظر رکھنے کے قابل ہیں۔

فصل

غم دنیا کو مٹانے کا طریقہ

جب انسان کو مال کے لحاظ سے امن، بدن کے لحاظ سے عافیت اور ایک دن کی خوراک میسر ہو تو اس کا ساز و سامان دنیا کے بارے میں رنج و غم کا اظہار کرنا۔ اس کی حماقت اور کوتاہ عقلی کی دلیل ہے۔ کیونکہ اس کا غم تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو اسے اس کے لئے غم ہے کہ یہ چیزیں جاتی رہینگی۔ یا آئندہ کا اُسے خوف ہے۔ یا موجودہ حالت پر اُسے افسوس ہے۔ پھر اگر گذر جانے والی شے کی وجہ سے ہے تو عقلمند کو معلوم ہے کہ فوت شدہ امر پر جزع و فزع کرنا نہ اُسے واپس لا سکتا ہے۔ نہ اُسے

www.ahnafmedia.com

بنا سکتا ہے۔ اور جس بات کا کوئی علاج اور چارہ ہی نہیں۔ اس پر رنج و غم کرنا عقل کا دامن چاک کرنا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لکیلا تاسو علیٰ فاتکم تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہی ہے اس پر تم افسوس نہ کرو۔ اور اگر موجودہ کے متعلق افسوس ہو۔ تو یا اپنے کسی واقفکار کی نعمت و جاہ کے حسد کے سبب سے ہوتا ہے۔ یا اپنی محتاجی اور افلاس پر۔ اور جاہ اور سامان دنیا کے فقدان کے باعث ہوتا ہے؛ اس کا باعث مصائب دنیا اور اس کی زہر آلودگیوں سے ناواقفی ہے۔ اگر انسان کو کما حقہٗ علم حاصل ہو جاتا۔ تو وہ سبکدوش ہونے کو گراں بار ہونے پر ترجیح دیتا؛ اور خدا کا شکریہ ادا کرتا۔ اور اگر عاشق اپنے محبوب کے حسن کے انجام کو سوچ لیتا۔ تو اس کے دام محبت میں گرفتار نہ رہتا۔ چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ دنیا اور مصائب لازم و ملزوم ہیں؛ جیسے شراب پینے والوں کو درد پڑتے ہیں مخلوقات قسم قسم کی آزمائشوں اور تکالیف میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ اس کا ہر ایک لقمہ حلق میں اٹکتا ہے۔ یہاں کوئی شخص بھی دنیا کی محبت میں اسیر ہو کر تین باتوں سے خالی نہیں رہ سکتا یعنی غصہ مصیبت اور آرزو؛ تو جس شخص کو یہ دیکھ کر عبرت حاصل ہو جاتے۔ کہ دنیا کی نعمتیں روز بروز نئی نئی ہوتی جاتی ہیں۔ اور ایک سے چھن کر دوسرے کے پاس چلی جاتی ہیں اور جس کو وہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان پر پے در پے مصائب کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ اور ان کے فقدان سے انتہا کا رنج و ملال پیدا ہوتا ہے۔ تو ان کے فوت ہو جانے سے اس کو ذرہ برابر غم اور تاسف نہ ہوگا؛ چنانچہ کسی شخص سے کسی نے کہا تم فقدان نعمت پر اظہار رنج کیوں نہیں کرتے۔ تو اُس نے کہا؛ جو چیز جا چکی ہے اس پر افسوس کرنے سے مجھے واپس نہیں مل سکتی۔ تو میں اُس پر رنج ہی کیوں کروں۔ ع

جو جاتا ہو اُس کا غم نہ کیجئے؛

غرض جوں جوں انسان ارباب دنیا کی آخرت سے غفلت و بے پرواہی پر غور کریگا۔ اور مصائب کا ان پر ہجوم کرنے کو دیکھیگا توں توں اُس کا دل مطمئن ہوگا۔ اور دنیا کو چھوڑنا اُسے آسان ہو جائیگا کسی صوفی کا یہ روزمرہ کا وظیفہ تھا

کہ روزانہ ہسپتال میں جاتا تاکہ بیماروں۔ اور ان کی بیماریوں اور اُن کے رنج و محن کو مشاہدہ کرے۔ پھر بادشاہ کے جیل خانے میں جاتا۔ تاکہ مجرموں کو اور ان کی سزاؤں کو دیکھے، نیز وہ قبرستان میں جاتا اور عزاداروں، اُن کی ماتم داری اور بے سُود رنج و محن اور مرے ہوئے لوگوں کی حالت پر غور و فکر کرتا۔ اور جب گھر واپس لوٹتا تو تمام دن اللہ تعالےٰ کا شکریہ ادا کرتا۔ کہ الٰہی تو نے مجھے بے حد و حساب نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں۔ کہ میں مصائب و تکالیف اور حزن و ملال سے محفوظ ہوں۔ انسان کا فرض ہے کہ دنیوی طور پر ہمیشہ ان لوگوں کی طرف نگاہ کرے جو اس سے کم درجہ پر ہیں۔ تاکہ شکر گذار ہو، اور دین کے لحاظ سے ہمیشہ اُن کو دیکھے۔ جو اس سے بلند تر مرتبہ پر فائز ہیں۔ تاکہ ترغیب و تحریص حاصل کرے شیطان جب انسان پر مستولی ہو جاتا ہے۔ تو اس کی نگاہ کو پلٹ دیتا ہے۔ اور اس کے برعکس کر دیتا ہے۔ چنانچہ جب اُسے کہا جاتا ہے کہ تم بُرے کام کیوں کرتے ہو۔ تو وہ عذر پیش کرتا ہے کہ فلاں شخص تو مجھ سے بھی زیادہ بُرے کام کرتا ہے۔ حالانکہ معصیت اور کفر میں ریس کرنا درست نہیں۔ اور جب اُسے کہا جاتا ہے۔ کہ جو کچھ خدا نے تجھے دے رکھا ہے تو اس پر قناعت کیوں نہیں کرتا۔ تو جواب دیتا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ غنی ہے۔ تو جب وہ اُسے کمائے جاتا ہے تو میں کیوں بس کروں۔ یہ خاص گمراہی اور جہالت محض ہے۔ جب اس عارضے کے ساتھ غمگینی بھی شامل ہو جائے تو حسد کا غم بھی باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس شخص کو خدا کسی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے۔ تو اگر وہ اس کا مستحق ہے تو اُس پر افسوس نہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر وہ اس کا غیر مستحق ہے تو اس کا وبال اُس کے فائدے سے زیادہ ہے +

اگر مستقبل کے لئے انسان کو اندیشہ ہے۔ تو اگر کسی بات کا ہونا ممتنع ہے یا اس کا ہونا واجب ہے۔ جیسے موت تو اس کا علاج محال ہے۔ اور اس کا ہونا ممکن ہے۔ تو غور کیا جائے گا۔ کہ اگر اُس کا دفعیہ نہیں ہو سکتا۔ تو غم کرنا حماقت کی دلیل ہے۔ اور اگر اس کا دفعیہ ہو سکتا ہے۔ تو افسوس بے معنی ہے۔ بلکہ چاہیئے کہ اس کو روکنے کے لئے کوئی عقلی تدبیر عمل میں لائی جائے۔ اور حزن و ملال کا اظہار نہ کیا جائے۔ پھر جب اپنے مقدور بھر انسان اس کے دفعیے کی تدابیر اور

جیلے عمل میں لے آیا۔ تو اُسے سکون خاطر کے ساتھ قضائے الٰہی اور کرشمۂ تقدیر کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اور سمجھ لینا چاہیئے کہ جو بات اللہ کو منظور ہے؛ اُس سے مفر نہیں اور جو مصیبت ٹل نہیں سکتی اُسے صبر سے برداشت کرنا چاہیئے؛ اسے یہ بات تحقیق کے طور پر معلوم ہونی چاہیئے۔ کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے۔ ہو کر رہیگا۔ اور خدا کے اس فرمان کو یاد کرے؛ ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا۔ تمہیں دنیا میں اور تمہاری اپنی جانوں میں وہی مصیبت آتی ہے جو اُس کے پیدا ہونے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی گئی ہے۔ ساز و سامان دنیا کی تیاری کے لالچ قبیح یہ بات ہے۔ کہ انسان فریب عقل میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ آخر کسی روز یہ مصیبتیں ختم ہو جائیں گی غم کی کالی گھٹائیں چھٹ کر عیش و آرام کا صاف مطلع طلوع کرے گا؛ بُرے دن چلے جائیں گے۔ اور بھلے دن آجائیں گے؛ افسوس صد افسوس ؛

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جب لوگ کسی کو کسی بات کی خوشخبری دیں تو یقین جانو کہ اس پر مصیبت بھی آنے والی ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ان اللیالی لم تحسن الی احد ۔۔۔ الا اساءت الیہ بعد احسان

جب زمانہ کسی سے نیک سلوک کرتا ہے۔ تو ضرور تکلیف بھی دیتا ہے

مومن ؎

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوئے آسماں نہیں۔

الغرض عقلمند شخص وہ ہے کہ جب ان امور میں بنگاہ عمیق فکر و غور کرے۔ تو غموم و آلام کا اکثر حصہ اس کے دل سے دُور ہو جائے ؛

یاد رکھو! جب انسان کا دل کسی انسانی محبوب ، مال ، زمین ، حرفت ، عہدہ ، حکومت ، یا کسی دوسری شے کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ تو اس کے متعلق حزن و ملال سے تبھی رہائی ہو سکتی ہے کہ ان کے تعلق سے دست بردار ہو جائے ؛ اور یہ تبھی ممکن ہے کہ اُن سے بتدریج ہاتھ کھینچتا چلا جائے۔ اور دوسری چیزوں میں

مشغول ہو جائے۔ اگرچہ وہ بھی انہیں چیزوں میں شامل ہو۔ جن سے بعد و ہجر اختیار کرنا واجب ہے۔ کہ خون کو خون سے دھونے میں کچھ حرج نہیں۔ جبکہ اول الذکر خون دوسرے سے پس اور جماؤ میں بڑھ کر ہو۔ یہ ریاضتوں کے باریک اسرار و معارف ہیں۔ کیونکہ جس چیز سے الفت اور محبت پیدا ہو چکی ہے۔ اس سے دفعتہً اور یکلخت ہاتھ اٹھا لینا مشکل بلکہ ممتنع ہے۔ چنانچہ جس لڑکے کو گیند بلے اور کھیل کود وغیرہ میں ترغیب دلانے کے ذریعہ سے ادب سکھایا جائے۔ وہ بہت جلدی ترقی کرتا ہے۔ پھر ثروت، مال اور خوبصورت کپڑوں وغیرہ کے شوق کے ذریعہ سے وہ کھیل کود سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ پھر ان چیزوں کو چھوڑ کر وہ نیک نامی تعریف و توصیف، عزت اور حکومت کی ترغیب سے ترقی کرتا ہے۔ پھر سعادت اخروی کی ترغیب اور قطع منازل کرتا ہے۔ چنانچہ حکومت کا شوق آخری شے ہوتی ہے۔ جو صدیقین کے دماغ سے نکلتی ہے۔ یہ اس معالجہ کا طریقہ ہے ان باتوں کے لئے جو فی نفسہ قابل حذر ہیں۔ لیکن اضافی طور پر ان چیزوں سے زیادہ قابل قبول ہیں جو بدتر ہیں۔ گویا یہ مدارج اور منازل ہیں۔ جن کو ایک ایک کر کے آدمی بتدریج طے کرتا ہے۔ اس تدریجی طریق کے بغیر ان سے خلاصی ناممکن ہے۔ اسی طرح ہر اُس بات کے متعلق طرز عمل اختیار کرے جو نفس پر مستولی ہو گئی ہے۔ اور اس کا تعلق سخت ہو گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قطع علائق سے رنج و غم بیخ و بنیاد سے اُکھڑ جاتے ہیں +

فصل

موت کا خوف دور کرنا

انسان کی دو حالتیں ہیں۔ ماقبل موت اور عند الموت، ماقبل موت کے لحاظ سے چاہئے کہ انسان ہمیشہ موت کو یاد رکھے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اکثروا من ذکر ھاذم اللذات فانہ ماذکرہ احد فی

ضیق الا وسعہ علیہ وکان وسیعا الا ضیقہا علیہ موت کو اکثر یاد کیا کرو۔ کہ جس شخص نے اُسے تنگی حالت میں یاد کیا وہ وسیع الحال ہو گیا اور جس نے وسعت حالات میں یاد کیا وہ غیر الحال ہو گیا؛ موت کے باب میں لوگوں کی دو قسمیں ہیں؛ اوّل غافل، حقیقی احمق ہے۔ جو موت الا مابعد الموت کے متعلق غور و فکر سے کام نہیں لیتا؛ ہاں جب اپنی اولاد اور متروکات کا خیال اُسے آتا ہے تو یاد کر لیتا ہے۔ اپنے حالات نفس پر تدبر نہیں کرتا۔ مگر جب کوئی جنازہ دیکھتا ہے تو اُسے موت یاد آجاتی ہے۔ اور صرف زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون کہ لیتا ہے۔ اپنے افعال کے لحاظ سے اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا؛ یہ جھوٹا ہے اپنے قول کے لحاظ سے۔ کہتا کچھ ہے۔ کرتا کچھ ہے؛ دوم عاقل و زیرک؛ وہ مسافر کی طرح ہمیشہ اپنی منزل مقصود کو یاد رکھتا ہے۔ جیسے حاجی کہ ہر وقت اس کے پیش نظر دیار حبیب کا منظر رہتا ہے۔ جو شخص منزلوں میں اترنے اور کوچ کرنے کے خیال میں مشغول رہتا ہے؛ وہ اپنے مقصود کو فراموش نہیں کرتا؛ غرض یہ ہے کہ ہازم اللذات کی یاد سرا آرزو سے محفوظ رکھتی ہے۔ حوادث و مصائب آسان ہو جاتے ہیں؛ اور انسان سرکش ہونے سے بچا رہتا ہے۔ موت کی یاد سے خدا کی دی ہوئی چیزوں پر قناعت اور توبہ میں جلدی کرنے کا وصف پیدا ہوتا ہے؛ حسد اور حرص دنیا رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور عبادت میں نشاط و مسرت حاصل ہونے لگتی ہے۔

جس شخص کو عبادت الٰہی میں لطف نہ آئے اور سستی اور کسلمندی آگھیرے اُسے چاہئے کہ ہر صبح جاگنے کے وقت غور کرے کہ میں جلدی مر جاؤں گا۔ میری قضا آچکی ہے۔ کہ یہ کچھ بعید نہیں۔ جب انسان خیال کرے کہ موت کچھ سالوں کے بعد ہی آئیگی۔ تو عبادت کا شوق کیسے پیدا ہو۔ اور دنیا کی محبت کیوں دُور ہو بلکہ چاہئے کہ ایک دن کی مہلت بھی سمجھے کہ میسر نہیں۔ ہر طلوع آفتاب کے ساتھ سمجھے کہ میرا آفتاب حیات غروب ہونے والا ہے۔ چنانچہ جو شخص انتظار میں ہو کہ بادشاہ ابھی سے بلاتا ہے؛ تو اُسے چاہئے کہ حاضر ہونے کے لئے ہر وقت مستعد رہے۔ پھر اگر تیار نہ رہے گا تو کچھ عجب نہیں کہ بلانے والے آجائے۔ اور وہ غفلت کے باعث عنایت شاہی سے محروم رہ جائے۔ کوئی وقت اور کوئی

لحظہ ایسا نہیں کہ جس میں موت ناممکن ہے۔ اگر تم کہو کہ موت دُور کا حادثہ ہے۔ تو ہم کہتے ہیں جب مرض حملہ آور ہو جائے تو موت کو قریب ہی سمجھو! اور یہ ایک دن سے کم میں ہو سکتا ہے۔ اور کچھ بعید بات نہیں! موت کے خوف سے غم کرنا بھی عقلمندوں کا شیوہ نہیں! کہ یہ غم چار حالتوں سے خالی نہیں!

(اوّل) شکم اور شرمگاہ کی خواہش۔

(دوم) گذشتہ گناہوں کا خوف۔

(سوم) اس مال کی محبت جو مرنے کے بعد چھوڑنا پڑیگا۔

(چہارم) موت کے بعد کے حال اور اپنے انجام سے ناواقفیت۔

یہی چار صورتیں ہیں جن کی بنا پر انسان کو موت سے پریشانی ہو سکتی ہے اگر شکم و شرمگاہ کی خواہشوں کے باعث موت سے ڈر پیدا ہو تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جو بیماری کا مقابلہ ویسی ہی دوسری بیماری سے کرتا ہو۔ لذتِ طعام کے معنی ازالۂ جوع ہے۔ اسی لئے جب بھوک جاتی رہتی ہے اور پیٹ بھر جاتا ہے تو آنکھ کو وہ چیز ناپسند معلوم ہونے لگتی ہے جس کی پہلے اشتہا تھی! جیسے کوئی شخص دھوپ میں بیٹھنے کی اس لئے خواہش کرے کہ گرم ہو کر سائے میں بیٹھنے کی لذت سے لطف اندوز ہو۔ یا جیسے کوئی شخص گرم حمام میں اس لئے بند ہو کہ برف کا پانی پینے کا اُسے لطف آئے۔ یہ عین حماقت اور خلاف عقل بات ہے۔

اگر صورت دوم کے باعث ہو۔ تو یہ اس لئے ہے کہ انسان دنیا کی ادنیٰ خسیس اور حقیر چیزوں کے مقابلہ پر ملک کبیر اور نعیم مقیم (جس کا متقیوں کے لئے وعدہ دیا جا چکا ہے) کو ادنیٰ سمجھتا ہے! تو اگر یہ حالت موت کے بعد اپنے انجام سے بے صبری کے باعث ہو تو انسان کا فرض ہے کہ علم حقیقت طلب کرے جس سے موت کے بعد کے حالات کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت حارثہؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضور! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں عرش خداوندی کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں! جنت میں اہل جنت سیر کرتے دکھائی دیتے ہیں! اور دوزخی دوزخ میں عذاب میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ اور یہ علم حقیقت ماہیت نفس! اور اس کے بدن سے تعلق، اس کی خاصیتوں اور ان خاصیتوں سے

لذت یاب ہونے اور باوجود زائل مانعہ کے اُس کے کمال حاصل کرنے کے متعلق بحث ونظر کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ شریعت نے بہت سے مقامات پر ان امور سے خبردار کیا ہے! ور حکم دیا ہے کہ اپنے اندر غور کیا کرو۔ ملکوت السمٰوات والارض میں تفکر کیا کرو +

اگر یہ خوف موت سے پیشتر کئے ہوئے گناہوں کے باعث ہو۔ تو اس میں جزع وفزع اور رنج وغم کوئی نفع نہیں دیتا۔ اس کے برعکس گناہوں کا علاج۔ توبہ میں عجلت اور اپنی زیادتیوں کی اصلاح کرنی چاہیئے۔ رنج وغم کرنے اور اس کا تدارک نہ کرنے کے لحاظ سے اس شخص کی مثال یوں ہے، کہ کسی شخص کی کوئی رگ کھل کر اُس میں سے خون نکل جائے؛ وہ اس کو بند کرنے اور اپنے خون کو روکنے پر قادر بھی ہو۔ پھر بھی اُسے بہنے دے! ور بیٹھکر افسوس کا اظہار کرتا رہے۔ کہ میرا خون بہ رہا ہے، یہ بھی حماقت ہے۔ کیونکہ جو چیز جا چکی ہے اس کا کوئی تدارک نہیں۔ اس پر تاسف کرنا بے سُود ہے؛ اُسے چاہیئے کہ مستقبل کے متعلق مشغول ہو جائے +

حالت ثانی یعنی موت کے وقت کی حالت کے لحاظ سے لوگوں کی تین اقسام ہیں، (اوّل) صاحب بصیرت، وہ جانتا ہے کہ موت انسان کو آزاد و باعزت بناتی ہے۔ اور زندگی مجرم اور گناہ گار ٹھیراتی ہے؛ اور کہ انسان دنیا میں ہزار طویل العمر ہو جائے پھر بھی وہ ایسے ہی ہے جیسے آسمان پر بجلی جو چمکتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے۔ ذوق ؎

ہنگامہ گرم ہستیٔ ناپائیدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

اُسے دنیا کو چھوڑنا بالکل گراں نہیں گذرتا سوائے اس کے کہ اب خدا کی خدمت کرنے کا موقعہ جاتا رہیگا۔ یا یہ کہ اب میں خدا کے قریب ہوا ہوں اور ڈر ہے معلوم نہیں وہ مجھے کیا کہیگا؛ جیسے کسی ایسے ہی شخص سے پوچھا گیا۔ تم موت سے گھبراتے کیوں ہو۔ تو جواب دیا، اس لئے کہ میں ایک ایسے رستہ پر چلنے والا ہوں۔ جس سے میں واقف نہیں، اور میں ایک ایسے بادشاہ کی خدمت میں جانے والا ہوں جسے میں نے کبھی نہیں دیکھا اور نہیں جانتا مجھے کیا کہا جائے گا اور کیا حکم ہوگا؛ اس قسم

www.ahnafmedia.com

کا شخص موت سے بھاگتا نہیں؛ بلکہ جب زیادتی عبادت سے عاجز آجاتا ہے تو بسا اوقات موت کا مشتاق ہو جاتا ہے۔ کسی ایسے ہی بزرگ نے اپنی مناجات میں کہا تھا۔ الٰہی اگر اس دار فانی میں زندہ رہنے کی دعا تجھ سے کروں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ میں تجھ سے دور رہنا چاہتا ہوں؛ اور تیرے قرب سے بے رغبت ہوں؛ چنانچہ تیرے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاءہ۔ جو اللہ سے ملنے کا مشتاق ہے خدا بھی اس کا مشتاق ہے؛ اور جو خدا سے ملنے سے گریز کرتا ہے خدا بھی اُسے ملنا نہیں چاہتا۔

(دوم) بے بصیرت گناہوں سے آلودہ دامن؛ دنیا میں منہمک، اس کے تعلقات میں جکڑا ہوا؛ آدمی جو دنیا کی زندگی سے راضی ہو چکا ہے؛ اور دار آخرت سے ایسا ہی مایوس ہو چکا ہے۔ جیسے کافر لوگ مردوں سے۔ چنانچہ جب وہ دار خلود کی جانب روانہ ہوتا ہے۔ تو اُسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اور جب دنیا کی گندگیوں اور آلودگیوں سے علیحدہ ہوتا ہے تو اُسے عالم بالا کی ہوا اور ملاء اعلیٰ کی مصباح راس نہیں آتی۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے؛ من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاخرت اعمیٰ واضل سبیلا جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے؛ اور سخت بدراہ۔ جس کو درشن ات نہ اُس کو ات نہ اُت کہ دنیا مذکورہ بالا شخص کے لئے قید خانہ ہے۔ اور اس شخص کے لئے جنت؛ اول الذکر اس غلام کی مانند ہے جسے اس کا مالک بلائے تو وہ خوش خوش لبیک کہے، اور شاداں و فرحاں جوش خدمت میں حاضر ہو جائے۔ اور موخر الذکر؛ اس غلام مفرور کی طرح جو پکڑا جا کر اپنے مالک کے پاس لایا جائے مغلوب و مقہور بیڑیاں پہنا کر اُسے اس کی خدمت میں حاضر کیا جائے؛ تو وہ سر جھکائے اپنے آقا کے سامنے ذلیل و خوار اپنے گناہوں پر شرمندہ کھڑا ہو؛ آہ یہ دونوں حالتیں کسقدر متخالف و متفاوت ہیں۔

(قسم سوم) مذکورہ بالا دونوں مرتبوں کے درمیان کا آدمی، جو اس دنیا کی مصیبتوں اور بلاؤں سے واقف تھا اور اس کی مجلس سے متنفر لیکن اب

www.ahnafmedia.com

اس سے مانوس اور مالوف ہو چکا ہے۔ تو اُس کا رستہ اس شخص کی طرح ہے! جو ایک اندھیرے اور گندے گھر سے الفت پذیر ہو گیا ہے۔ اُسے اُس میں اور کوئی شخص نظر نہیں آتا، تو اس میں سے نکلنا بھی پسند نہیں کرتا۔ گو اس کے اندر جانا بھی اُسے نامطبوع تھا۔ پھر جب اس سے باہر نکلتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے نیکوکار بندوں کے لئے کیا کچھ تیار کر رکھا ہے تو اُسے اس مکان سے نکلنے پر افسوس نہیں ہوتا؛ بلکہ کہتا ہے۔ الحمد للہ الذی اذھب عن الحزن ان ربنا لغفور شکور الذی احلنا دار المقامۃ من فضلہ لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب الحمد للہ کہ اللہ نے ہمارا غم دُور کیا، ہمارا رب غفور و شکور ہے۔ کہ اس نے ہمیں ابدی مسرت کے گھر میں اتارا جس میں ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور یہ کوئی بعید بات نہیں کہ انسان کسی چیز کی مفارقت کو ناگوار سمجھے؛ پھر جب اُسے چھوڑ دے تو افسوس کا اظہار نہ کرے۔ چنانچہ بچہ ولادت کے وقت ایک حالت سے دوسری حالت میں آنے کے غم سے روتا ہے۔ پھر جب اُسے عقل آ جاتی ہے تو گزشتہ حالت میں جانے کی تمنا نہیں کرتا۔ اور موت ولادت ثانیہ ہے جس سے ایک ایسا کمال حاصل ہوتا ہے جو پہلے حاصل نہ تھا۔ اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کمال سے پہلے ایسی آفات و عوارض لاحق نہ ہوں۔ جو اُس کے قبول کرنے میں نقصان پیدا کرے۔ جس طرح ولادت ایک ایسے قابل رشک کی باعث ہے جو بچے کو جنین کی حالت میں میسر نہ تھا؛ اور اس میں شرط یہ تھی کہ اس باکمال کے مانع امراض و عوارض اس جنین کی ماں کے رحم میں لاحق نہ ہوں؛ اور چونکہ موت کمال کا باعث ہے اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہمیں چاہئے، کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے لئے دعا کریں اور اُن کا شکریہ ادا کریں، جیسے ہم جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے لئے دعا کرتے ہیں؛ جس کے وہ سبب ہیں، کہ دنیا سے رستگاری حاصل کرنے کا طریقہ انہوں نے بتایا۔ اور آخرت میں نجات پانے کا رستہ دکھایا۔ اور یہ باتیں سرور کائنات حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے عمل میں آئیں لیکن

www.ahnafmedia.com

ملک الموت اس دنیا سے ہمیں نکالنے کا باعث ہے اس لئے اس کا حق بہت بڑا ہے۔ چنانچہ امم سابقہ میں سے حکما کے ایک گروہ کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ وہ اس شخص کی تقدیس و تمجید اور تسبیح سے تعظیم کرتے تھے جس کو وہ سمجھتے تھے، کہ وہ اس عارضی زندگی کے قائم رکھنے میں اعانت نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ہلاکت کا باعث ہے جس کے ذریعہ سے اس دنیائے دوں سے رستگاری حاصل ہوتی ہے +

فصل

رہروانِ الٰہی کی پہلی منزل

معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے رستہ کے سالک تو تھوڑے ہیں لیکن اس کے مدعی بہت ہیں؛ ہم تمہیں دو علامتیں بتاتے ہیں، جن کو تم معیار قرار دیکر اپنے متعلق اور غیروں کے متعلق کھرے اور کھوٹے ہونے کی تمیز کر سکتے ہو +

(علامت اوّل) اصلی سالک وہ ہے جس کے تمام اختیاری افعال شرع کی ترازو میں پورے اتریں۔ ہر ایک فعل کا صادر ہونا، کم و بیش ہونا یا نہ ہونا شریعت کی حدود کے موافق ہو۔ کیونکہ جب تک شریعت حقہ کے رنگ میں انسان نہ رنگا جا چکے اس رستہ پر گامزن نہیں ہو سکتا؛ اور یہ تہذیب اخلاق کے بعد ہی ممکن ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس مقام کو حاصل کرنا جبھی ممکن ہے؛ کہ انسان جملہ مباحات کو ترک کر دے۔ کیونکہ جو شخص محرمات اور محظورات کو ترک نہیں کرتا، کس طرح منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے؛ اور جو شخص عبادات نفلی پر مواظبت اختیار نہیں کرتا شاہد کامرانی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ پھر جو شخص فرائض بلکہ احکام و اعمال شریعت میں جن کا لوگوں کو مکلف بنایا گیا ہے کوتاہی کرتا ہے۔ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ شریعت نے اپنے احکام اعمال میں سے محظورات اور فرائض میں ہی مکلف کرنے پر حصر کیا ہے؛ اور اس میں عوام الناس بھی مشترک ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان امور میں شغل و مصروفیت دنیا کی خرابی اور تباہی کا باعث نہ ہو جائے +

www.ahnafmedia.com

سالک فی سبیل اللہ دنیا سے اس طرح رُوگردان رہتا ہے۔ کہ اگر تمام دنیا اُس کی برابری کرے تو کائنات برباد ہو جائے۔ پھر صرف فرائض و واجبات میں محدود نہ رہ کر اور نوافل کو چھوڑ کر کوئی کیسے کامیاب ہو سکتا ہے چنانچہ حدیث قدسی میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ لا یزال العبد یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبہٗ فاذا احببتہٗ کنت لہ سمعاً و بصراً فبی یسمع و یبصر، میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے تقرب حاصل کرتا جاتا ہے۔ یہانتک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان اور آنکھیں ہو جاتا ہوں؛ پھر وہ مجھی سے دیکھتا اور سُنتا ہے؛

غرض یہ ہے کہ ہوس غالب اور پائدار کسلمندی کی وجہ سے ہی انسان فرائض میں فروگذاشت کرتا ہے؛ اور محظورات میں بے دھڑک در آتا ہے؛ پھر جو شخص بار بار ہوس اور کاہلی کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے وہ خدا کے رستہ پر کیسے چل سکتا ہے؛

پھر اگر تم کہو، کہ جب سالک فی سبیل اللہ وہ ہے جو خواہشات اور سُستی سے مجاہدہ کرنے میں مشغول ہو، تو جو ان کو مغلوب کر چکا وہ تو واصل باللہ ہوا۔ سالک نہ ہوا، تو جواب یہ ہے کہ یہ عین فریب ہے اور رستہ اور منزل مقصود سے ناواقفی پر شاہد؛ نہیں بلکہ اگر کوئی شخص تمام صفات رویہ اپنی ذات سے دُور کر لے؛ تو اُس کی نسبت منزل مقصود سے ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو؛ اور چند مجبوریاں اس کو اس طرح دامنگیر ہوں کہ چلنے دیں، پھر وہ قرضے ادا کر دے؛ اور تعلقات و علائق قطع کر دیئے۔ یہی حال بدن کی صفات کا ہے۔ جو انسان پر غالب ہیں۔ یہ گویا وہ مجبوریاں اور تعلقات ہیں۔ جو انسان کو گردن سے پکڑے ہوئے ہیں؛ اور خدا کی جانب مائل نہیں ہونے دیتیں۔ تو جب وہ انہیں محو اور دفع کر لے تو اس نے علائق کو دُور کر دیا اور اب وہ سلوک کی منزل میں چلنے کے لئے آمادہ و مستعد ہوا۔ یا تم یوں سمجھو کہ ایک بیوہ عورت ہے جو چاہتی ہے کہ بادشاہ اُس سے شادی کر لے؛ جب وہ عدت جو نکاح سے مانع تھی گذار لیتی ہے تو خیال کرتی ہے، کہ سب کام ختم ہو چکے اور میں کام دل حاصل کر چکی؛ افسوس صد افسوس کہ اُس نے تو ابھی نکاح کی استعداد ہی حاصل کی ہے اور صرف موانعات کو دُور ہی کیا ہے؛ اور بادشاہ کا قبول کرنا اور رغبت کر کے انعام

شادی سے نوازنا ابھی باقی ہے۔ یہ خدا کی دین ہے؛ ہر وہ شخص جو نہا دھو کر عطر پھلیل لگائے جمعہ نہیں پڑھ لیتا اور نہ ہر حسینہ جو عدت گذار لے اپنے محبوب کے وصال سے شاد کام ہو جاتی ہے +

اب سوال یہ ہے کہ کیا سالک کے رتبہ میں کوئی ایسا مقام ہے جہاں پہنچ کر بعض وظائف عبادات اس سے چھوٹ جائیں اور بعض محظورات اُسے ضرر نہ پہنچائیں جیسا کہ بعض مشائخ کے متعلق کہا گیا ہے۔ جو ان امور میں تساہل برتتے تھے۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ عین فریب نفس ہے۔ محقق حکما نے کہہ دیا ہے کہ خواہ تم کسی شخص کو پانی پر چلتا دیکھ لیکن وہ کسی بات میں شریعت کے خلاف عمل کرتا ہو تو جان لو کہ وہ شیطان ہے اور یہ بالکل حق ہے۔ یہ اس لئے کہ شریعت اسلامیہ فراخ اور وسیع ہے اور جب کبھی کوئی ایسی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو شریعت نے پہلے ہی اس کی رخصت دے رکھی ہوتی ہے۔ پھر اگر وہ محل رخصت سے تجاوز کرلے تو یہ ضرورت کے باعث نہ ہوگا۔ بلکہ خواہشات اور شہوت اس کا موجب ہونگی۔ یاد رکھو انسان جب تک اس دنیا میں زندہ ہے اُسے ہر وقت اندیشہ ہے کہ کسی روز شہوات مغلوب ہو جانے کے بعد غالب آجائیں۔ اس لئے چاہئے کہ ہر وقت اُن سے جو کنارہ ہے۔ اور جب کبھی دیکھے کہ آرام طلبی اور سہل انگاری کی طرف طبیعت مائل ہو رہی ہے تو جان لے کہ شہوات غالب ہونا چاہتی ہیں۔ اور یہ سب باتیں اخلاق رذیلہ کا تقاضا ہیں +

پھر جو شخص اپنے تئیں پاکیزہ بنالے اور اپنی روح کو علوم حقیقی کی غذا کھلائے۔ تو اُسے عبادت میں مواظبت کا درجہ حاصل ہو جائیگا۔ نماز اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیگی۔ اور اُسے رات کی تاریکی میں تنہا بیٹھ کر خدا سے دعائیں کرنے میں تمام چیزوں سے زیادہ لطف حاصل ہوگا۔ یہ منزل اوّل کی علامت ہے؛ اور انتہا تک قائم رہتی ہے۔ اگرچہ خدا کی طرف جانے والے رستہ کی کوئی انتہا ہی نہیں؛ ہاں موت تمام جد و جہد اور تگ و دو کے سلسلے یک قلم توڑ دیتی ہے۔ پھر انسان موت کے بعد اُسی مرتبہ پر قائم رہتا ہے۔ جو اُس نے مدت حیات میں حاصل کیا تھا۔ کہ ہر شخص اُس چیز پر مرتا ہے جس پر اُس نے زندگی گذاری تھی +

www.ahnafmedia.com

(دوسری علامت) یہ ہے کہ انسان کا دل ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کی حضوری میں رہے، ضروری اور بے تکلف طور پر۔ اسے اس حضوری میں بے حد لذت حاصل ہو۔ خشوع اور خضوع، انکسار و تواضع کے ساتھ اس کا دل خدا سے وابستہ رہے وہ اس حال سے کبھی علیحدہ نہ ہو۔ اگرچہ وہ ضروریات بدن مثلاً کھانا پینا۔ قضاء حاجت کو جانا، کپڑے دھونا وغیرہ میں مشغول ہی رہے۔ بلکہ چاہیئے کہ اس کی مثال تمام حالات میں اس عاشق کی سی ہو۔ جو ایک مدت تک زحمت انتظار کی کڑیاں جھیلتا رہا ہو ایک عرصہ دراز تک ع

مصیبت پر مصیبت چوٹ پر کھائی ہو چوٹ اس نے

پھر اس کا محبوب اس کے سامنے بعد تجمل جلوہ پیرا ہو جائے۔ اور اس کے دل کا کنول کھل جائے لیکن اس وقت اسے قضائے حاجت کے باعث مجبوراً تھوڑی دیر کے لئے اپنے محبوب سے علیحدہ ہونا پڑے اور وہ بیت الخلاء کو جائے تو اس کا دل بیقرار محبوب کے پاس موجود ہوگا۔ بدن البتہ غیر حاضر ہوگا۔ اگر اس حالت میں کوئی شخص اسے مخاطب کرنا چاہے تو وہ شدت استغراق کے باعث اس کی بات نہ سنیگا۔ وہ اس تکلیف کو سخت مصیبتناک سمجھے گا۔ اور چاہے گا کہ جتنی جلد کٹے اتنا ہی بہتر ہے۔ تو سالک کو چاہیئے کہ اپنے اشغال دنیوی میں اسی طرح مصروف ہو۔ بلکہ سوائے ضروریات بدنی کے اسے کوئی شے بے توجہ نہ کر سکے۔ اور اس حالت میں بھی اس کا دل خدا کی عظمت و جلال کے سامنے نہایت انکساری کے ساتھ حاضر رہے۔ اگر شہوت جماع تحریک کے ذریعہ سے حرکت میں آنے سے باز نہ رہے تو یہ اس شخص کی حالت میں ہوگا، جس پر شہوت غالب ہے۔ اور اس کی آنکھوں میں کسی بشر کی صورت جو گندے اور ناپاک نطفے سے پیدا ہوا ہے۔ جاگزین ہو چکی ہے۔ پھر جب وہ محبوب اس کے قریب آتا ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔ اور اس کے تمام شہوانی خیالات فرو ہو جاتے ہیں۔ اس بے خودی اور کمزور طبعی کا عذر وہ اس کا حسن و جمال قرار دیتا ہے۔ پھر یہ عذر کس طرح قابل قبول ہے۔ جب مقابلے پر اللہ کا جلال و جمال ہے جس کی کوئی انتہا نہیں +

الغرض اس منزل کو تمام و کمال پورا کرنے کے لئے حرص شدید اور عزم

صمیم اور طلب بلیغ کی ضرورت ہے۔ حرص و طلب کا مبدا محبوب و مطلوب کا جمال ہے جو شوق اور محبت کی آگ بھڑکاتا ہے۔ اور اس جمال جہان آرا کے ادراک کے لئے نگاہ شوق اور مشتاق آنکھ کی ضرورت ہے۔ جو تمام دوسری چیزوں سے منہ پھیر کر صرف اسی کی ہو رہے۔ اللہ تعالیٰ کے جلال کا نظارہ کرنے کے لئے بھی اسی چیز کی ضرورت ہے جو تمہارے شوق کو بھڑکائے اور تمہاری حرص کو برپا کرے اور اسی کے اندازہ کے مطابق تمہاری جد و جہد و تگ و دو کی مقدار ہوگی +

پھر محبوب کے ساتھ دیر تک یکجا رہنے کے باعث عشق کا جذبہ اور زیادہ ہوتا ہے چونکہ اس اثنا میں محبوب کے عمدہ اخلاق جو پہلے پوشیدہ تھے ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے محبت کئی گنا اور بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح بندی مزید جب پہلے پہل حضرت باری تعالیٰ کے جمال و جلال کی کرشمہ سازیاں ملاحظہ کرتا ہے تو بسا اوقات ضعف ادراک کے باعث اس کی آنکھوں میں چکا چوند نہیں پیدا ہوتی لیکن آہستہ آہستہ طلب و شوق زیادہ ہوتی جاتی ہے +

چنانچہ وہ ہر وقت اسی خیرہ کن جمال کے تصور میں محو رہتا ہے پھر اس پر اس کی خوبیاں اور فضائل روشن ہوتے جاتے ہیں محبت کی آگ اضافہ مضاعفہ شعلہ زن ہوتی ہے۔ ہر لمحہ اور ہر گھڑی محبت بڑھتی جاتی ہے اور جس طرح عاشق اپنے محبوب کے قرب کا آرزومند ہوتا ہے اسی طرح مرید اللہ تعالیٰ کے قرب کی تلاش میں سرگرداں پھرتا ہے۔ یہ قرب مکانی نہیں ہوتا یا جسمی طور پر اس کو مس نہیں کیا جا سکتا۔ یا یوں نہیں ہو سکتا کہ اس کی صورت کے جمال کو کمال طور پر اپنے سامنے دیکھ لیں۔ یہ قرب قرب کمال ہے نہ قرب مکان۔ ان باتوں کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس قرب کمال کی تشبیہ یوں ہے کہ ایک شاگرد ہو اس کو اپنے استاد سے بے حد محبت ہو۔ اور اس کے قرب کمال کا طالب ہو۔ یہ زیادہ سچی تشبیہ ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے میں اس کا قرب چاہتا ہے یعنی آہستہ آہستہ اس کے رتبہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ بعض حالات میں یہ ممکن ہوتا ہے اور بعض میں متعذر۔ لیکن ترقی بلحاظ رتبہ کے بالکل ممکن ہے۔ چنانچہ نسبت کے لحاظ سے اس میں زیادتی ہوتی ہے۔ اور وہاں پہنچ جانا ناممکن ہے، لیکن اسفل السافلین سے بلندی کی طرف رُخ کرنا ممکن ہے

www.ahnafmedia.com

شاگرد اپنی نگاہ میں ایک رتبہ مقرر کر لیتا ہے۔ جو محدود ہوتا ہے نہ یہ کہ محبت کے باعث اپنے استاد کا مرتبہ عین پائے۔ بلکہ درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے اور دفعتہً انتہائی منزل کو پہنچنے کا شوق اس کے دل میں نہیں پیدا ہوتا۔ جب ایک رتبہ حاصل کر لیتا ہے تو اوپر کے درجے کا مشتاق ہو جاتا ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو عالم نہیں اُسے چاہیئے کہ علماء سے جو ورثۃ الانبیا ہیں، مشابہت اختیار کرے۔ علماء انبیا اور اولیا کے ذریعہ سے ملائکہ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، یہانتک کہ صفات بشری کلی طور پر محو ہو جاتے ہیں اور وہ انسانی صورتوں میں فرشتے بن جاتے ہیں۔ پھر ملائکہ کے لئے بھی مختلف درجات و مراتب ہیں؛ اور سب سے بلند درجہ معشوق ہونے کا ہے اور یہی نصب العین ہے۔ ملائکہ مقربین وہ ہیں جن کے اور حق کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، انہیں جمال اظہر اور بہائے اتم حاصل ہے۔ بلحاظ نسبت کے اُن سے جو موجودات کاملہ میں سے اُن سے کم ہیں۔ پھر ہر ایک جمال اور کمال حقیر ہو جاتا ہے جب رب العزت کے جمال کی طرف نگاہ جاتی ہے۔

الغرض اسی طرح چاہیئے کہ تم قرب الٰہی کا اعتقاد کرو؛ نہ اس طرح کہ تم خیال کرو کہ جنت میں ایک گھر ہے؛ اور اس کے قریب کہیں اللہ تعالےٰ فروکش ہے؛ یہ قرب مکانی ہے؛ اور خدائے رب العزت اُس سے بہت بلند ہے؛ اور نہ یہ کہ تم عبادت کا ایک تحفہ اُس کی خدمت میں پیش کرو۔ وہ اُس سے خوش ہو کر اس کی قدردانی کرے اور تم پر مہربان ہو جائے۔ جیسے بادشاہوں کے دربار میں ان کی رضامندی اور حصول اغراض کے لئے حاضر ہوتے ہیں؛ تو اُسے قرب سلطانی کہتے ہیں۔ توبہ توبہ اللہ تعالےٰ بہت بلند اور پاک ہے۔ ان معانی سے جن سے دنیا کے بادشاہ متصف ہوتے ہیں۔ وہ تو خدمتگذاری، عاجزی تابعداری اور وفاکیشی سے خوش ہوتے ہیں گاہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت دہند۔ ان کی مشہور صفت ہے۔

اس قسم کے تمام عقائد جہالت پر مبنی ہیں، اگر تم کہو کہ اکثر عوام کا یہی اعتقاد ہے؛ تو کیا جو شخص رنگریز کی دکان سے عنبر طلب کرے اُسے ملجائیگا؛ ہرگز نہیں۔ جب تمہیں ایک شخص کے متعلق معلوم ہے کہ وہ ایک چیز کا اہل نہیں تو وہ چیز اُس سے کیسے طلب کر سکتے ہو۔ عوام کالانعام تو گدھے ہیں، ان کو لسان الٰہی نے حمر مستنفرہ قرت

من مسورہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور واقعی عوام گدھے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے علوم کی ممارست نہیں کی! کیا تم نہیں دیکھ چکے کہ یہ لوگ خداوند تعالےٰ کے متعلق کس قسم کے خیالات وعقاید رکھتے ہیں! کہتے ہیں، وہ عرش پر بیٹھا ہے اس پر ایک سبز چھتری سائے کئے ہوتے ہے۔ وغیر وغیرہ۔ یہ لوگ اسی قسم کی تشبیہات سے کام لیتے ہیں۔ کیونکہ لوگ اکثر تشبیہ کے عادی ہیں، لیکن تشبیہ میں درجات ہیں بعض لوگ خدا کی صورت کا خیال کر کے گمان کرتے ہیں کہ اس کے ہاتھ ہیں آنکھیں ہیں، وہ اترتا ہے اور چڑھتا ہے! بعض لوگ اسے ناراضی رضامندی غصہ اور خوشی کے جذبات سے متصف کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ ان تمام باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے۔ ان ان الفاظ کا شریعت نے تاویل کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ لوگوں کو افہام وتفہیم میں آسانی ہو۔ بعض لوگ حقیقت کا ادراک کر لیتے ہیں بعض لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اگر تمام لوگ بلحاظ فہم برابر ہوتے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد باطل ٹھیرتا! رب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ ورب حامل فقہ لیس بفقیہ) ہم ان لوگوں کی اس قسم کی باتوں سے درگذر کرتے ہیں، کیونکہ یہ پاگلوں کا سلسلہ ہے اور شیطان کی بیڑیاں توڑتا ہے +

فصل

مذہب اور فرقہ بندی

شائد تم کہو کہ اس کتاب میں تم نے یا تو مذہب صوفیا کے مطابق یا اشعریوں کے موافق یا بعض متکلمین کے مطابق گفتگو کی ہے! حالانکہ ایک مذہب کے مطابق ہی گفتگو صحیح سمجھی جا سکتی ہے! اب ان مذاہب میں سے کون حق پر ہے! اگر سب ہی حق پر ہیں۔ تو یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ اور ان میں سے بعض حق پر ہیں، تو وہ کونسا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ مذہب کی حقیقت کی شناخت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیسکتی کیونکہ لوگوں کے اس بارے میں دو گروہ ہیں:-

(اوّل) وہ لوگ جو کہتے ہیں، کہ مذہب ایک اسم مشترک ہے تین مرتبوں کی بنا پر (اوّل) جو مناظرات ومباحات کے ذریعہ سے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔

(دوم) جو کچھ تعلیمات وارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔

(سوم) وہ معتقدات جو انسان کے دل میں مشاہدات ونظریات کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

ہر ایک کامل شخص کو اس اعتبار سے تینوں مذاہب حاصل ہوتے ہیں۔ پہلی صورت کے اعتبار سے مذہب یوں ہے کہ جس گھرانے میں پیدا ہوا۔ یا جس استاد سے تعلیم پائی۔ یا جس شہر میں رہائش ہوئی۔ انہی کے مطابق مذہب بھی ہو گیا؛ یہ علاقہ، شہر اور استادوں کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے؛ چنانچہ جو شخص معتزلیوں یا اشعریہ، یا شافعیہ یا حنفیوں کے ملک میں پیدا ہوا اُس کے دل میں وہی بات جم گئی بچپن سے ہی وہ ایک مذہب پر قائم ہو گیا۔ اس کے علاوہ جو طریقہ ہے اُسے وہ ناپسند اور مذموم سمجھتا ہے۔

چنانچہ اُسے معتزلی، شافعی، اشعری یا حنفی کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ ایک خاص خیالات کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ان کی امداد وموالات کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک قبیلہ ہو اور اُس کے مختلف افراد ایک دوسرے کی امداد واعانت کریں؛ اس خاص تعصب کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک جماعت چاہتی ہے کہ میں عوام کی اتباع حاصل کر کے دوسروں پر غالب آجاؤں؛ اور عوام کے سامنے جب تک ایک ایسی جماعت کی حیثیت نہ پیش کی جائے جو غلبہ واستیلا کے رنگ میں ہو، ان کو جوش نہیں آتا؛ چنانچہ تمام دینوں میں مذاہب اسی جماعتی رنگ کے باعث پیدا ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ حسد ونفسانیت کی بلائیں حرکت میں آگئیں؛ ان کا تعصب سخت ہو گیا، اور ایک دوسرے کی امداد کرنے کا جذبہ مضبوط۔ بعض شہروں میں جب سب لوگ ایک مذہب پر متحد ہو گئے اور طالبان ریاست وحکومت لوگوں کی تابعداری حاصل کرنے سے عاجز آگئے تو انہوں نے بعض ایسی باتیں وضع کیں جن کے متعلق ان کا خیال تھا کہ ان کی ضرور مخالفت کی جائے گی۔ اور اُن کے برخلاف تعصب کا اظہار کیا جائے گا؛ جیسے

علم اسود اور علم احمر! چنانچہ ایک گروہ نے کہا حق یہ ہے کہ وہ سیاہ ہے! اور دوسرے نے کہا نہیں بلکہ زرد ہے۔ چنانچہ ان گمراہوں کے سرکردوں کا مقصد حاصل ہو گیا! عوام کی اتباع حاصل ہو گئی! اور مخالفین کا بازار گرم ہو گیا۔ عوام نے خیال کیا کہ یہ بہت اہم باتیں ہیں، وضع کرنے والوں کے سرگروہوں نے وضع کرنے کی غرض جات سے کر لی +

(مذہب ثانی) جو ارشاد و تعلیم کے مطابق اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو استفادہ کرے اور ہدایت پائے۔ اس کی کوئی خاص ایک ضرورت نہیں معین کی جا سکتی۔ بلکہ یہ تعلیم حاصل کرنے والے کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر ایک طالب علم و رشد اپنے فہم کے مطابق عقائد قائم کرتا ہے! اگر مسترشد ترکی ہے یا ہندی یا کند ذہن و درشت مزاج آدمی ہے، اور معلوم ہو کہ اگر اس کے سامنے بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی مقام نہیں، وہ نہ جہان میں داخل ہے نہ اس سے خارج۔ نہ کائنات میں متصل ہے نہ منفصل۔ تو وہ جلدی ہی اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو جائیگا! اور اس کو جھٹلا دیگا! تو چاہیئے کہ اس کے بیان کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے اور یہ کہ وہ بندے کی عبادت سے خوش ہوتا ہے۔ اور مہربان ہوتا ہے! اور اپنے بندوں کو اس عبادت کے بدلے میں جنت میں داخل کر دیتا ہے! اور اگر مسترشد کے متعلق یقین ہو کہ وہ حقیقت کو انذ کرنے کا اہل ہے تو اس کے سامنے حق مبین کا ذکر ہی کیا جائیگا! اس اعتبار سے مذہب متغیر اور مختلف ہو جائیگا! اور ہر شخص کے فہم اور سمجھ کے مطابق اس کی کیفیت ہوگی۔

(مذہب ثالث) وہ عقائد جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک راز کی صورت میں ہیں۔ اُن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا، اور ان کا ذکر صرف اس شخص سے کیا جاتا ہے۔ جو اس کو چکھ کا مرد ہے اور ان حالات و کیفیات میں اس بندے کا شریک ہے! یا اس رتبہ کو پہنچ چکا ہے۔ جو اس باتوں کو قبول کرنے اور سمجھنے کے قابل ہے! اس کی صورت یوں ہے کہ مسترشد ذکی اور ذہین ہو۔ اُس کے دل میں کوئی سوروثی یا دوسرا اعتقاد جاگزین نہ ہو چکا ہو اور نہ اس کا دل کسی خاص رنگ میں رنگا جا چکا ہو۔ جس کا محو کرنا ناممکن ہو! اُس کی

رکی سی ہے۔ جس پر کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس کا ازالہ صرف جلانے یا پھاڑ دینے سے ہو سکتا ہے؛ اس قسم کے آدمی کی طبیعت بگڑ چکی ہے اور اُس کی اصلاح کیطرف مایوس ہو جانا چاہیئے چنانچہ جو کچھ اُس کی خلاف مرضی کہا جائیگا اُسے سُننا پسند نہ کریگا۔ اور اس کی مدافعت کے حیلے تلاش کریگا۔ اور اگر انتہائی طور پر وہ اور اس کی ہمت اُسے سمجھنے پر کمربستہ ہو جائے۔ تو اُسے اپنے فہم کے متعلق شک پیدا ہو جائیگا۔ تو پھر اس بات کا کیا علاج ہے۔ کہ اس کی غرض ہی واقعت اور نہ سمجھنے کی کوشش کرنا ہے۔ اس لئے آخری طریق کا ان تمام باتوں کے ہوتے ساتے بھی ہے کہ اس کے سامنے سکوت اختیار کر لے اور اُسے اپنے حق پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ وہی پہلا اندھا شخص نہیں جو اپنی گمراہی کے باعث ہلاک ہوا ہے۔ غرض یہ لوگوں میں سے ایک گروہ کا یہ طرز عمل ہے۔ اب آیا فریق دوم اور اس میں اکثر لوگ شامل ہیں۔ ان کا قول یہ ہے کہ مذہب ایک ہی ہے، یہی وہ اعتقاد ہے، جو ہر شخص کے حسب حال اور تعلیم و ارشاد کے مطابق بتایا جاتا ہے؛ اور اسی کا خیال دل میں بٹھایا جاتا ہے؛ اور وہ یا مذہب اشعری ہے یا معتزلی۔ یا کرامی یا کوئی اور مذہب پہلے لوگ ان لوگوں سے اس بات میں موافق ہیں کہ اگر وہ مذہب کے متعلق پوچھیں کہ آیا وہ ایک ہے یا تین تو تین کہنا جائز نہ ہوگا بلکہ واجب ہے کہ کہدیا جائے کہ وہ ایک ہی ہے۔ اگر تم عقلمند ہو تو تمہاری مذہب کے متعلق زحمت سوال کو باطل کر دیگا۔ کیونکہ لوگ زبانی طور پر اس بات میں متفق ہیں، کہ مذہب ایک ہی ہے۔ پھر وہ اپنے باپ کے مذہب یا اپنے معلم کے مذہب یا اپنے اہل شہر کے مذہب پر اڑے رہنے کے متعلق بھی متفق ہیں، اگر کوئی شخص اپنے مذہب کا ترک کرے تو تمہیں اس میں کوئی منفعت حاصل نہ ہوگی۔ دوسرا شخص آئے گا تو اُس کی مخالفت کرے گا۔ ان میں سے کسی کے پاس بھی کوئی ایسی مخبر العقول سند نہیں۔ اسے وہ اپنی جانب کا پلڑا جھکا سکے۔ تم سب مذاہب کو برابر سمجھو اور سچائی کو فکر کے ذریعہ سے تلاش کرو؛ تاکہ تم خود صاحب مذہب ہو جاؤ؛ اور اندھوں کی طرح نہ بنو۔ کہ اپنے رہنما کے پیچھے اندھا دھند روانہ ہو، اور وہ تمہیں ایک رستہ پہ چلے، حالانکہ تمہارے ارد گرد ہمارے رہنما کی طرح کے ہزاروں رہنما ہیں

جو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، کہ وہ تمہیں گمراہ کر رہا ہے اور ہلاک کر رہا ہے! انجام کار اپنے رہنما کی غلطی کو معلوم کر لوگے۔ اس وقت سوائے استقلال کے اور کوئی صورت رہائی کی نہ ہوگی۔

خذ ما تراہ ودع شیئاً سمعت بہ
فی طالع الشمس ما یغلیک عن زحل

ہم نے اس قسم کی باتیں اس لئے کہی ہیں، کہ تمہیں اپنے موروثی عقیدے میں شک و شبہ پیدا ہو جائے۔ اور تم طلب و جستجوئے حق میں سرگرم و سرگرداں ہو۔ کیونکہ شکوک ہی حق کی منزل پر پہنچاتے ہیں۔ اور جو شخص شک نہ کرے گا۔ نظر و فکر کام نہ لے گا اور جو غور و فکر سے کام نہ لے گا بصیرت اندوز نہ ہوگا۔ اور جو بصیرت نہ ہوگا۔ اندھا رہیگا۔ اور قعر گمراہی میں پڑا رہے گا نعوذ باللہ من ذالک

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی
آلہ وصحبہ وسلم

تمام شد

۴۰۲

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ

رسالہ مسماۃ بہ

نہایۃ السعادۃ

ترجمہ

بدایۃ الہدایۃ

تصنیف حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

مولوی غلام احمد صاحب منتظم کمیشن قرضہ علاقہ سرکار نظام

در سنہ ۱۳۰۱ ہجری

www.ahnafmedia.com

www.ahnafmedia.com

فہرست مضامین

بدایۃ الہدایت

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
آغاز کتاب	۳	قسم ثانی اجتناب معاصی کے بیان میں	۶۵
قسم اوّل آداب طاعت	۱۱	دل کے گناہوں کا بیان	۸۱
آداب استیقاظ یعنی بیداری	۱۲	آداب محبت و معاشرت باخدا، بابندگانِ خدا	۹۸
آداب دخول بیت الخلاء	۱۳	آداب عالم	۱۰۰
آداب وضو	۱۵	آداب طلبار	۱۰۱
فرائض وضو	۲۰	اولاد کے آداب والدین کے ساتھ	۱۰۲
آداب غسل	۲۲	آداب معاشرت اصناف خلق کے ساتھ	۱۰۳
آداب تیمّم	۲۲	بیان رعایت حقوق محبّت	۱۰۹
آداب روانگی مسجد	۲۳	آداب محبّت	۱۱۰
آداب دخول مسجد	۲۴		
ذکران آداب کا جو طلوعِ آفتاب سے زوال تک لازمی ہیں۔	۳۳		
آداب نماز	۳۸		
آداب نوم	۴۳		
آداب الصلوٰۃ	۴۸		
آداب امامت	۵۶		
آداب جمعہ	۵۸		
آداب صیام	۶۲		

www.ahnafmedia.com

الحمد للہ حق حمدہ والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ من بعدہ بعد حمد وصلوۃ کے گزارش ہی کہ اندنون رسالہ بدایۃ الہدایۃ تصنیف حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس عاجز کے نظر سے گذرا اوسکے مضامین افادت آگین کے لحاظ سے بے اختیار جی چاہا کہ اوسکا ترجمہ بغرض افادہ و نفع عام کے کیا جاے اس رسالہ کے دو حصہ ہین پہلا حصہ عبادات سے متعلق ہی۔ اور دوسرا حصہ اخلاق سے۔ عبادات مین جسقدر مسائل بیان ہوے ہین وہ سب مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہین۔ اس لئے بالخصوص شافعیون کیلئے یہہ ترجمہ بہت ہی سودمند ہوگا۔ اور دوسرے ائمہ

www.ahnafmedia.com

کے پیروی کرنیوالونکے واسطے بھی یہہ رسالہ اسواسطے کارآمد ہے کہ اسمین اکثر وہ ادعیہ مندرج ہین جو خاص جناب رسالت مآب صلعم سے ماثور ہین۔ دوسرا حصہ تو عام مضامین اخلاق سے متعلق ہی جو عموماً مفید ہی اور یہہ حصہ جسقدر دلچسپ ہی اور باوجود اختصار کے کیسے کیسے سود مند ابواب کا اوسمین ذکر ہی اسکا امتیاز ذوق سلیم خود کرسکتا ہی۔ ترجمہ مین نفس مضمون کا زیادہ تر خیال رکھا گیا ہی۔ محض لفظی ترجمہ کا چندان لحاظ نہین کیا گیا۔ اسواسطے کہ لفظی ترجمہ مین اکثر تعقیدات واقع ہوجاتے ہین جو عام طلباء کے لئے مفید نہین ہی۔ اور بعض جگہہ مراقی العبودیۃ (شرح اصل رسالہ) کے مضامین بھی مناسبت مقام کے لحاظ سے کچھ کچھ بڑہادے گئے ہین فقط

غلام احمد

آغاز کتاب

جو شخص کہ استحصال علم کا حریص اور آرزومند ہو۔ اوسکو پہلے ہی اسبات کا فیصلہ کرلینا چاہئے کہ تحصیل علم سے اوسکا مقصود کیا ہی۔ اگر صرف ابنای جنس مین فخر و مباہات اور امتیاز و خصوصیت کا حاصل کرنا ہی۔ یا جرمتاع دنیوی پیش نظر ہی۔ تو اوسکو یقیناً سمجھہ لینا چاہئے کہ وہ خود

آپ اپنے ہلاک نفس اور تخریب دین کے کوشش مین ہی۔ اور یہہ چاہتا ہی کہ عمدہ متاع دین کو فضول نمود دنیوی کے معاوضہ مین بیچڈالے پس اس قسم کا معاملہ بے سود ہی۔ اور ایسی تجارت بیفایدہ۔ بلکہ اس قسم کی تعلیم کا وبال معلمین پر بھی ہے کہ اونکی ایسی تعلیم جو منجر بہ فساد ہوا اونکو بھی اس خسارت مین شریک حال کر دیتی ہی۔ ایسے معلمین کی مثال اوس شخص کی سی ہی جو رہزنون کے ہاتہہ ہتیار بیچے۔ چنانچہ جناب رسالتمآب صلعم ارشاد فرماتے ہین مَنْ اَعَانَ عَلٰی مَعْصِیَۃٍ وَلَوْ بِشَطْرِ کَلِمَۃٍ کَانَ شَرِیْکَاَہٗ یعنے جو شخص کہ معصیت پر تائید کرے اگرچہ ایک جزء لفظ کے ساتھہ بھی ہو تو وہ اوسکا شریک ہی۔ اور اگر تحصیل علم سے یہہ نیت ہو کہ جہل نفسانی دور ہو جاے۔ جہال کی تعلیم و تربیت کیجاے احیاے دین اور بقاے اسلام مین کوشش کرے۔ جھوٹے نام و نمود کا خیال نہو۔ الحاصل یہہ خواہش ہو کہ سارا سامان اپنے پروردگار کے رضامندی کا فراہم کرے تو ایسے نیک نیتی کے نتایج کا کیا کہنا اوسکی فضایل یہانتک مروی ہین کہ جب ایسا شخص تحصیل علم کیلئے چلتا ہی تو ملائکہ اوسکے پیر کے نیچے اپنے پرون کو بچھا دیتے ہین۔

اور جب تک وہ اس شغل مین مصروف رہتا ہی دریا کے مچھلیان تک اوسکے حق مین دعاے مغفرت کرتے رہتے ہین - بہرحال سب سے پہلے اسبات کا جاننا ضرور ہی کہ ہدایت جو ثمرۂ علم ہی اوسکی ایک ابتدا ہی اور ایک انتہا اور ایک ظاہر ہی اور ایک باطن اوسکی انتہا تک پہونچنا بغیر اوسکے ابتدا کے استحکام کے محال ہی اور اوسکے باطن کا حال معلوم کرنا بدون واقفیت اوسکے ظاہر کے دشوار ہی - اسلئے ہم یہان ہدایت کے ابتدائی امور کو ذکر کرتے ہین تاکہ ہر شخص اون کے ساتھ اپنے نفس کی آزمایش اور قلب کا امتحان کرے - اگر کوئی شخص اپنے دل مین ہدایت کے حاصل کرنیکا سچا میلان دیکھے - اور نفس مین اسکے حاصل کرنے کی قابلیت پاوے تو یہہ سمجھنا چاہئے کہ اوس مین مدارج نہایات کمالات کے حصول کی بھی صلاحیت موجود ہی اور وہ علوم اسرار لدنی سے بھی حظ وافر حاصل کرسکیگا اگر برخلاف اسکے نفس مین تجاہل و تساہل پایا جاوے اور بہ اقتضاے ہدایت عمل کرنے مین لیت ولعل ہو تو سمجھ لے کہ نفس امارہ اوسپر اپنا عمل کیا چاہتا ہی اور شیطان اسبات کے درپے ہی کہ اوسکو اپنا مطیع و منقاد بنالے تاکہ اپنے مکر و فریب سے قعر ہلاک مین جھونک دیوے اور بعوض حصول سعادت کے شرو

فساد مین مبتلا کردے۔ یہی نہین بلکہ اون لوگون مین شمار ہو جاے جنکے
اعمال بدترین اعمال ہین۔ اور جنکی سعی و کوشش دنیا مین ضایع گئی ہی اور
اپنی کج فہمی سے یہہ سمجھے ہوے ہین کہ ہم نیک کام کر رہے ہین۔ ایسے
لوگون کے بہکانے کیلئے اگر چہ شیطان فضیلت علم اور مراتب علما کو بھی ظاہر
کرتا ہی۔ اور جو کچھ فضایل کا ذکر اخبار و احادیث مین آیا ہی اوسکو سناتا ہی
مگر باوجود اسکے اس مضمون حدیث کے سمجھنے سے اونکو غافل رکھتا ہی کہ
مَنِ ازْدَادَ عِلْمًا وَلَمْ يَزْدَدْ هُدًى لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا بُعْدًا
یعنے گو کسی نے بہت کچھ علم بھی حاصل کیا ہو لیکن اوسپر ہدایت کا پرتو نہ پڑا
ہو تو اللہ سے سواے دوری کے اور کوئی چیز حاصل نہین ہی۔ اور نیز
وہ شخص اس مضمون سے نابلد ہی کہ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ
عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهِ سخت تر عذاب قیامت کے دن اوس عالم
پر ہو گا کہ جسکو علم سے فائدہ نہ پہنچے اور وہ جناب رسالت مآب صلعم کے
اس دعاے عبرت انگیز سے بھی ناواقف ہی جو آپ اکثر بارگاہ قدس مین
کیا کرتے تھے کہ اے پروردگار پناہ چاہتا ہون مین ایسے علم سے جو نفع بخش نہو

ف اس دعا کا یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَعَمَلٍ لَا يُرْفَعُ وَدُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ

اور اوس دل سے کہ جسمین تیرا ڈر نہو۔ اور ایسے عمل سے کہ جو مدارج عالی پر نہ پہنچائے۔ اور اوس دعا سے جو مقبول نہو۔ اور نیز فرماتے ہین کہ مین نے معراج کی شب ایک ایسی جماعت دیکھی کہ جنکے ہونٹ مقراض نار جہنم سے کٹے ہوے تھے مین نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو تو اونہون نے کہا کہ ہم وہ لوگ ہین جو دوسرون کو نیکی کی ہدایت کرتے رہے مگر خود اوسسے غافل تھے۔ اور دونکو شر سے پرہیز کرنیکا حکم کرتے تھے حالانکہ ہم خود اوسمین مبتلا تھے۔ جبکہ علما کی یہ وجہ ترک عمل ایسی دردانگیز حالت ہی تو جہلا کا خدا ہی حافظ ہی۔ پس انسانکو مواخذہ الہی سے بچنے کے لئے جو کچھ حفاظت کرنی ہی وہ ظاہر ہی۔ یہانتک تو حصول علم کی ضرورت کا ذکر تھا۔ اب مقاصد علم کا حال سُنئے کہ بعض تو صرف حصول رضاے الٰہی اور مراتب اخروی کے لحاظ سے تحصیل علم کرتے ہین جنکا شمار زمرۂ فائزین مین ہے اور بعضون کو دنیوی وجاہت و جاہ کا خیال حصول علم کے طرف مائل کرتا ہی تاکہ وہ اپنی زندگی کو عمدہ حالت مین بسر کرین جب ایسی نیت ہوجاتی ہی تو ایک قسم کی رکاکت اور خست مقصود سے متعلق ہوجاتی ہی جس سے ایسے گروہ کی حالت خطرناک ہوجاتی ہی۔ کیونکہ اگر قبل توبہ کے اجل نے

تعجیل کی تو سوء خاتمہ کا خوف ہی اور ان لوگون کے لئے یہہ بات بھی مشیت ایزدی سے متعلق ہی کہ فایز بہ توبہ ہون۔ اور اعمال نیک کے اختیار کرنے سے تلافی مافات ہو جائے اور بمصداق اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ وہ بھی فایزین مین محسوب ہو جائین۔ تیسرے درجہ مین وہ لوگ ہین کہ جنہون نے ظاہر و باطن مین بالکل اغراض نفسانی کی پابندی کی ہی اور علم کو محض ذریعہ حصول وجاہت اور تفاخر دنیوی کا خیال کیا ہی اور باوجود اسکے جو علماء کی ہیئت اور لباس اور گفتگو مین اونکے رسوم اختیار کئے ہوے ہین تو یہہ سمجھتے ہین کہ بارگاہ اقدس مین بھی مرتبت حاصل ہی۔ درحقیقت یہہ لوگ ہالکین سے ہین اس لئے کہ اونکا یہہ خیال ابلہانہ کہ ہم فائزین سے ہین اونکو توبہ کرنے سے بھی محروم رکھتا ہی اور وہ اس آیۂ کریمہ سے بھی غافل ہین کہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ اے ایمان والو ایسے باتین کیون کرتے ہو کہ جسپر تمہارا عمل نہین ہی اور انہین لوگون کے مناسب حال جناب رسالتمآب صلعم ارشاد فرماتے ہین اَنَا مِنْ غَیْرِ الدَّجَّالِ اَخْوَفُ عَلَیْکُمْ فَقِیْلَ وَمَا هُوَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ عُلَمَاءُ السُّوْءِ یعنے مجھے دجال کے سوا سے بھی

اور لوگون سے تمکو مضرت پہنچنے کا زیادہ تر خوف ہی تو صحابہ نے
عرض کیا کہ یارسول اللہ دجال کے سوائے اور کس سے مضرت کا
اندیشہ ہی تو آپ نے فرمایا کہ عالمان بے عمل سے یعنے وہ جو صرف
برائے نام عالم کہلاتے ہین جنکا علم زبان ہی پر ہی اور دل نور علم
سے منور نہین ہی یہہ بھی منافقین مین سے ہین جنہون نے علم کو
محض حرفہ کے طور پر حاصل کیا ہی اونکی غرض فقط دنیا حاصل کرنا ہی
کیونکہ دجال کا کام تو صرف گمراہ کرنا ہی اور یہہ علما گو زبان سے دنیا
کے برائیان سناکر لوگون کے دل کو اوس سے پھراتے ہین مگر
زبان حال و اعمال سے اوسمیں پھنسنے کی ترغیب دلاتے ہین۔
اور یہہ ظاہر ہی کہ بہ نسبت اقوال کے افعال کو طبیعت مین زیادہ تر
اثر ہی۔ خاص کر جہال کو امور دنیا کے جانب جو میلان ہو جاتا ہی
وہ ایسے ہی علما کے جراءت دلانے سے ہی۔ پس باوجود اسکے
کہ انکا علم باعث گمراہی عوام الناس ہی کبھی تو یہہ حصول جنت کی تمنا
مین مبتلا ہین۔ اور کبھی جمع مال کی آرزو انکی دامنگیر ہی۔ اور کبھی
بلحاظ علمیت اس خبط مین بھی مبتلا ہین کہ ہم اکثر بندگان خدا سے

مشخص و ممتاز ہین۔ لہذا انسان کو چاہیئے کہ حتی الامکان فریق ثانی (مخاطرین) سے پرحذر رہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہین کہ توبہ کرنے مین جلدی نہین کرتے اور تعجیل اجل کیوجہ سے اپنی عاقبت بگاڑ لیتے ہین اور فریق ثالث (ہالکین) مین ہو جانے سے تو بہت ہی احتراز کرنا لازم ہی کیونکہ اس سے سوائے ہلاکت کے مطلقاً نجات کی توقع ہی نہین ہی۔ بہرحال اب ہم اصل مقصود کے طرف رجوع کرتے ہین یعنے بیان کرتے ہین کہ بدایت ہدایت کیا ہی تاکہ ہر شخص اوسکو سمجھے اور اوسکا تجربہ کرے۔ بدایت ہدایۃ ظاہری تقوی ہی اور نہایت ہدایۃ باطنی تقوی۔ بہرحال سرمایۂ نجات انسان تقوی ہی۔ اور جو لوگ صفت تقوی سے متصف ہین وہی فایزین سے ہین۔ تقوی امتثال اوامر الٰہی اور اجتناب مناہی کو کہتے ہین پس امتثال و اجتناب کو ظاہری تقوی سے جہانتک تعلق ہی یعنے اداب طاعات اور اداب ترک معاصی اسکا ذکر بطور اختصار کے کیا جاتا ہی اور اسکے ساتھہی اداب صحبت کا ذکر بھی مناسب ہی تاکہ یہہ کتاب جملہ مطالب ضروری کی جامع ہو جاوے۔

قسم اوّل اداب طاعات

اوامر الٰہی کے دو قسم ہین فرایض اور نوافل فرایض بمنزلہ راس المال اور اصل تجارۃ کے ہی اور اسیکے ذریعہ سے انسان مہلکات سے نجات پاسکتا ہی اور نفل قایم مقام نفع کے ہی اور وہی مدارج اعلی پر پہونچنے کا ذریعہ ہی چنانچہ حدیث قدسی مین وارد ہی قال صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تبارک وتعالی ما تقرب الی المتقربون بمثل ادآء ما فترضت علیھم ولا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ولسانہ الذی ینطق بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا حضرت رسالت مآب فرماتے ہین کہ جناب باری عظم شانہ سے یہہ ارشاد ہوتا ہی کہ مقربین بارگاہ قدس نے میرا تقرب اون احکام کے ادا کرنے سے نہین حاصل کیا ہی جو اونپر فرض کردئے گئے ہین بلکہ ہمیشہ بندہ کا تقرب ادای نوافل سے زیادہ ہوتا ہی یہانتک کہ مین اوسکو دوست رکھتا ہون اور جب مین اوسکو دوست رکھتا ہون تو مین خود اوسکے کان ہوجاتا ہون کہ جسکے ذریعہ سے وہ سنتا ہی اور اوسکے آنکھہ ہوجاتا ہون

جسکے ذریعہ سے وہ دیکھتا ہی۔ اوسکی زبان بنجاتا ہون جس سے وہ گفتگو کرتا ہی اوسکا ہاتھہ ہو جاتا ہون جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہی اور اوس کے پیر بنجاتا ہون جس کے وسیلہ سے وہ چلتا پہرتا ہی اس درجہ تقرب کے حاصل کرنے کیلئے یہہ بھی شرط ہی کہ قلب و جوارح سے اوامر الہی کے حفظان کی پابندی از صبح تا شام رہے کیونکہ خداوند عالم ظاہر و باطن کے حالات سے واقف ہی تمامی خطرات اور حرکات و سکنات پر اوسکا علم محیط ہی حالات خلوت و جلوت سب اوسپر کہلے ہوے ہین ہر ذرہ کے سکون و حرکت پر وہ مطلع ہی خیانت چشم اور مخفیات صدور کو وہ جانتا ہی کوئی بہید اوسپر پوشیدہ نہین ہی لہذا چاہیئے کہ اجتناب معاصی اور حصول اداب طاعات مین کوشش لگی رہے جو ذریعہ حصول تقرب بارگاہ ایزدی کا ہی لیکن اسبات کا حاصل کرنا بغیر تقسیم اوقات اور دوام ورد وظایف کے محال ہی یعنے وقت بیداری سے وقت استراحت تک اوامر الہی کا پابند رہنا لازمی ہی۔

آداب استیقاظ یعنی بیداری

علے الصباح سونے سے اوٹہنے کی عادت کرنی چاہیئے اور پہلی جو

www.ahnafmedia.com

چیز دل مین خطور کرے یا زبان سے نکلے وہ اپنے پروردگار کا ذکر
ہو اس لئے یہہ دعا پڑہا کرے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا
وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْکُ لِلّٰہِ وَالْعَظَمَۃُ وَالسُّلْطَانُ لِلّٰہِ
وَالْعِزَّۃُ وَالْقُدْرَۃُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَصْبَحْنَا عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ
وَعَلٰی کَلِمَۃِ الْاِخْلَاصِ وَعَلٰی دِیْنِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
وَعَلٰی مِلَّۃِ اَبِیْنَا اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ
اَللّٰھُمَّ بِکَ اَصْبَحْنَا وَبِکَ اَمْسَیْنَا وَبِکَ نَحْیَا وَبِکَ نَمُوْتُ
وَاِلَیْکَ النُّشُوْرُ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْاَلُکَ اَنْ تَبْعَثَنَا فِیْ ھٰذَا الْیَوْمِ
اِلٰی کُلِّ خَیْرٍ وَّنَعُوْذُ بِکَ اَنْ نَّجْتَرِحَ فِیْہِ سُوْءًا اَوْ نَجُرَّہٗ اِلٰی
مُسْلِمٍ اَوْ یَجُرَّہٗ اَحَدٌ اِلَیْنَا نَسْاَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الْیَوْمِ وَخَیْرَ
مَا فِیْہِ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذَا الْیَوْمِ وَشَرِّ مَا فِیْہِ لباس
پہننے کے وقت بھی خدا کے احکام کا یعنے ستر عورت کا خیال رہے
کیونکہ جو لباس لوگون کے دکہلانیکے غرض سے پہنا جاتا ہی وہ خسرانکا باعث ہی

آداب دخول بیت الخلا

بیت الخلا میں داخل ہونے کے وقت بایان پاؤن پہلے رکہے اور

واپسی کے وقت سیدھا پاؤن - برہنہ سر ننگے پاؤن بیت الخلا مین
سجانا چاہیئے اور ساتھہ کوئی ایسی چیز نہونی چاہیئے کہ جسپر خدا یا
اوسکے رسول کا نام لکھا ہوا ہو بیت الخلا مین جانیکے وقت یہہ دعا
پڑھے بِسْمِ اللّٰہِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الرِّجْسِ النَّجِسِ الْخَبِیْثِ الْمُخْبِثِ الشَّیْطٰنِ
الرَّجِیْمِ اور واپس نکلنے کے وقت پڑھے غُفْرَانَکَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّیْ مَا یُؤْذِیْنِیْ وَاَبْقٰی فِیَّ مَا یَنْفَعُنِیْ قضاے حاجت
کے وقت کلوخ موجود رکھے قضاے حاجت کے جگہہ پانی سے
استنجا نکرے اور پیشاب کے بعد کھنکارے اور تین دفعہ عضو تناسل
کو سونت دے اور اوسکے نیچے بایان ہاتھہ پھیرے کہ جس سے
قطرات باقیماندہ خارج ہو جائین اگر جنگل مین قضاے حاجت
کی ضرورت ہو تو ایسی جگہہ اختیار کرے کہ لوگون کی آمد و رفت
نہو اور اگر ایسا ممکن نہو تو کسی چیز کی آڑ کرلے قضاے حاجت کو
بیٹھنے سے پہلے برہنہ نہو چاند اور سورج کے محاذی نہ بیٹھے قبلہ
کے جانب رو و پشت نکرے مجمع سے پرہیز کرے آب غیر جاری
مین پیشاب نکرے ثمردار درختون کے نیچے نہ بیٹھے پتھر اور سخت

زمین اور ہوا کے رخ پر پیشاب نکرے کہ چھینٹین نہ اوڑین اسیکے متعلق یہہ حدیث وارد ہی کہ اِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ اور جب قضاے حاجت کے لئے بیٹھے تو بائین پیر کے جانب ذرا جھکا رہے کھڑے ہو کر پیشاب نکرے۔ مگر بضرورت استنجا پہلے کلوخ سے اور پھر پانی سے افضل ہے اگر اقتصار مقصود ہو تو صرف پانی پر کفایت کرے۔ اگر کلوخ پر اقتصار مقصود ہو تو تین پتھر پاک ہون بول اور نجاست کو اس ترکیب سے پاک کرے کہ نجاست منتقل نہو قضیب کو بڑے پتھر پر تین مختلف جگہہ چھوانے سے بھی طہارت حاصل ہوتی ہی اگر تین پتھر کافی نہو تو پانچ سات یا طاق عدد جو کچھ ہو لے سکتے ہین کیونکہ عدد طاق مستحب ہی استنجا بائین ہاتھہ سے کرین اور بعد طہارت کے اس دعا کو پڑہے اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَحَصِّنْ فَرْجِيْ مِنَ الْفَوَاحِشِ بعد طہارت کے ہاتھہ کو زمین یا دیوار پر رگڑ کر پانی دہونا چاہیے

اداب وضو

قبل از وضو مسواک کرین کہ منہہ پاک ہوتا ہی یہہ فعل پسندیدہ خدا ہی شیطان

اوس سے بہاگ جاتا ہی ایک وقت مسواک کے ساتھ نماز ادا کرنا
بلا مسواک کے ستر نماز سے افضل ہی چنانچہ ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت ہی کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی
اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ فِیْ کُلِّ صَلٰوۃٍ جناب رسالت مآب فرماتے ہین
کہ اگر دشوار نہوتا میری امت پر تو حکم کرتا مین کہ ہر نماز کیلئے مسواک کرین
وَعَنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِالسِّوَاکِ حَتّٰی خَشِیْتُ اَنْ یُّکْتَبَ
عَلَیَّ اور نیز ارشاد ہوتا ہی کہ مجھے خداوند عالم کا حکم خاص کر مسواک کے بارہ
مین اس تاکید کے ساتھ ہوا ہی کہ مجھکو خوف تھا کہ کہین فرض نہ ہو جائے
وضو کے وقت قبلہ کے طرف متوجہ ہو کر بلند جگہ بیٹھے تاکہ چھینٹین نہ اوڑین
ہاتھ دہونیکے قبل اس دعا کو پڑہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ
وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ پہر ہاتھ تین مرتبہ دہووے اور کہے
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الْیُمْنَ وَالْبَرَکَۃَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشُّؤْمِ وَالْھَلَکَۃِ
رفع حدث یا استباحت صلوٰۃ کی نیت کرے مگر نیت منہ دہونے کے
قبل کرنی چاہئے پہر تین مرتبہ مضمضہ کرے پانی راس حلقوم تک پہنچایا جاوے
بشرطیکہ روزہ دار نہو کیونکہ روزہ کی حالت مین اسقدر مبالغہ سے منع

کا خوف ہو اور یہہ دعا پڑہے اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ کِتَابِکَ وَکَثْرَۃِ الْبُکَاءِ
لَکَ وَثَبِّتْنِیْ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ اور پہر تین مرتبہ
ناک مین پانی لیوے اور جو کچھ رطوبت ناک مین ہو اوسکو پاک کرے اور جب
ناک مین پانی لیوے تو اس دعا کو پڑہے اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ
وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ اور جب بینی پاک کرے تو اس دعا کو پڑہے اَللّٰھُمَّ
اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ رَوَائِحِ النَّارِ وَسُوْءِ الدَّارِ پہر اسیطرح منہہ کو پیشانی
سے تہوڑی تک طول مین اور عرض مین ایک کان سے دوسری کان تک
دہونا چاہیے تاکہ جہان کہین چہرہ پر بال ہون جیسے ابرو وغیرہ خوب تر
ہو جائین۔ اور عورات کو پیشانی کی ابتدا مانگ کے قریب سے خیال کرنا چاہیے
اگر ریش کم ہو تو بالون کے تہ مین پانی پہونچانا واجب ہی گنجان ہو تو
انگلیون سے خلال کیا جاوے منہہ دہونے کے وقت یہہ دعا پڑہے
اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ بِنُوْرِکَ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہُ اَوْلِیَائِکَ وَلَا تُسَوِّدْ
وَجْھِیْ بِظُلْمَاتِکَ یَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْہُ اَعْدَائِکَ پہر دونون ہاتہہ بعادت
معروف کہنی تک دہوین بہ ترتیب یعنی پہلے دہنا اور پہر بایان اور
دہنا ہاتہہ دہونے کیوقت یہہ دعا پڑہے۔ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ

وَحَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَسِيْرًا بایان ہاتھہ دھونے کے وقت یہہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ تُعْطِيَنِيْ كِتَابِيْ بِشِمَالِيْ یا شمالی کے جگہہ

وَرَآءَ ظَهْرِيْ پڑھے پھر مسح سر بالاستیعاب بطریق معلوم کرے اور اوسوقت

یہہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ غَشِّنِيْ بِرَحْمَتِكَ وَاَنْزِلْ عَلَيَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ وَاَظِلَّنِيْ

تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّكَ اَللّٰهُمَّ حَرِّمْ شَعْرِيْ وَبَشَرِيْ

عَلَى النَّارِ پھر تازہ پانی لیکر کانون کا مسح کرے بانیطور کہ اندر اور باہر

سب تر ہو جاوے اور انگشت ہای شہادت سے کانون کے اندر مسح کرے

بیرونی جہت کا مسح سر انگشت سے کیا جاوے اور اسوقت یہہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ وَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اَللّٰهُمَّ

اَسْمِعْنِيْ مُنَادِيَ الْجَنَّةِ فِي الْجَنَّةِ مَعَ الْاَبْرَارِ پھر گردن کا مسح بطریق

معمول کیا جاوے اور اوسوقت یہہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ فَكَّ رَقَبَتِيْ مِنَ النَّارِ

وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ پھر دونون پانون ٹخنون تک دھوے

اور انگلیون کا خلال بانیطور کرے کہ پہلے بائین ہاتھہ کے چھوٹی انگلی سے

سید ہے پانون کے انگلیون مین خلال کرے مگر ابتدا سید ہے پائون

کے چھوٹی انگلی سے کیجاوے اور پھر علی الترتیب خلال کرتے ہوے

ایکذا اپنا چہرا بائین ہاتھہ کی ہتھیلی سے

کیا بائین ہاتھہ سے داہنا ہاتھہ دھونا جامہ ۱۲

ای پروردگار اپنی رحمت مین ڈھانپ لے

پھر تری رحمت مین اور مانگ کچھ اپنے برکتون کی اور

یا سایہ کر مجھہ پر اپنے عرش کے سایہ تلے جس دن

کہ سایہ نہ ہوگا مگر تیرا سایہ

ایکذا اپنے ہاتھہ کی ہتھیلی سے

ایکذا اپنے ہاتھہ کی ہتھیلی سے

ایکذا اپنے ہاتھہ کی ہتھیلی سے

بائین پانون کے خنصر پر ختم کرے۔ انگشت خلال کو نیچے کے طرف سے
انگلیون کے بیچ مین پہونچا دے سیدہا پانون دہونے کے وقت یہہ
دعا پڑہے اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ مَعَ اَقْدَامِ عِبَادِكَ
الصَّالِحِیْنَ بایان پانون دہوتے وقت یہہ پڑہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ
اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ فِی النَّارِ یَوْمَ تَزِلُّ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ
وَالْمُشْرِكِیْنَ پانون کے دہونے مین احتیاط یہہ ہے کہ نصف ساق
تک ہو۔ بہرحال ہر ہر عضو پر تین تین مرتبہ پانی پہنچایا جاوے۔ اور
جب وضو سے فراغت ہو تو آسمان کیطرف متوجہہ ہوکر یہہ دعا پڑہے
اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ
مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ سُبْحَانَكَ اَللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْھَدُ
اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْٓءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِیْ۔ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ
اِلَیْكَ فَاغْفِرْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ
مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِیْنَ
وَاجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا شَكُوْرًا وَاجْعَلْنِیْ اَذْكُرُكَ ذِكْرًا كَثِیْرًا وَّاُسَبِّحُكَ
بُكْرَۃً وَّاَصِیْلًا۔ وضو مین ان دعاؤن کے پڑہنے سے کل خطیات

متعلقہ اعضا معاف ہوجاتے ہین وضو پر مہر ہوجاتی ہی۔ اور عرش کے نیچے جگہہ دیجاتی ہی کہ ہمیشہ وہ تسبیح و تقدیس مین مصروف رہے ایسے وضو کا ثواب قیامت تک لکھا جاتا ہی۔ حدیث شریف مین وارد ہی کہ جو شخص وضو کیوقت ادعیہ مذکورہ پڑہے اوسکا تمام جسم پاک ہوجاتا ہے ورنہ صرف اوسیقدر پاک ہوگا جہان پانی پہونچا ہو۔ **فرائض وضو یہہ ہین** منہہ اور ہاتون کو کہنیون تک دہونا۔ مسح سر کرنا۔ پانون ٹخنون تک دہونا نیت۔ ترتیب۔ وضو مین سات چیزون سے احتراز چاہئے (۱) ہاتہون کو نہ جھٹکائین کہ پانی دور ہوجاوے۔ (۲) منہہ دہونے اور مسح سر کیلئے تھوڑا تھوڑا پانی لیکر نہ کہیلتے رہین۔ بلکہ ایک بار دونون ہاتہہ سے پانی لیکر منہہ بھی دہوے اور مسح بھی کرے (۳) وضو کے وقت گفتگو نہ کرے (۴) کسی عضو کو تین مرتبہ سے زیادہ نہ دہویا جاے (۵) حاجت سے زاید پانی صرف نکرے۔ اکثر بوجہ وسواس ایسا کیا جاتا ہی مگر اوس سے احتراز لازم ہی کہ اہل وسواس کا شیطان مضحکہ کرتا ہی۔ اور اس مضحکہ کنندہ شیطان کا نام ولہان ہی

* ابلیس کے نون لڑکے ہین ہر ایک کا نام اور عمل حسب ذیل ہی (صفحہ ۲۱ دیکھو)

(۶) جو پانی کہ تابش آفتاب سے گرم ہوا اوس سے وضو نہ کرے (۷) کانسہ کے ظرف سے بھی وضو نکرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) ا **خنزب** وسوسہ انداز نماز

۲ **ولھان** مخل طہارۃ

۳ **زلبور** زا مفتوحہ اور لام مشدد وسے۔ بیع و شرا مین بُرائی پیدا کرنے والا جیسے باعین کا جھوٹی قسم کھانا کیل و میزان کا تفرقہ وغیرہ ان سب ابواب کا یہی محرک ہے۔

۴ **اعور** ترغیب دہندۂ زنا۔

۵ **وسنان** واو مفتوحہ و سین مہملہ ساکنہ۔ نیند کا غلبہ اور نماز مین سستی اوسکی ترغیب سے ہے۔

۶ **شرھوفیہ** دہندہ مصیبتون اور لڑائیون مین مبتلا کرنے والا شیطان۔

۷ **داسم** بدال و سین مہملتین۔ زن و شوہر مین جھگڑا ڈالنے والا۔

۸ **مطو** میم مفتوحہ اور طاء مہملہ سے۔ محرک کذب۔

۹ **ابیض** یہ انبیا اور اولیا کے خدمت مین رہتا ہے۔ انبیا اس سے محفوظ ہین اولیا اس سے بچنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہین۔ اگر اللہ نے بچایا تو خیر ورنہ وہ بھی آفت مین مبتلا ہو جاتے ہین۔

www.ahnafmedia.com

آداب غسل

اگر احتلام وجماع سے آدمی مجنب ہو تو غسل کرے آداب غسل یہہ ہین۔ پہلے دونون ہاتہہ کو تین بار دہو ڈالے۔ نجاست بدن سے دور کرے اور وضو کرے مگر پانون نہانے کے بعد دہوے۔ اسوجہ سے کہ پانون دہو کر پہر اوسکا زمین پر رکہنا) پانی کا ضایع کرنا ہی۔ جب وضو سے فراغت ہو سر پر تین بار پانی ڈالے اور رفع حدث خبابت کی نیت۔ کیا ہوا ہو پہر سیدہے مونڈہے پر تین بار۔ اور بائین مونڈہے پر بہی تین بار۔ اور بدن آگے اور پیچہے سے تین تین بار ملے۔ اور سر اور داڑہی کے بالون مین خلال کرے اور بدن کے سلوٹون مین اور بالون کی جڑون مین عام اس سے کہ وہ گہنے ہون یا تہوڑے پانی پہونچا دے۔ وضو کے بعد اپنے ذکر کو چہینے سے احتراز کرے کیونکہ اس سے وضو کا اعادہ لازم ہوتا ہی۔ فرایض غسل یہہ ہین نیت۔ ازالۂ نجاست۔ تکمیل جسم کا تر کرنا۔

آداب تیمم

اگر پانی دہونڈنے سے بہی میسر نہ آوے یا بیماری یا درندہ جانور یا حبس کا ڈر ہو یا پانی اسقدر ہو کہ صرف تشنگی کے لئے کافی ہو (تشنگی خود کو یا کسی رفیق کو)

www.ahnafmedia.com

یا پانی بہ قیمت معمولی نہ ملے یا ایسا زخم ہو کہ پانی کے استعمال سے نسا وغضو کا خوف ہو۔ تو ان سب صورتون مین اوسوقت تیمم جایز ہے۔ جسوقت کہ فرض نماز کا وقت آئے۔ تیمم کیلئے چاہئے کہ ایسی زمین دیکھے جسپر پاک اور خالص ونرم مٹی ہو اور اوسپر اپنے دونو ہاتھون کے انگلیان جوڑ کر ہتھڑ مارے اور فرض نماز مباح ہونے کی نیت کرلے۔ اور اونکو اپنے تمام چہرہ پر پہرادے۔ غبار کو بالون کے نیچے پہونچانے مین خواہ وہ تھوڑے ہون یا بہت وقت نہ اوٹھاے۔ پہر انگلی مین اگر انگوٹھی ہو تو نکالدے اور انگلیان کھلی رکھہ کر دوسری ضرب مارے اور ہاتھونکا مسح کہنی تک کرے اگر ایک ضرب کافی نہو تو دوسری ضرب مارے تاکہ کامل مسح ہوجاے پہر ایک ہتیلی کو دوسری ہتیلی سے ملے اور انگلیون کے درمیان خلال کرے ایک تیمم سے ایکوقت کی فرض نماز اور نوافل جتنے چاہین پڑھ سکتے ہین دوسری فرض نماز کے لئے جدید تیمم چاہئے۔

آداب روانگی مسجد

جب طہارت سے فارغ ہوچکے اگر صبح ہوگئی ہو تو صبح کے دو رکعت نماز سنت مکان مین پڑھ لے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے

www.ahnafmedia.com

پہر مسجد کو جاوے جماعت کو ترک نکرے خصوصاً نماز صبح مین کیونکہ تنہا نماز سے جماعت کی نماز ستائیس درجہ افضل ہی مسجد کو جاے تو جلد جلد نہ چلے وقار اور آہستگی کے ساتہہ چاے اور راستہ مین یہہ دعا پڑہے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ وَبِحَقِّ الرَّاغِبِیْنَ اِلَیْکَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ ھٰذَا اِلَیْکَ فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَّلَا بَطَرًا وَّلَا رِیَاءً وَّلَا سُمْعَۃً بَلْ خَرَجْتُ اِتِّقَاءً لِسَخَطِکَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِکَ فَاَسْاَلُکَ اَنْ تُنْقِذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَغْفِرَ لِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

آداب دخول مسجد

مسجد مین داخل ہونے کے وقت سیدہا پانون بڑہاوے اور یہہ دعا پڑہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّصَحْبِہٖ وَسَلِّمْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ۔ مسجد مین بیع و شرا منع ہی اور گم شدہ چیز کی تلاش بھی۔ اگر کوئی ان باتون مین مشغول ہو تو کہے خدا نہ تمہارے معاملہ مین برکت دیوے اور نہ تمہاری گم شدہ چیز تمہین ملے حدیث مین یون وارد ہی کیونکہ مسجد عبادت کیلئے

ہی نہ ایسے ابواب کے لئے مسجد مین داخل ہونے کے بعد بغیر دو رکعت
مستحب پڑھنے کے نہ بیٹھے اگر طہارت نہو یا تحیۃ مسجد کے پڑھنے کا
ارادہ نہو تو تین مرتبہ دعاء باقیات الصالحات یعنے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ
لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ (اور بعض اسکے بعد وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ
اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ بھی زیادہ کرتے ہین) پڑھے اور بعض کہتے ہین
کہ چار بار اور بعضون کا قول ہی کہ سب وضو تین بار پڑھے اور وضو
ہو تو صرف ایکبار اور اگر سنت دو رکعتین گھر پر نہ پڑھی ہون تو ادہنین
دو رکعتون کا پڑھ لینا تحیۃ المسجد کے لئے بھی کافی ہے جب یہہ دو رکعت
پڑھ لے تو پھر اعتکاف کی نیت کرے اور یہہ دعا جو جناب رسالتمآب صلعم
پڑھا کرتے تھے پڑھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِکَ
تَھْدِیْ بِھَا قَلْبِیْ وَتَجْمَعُ بِھَا شَمْلِیْ وَتَلُمُّ بِھَا شَعْثِیْ وَتَرُدُّ بِھَا
الْفَتِیَّ وَتُصْلِحُ بِھَا دِیْنِیْ وَتَحْفَظُ بِھَا غَائِبِیْ وَتَرْفَعُ بِھَا شَاھِدِیْ
وَتُزَکِّیْ بِھَا عَمَلِیْ وَتُبَیِّضُ بِھَا وَجْھِیْ وَتُلْھِمُنِیْ بِھَا رُشْدِیْ
وَتَقْضِیْ لِیْ بِھَا حَاجَتِیْ وَتَعْصِمُنِیْ بِھَا مِنْ کُلِّ سُوْءٍ۔ اَللّٰھُمَّ
اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اِیْمَانًا خَالِصًا دَائِمًا یُّبَاشِرُ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا

حَتّٰى عَلِمَ اَنَّهٗ لَنْ يُصِيْبَنِيْ اِلَّا مَا كَتَبْتَهٗ عَلَيَّ وَرَضِّنِيْ
بِمَا قَسَمْتَهٗ لِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ اِيْمَانًا صَادِقًا وَيَقِيْنًا
لَيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ وَاَسْاَلُكَ رَحْمَةً اَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الْفَوْزَ
عِنْدَ اللِّقَاءِ وَالصَّبْرَ عِنْدَ الْقَضَاءِ وَمَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ
وَعَيْشَ السُّعَدَاءِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْاَعْدَاءِ وَمُرَافَقَةَ
الْاَنْبِيَاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِيْ وَاِنْ ضَعُفَ
رَاْيِيْ وَقَصُرَ عَمَلِيْ وَافْتَقَرْتُ اِلٰى رَحْمَتِكَ فَاَسْاَلُكَ
يَا قَاضِيَ الْاُمُوْرِ وَيَا شَافِيَ الصُّدُوْرِ كَمَا تُجِيْرُ بَيْنَ
الْبُحُوْرِ اَنْ تُجِيْرَنِيْ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ
الْقُبُوْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُوْرِ۔ اَللّٰهُمَّ مَا قَصُرَ عَنْهُ
رَاْيِيْ وَضَعُفَ عَنْهُ عَمَلِيْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِيَّتِيْ وَاُمْنِيَّتِيْ
مِنْ خَيْرٍ وَعَدْتَهٗ اَحَدًا مِنْ عِبَادِكَ اَوْ خَيْرٍ اَنْتَ
مُعْطِيْهِ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَاِنِّيْ اَرْغَبُ اِلَيْكَ فِيْهِ
وَاَسْاَلُكَ اِيَّاهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِيْنَ

مُهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَالِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ حَرْبًا لِأَعْدَائِكَ
سِلْمًا لِأَوْلِيَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ النَّاسَ وَنُعَادِيْ
بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ مِنْ خَلْقِكَ اَللّٰهُمَّ هٰذَا الدُّعَاءُ
وَعَلَيْكَ الْإِجَابَةُ وَهٰذَا الْجُهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ
وَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ
إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اَللّٰهُمَّ ذَا الْحَبْلِ الشَّدِيْدِ
وَالْأَمْرِ الرَّشِيْدِ أَسْأَلُكَ الْأَمْنَ يَوْمَ الْوَعِيْدِ
وَالْجَنَّةَ يَوْمَ الْخُلُوْدِ مَعَ الْمُقَرَّبِيْنَ الشُّهُوْدِ الرُّكَّعِ
السُّجُوْدِ الْمُوْفِيْنَ لَكَ بِالْعُهُوْدِ إِنَّكَ رَحِيْمٌ
وَدُوْدٌ أَنْتَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ سُبْحَانَ مَنْ تَعَطَّفَ
بِالْعِزِّ وَقَالَ بِهِ سُبْحَانَ مَنْ لَيْسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ
بِهِ سُبْحَانَ مَنْ لَا يَنْبَغِي التَّسْبِيْحُ إِلَّا لَهُ سُبْحَانَ ذِي الْفَضْلِ
وَالنِّعَمِ سُبْحَانَ ذِي الْقُدْرَةِ وَالْكَرَمِ سُبْحَانَ الَّذِيْ
أَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ بِعِلْمِهِ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِيْ نُوْرًا فِيْ قَلْبِيْ وَنُوْرًا
فِيْ قَبْرِيْ وَنُوْرًا فِيْ سَمْعِيْ وَنُوْرًا فِيْ بَصَرِيْ وَنُوْرًا فِيْ شَعْرِيْ

www.ahnafmedia.com

وَنُوْرًا فِیْ بَشَرِیْ وَنُوْرًا فِیْ لَحْمِیْ وَنُوْرًا فِیْ دَمِیْ وَنُوْرًا فِیْ عِظَامِیْ
وَنُوْرًا مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَنُوْرًا مِنْ خَلْفِیْ وَنُوْرًا عَنْ شِمَالِیْ وَنُوْرًا
مِنْ فَوْقِیْ وَنُوْرًا مِنْ تَحْتِیْ اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ نُوْرًا وَاَعْطِنِیْ نُوْرًا
وَاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اس کے بعد فرض
نماز کے پڑھنے تک ذکر اور تسبیح اور قرات مین مشغول رہے اس اثنا
مین جب موذن اذان شروع کرے تو اوسکا جواب دے یعنے
اگر وہ اَللّٰہُ اَکْبَر کہے تو آپ بھی اللہ اکبر کہے اسی طرح ہر ایک کلمہ
مگر حیعلتین مین یعنے جب وہ کہے حیّ علی الصلوٰۃ وحیّ علی الفلاح تو
لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کہے اور بجواب اَلصَّلٰوۃُ
خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے کہے صَدَقْتَ وَبَرِرْتَ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ
الشَّاھِدِیْنَ کہے قامت مین بھی اسیطرح کہنا چاہئے مگر قد قامت
الصلوٰۃ کے جواب مین اَقَامَھَا اللّٰہُ وَاَدَامَھَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضُ کہے اور جب جوابات موذن سے فراغت ہو تو یہ دعا
پڑھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِنْدَ حُضُوْرِ صَلٰوتِكَ وَاَصْوَاتِ
دُعَائِكَ وَاِدْبَارِ لَیْلِكَ وَاِقْبَالِ نَھَارِكَ اَنْ تُوْتِیَ مُحَمَّدًا

www.ahnafmedia.com

نِ الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيعَةَ وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ
الْمَحْمُودَ الَّذِي وَعَدْتَّهُ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ يَا اَرْحَمَ
الرَّاحِمِيْنَ۔ اگر حالت نماز مین اذان کی آواز آوے تو پہلے نماز
تمام کرے اور پھر ادائے جواب کے طرف مشغول ہو۔ اگر نماز باجماعت
ہو تو بمجرد تکبیر تحریمہ امام کے مشغول باقتدا ہو اور بعد اتمام نماز کے یہہ دعا
پڑہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ اَللّٰهُمَّ
اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَاِلَيْكَ يَعُوْدُ السَّلَامُ فَحَيِّنَا
رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ
وَالْاِكْرَامِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَلِيِّ الْاَعْلَى الْوَهَّابِ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ
يُحْيِي وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَهْلُ النِّعْمَةِ وَالْفَضْلِ وَالثَّنَاءِ
الْحَسَنِ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ
وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ بعد اسکے دعای جامع الکلم یعنے
وہ دعا پڑہے جو جناب رسالت مآب صلعم نے حضرت عایشہ صدیقہؓ

الْاَمْرِ بِيَدِكَ لَا بِيَدِ غَيْرِكَ وَاَصْبَحْتُ مُرْتَهِنًا بِعَمَلِيْ فَلَا فَقِيْرَ
اَفْقَرُ مِنِّيْ اِلَيْكَ وَلَا غَنِيَّ اَغْنٰى مِنْكَ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ لَا تُشْمِتْ
بِيْ عَدُوِّيْ وَلَا تَسُوْءْ بِيْ صَدِيْقِيْ وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتِيْ فِيْ دِيْنِيْ وَ
لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّيْ وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِيْ وَلَا تُسَلِّطْ
عَلَيَّ بِذَنْبِيْ مَنْ لَا يَرْحَمُنِيْ۔ اس کے بعد دعوات مشہورہ سے
جو میسر ہو پڑھے بہرحال نماز صبح پڑھنے کے بعد طلوع آفتاب تک
اوقات چار کاموں کے لئے منقسم ہوں اس ترتیب سے۔
وظیفہ دعوات۔ وظیفہ اذکار و تسبیحات۔ وظیفہ قرات قرآن
وظیفہ تفکر۔ وظیفہ تفکر میں جن باتوں کا خیال ضرور ہے وہ
یہ ہیں۔ ذنوب۔ خطیات۔ قصور عبادت۔ خوف عذاب
تضیع اوقات۔ تدارک مافات۔ تاکہ کوئی برائی سرزد نہو۔ طاعات
ممکنہ کے ادا کرنے کا خیال رہے۔ اور اوس میں بھی افضلیت
کا لحاظ ہو۔ اور نیز قرب اجل اور امیدوں کو کاٹنے والی موت
کو نہ بھولے۔ یہہ بھی پیش نظر رہے کہ قریب ترسب اختیارات
سلب ہو جائینگے۔ طول امید سے سوائے حسرت و ندامت کے

کچھ حاصل نہو گا۔ اذکار و تسبیحات مین ادعیہ مابعد کا ورد چاہئے

(۱) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

(۲) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ۔

(۳) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ۔

(۴) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

(۵) سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ۔

(۶) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

(۷) اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَسْاَلُهُ التَّوْبَةَ وَالْمَغْفِرَةَ۔

(۸) اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا رَادَّ لِمَا قَضَيْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

۹ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّصَحْبِہٖ وَسَلِّمْ

۱۰ بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ہر ایک دعا کو سو مرتبہ یا ستر یا اقل مرتبہ دس بار پڑھے قبل طلوع آفتاب کے سکوت اولیٰ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ان اذکار کا ورد آٹھ بردے (اولاد اسمعیل علیہ السلام سے) آزاد کرنے سے افضل ہے۔

ذکر اوقات آداب کا جو طلوع آفتاب سے زوال تک لازمی ہیں

بعد طلوع کے جبکہ آفتاب بقدر یک نیزہ کے بلند ہو تو دو رکعت نماز پڑھیں۔ مگر احتیاط یہ ہے کہ کراہت کا وقت زایل ہو جاوے۔ کیونکہ فرض نماز صبح کے متصل کسی اور قسم کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جب آفتاب بلند ہو اور چوتھائی دن نکل آوے تو نماز ضحیٰ پڑھے۔ چار یا چھ۔ یا آٹھ رکعت مگر دوگانہ دوگانہ ادا کرے۔ بہرکیف چونکہ نماز عمل نیک ہے آمین کمی و زیادتی اپنی اپنی ہمت اور مرضی پر موقوف ہے۔ طلوع آفتاب سے زوال تک سوائے نماز مذکورہ کے اور کوئی نماز نہیں ہے ان سب عبادتوں کے بعد جو وقت بچ رہے اوسکی تقسیم حسب تفصیل ذیل چاہئے

طرح ہونی چاہئے۔

یا تو وہ وقت طلب علم دین مین صرف ہو کہ بیکار وقت کا ضایع کرنا محض فضول ہے۔ علم دین وہی ہے کہ جس سے خدا کا خوف زاید ہو۔ اور عیوب ذاتی پر اطلاع ہو۔ خداوند عالم کی عبادت کی خواہش پیدا ہو۔ دنیا کی رغبت گھٹے آخرت کا لگاؤ بڑھے۔ کردار بد سے ڈرتا رہے۔ مکر و کید شیطان سے خایف ہو کیونکہ اسکا مکر اون علما کو خدا کے غضب مین مبتلا کر دیا ہے کہ جنکا ظاہر و باطن یکسان نہین ہے۔ اور جو محض گندم نما اور جو فروش ہین یعنے وہ جو دنیا کے مقابلہ مین دین کی کچھ بھی حقیقت نہین سمجھتے بلکہ علم کو ایک عمدہ ذریعہ حصول اموال سلاطین اور اوقاف یتامیٰ و مساکین کا خیال کرتے ہین اور اپنے تمام اوقات عزیز کو طلب جاہ و مباہات دنیوی یا فضول مجادلہ اور مناقشہ مین صرف کر دیتے ہین جو وقت کہ تعلیم سے بچ رہے وہ کتب فقہ کے مطالعہ مین صرف کرنے چاہئے کیونکہ اس سے عبادات اور خصومات خلق کے جانچ کا ایک عمدہ ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور ایسے عجیب و غریب مسائل معلوم ہوتے ہین کہ جو انسانی معاشرت کے لئے بہت ہی کارآمد ہین یہی علم حق و باطل کے

امتیاز کا معیار ہے اور انصاف کا ترازو مگر اس علم کا حصول بھی بعد فراغ اون علوم کے ہی جو منجملہ فرض کفایہ ہین جیسے علم طب وغیرہ۔۔۔

فائدہ اوراد و اذکار مذکورۂ بالا کے تو غل مین اگر کسیقدر طبیعت پر بوجھ معلوم ہو اور رغبت کم پائی جاے تو سمجھ لو کہ شیطان کا دخل دل مین ہو گیا۔ اور ہلاکت کا وقت آ گیا پس اوس سے ضرور بچو کیونکہ شیطان جب ایسی غفلت مین انسان کو مبتلا دیکھتا ہے تو پھر خود ہی اوس کے حال پر رہنا کرتا ہے۔ برخلاف اِسکے اگر تحصیل علوم نافعہ مین دلچسپی ہو کسل و کہالت عاید حال ہو نیت بھی محض خیر ہو یعنے یہ کہ اعمال و اقوال سے احیاے احکام دین کی کوشش کیجائیگی تو یہہ ہر قسم کے نوافل عبادات سے افضل ہے اگر نیت مین فتور ہو۔ اور تحصیل علم حصول غرور کا ذریعہ ہو جاوے جیسا کہ اکثر جہال مین یہہ صفت پائی جاتی ہے تو ایسا علم باعث مزلت اقدام ہے۔

۲ اگر تحصیل علم نافع کی قدرت نہو اور ذکر و تسبیح و قرأت قرآن اور نماز مین مشغول ہو تو یہ درجہ بھی عابدین کا اور سیرت صالحین کی ہی کہ اس سے بھی نجات پا سکتا ہے۔

www.ahnafmedia.com

۳ اگر اس سے بھی فرصت ہو تو اون ابواب کے طرف متوجہ ہونی چاہیئے کہ جس سے عامہ مومنین کو فائدہ اور مسرت پہونچے اور اعمال صالحین مین تائید ہو۔ جیسے فقہا اور صوفیاے کرام کے خدمت۔ بیمار پرسی۔ تیمار داری۔ مسکینون کا کہلانا۔ مشایعت جنازہ کہ ایسے کام اداے نوافل سے افضل ہین۔

۴ اگر اشتغال امور متذکرہ بالا کی توفیق نہو تو اپنے اہل و عیال کے نفقہ کے حصول کی ہی کوشش کرے کہ وہ بھی عبادت ہے اور تا بہ امکان مسلمانون کو کسی قسم کی تکلیف ندی جاے کہ یہ اصحاب یمین کا درجہ ہے اور اقل مدارج دین سے ہی۔ اب اون ابواب کا ذکر ذیل مین کیا جاتا ہے کہ جس سے احتراز واجب ہی کہ وہ شیطان کے مرغوب الیہ ہین العیاذ باللہ۔ ایسے افعال کا ارتکاب کہ جس سے دین کی بربادی ہو۔ مخلوق کو ایذا پہونچانا کہ یہ ہلکین کی صفت ہے اور بدترین اعمال سے ہی۔ بہرکیف بلحاظ مدارج امور دینی کے انسان کی حالت تین قسم پر ہے۔

۱ سالم وہ جو صرف اداے فرایض اور ترک معاصی پر اکتفا کرے

۲ رابع - کہ جو ادائے نوافل پر بھی قادر ہو۔

۳ خاسر - وہ جو ادائے امور متذکرہ بالا سے مقصر ہو۔

پس انسان کو چاہئے کہ حتی الامکان رابح ہونیکی کوشش کرے۔ بالفرض اگر اوس درجہ پر نہ پہونچے تو سالم تو ہو۔ لیکن معاذ اللہ خاسر نہو جائے۔

اور نیز بمقابلہ سایر عباد کے انسان کی حالت تین قسم پر ہی۔

۱ بندگانِ خدا کے حصول اغراض مین بدل ساعی ہو۔ اور اون کے اسباب مسرت کے مہیا کر دینے مین کوتاہی نکرے۔ یہہ درجہ ملایکہ کرام البررہ کا ہی۔

۲ اقل درجہ اسقدر تو ہو کہ ؎ مرا زخیر تو امید نیست شر مرسان

یہہ درجہ بہایم وجمادات کا ہی۔

۳ عقارب وسباع کا درجہ ہی یعنے ؎ نیش عقرب نہ در پی کین ست۔ مقتضای طبیعتش این ست۔ بہرحال اگر درجہ ملایکہ تک عروج نکرے تو درجہ بہایم وجمادات سے بھی نگذر جائے۔ اس بیان سے یہہ ثابت ہوچکا کہ وقت یا تو امور معاش کے حاصل کرنے مین صرف کیا جائے یا معاد کے اگر امور معاش مین تو غل ہو تو نیت تابع امور

معاد کی بھی ضرور ہی۔ اگر لوگون کے میل جول کے ساتھہ امور دین کے
کی حفاظت معرض خطر مین ہو تو عزلت بہتر ہے۔ عزلت مین بھی اگر
وسوسہ پیچھا نچھوڑے اور ورد و وظایف سے بھی اوس کے دفع
کرنے پر قادر نہو سکے تو ایسے عزلت و بیداری سے نوم اولی ہی۔

آداب نماز

نماز ظہر کے لئے زوال سے پہلے آمادہ رہنا چاہئے نماز تہجد وغیرہ
کے لئے جگنے کی عادت ہو تو قیلولہ مناسب ہی بشرطیکہ زوال کے
پہلے فارغ ہو جاے۔ قیلولہ مثل سحر کے ہی یعنے جیسا کہ سحر کرنے سے
روزہ مین مدد ملتی ہی ایسا ہی قیلولہ سے عبادت شب مین تائید ہوتی ہے
بغیر عبادت شب کے قیلولہ کرنا گویا سحر کرکے روزہ نرکھنا ہے بہرحال
اگر قیلولہ کیا گیا ہو تو زوال کے قبل اوٹھہ کر وضو کرے اور مسجد مین
داخل ہو کر نماز تحیتہ پڑہے اور بجز اذان کے چار رکعت نماز ادا
کرے۔ جناب رسالت مآب صلعم اس نماز کو طول قراءت کے ساتھ
ادا فرماتے تھے۔ اور یہہ ارشاد ہوا کرتا تہا کہ اسوقت آسمان کے
دروازہ کھلے رہتے ہین۔ مین دوست رکھتا ہون کہ اسوقت اعمال نیک

کا صعود ہو۔ یہہ چار رکعت سنت موکدہ ہین حدیث شریف مین وارد ہی کہ جس نے یہہ چار رکعت پڑہا اور رکوع وسجود کو اچھی طرح سے ادا کیا تو ستر ہزار فرشتے اسکے نماز مین شریک ہوتے ہین اور شام تک دعاء مغفرت کرتے رہتے ہین پہر امام کے ساتہہ چار رکعت فرض پڑہے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت موکدہ۔ بعد فراغت نماز کے عصر تک ادای امور مفصلہ ذیل مین مشغول رہے۔ ۱ تعلیم وتعلم ۲ اعانت مسلمانان ۳ قرأت قرآن ۴ تحصیل معاش بہ نیت تائید دین۔ پہر قبل از عصر چار رکعت سنت پڑہے۔ (اس کے موکد وغیر موکد ہونے مین اختلاف ہے) مگر اس سنت کے بہت بڑے فضائل ہین۔ حدیث شریف مین وارد ہی کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰہُ اِمْرَأً صَلّٰی اَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ فرمایا سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات نے کہ رحم کرے اللہ اوس شخص پر کہ جس نے عصر کے قبل چار رکعت نماز پڑہا پس ضرور ہی کہ اس دعا مین شریک ہونے کی کوشش کیجاے۔ عصر کے بعد مغرب تک اپنے اوقات کی حفاظت اوسی ترتیب سے کرے جیساکہ ذکر ہو چکا ہے اذکار کا وقت ضایع ہو

یہی قاعدہ حفظ اوقات شبانہ روز کا ہی مگر عمدہ ترتیب حفظ اوقات
کی یہہ ہی کہ ہر وقت کے لئے ایک خاص شغل مقرر ہو کہ اوس سے
تجاوز نہونے پائے۔ اگر اس قسم کا التزام رہے تو وقت کی قدر
معلوم ہو سکتی ہے اگر حفظ اوقات کا خیال نہو اور مہمل اوقات مثل جانوروں
کے (کہ جنکو اپنے وقت کی قدر و قیمت ہی نہین ہوتی) صرف ہون
تو بڑی حسرت و ندامت کی بات ہی۔ کیونکہ عمر راس المال ہے اس کا
ہر لحظہ حفاظت کے لایق ہی۔ بجز تحفظ اوقات کے نعیم دار الابد کے
حصول کا کوی عمدہ ذریعہ نہین ہے۔ ہر لحظہ ایک جوہر بے بہا ہی
کہ جسکا بدل نہین۔ اگر رایگان کھو دیا جاے تو پھر اوسکا ملنا دشوار ہے
پس مثل احمقون کے طلب جاہ و مال دنیوی مین اپنی اوقات کو ضایع
کرنا بیوقوفی مین داخل ہی۔ سب سے بہتر ذریعہ حفظ اوقات کا یہہ ہے
کہ ازدیاد علم و عمل صالح مین صرف ہو۔ یہہ دونون ایسے رفیق ہین
کہ کبھی انسان کا ساتھہ نہین چھوڑتے بخلاف اہل و عیال اور احباب و
مال کے کہ جن سے بہ مجرد قبض روح کے مفارقت ہو جاتی ہے مگر
علم و عمل کا ساتھہ نہین چھوٹتا۔ الحاصل جب آفتاب مایل بہ زردی ہو تو

نماز مغرب کا تہیہ شروع کیا جاوے۔ مسجد مین داخل ہوکر تسبیح و تحلیل
مین مشغول رہے کیونکہ یہہ وقت بھی مثل وقت صبح کے فضیلت
رکھتا ہے۔ بفحوای آیہ کریمہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَ
قَبْلَ غُرُوبِهَا اور قبل غروب آفتاب کے سورۂ والشمس اور واللیل
اور معوذتین پڑہا کرے۔ بہرحال غروب آفتاب تک استغفار مین
مشغول رہے۔ جب اذان کہی جاوے تو جواب اذان کے
بعد یہہ دعا پڑہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِنْدَ اِقْبَالِ لَيْلِكَ وَاِدْبَارِ
نَهَارِكَ وَحُضُوْرِ صَلَاتِكَ نَحْوَ اَصْوَاتِ دُعَائِكَ اَنْ تُؤْتِيَ
مُحَمَّدًا نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ
الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ
پھر نماز فرض پڑہے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت موکدہ اسکے
بعد چار رکعت سنت اوابین طول قیام کے ساتھ پڑہے۔ اگر ممکن
ہو تو نماز عشا تک اعتکاف کی نیت کیجاوے۔ قرآن و نماز پڑہتے
ہوے عشا تک وقت صرف کرنا بیحد فضایل کا باعث ہے (صلوۃ
اوابین کو ناشیۃ الیل بھی کہتے ہین کہ جسکی فضیلت کلام باری

عزاسمہ مین وارد ہی اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا
سرور کائنات علیہ افضل التحیات سے صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم نے
پوچھا کہ یا رسول اللہ آیہ کریمہ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ کے معنی
ارشاد فرمائے تو آپ نے کہا کہ یہہ وہی نماز ہے جو مابین عشا
اور مغرب کے پڑہی جاتی ہے کہ جس سے تمام دن کے لغویات
محو ہو جاتے ہین اور وقت ما بعد کی حفاظت ہوتی ہے) جب عشا
کا وقت ہو تو قبل فرض کے چار رکعت نماز پڑہے اذان واقامت
کے درمیان وقت کی حفاظت ہو حدیث شریف مین وارد ہی
کہ اذان اور اقامت کے درمیان جو دعا کیجاے رد نہین ہوتی
پہر نماز فرض پڑہے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت موکدہ
ان دو رکعت مین سورہ الم سجدہ ۔ تبارک الملک ۔ یاسین شریف
یا سورۂ دخان پڑہے کہ آنحضرت صلعم سے اسطرح پر مروی ہے
پہر چار رکعت مستحب پڑہے ۔ کہ حدیث شریف مین اسکی بہت بڑی
فضیلت مذکور ہے ۔ پہر نماز وتر کے تین رکعت پڑہے ۔ خواہ ایک
سلام سے یا دو سلام سے اکثر جناب رسالت مآب صلعم اس نماز

مین سورۂ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی۔ قل یاایھا الکافرون۔ اخلاص معوذتین۔ پڑھا کرتے تھے۔ اگر قیام لیل کا عزم ہو تو وتر کو سب کے آخر پڑھے اسکے بعد سوائے مذاکرہ علم ومطالعہ کتب کے دوسرے لہو ولعب مین مشغول نہ ہو۔ کیونکہ حدیث شریف مین وارد ہے کہ انما الاعمال بالخواتم یعنے اعمال مین امور عواقب کا اعتبار ہے اسمین کسی بُرائی کا شریک ہونا اچھا نہین ہے۔

آداب نوم

سونے کے لئے بچھونا ایسی ترکیب سے بچھایا جاے کہ جسپر رو بقبلہ سونا ممکن ہو۔ دہنی باز و ایسا سوے جیسا کہ میت کو لحد مین لٹایا کرتے ہین۔ اور یہہ بات پیش نظر رہے کہ نوم مثل موت کے ہے اور بیداری مانند بعث کے ممکن ہے کہ حالت نوم مین روح قبض ہوجاے لہذا مشتاق لقاے جمال کبریا عزاسمہ کو چاہئے کہ باوضو آرام کرے جو کچھہ وصیت ہو لکھہ کر سرہانے رکھے۔ گناہون سے توبہ کرے اور یہہ عزم بالجزم ہو کہ پھر گناہ کا ارتکاب نہوگا۔ تمام مسلمانون کے ساتھہ نیکی کا خیال رکھے اور یہہ سمجھے کہ قریب تر لحد مین ایسا ہی

تنہا سونا ہو کہ جہان سوائے اعمال کے کوئی ساتھ نہوگا اور ثواب بغیر
سعی و کوشش کے نہ ملیگا اور یہ تکلیف نیند کو اپنے پر طاری کرلینا نہ چاہئے
کیونکہ نیند کیا ہے حیات کو معطل کرنا ہے الا اوس صورت مین کہ جاگنے
سے صحت مین خلل آتا ہو کہ اس حالت مین سونا سلامتی دین کا ذریعہ
ہے راتدن کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہین انمین سے راتدن آٹھہ
گھنٹون سے زیادہ نہ سونا چاہئے یہہ بھی کچھہ کم نہین ہے کیونکہ کوئی
شخص ساٹھہ برس زندہ رہا تو اسمین سے بیس برس سونے مین
گئے جو اسکی عمر کا تیسرا حصہ ہے سونے کے وقت سرہانے مسواک
اور وضو کیلئے پانی مہیا رہے۔ قیام لیل کا عزم بھی ہو یا قبل صبح
کے اوٹھے آدہی رات کو دو رکعت نماز کا پڑہنا ایک ایسے خزانہ
خیر کا جمع کرنا ہے جو کمال احتیاج کیوقت (یعنے قبر مین) کام دیگا
کہ جہان دنیا کا سب مال بیکار ہو جاتا ہے۔ سونے کیوقت یہہ
دعا پڑہے بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِاسْمِكَ ارْفَعُهُ فَاغْفِرْ
ذَنْبِي اَللّٰهُمَّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَحْيَا
وَاَمُوْتُ اَعُوْذُ بِكَ اَللّٰهُمَّ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ

دَابَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ
الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَكَ شَیْءٌ وَّاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ وَ
اَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَیْسَ فَوْقَكَ شَیْءٌ وَّاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَكَ
شَیْءٌ اُقْضِ عَنِّی الدَّیْنَ وَاَغْنِنِیْ مِنَ الْفَقْرِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَ نَفْسِیْ
وَاَنْتَ تَوَفّٰهَا لَكَ مَحْیَاهَا وَمَمَاتُهَا اِنْ اَمَتَّهَا فَاغْفِرْ لَهَا وَاِنْ
اَحْیَیْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِیْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ
اَسْاَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ
اَیْقِظْنِیْ فِیْ اَحَبِّ السَّاعَاتِ اِلَیْكَ وَاسْتَعْمِلْنِیْ بِاَحَبِّ الْاَعْمَالِ
اِلَیْكَ لِتُقَرِّبَنِیْ اِلَیْكَ زُلْفٰی وَتُبَعِّدَنِیْ عَنْ سَخَطِكَ بُعْدًا اَسْاَلُكَ
فَتُعْطِیَنِیْ وَاَسْتَغْفِرُكَ فَتَغْفِرَ لِیْ وَاَدْعُوْكَ فَتَسْتَجِیْبَ لِیْ اسکے
بعد آیۃ الکرسی۔ آمن الرسول آخر سورہ تک اخلاص۔ معوذتین
تبارالملک پڑھے اور یون ہی اللہ کا ذکر کرتا ہوے سو جاے
باوضو سونا بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے کہ روح عرش کی سیر مین
مصروف رہیگی بیدار ہونے تک وہ مثل نماز پڑھنے والیکے سمجھا جائیگا
اور جب بیدار ہو تو اون باتون کو عمل مین لاے جنکو ہم اوپر

لکھہ آئے ہین اور عمر بھر اس ترکیب کا پابند رہے اور جو اسکی پابندی
اور مداومت شاق گذرے تو اوسطرح صبر کرے جسطرح کوئی بیمار
شفا کے انتظار مین تلخی دوا پر صبر کرتا ہے اور کوتاہی عمر کا خیال
کرے اور سمجھے کہ اگر مثلاً مین سو برس زندہ رہا تو یہہ مدت بہ نسبت
اوس مدت کے جو مجھے دار آخرت مین رہنا ہے اور جسکی انتہا
نہین ہی بہت ہی کم ہے اور یہہ سوچے کہ جب مین اس امید پر کہ
دنیا مین مثلاً بیس برس تک راحت اور آرام مین رہونگا مہینہ یا سال
بھر کی مشقت و ذلت کی پروا نہین کرتا تو اس امید پر کہ ابدالآباد راحت
و آرام مین رہونگا اس دنیوی زندگانی کے چند روزہ مشقت سے
(جو عبادت مین ہو) کیون اکتا جاؤن اور اوسکی برداشت کیون
نہ کرون اور زندہ رہنے کی امید کو طول نہ دے بلکہ یون سمجھہ لے
کہ موت قریب ہے اور دل مین کہے کہ مجھکو آج کے دن کی عبادت
کی مشقت اٹھا لینی چاہئے اس لئے کہ شاید آج رات مین مرجاؤن
اور رات آئے تو کہے کہ آج رات کے عبادت کی مشقت پر صبر
کرتا ہون اسلئے کہ شاید کل مرجاؤن۔ کیونکہ موت کے آنیکے لئے کوئی

خاص وقت مقرر نہین ہے کوی خاص حالت نہین ہے کوی مخصوص عمر
کی قید نہین ہے بہرحال وہ آنیوالی ہے مگر یہہ معلوم نہین کہ کب آئیگی
اسصورت مین زاد آخرت کی فکر بہ نسبت دنیا کی فکر کے اولی و انسب ہے
اور نیز جانے کہ مجھے دنیا مین بہت تھوڑے دن زندہ رہنا ہے سو ممکن
ہے کہ میری عمر کا ایک ہی دن باقی رہا ہو یا ایک ہی لحظہ غرضکہ ہر روز یہی
خیال کرے اور مشقت عبادت پر صبر کرتا جاے بخلاف اس کے اگر یہہ جانے
کہ مین مثلاً پچاس برس زندہ رہونگا اور پھر مشقت عبادت پر صبر
کریگا ارادہ کرے تو دل عبادت سے اکتا جائیگا اور عبادت دشوار
معلوم ہونے لگیگی۔ اگر اوسطرح عمل کیا جائیگا جسطرح کہ ہم اوپر لکھہ آئے
ہین تو مرنے کیوقت بے انتہا مسرت ہوگی اگر عبادت ایک وقت
سے دوسرے وقت پر ڈالی جاے اور اسمین سستی کیجاے تو موت
اچانک آجائیگی اور سخت سے سخت حسرت ہوگی۔ صبح کو وہی مسافر
منزل پر پہونچکر آرام و چین سے رہتے ہین جو رات کو راہ طے کرتے
ہین اسیطرح وہی لوگ مرتے دم مسرت حاصل کرتے ہین جو اپنی عمر
عبادت مین گزارتے ہین۔ یہہ باتین اچھی طرح معلوم ہونیکا ایک دوسرا

وقت ہی یعنے موت۔ جب ہم ترتیب اور راہ کو بتا چکے ہین تو اب نماز اور روزہ کی کیفیت اور اونکی آداب اور نیز امامت اور جمعہ کے ادا بیان کرتے ہین۔

آداب الصلوۃ

جب وضو سے اور بدن اور کپڑے اور جگہ کی نجاست پاک کرنے سے فارغ ہو جاو اور ناف سے زانو تک ستر کر چکو تو قبلہ رخ دونون پاؤن مین کچھ فاصلہ دیکر اسطرح کھڑے ہو کہ وہ مل نہ جائین اور سیدھا کھڑا رہو اور شیطان سے محفوظ رہنے کیلئے قل اعوذ برب الناس پڑھو اور دل کو خدا کی عبادت کے لئے حاضر رکھو اور اوسکو وسوسون سے خالی رکھو اور اسبات پر نظر ڈالو کہ کسی کے حضور مین کھڑے ہو اور کسی سے مناجات کر رہے ہو اور اپنے مالک کی عبادت ایسے دل سے کرنے پر شرماؤ جو اوس سے غافل رہے اور دنیاوی وساوس اور نفسانی خواہشات سے بھرا ہو۔ اور یہہ سمجھو کہ خدا تمہارے دلی کیفیات پر مطلع ہے اور تمہارے قلب کو دیکھ رہا ہے۔ اور خدا کی درگاہ مین تمہاری نماز کی مقبولیت بقدر

تمہارے دلی خشوع وخضوع وعجز و نیاز کے ہوتی ہی اس لئے نماز ایسے
خشوع وخضوع کے ساتہہ ادا کرو کہ گویا تم خدا کو دیکہہ رہے ہو۔ کیونکہ
اگر اوسکو نہین دیکہتے تو وہ تمکو دیکہتا ہی۔ اور اگر اسوجہ سے کہ تم خدا کے
جلال کی معرفت سے قاصر ہو نماز مین تمکو حضور قلب میسر نہین ہوتا اور
تمہارے اعضا تمہارے قابو مین نہین رہتے تو یہہ خیال کرو کہ ایک
صالح آدمی جو تمہارا بزرگ ہی تمہاری نماز کی کیفیت معلوم کرنیکی غرض سے
تمہاری طرف دیکہ رہا ہی جب یہہ خیال کروگے تو تمہارا دل حاضر اور
تمہارے اعضا ساکن ہو جائینگے اب اپنے نفس کیطرف خطاب کرکے
کہو کہ اے نفس بدکار کیا تو اپنے خالق اور مالک سے اسبات پر
نہین شرماتا کہ جب تو نے اوس بات کا خیال کیا کہ اوس کے بندونمین
سے ایک ذلیل بندہ جسکے ہاتہہ مین نہ تیرا نفع ہی نہ نقصان تیری طرف
دیکہہ رہا ہے تو اعضا متوافع ہو گئے اور نماز اچھی طرح سے ادا کی گئی
پس بڑے غضب کی بات ہی کہ تو یہہ جانتا ہے کہ خدا دیکہ رہا ہی
اور پہر خضوع اور خشوع نہین کرتا۔ کیا تیرے نزدیک خدا تعالے کا
رتبہ اوسکے بندون سے بہی کمتر ہی دیکہہ یہہ کس درجہ کی سرکشی ہی

اور کیسا کچھ جہل ہی اور کیسا بڑا ظلم۔ غرضکہ ان خیالات اور حیلوں سے قلب کا علاج کرے تاکہ وہ نماز میں حاضر رہے اور دولت حضور قلب میسر ہو کیونکہ نماز کا اسی قدر حصہ کارآمد ہے جو سوچ سمجھ کر ادا کیا گیا ہو اور جو حصہ کہ سہو اور غفلت کے ساتھ ادا ہوا ہو وہ استغفار اور کفارہ کا محتاج ہی۔ جب قلب کو حاضر کر چکے تو تنہا فرض نماز کے لئے پہلے اقامت کہے۔ اگر جماعت کے ساتھ ہو تو اذان اور اقامت ہر دو (منفرد شخص کے لئے اذان کا مستحب نہونا اس لئے ہی کہ اذان سے صرف اعلان مقصود ہی۔ تنہائی میں سوائے اپنی ذات کے دوسرے پر اعلان کا موقع ہی نہیں ہو تو پھر اذان کی ضرورت ہی کیا۔ یہ امام شافعی کا قدیم قول ہی مگر صحیح یہ ہی کہ منفرد کیلئے بھی اذان کا کہنا مستحب ہی۔ لیکن فرق یہ ہی کہ جنگل و صحرا ہو تو پکار کر کہے ورنہ آہستہ) پھر نیت اوس نماز کی کرے کہ جسکا ادا کرنا مقصود ہی (بہ تعین وقت۔ خواہ فرض ہو یا سنت یا قصر وغیرہ۔ مقتدیوں کو اقتدا کی نیت بھی چاہئے۔ استحضار صلوۃ کے ساتھ۔ استحضار دو قسم پر ہی حقیقی اور عرفی۔ استحضار حقیقی وہ ہی کہ نماز کی ترکیب بہ تفصیل اجزا پیش نظر رہے۔ یعنے ہر ایک جز کا

یکے بعد دیگرے مستحضر رہنا ضرور ہی۔ استحضار عرفی وہ ہی کہ بہ ہیئت اجتماعی نماز کی ترکیب مستحضر رہے۔ چونکہ نماز نیت کے ساتھ مقترن ہی لہذا مقارنت بھی دو قسم پر ہی حقیقی اور عرفی۔ مقارنت حقیقی وہ ہی کہ ادائے صلوٰۃ کا خیال شروع تکبیر سے ادا تک برابر رہے۔ کسی جزء مین غفلت نہو۔ مقارنت عرفی وہ ہی کہ تکبیر کی کسی ایک جزء کے ساتھ اقتران ہو یعنے یہ نیت کرے کہ مین اسوقت کی مثلاً نماز ظہر اللہ کیلئے پڑہتا ہون تکبیر کے وقت یہ نیت دل مین ہو اور تکبیر سے فارغ ہونے کے قبل دل سے محو نہو جاے نیت کے بعد رفع یدین شانون تک کرے باین طور کہ ہاتھ اور انگلیان بحالت معمولی کہلے رہین۔ ضم اور تفریج مین کوئی تکلف نہو۔ بہر حال دونون ابہام کان کے لو تک پہونچین اور سر انگشت کان کے اوپر تک۔ ہتلیان کہنیون کے محاذی ہون۔ جب ہر چیز اپنے اپنے جگہہ پر پہونچ جاے تو تکبیر اولی کہین۔ اور آہستگی کے ساتھ ارسال کرین رفع یدین اور ارسال مین تعجیل نکیجاے۔ اور دہنے بائین طرف بھی نہ مڑین۔ ارسال سینہ پر تمام کیا جاے۔ جب سینہ پر ہاتھہ رکھین تو سیدہا ہاتھہ بائین ہاتھ پر ہو۔ خنصر و ابہام سے بایان پہونچا تہا ما جاے۔ دوسرے انگلیان

پہونچنے پر کہلی ہوی رکہین اور تکبیر کہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا اور پہر وَجَّہْتُ وَجْہِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ پڑہے۔ اور اسکے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کہہ کر سورۂ فاتحہ شروع کرے مگر اوسے تشدیدات کا خیال رہے کیونکہ حرف مشدد کو جب تخفیف کے ساتھ پڑہا جاے تو ایک حرف ساقط ہو جاتا ہی۔ ضاد اور ظا کے تلفظ مین بھی جہد بلیغ کیا جاے۔ کہ تبدیل حرف سے قرات باطل ہو جاتی ہے اور لفظ آمین کو وَلَا الضَّالِّیْنَ سے نہ ملاوین اگر تنہا نماز ہو تو صبح۔ مغرب اور عشا مین پہلے دو رکعت جہر کے ساتھ ادا کرین اگر ماموم ہو تو جہر کی ضرورت نہین ہی کیونکہ امام خود جہر سے پڑہ لیگا صبح کی نماز مین سورۂ فاتحہ کے بعد طوال مفصل اور مغرب مین قصار مفصل ظہر اور عشا مین اوساط مفصل پڑہا کرے۔ طوال مفصل مین سورہ حجرات تا ق۔ والمرسلات وغیرہ داخل ہین۔ اور قصار مفصل مین والضحی سے آخر قرآن تک کوئی سورت بھی ہو۔ اوساط مفصل مین والسماء ذات البروج یا کوئی دوسری

سورۃ جو اسکے مساوی ہو۔ اگر سفر ہو تو نماز صبح مین قل یاایھا الکافرون قل ھو اللہ احد پڑہے ضم سورہ کے بعد قبل از تکبیر رکوع کے بقدر سبحان اللہ وقفہ افضل ہے۔ حالت قیام مین سر جھکا رہے اور نظر مصلے پر ہو کہ یہہ حضور قلب کا باعث ہی سید ہے یا بائین طرف التفت نہو۔ پہر رکوع کیلئے تکبیر کہے اور رفع یدین بطریق مذکور کرے۔ تکبیر کو اسقدر کھینچے کہ انتہاے رکوع تک پہونچ جاے (تاکہ کوئی جز نماز کا ذکر الٰہی سے خالی نہو) رکوع مین ہتیلیون کو گھٹنون پر رکہے۔ انگلیان کہلی رہین دونون گھٹنون کے درمیان (بقدر ایک بالشت کے) فرق ہو۔ پشت اور گردن اور سر کو ایسا برابر کر دے کہ ایک سطح مستوی معلوم ہو۔ کہنیان پہلو سے جدا رہین۔ مگر عورتون کو اسکے خلاف کرنا چاہئے۔ رکوع مین تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہے۔ اگر منفرد ہو تو سات یا دس تک بھی تسبیح کا زیادہ کرنا مستحسن ہے پہر سر اوٹھاے اور سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے ہوے رفع یدین کرے۔ جب پورا قیام ہوے تو رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ کہے نماز صبح کے رکعت ثانی کے رکوع کے اعتدال مین قنوت پڑہے

پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ کرے مگر اس تکبیر میں رفع یدین کی ضرورت نہیں ہے۔ ترکیب سجدہ کی یہ ہے کہ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر پیشانی رکھے مگر سب اپنے اپنے حال پر کھلے ہوئے ہوں ناک بھی پیشانی کے ساتھ زمین کو لگا دے۔ کہنیاں پہلو سے جدا رہیں۔ پیٹ کو رانوں کے ساتھ نہ ملا دے۔ مگر عورتوں کو اسکا خلاف کرنا چاہیئے۔ ہاتھ زمین پر اسیقدر فاصلہ سے رکھیں جو کاندھوں کے محاذی ہوں۔ دونوں بازو زمین پر نہ بچھا دیئے جائیں۔ سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلی کہے اگر منفرد ہو تو سات سے دس تک بھی زیادتی تکبیر میں ہو سکتی ہے۔ پھر سجدہ سے تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھا دے یہاں تک کہ تعدیل جلسہ کی ہو جاوے۔ جلسہ میں بائیں پیر پر تکیہ کر کے بیٹھے اور سیدھا پاؤں کھڑا رہنے دے۔ دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے۔ انگلیاں کھلے رکھے اور کہے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاعْفُ عَنِّیْ۔ پھر اسیطرح دوسرا سجدہ کرے۔ علی ہذا ہر رکعت میں جلسہ وغیرہ کے اعتدال کا لحاظ رہے پھر قیام کیلئے دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر اس ترکیب سے

اوٹھے کہ دونون پاؤن برابر اوٹھین تقدیم و تاخیر نہو اسیطرح ہر رکعت
ادا کیجاے۔ مگر رکعت ثانیہ کے ابتدا مین بھی تعوذ کا اعادہ مسنون
ہی جب رکعت ثانیہ کے بعد تشہد پڑہنے کے لئے بیٹہے تو سیدہا ہاتھ
سیدہے گہٹنے پر رکہے سوا ے ابہام اور انگشت کے کل انگلیان بند رہین
اور الا اللہ کہنے کے وقت انگشت شہادت کو اوٹہائین۔ مگر کچہ ایک اسکے
کے ساتھ۔ تاکہ سمت قبلہ سے خارج نہوجاے۔) بایان ہاتھ کہلے ہوے
انگلیون کے ساتہہ بائین گہٹنے پر رکہے اور بائین پیر پر زور دیکر بیٹہے
تشہد کے آخر مین بعد درود کے دعاے ماثورہ پڑہے۔ اور بعداز
فراغ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ دو مرتبہ دونون طرف کہہ کر اسطرح
منہ پہیرے کہ رخسارون کے سپیدی دکہای دے۔ سلام کیوقت
نیت خروج از صلوۃ کی چاہیئے۔ اور نیز جانبین کے ملائکہ اور مسلمانون
پر سلام کی نیت کیجاے۔ خشوع اور حضور قلب۔ ترتیل قرارت فہم معنی
کے ساتھ بہت ضروری ہے۔ کہ یہہ عماد الصلوۃ کہلاے جاتے ہین
حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جس نماز مین حضور قلب
نہو تو وہ عقوبت کے قریب ہی۔ جناب رسالت مآب صلعم فرماتے ہین

کہ جب آدمی نماز پڑہتا ہے تو اسکا چہٹا حصہ یا دسوان حصہ نہین لکہا جاتا بلکہ صرف اوسیقدر لکہا جاتا ہے جسقدر کہ اوس نے سمجہا۔

آداب امامت

امام کو چاہئے کہ بلحاظ حالات اہل جماعت کے چہوٹی چہوٹی سورتین نماز مین پڑہا کرے انس رضی اللہ تعالے عنہ سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہین کہ جسطرح مین نے اختصار اور تکمیل کے ساتہ جناب رسالتمآب صلعم کے پیچہے نماز پڑہی ہے ایسی کسی کے ساتہ نہین پڑہی۔ بہرحال جب صفین برابر ہوجائین اور موذن اقامت سے فارغ ہوے تو امام بلند آواز کے ساتہ تکبیر کہے مقتدی کو صرف اسقدر آواز سے تکبیر کہنا چاہئے جو وہی سنے۔ امام کو امامت کی نیت بہی کرنی چاہئے تاکہ اوسکا ثواب ملے۔ اگر نیت نہ کی ہو تو نماز تو صحیح ہوجائیگی مگر صرف منفرد کی سی نماز ہوگی۔ مقتدیون نے اگر اقتدا کی نیت کی ہے تو انکو ثواب اقتدار کا بہی حاصل ہوجائیگا۔ امام کو بہی چاہئے کہ مثل منفرد کے اپنی نماز کو دعاء استفتاح اور تعوذ سے شروع کرے۔ صبح مغرب۔ عشا مین پہلے دو رکعت جہر پڑہے اور لفظ آمین بہی جہر کہے

اسیطرح مقتدی بھی۔ مگر مقتدی کو چاہیئے کہ امام کے ساتھ ہی خود بھی آمین کہے تقدیم و تاخیر نہو۔ امام کو چاہیئے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد تھوڑا سا سکوت کرے۔ تاکہ مقتدی بھی نماز جہریہ مین سورۂ فاتحہ پڑھ لیوے اگر امام کی آواز سنی نہ آئے تو مقتدی کو سورہ پڑھنے کی بھی ضرورت ہے امام کو تحیات رکوع و سجود مین تین بار سے زاید نہ پڑھنا چاہیئے۔ اور تشہد اول مین اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے بعد کچھ نہ پڑھے دو رکعت ثانی مین صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفا کرے۔ بلحاظ جماعت کے تشہد کے آخر مین دعا طول نہ پڑھے۔ سلام کے وقت امام کو یہہ نیت کرنی چاہیے کہ یہہ سلام مقتدیون کے جانب ہے۔ اور مقتدیون کو جواب سلام امام کی نیت کرنی چاہیئے۔ بعد سلام کے تھوڑا توقف کرے۔ اور مقتدیون کے مقابل بیٹھے اور ٹھہرا رہے تاکہ اگر جماعت مین عورات ہون تو وہ چلی جاین امام اپنی جگہ سے جب تک نہ اوٹھے مقتدیون کو بھی انتظار کرنا چاہیئے۔ امام سیدھے یا بائین جسطرف سے چاہے جا سکتا ہے مگر افضل یہہ ہے کہ سیدھے طرف سے جاے۔ قنوت صبح مین امام صرف اپنی ہی خصوصیت نکرے بلکہ اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا کہے یعنے بصیغہ جمع۔ امام دعا قنوت پڑھنے

کیوقت ہاتھ اوٹھانے کی ضرورت نہین ہے (لیکن یہہ قول ضعیف ہے صحیح یہہ ہی کہ ہاتھ اوٹھانا چاہئے) بقیہ قنوت یعنے انک تقضی ولا یقضی علیک سے مقتدی آہستہ پڑھ لے۔ مقتدی کو چاہئے کہ جماعت کے ساتھ کھڑے رہے اگر تنہا ہو تو کسیکو اپنے ساتھ لے لیوے مگر رکعت باندھنے کے بعد مقتدی کو کوئی فعل امام کے پہلے یا اوس کے ساتھ ساتھ نکرنا چاہئے۔ مثلاً جبکہ امام پوری رکوع مین پہونچ جاے تو اوسوقت قصد رکوع کا کرے علی ہذا سجدہ مین بھی۔

آداب جمعہ

جمعہ عید المؤمنین ہی یہہ مبارک دن اس امت کے خصوصیات مین ہی اس متبرک روز مین ایک ساعت مبہم ایسی ہے کہ اوسوقت جو حاجت خدا سے مانگی جاے فوراً مقبول ہوگی پنجشنبہ ہی سے جمعہ کا اہتمام کرنا چاہئے جیسے کپڑون کی صفائی وغیرہ۔ کثرت تسبیح و استغفار اس قسم کے افعال تو پنجشنبہ کے عصر سے اختیار کئے جائین کیونکہ پنجشنبہ کے عصر کے بعد بھی ایک ایسی ساعت ہی کہ جسکے فضیلت ساعت مبہمہ جمعہ کے برابر ہے۔ جمعہ کا روزہ بھی افضل ہے۔ علی ہذا پنجشنبہ اور شنبہ کا

www.ahnafmedia.com

کا روزہ بھی مطلب یہہ ہی کہ صرف جمعہ کا ایک روزہ نہ رکھا جاے بلکہ اسکے
ساتھ دوسرا روزہ بھی رکھے کیونکہ حدیث مین اوسکا امتناع ہی۔ قال[1]
صلی اللہ علیہ وسلم لا یصم احدکم یوم الجمعۃ الا ان یصوم قبلہ
او یصوم بعدہ رواہ شیخان بعد طلوع کے غسل کرے۔ یہہ غسل
ہر ایک مکلف پر واجب ہی۔ اور سپید کپڑے پہنین کیونکہ سپید کپڑا
خدا کو مرغوب ہی۔ حسب مقدور خوشبو بھی لگادین۔ سر مونڈھا وین
ناخن اور لب لین۔ مسواک کرین۔ علی الصباح جامع مسجد مین جائین کہ
مسجد مین بیٹھنے سے انسان کی طبیعت مین سکون پیدا ہوجاتا ہی اور
آدمی عبث افعال سے بچ سکتا ہی۔ حدیث شریف مین وارد ہی کہ جس نے
پہلی ساعت مین مسجد مین داخل ہوا گویا اوس نے ایک اونٹ قربانی
دی۔ اور جو دوسری ساعت مین گیا ایک بکرا قربانی دیا۔ اور جس نے
تیسری ساعت مین داخل ہوا اوس نے ایک گوسپند شاخدار قربانی
کیا اور جس نے چوتھی ساعت مین گیا اوس نے ایک مرغ قربانی کیا
اور جس نے پانچوین مین گیا اوس نے ایک بیضہ دیا۔ جب امام
منبر پر چڑھے تو ملائکہ نامہ اعمال کو لپیٹ دیتے ہین اور قلم پہینک

[1] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصم احدکم یوم الجمعۃ الا ان یصوم قبلہ او یصوم بعدہ رواہ شیخان

دیتے ہین۔ اور اس مبارک وقت مین وہ خود بھی منبر کے پاس خطبہ سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہین۔ جو شخص جسقدر پہلے نماز کو جائیگا اوسقدر اوسکا مرتبہ اللہ کے پاس زاید ہوگا۔ پہلی صف مین شریک ہونا بہتر ہی لیکن جب لوگ جمع ہو جائین تو دوسرون کو دھکا دیتے ہوے نہ جاے اگر کوئی نماز پڑھتا ہو تو اوس کے سامنے سے بھی نہ جاے۔ کسی دیوار یا ستون کے قریب بیٹھین تاکہ دوسرے لوگ اپنے سامنے سے بھی جانے پائین جب مسجد مین داخل ہون تو بدون نماز تحیہ مسجد پڑھنے کے نہ بیٹھین۔ مستحسن یہہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے۔ کیونکہ حدیث شریف مین آیا ہے کہ جو شخص اسکا عادی ہوگا وہ ضرور جنتی ہے۔ امام اگر خطبہ بھی پڑھتا ہو تب بھی تحیہ مسجد ادا کرے۔ مسنون یہہ ہے کہ ان چار رکعتون مین سورۂ انعام۔ کہف۔ طٰہٰ اور یٰسٓ پڑھا کرے اگر اسکا پڑھنا ناممکن ہو تو سورۂ یٰسٓ۔ دخان۔ الم سجدہ۔ سورۂ ملک پڑھے ان آخر صورتون کا جمعہ کے شب مین پڑھنا بہت ہی احسن ہے۔ بصورت مجبوری سورۂ اخلاص اور کثرت سے درود شریف پڑھا کرے۔ خطبہ بادب خاموش بیٹھکر سنے۔ اور اوس کے مضامین سے متاثر ہو اگر دوسرون کو

گفتگو سے منع کرنے کی ضرورت ہو تو اشارہ سے منع کرے الفاظ سے منع نکرے کہ فعل عبث ہی اور فعل عبث کے ارتکاب سے جمعہ باطل ہو جاتی ہے یہی مضمون حدیث شریف مین بھی وارد ہے۔ بہرحال فرض نماز جمعہ کے بعد سات سات مرتبہ سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑہے اور اوسوقت تک گفتگو نکرے۔ اسکی برکت سے امید ہی کہ دوسرے جمعہ تک آفات سے محفوظ رہے۔ اور شیطان کا تسلط اوسپر نہو۔ اس کے بعد یہہ دعا پڑہے یَا غَنِیُّ یَا حَمِیْدُ یَا مُبْدِئُ یَا مُعِیْدُ یَا رَحِیْمُ یَا وَدُوْدُ اَغْنِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَبِطَاعَتِكَ عَنْ مَعْصِیَتِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ جمعہ کے بعد دو یا چار یا چہہ رکعت ضرور پڑہے مگر دوگانہ دوگانہ۔ کہ سرور کائنات علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ سے اسباب مین (رکعتون کی تعداد مین) مختلف روایات آئے ہین۔ نماز جمعہ کے بعد عصر یا مغرب تک مسجد ہی مین رہنا افضل ہی۔ جب تک ٹہرے رہے اوس ساعت مبہمہ کے حصول کے بھی خواستگار رہین جسکی فضیلت مذکور ہو چکی ہی قبل از نماز جمعہ کے فضول اور بیکار لوگون کا مسجد مین جمع ہونا بھی منع ہی لیکن تعلیم و تعلم علم نافع کے لئے جمع ہون تو مضایقہ نہین ہی۔ طلوع و غروب آفتاب

زوال آفتاب۔ اقامت۔ امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت۔ اور جب سب لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں اکثر دعا کیا کرے کہ ان اوقات میں اوس ساعت مبہمہ کے وقوع کا احتمال ہے جمعہ کے روز کچھ صدقہ بھی دیا جاوے۔ اگرچہ کم ہو۔ اقلاً ہفتہ میں ایک روز صرف نیک کاموں کے لئے مخصوص کر دیا جاوے۔

آداب صیام

صرف ماہ رمضان ہی کے روزوں پر اکتفا کرنا نہ چاہیئے بلکہ نفل روزے بھی رکھنا چاہیئے کہ وہ بمنزلہ راس المال کے ہیں اور یہ بمثابہ نفع کے جس سے فردوس میں درجات عالیہ حاصل ہوتے ہیں جو لوگ روزہ نہ رکھیں گے وہ روزہ داروں کے مراتب کو دیکھ کر حسرت کرینگے عرفہ کا روزہ (غیر حاجی کو) یوم عاشورہ کا روزہ۔ عشرۂ اول ذیحجہ۔ محرم۔ رجب اور شعبان میں روزہ رکھنا بہت ہی ثواب کا باعث ہے۔ اور اس کے فضایل بے شمار ہیں اور وہ جو شہور حرام ہیں روزہ رکھنے کے فضایل مرقوم ہیں اوس میں بہہ چار مہینے داخل ہیں ذیقعدہ ذیحجہ محرم رجب اور ہر مہینے میں تین روز یعنے پہلی پندرہویں سلخ کا روز

رکھے۔ اور نیز ایام بیض مین۔ ایام بیض مین یہہ تاریخات شامل ہین تیرہوین چودہوین پندرہوین۔ ہر مہینے کے۔ اور ہر ہفتہ مین دوشنبہ پنجشنبہ جمعہ کا روزہ رکھنا نہایت ہی افضل ہے۔ ہر مہینے کے پہلی تاریخ کا روزہ اوس مہینے کے تمام سیئات کو مٹا دیتا ہے اور باقی روزے سال بھر کے عفو گناہ کے باعث ہین۔ روزہ کے معنی صرف کھانا پینا چھوڑ دینا نہین ہے۔ بلکہ تمام جوارح کے حفاظت بھی مقصود ہی۔ کیونکہ حدیث شریف مین وارد ہی۔ کَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَالْعَطَشُ اکثر روزہ دار تو ایسے ہین کہ اونکو روزہ سے بھوکے اور پیاسے رہنے کے سوائے کوی فائدہ بھی نہین ہے۔ پس روزہ کی حالت مین آنکھہ کو نظر شہوت سے بچاوے۔ اور زبان کو لغویات سے۔ اور ایسی آواز اپنی کانون سے نہ سنے کہ جسکا سننا حرام ہو اسیطرح سب اعضا کی نگہبانی کرنی چاہیئے حدیث شریف مین وارد ہی کہ پانچ چیزون سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جھوٹھ کہنے سے غیبت سے۔ نامی سے۔ جھوٹھی قسم سے۔ نظر شہوت سے۔ اور نیز وارد ہی کہ روزہ برائیون سے بچنے کے لئے ہی۔ لہذا حالت صوم مین

فحش کلام۔ فسق اور افعال جہال کا ارتکاب۔ جیسے تمسخر وغیرہ نہ کیا کرے
بلکہ اگر کوئی شخص لڑنے یا گالی دینے کا قصد کرے تو کہے کہ میں روزہ دار
ہوں۔ افطار حلال چیز سے ہو۔ اور وہ بھی اختصار کے ساتھ۔ کیونکہ
روزہ سے مقصود تو یہ ہے کہ تو ای شہوانی ضعیف ہوں اور تقوی
کی رغبت ہو۔ برخلاف اسکے اگر معمول سے زاید کھاسے تو پھر روزہ
سے جو مقصود ہی وہ مفقود ہو جائیگا۔ خوب سیری سے کھانا اگرچہ
طعام حلال ہو غضب الٰہی کا باعث ہی کہ اس سے فساد کا احتمال ہے
پس جب سیری سے کھایا جاوے تو ایسا روزہ کیونکر مقبول ہو سکتا ہے
بہرحال جبکہ روزہ کی حقیقت پر اطلاع ہو چکے تو لازم ہی کہ جہاں تک
ممکن ہو زیادہ روزہ رکھا کرے کہ اساس عبادت ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی کُلُّ حَسَنَۃٍ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا اِلٰی سَبْعِمِائَۃِ
ضِعْفٍ اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّہٗ لِیْ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ حضرت رسالت مآب فرماتے ہیں
کہ جناب باری سے ارشاد ہوتا ہے کہ ہر ایک نیکی کا ثواب دس گنہ
سے سات سو تک ہی مگر روزہ کہ وہ میرے لئے ہی اور میں اوسکی جزا
دونگا۔ وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَخُلُوْفُ

فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ۔ جناب رسالت مآب صلعم فرماتے ہین کہ قسم ہی اوس پروردگار کی کہ جس کے قبضہ قدرت مین میری جان ہی کہ روزہ دار کے منھ کی بو خدا کے پاس بوی مشک سے زیادہ پسندیدہ ہی۔ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَزَّ وَجَلَّ اِنَّمَا یَذَرُ شَھْوَتَہٗ وَطَعَامَہٗ وَ شَرَابَہٗ مِنْ اَجْلِیْ فَالصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ۔ جناب باری عز اسمہ سے ارشاد ہوتا ہی کہ جبکہ کھانا پینا اور لذت شہوانی روزہ مین میری خوشنودی کیلئے ترک کئے جاتے ہین تو یہہ عمل خاص میرے لئے ہی اور مین اوسکی جزا دونگا۔ وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِجَنَّۃٍ بَابٌ یُقَالُ لَہُ الرَّیَّانُ لَا یَدْخُلُہٗ اِلَّا الصَّائِمُوْنَ۔ فرمایا پیغمبر خدا صلعم نے جنت مین ایکدروازہ ہے کہ جسکا نام ریحان ہی اوس مین کوی داخل نہوگا مگر روزہ دار۔

قسم ثانی اجتناب معاصی کے بیان مین

امور دینی دو قسم پر منقسم ہین ایک وہ جو ترک مناہی سے متعلق ہین دوسرے کسب طاعات سے عبادت کرنا تو آسان ہی مگر مناہی سے بچنا بہت مشکل ہے کہ خاص صدیقین کا حصہ ہی۔ چنانچہ جناب رسالتمآب

www.ahnafmedia.com

صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ السُّوْءَ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ هَوَاهُ یعنے مہاجر وہ ہی جو بُرے افعال کو چھوڑ دے اور مجاہد وہ ہی جو اپنے خواہشات کے ساتھ مقابلہ کرے یہہ تو ظاہر ہے کہ تمام اعضا نعمات آلہی مین سے ہین اور اوس کے امانت ہین پس اللہ تعالی کی نعمت و امانت کو برے افعال مین لگانا کفران نعمت اور خیانت ہی۔ اعضا بمنزلہ رعیت کے ہین انکی نگہبانی کرنی چاہیئے۔ اگر حاکم رعیت کی حفاظت نکریگا تو باز پرس مین مبتلا ہوگا۔ اور یہہ بھی ہے کہ ہر ایک عضو اپنے اپنے کردار کے قیامت مین۔ ایسے صاف اور صریح الفاظ مین گواہی دیگا کہ جس سے نہایت شرمندگی ہوگی۔ چنانچہ قرآن شریف مین آیا ہی یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ اوس دن گواہی دینگے زبانین اور ہاتھ پاؤن اون افعال کے جو ان سے سرزد ہوے ہون اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ آج اونکی زبانون پر مہر کردی جائیگی خود اونکے ہاتھ پاؤن اپنے اپنے افعال کی گواہی دینگے۔ اسلئے ہر ہر عضو کی حفاظت ضرور ہے خصوص ان سات اعضاؤن کی

یعنے آنکھہ - کان - زبان - شکم - فرج - ہاتھہ - پاون کی - دوزخ کے سات دروازے ہین ہر ہر دروازہ کے لیئے عاصیون کی ایک ایک گروہ خاص ہے - عاصیون سے یہان وہ گناہ گار مقصود ہین کہ جنکے اعضاے متذکرہ سے گناہ سرزد ہوے ہون - شارح نے لکہا ہے کہ اول مرتبہ اہل توحید دوزخ مین داخل ہونگے اور بقدر گناہ معذب ہونگے اور نجات پائینگے دوسرے درجہ مین نصاری - تیسری درجہ مین یہود - چوتھے درجہ مین صابئین - پانچوین درجہ مین مجوس - چھٹے درجہ مین مشرکین - ساتوین درجہ مین منافقین - انتہی اب اعضاے سبعہ کے فواید پر غور کرو -

۱ آنکہہ اسواسطے دی گئی ہین کہ اندہیرے مین رہبری کرین - انعام حوایج مین مدد دین عجائبات آسمان وزمین کو دیکہین اور عبرت حاصل کرین پس اوسکی حفاظت خاصہ چار چیز سے ضرور ہی - غیر محرم کا دیکہنا - خوبصورت کو بری نگاہ سے دیکہنا - مسلمان کو بنظر حقارت دیکہنا - مسلمان کا عیب دیکہہ کر ظاہر کرنا -

۲ کان - اسلیئے دیئے گئے ہین کہ خدا ورسول کے کلام کو سنین کہ جس سے نجات ہو اور بزرگون کے اقوال سنین - نہ یہہ کہ راگ یا غیبت

وفحش اور لغو باتون اور برائیون کے سننے مین اسکو صرف کردین اور صرف یہہ خیال نکرین کہ قایل ہی گنہگار رہے بلکہ مستمع بھی شریک گناہ ہی۔

۳ زبان اسلئے دی گئی ہی کہ اللہ کا ذکر کرین قرآن پڑہین لوگون کو ہدایت کرین۔ امور دنیوی اور دینی مین اوس سے مدد لین۔ برخلاف اسکے اکثر بد ایان زبان سے ایسی پیدا ہوتی ہین کہ جس سے بلاشک انسان دوزخ مین ڈالا جائیگا۔ جیسے کذب۔ قذف۔ دشنام۔ نمامی وغیرہ جو شخص بیہودہ اور تسخر آمیز کلمات کہنے کا عادی ہے محض اس لحاظ سے کہ لوگ اوسکی باتون کو سنکر ہنسا کرین وہ ہمیشہ دوزخ مین رہیگا۔ روایت ہی کہ ایک شخص پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مین (معرکہ جنگ مین) شہید ہوا تو ایک دوسرے شخص نے کہا ھَنِیْئًا لَہٗ بِالْجَنَّۃِ یعنے مبارک ہو جنت اسکو۔ تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہہ بات تجھکو کیونکر معلوم ہوی کہ وہ جنتی ہے۔ شاید کہ وہ ایسے کلام کا عادی ہو کہ جو جنت مین داخل ہونیکے مانع ہو۔ یعنے لغو اور فضول پس زبان کو آٹھ چیزون سے بچانا چاہیے۔

(۱) جھوٹ بولنے سے۔ گو تسخر آہی کیون نہو کیونکہ کذب امہات کبایر سے

ہی اس سے انسان کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہی آدمی لوگون کے نظر سے گر جاتا ہے۔ اگر جھوٹ کی بُرائی معلوم کرنا چاہو تو کسی جھوٹ بولنے والیکو دیکھو اور پھر خیال کرو کہ اوس سے تمکو کیسی نفرت ہوتی ہی جب تمہارا یہہ حال ہی تو اس سے صاف ظاہر ہو سکتا ہے کہ اگر تم مین بھی جھوٹ بولنے کی عادت ہو تو تمکو بھی لوگ ایسی ہی کراہت کی نظر سے دیکھینگے۔

(۲) وعدہ خلافی مت کرو جب وعدہ کرو تو اوسکے وفا کا ضرور خیال رکھو بلکہ اصلی احسان تو وہ ہی جو بلا افشا ہو۔ اگر کبھی بضرورت شدید یا مجبوری خلاف وعدگی ہوگئی ہو تو خیر ورنہ یہہ نفاق کی علامت ہی اور بدترین خصایل سے ہی۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ فَھُوَ مُنَافِقٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی مَنْ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ خَلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ جناب رسالت مآب فرماتے ہین کہ تین خصلتیں جس مین ہونگے وہ منافق ہی اگرچیکہ وہ شخص روزہ رکھے اور نماز پڑھے ایک تو جھوٹ بولنا دوسرا خلاف وعدگی۔ تیسرا امانت مین خیانت کرنا

(۳) غیبت بڑی بلا ہی اس سے بچنا چاہئے حدیث شریف مین آیا کہ تیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی غیبت کرنا بدتر ہی۔ غیبت کی معنی

یہہ ہے کہ کسی انسان کا غائبانہ اسطرح ذکر کرنا کہ جسکے سُنے سے اوسکو تکلیف پہونچے۔ غیبت مین دو برائیان ہین ایک تو یہہ کہ جو بات غائبانہ کہی جاے گو، سچی ہو تب بھی غیبت کے معنی مین داخل ہے۔ دوسرا یہہ کہ اگر وہ بات اوس مین نہو تو گویا بہتان ہے۔ سب سے بدتر غیبت نمایشی ہے یعنے مطلب کو ایسے پیرایہ مین بیان کرنا کہ جس سے اپنی عفت اور پاکبازی ظاہر ہو اور دوسرون کی برائی۔ مثلاً یون کہنا کہ (اصلحہ اللہ) خدا فلانے شخص کا بھلا کرے کہ جس نے میرے ساتھ اس قسم کی برائی کی۔ خدا ہمکو اور اوسکو ایسی برائیون سے بچاوے۔ یا اسکے مماثل جو کچھ ہو۔ اس مین بھی دو قسم کے برائیان ہین ایک تو غیبت اور دوسرا اپنی ستایش۔ اگر مقصود اصلحہ اللہ سے محض دعا ہی تو پوشیدہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ کسیکی بدنامی نہونے پاے۔ غیبت کے نسبت جو زجر کہ قران مجید مین وارد ہی وہ انسان کے عبرت کے لیے کافی ہی قولہ تعالی وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ۔ غیبت نہ کرے کوی شخص کسیکی۔ کیا تم مین سے کوی شخص اسبات کو

دوست رکھتا ہی کہ اپنے بھائی کا گوشت کہاوے درانحالیکہ وہ مرا ہوا ہو۔
پس کراہت کروگے تم اوس سے۔ اس تشبیہ سے مقصود یہہ ہی کہ غیبت
سے انسان کے دل کو ویسی ہی تکلیف پہنچتی ہے جیسا کہ گوشت کو جسم سے
جدا کرنے سے بہرحال غیبت سے سخت احتراز کرنا چاہیئے۔ غیبت سے
بچنے کا عمدہ ذریعہ یہہ ہے کہ انسان اپنی مصائب ظاہری اور باطنی پر
غور کرے اور سمجھے کہ جو اسباب خود اپنی خرابی کے باعث ہین وہی دوسرے
کے لئے بھی ہین پس جبکہ کوئی شخص اپنی فضیحت کو گوارا نہین کرتا ہے تو
دوسرے کے اظہار عیوب سے بھی محترز رہنا چاہیئے۔ بلکہ اگر تم کسیکی
عیب پوشی کروگے تو تمہارے عیبون کو خدا چھپاویگا۔ اگر تم دوسرے
کو رسوا کروگے تو اسکے بدلے مین خداوند عالم تمکو دین و دنیا مین رسوا
اور شرمسار کردیگا۔ اگر انسان کو اپنا ظاہری یا باطنی کوئی عیب ہی
نہ معلوم ہو تو سمجھہ لیا جاوے کہ یہہ حماقت کی علامت ہی۔ اور کوئی عیب
حماقت سے بڑھکر نہین ہے۔ اگر خدا کو تمہاری بھلائی منظور ہو تو وہ تمکو
تمہارے عیبون پر مطلع کرادیگا۔ اس صورت مین اپنے آپ کو بے عیب خیال کرنا عبادت
جہل ہی۔ بالفرض اگر کسی مین کوئی عیب دینی اور دنیوی نہو تو اوسپر لازم ہی کہ اس نعمت کا شکر

شکر بجا لائے نہ یہ کہ لوگون کی عیب چینی اور بدگوئی سے سرمایۂ خسران فراہم کرے

(۴) طعن۔ اعتراض خصومت سے احتراز چاہیے۔ کیونکہ اس فعل سے مخاطب کو ایذا پہونچتی ہے۔ اور اپنی خودنمائی ہوتی ہے۔ علاوہ اسکے ان امور کے ارتکاب سے مفت اپنے عیش کو تلخ کرنا ہے۔ کیونکہ اگر مخاطب جاہل ہے تو وہ بھی فوراً بدلہ لینے پر آمادہ ہو جاویگا اور اگر سلیم الطبع ہے تو اوسوقت ٹال جائیگا۔ مگر اوسکے دل مین برای رہیگی اور ضرور کبھی نہ کبھی نقصان پہونچائیگا۔ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَکَ الْمِرَاءَ وَھُوَ مُبْطِلٌ بُنِیَ لَہٗ بَیْتٌ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّۃِ وَمَنْ تَرَکَ الْمِرَاءَ وَھُوَ مُحِقٌّ بُنِیَ لَہٗ بَیْتٌ فِیْ اَعْلَی الْجَنَّۃِ فرمایا جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص جھگڑا کرنا چھوڑدے اوسی حالت مین کہ وہ باطل پر ہو خدا تعالی اوسکے لئے وسط جنت مین گھر بنا دیگا اور جو جھگڑا کرنا ترک کرے اوس صورت مین کہ وہ حق پر ہو تو خدای تعالی اوسکے لئے اعلاء جنت مین جگہ دیگا۔ ایسے موقع مین شیطان کے فریب سے بھی بچنا چاہئے کہ وہ اکثر اسبات کی ترغیب دیتا ہے کہ سچی بات

کے ظاہر کرنے مین تامل کیا جاے گو یہہ سچ ہے مگر وہین تک جبکہ وہ بطریق نصیحت ہو۔ اگر اسمین بھی نمایش شریک ہو گئی تو شیطان کی ہنسائی کا باعث ہی۔ جو شخص اس زمانہ کے علماء سے مخالفت پیدا کر اوسکی طبیعت مین تو ان امور کا زیادہ تر اثر ہو جاتا ہے یعنے بغیر لڑائی جھگڑے کے اوسے فرصت ہی نہین ہوتی۔ کیونکہ وہ اسکو سرمایہ فضل و کمال سمجھتے ہین۔

(۵) تزکیہ نفس۔ یعنے انسان اپنے آپ کو بطریق ستایش آلایش دنیوی سے پاک نہ خیال کرے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ تم اپنے نفوس کو پاک نہ سمجھو۔ وہ تم سے زیادہ جانتا ہے کہ کون زیادہ پرہیزگار ہی۔ ایک حکیم سے پوچھا گیا کہ وہ کون بات ہی جو سچی ہو مگر بری۔ تو اوسنے کہا کہ اپنے آپ تعریف کرنے گو سچی ہو۔ خودستائی مین دو قباحتین اور بھی ہین ایک تو یہہ کہ آدمی ابناے جنس مین ذلیل ہو جاتا ہی دوسرا خدا کے پاس گنہگار۔ خود بینی کی برائی تو انسان کو اوسوقت معلوم ہو سکتی ہی کہ جب وہ دوسرے خود پسند دن کو بچشم عبرت

دیکھیے۔ کہ کیسی کراہت طبیعت مین پیدا ہوتی ہے۔ پس ایسے فعل قبیح کے ارتکاب سے خود وہ دوسرون کے پاس کیونکر مقبول ہو سکتا ہے

(۶) لعنت سے انسان کو بہت ہی بچنا چاہیئے۔ خواہ کسی انسان کے نسبت ہو خواہ حیوان و اجناس کے جیسی غلہ وغیرہ۔ اہل قبلہ کے نسبت شرک و کفر یا منافقی کا اطلاق منع ہے۔ کیونکہ بندون کے بھید کا جاننے والا خدا ہے۔ خدا اور بندون کے درمیان مین دخل دینا نچاہیئے۔ لعنت کوئی ضروری چیز نہین ہے کہ جس سے باز پرس کا خدشہ ہو بلکہ شیطان پر بھی لعنت کرنے سے سکوت کیا جاے تو کچھ سوال نہوگا برخلاف اسکے اگر کسی چیز پر لعنت کروگے تو ضرور مواخذہ عقبیٰ مین گرفتار ہو جاؤگے۔ خدا کی بنائی ہوی چیزون کے مذمت نکرنی چاہیئے حدیث شریف مین وارد ہے کہ جناب رسالت مآب علیہ افضل التحیۃ والسلام بُرے سے بُرے کہانے کی بھی کبھی شکایت نہین کرتے تھے بلکہ عادت شریف یہہ تھی کہ اگر رغبت ہوتی تو تناول فرماتے والا چھوڑ دیتے تھے۔

(۷) کسیکے لئے بددعا نکرنی چاہیئے گو کسی نے ایذا بھی پہنچائی

ہو۔ کہ ظالم سے خود خدا سمجھ لیگا۔ حدیث شریف مین وارد ہے کہ مظلوم اپنے ظالم کے ہلاک کی خواہش کریگا تاکہ اوس مظلمہ کا بدل ہوجاے جو ظالم سے سرزد ہوا تہا۔ اس بدل مین ظالم کا حق مظلوم پر باقی رہ جائیگا۔ جس کا مواخذہ قیامت کے روز مظلوم سے ہوگا۔ بعض لوگون نے حجاج بن یوسف کے نسبت اوس کے ظلم کے لحاظ سے زبان درازی کی ہے اسکی نسبت بھی علماء سلف کا بیان ہے کہ اس زبان درازی کا اون لوگون سے قیامت مین مواخذہ ہوگا گو اوس سے بھی اوس کے ظلم کے نسبت باز پرس ہوگی۔

(۸) تمسخر اور مزاح سے حفاظت لازم ہے۔ یہہ ایسی بری چیز ہے کہ اس سے بوجہ شرمندگی لوگون کا منہ فق ہوجاتا ہے۔ اور رعب و داب مین فرق پڑجاتا ہے۔ مسخری آدمی سے لوگون کو وحشت ہوتی ہے۔ تمسخر اکثر دلشکنی کا باعث اور خصومت و برہمی مزاج اور قطع محبت کی جڑ ہے۔ دلون مین اس سے حسد کی بنیاد قایم ہوجاتی ہے۔ بہرحال اس سے جہانتک ممکن ہو احتراز کرین بلکہ انسان کو چاہئے کہ اس مضمون پر عمل کرین اِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا۔ یعنے کلام لغو سے درگذر و امر

معروف اور نہی منکر کی ہدایت کرو۔ حقیقت مین یہہ ایک بڑی آفت کی چیز ہی اس سے زبان کا بچنا بہت ہی دشوار ہی۔ اس سے بچنے کے لئے عزلت یا خموشی سے بہتر کوی تدبیر نہین ہی۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اکثر منہ مین پتہر رکہا کرتے تہے تاکہ ایسی باتون سے بچین اور زبان کیطرف اشارہ کرکے فرماتے تہے کہ یہی چیز ہے کہ جس سے مجہکو اندیشہ ہی جسقدر ہوسکے اسکی حفاظت کرو کہ اس سے بڑہکر انسان کیلئے کوی مہلک چیز نہین ہی خواہ دنیا مین ہو یا آخرۃ مین۔

۴ حفاظت شکم۔ شبہ اور حرام کہانے سے بچنا چاہئے۔ رزق حلال کی کوشش کرین جب بقدر ضرورت ملجاے تو تہوڑی پر ہی کفایت کرین سیری سے کہانا دل کو سخت بنا دیتا ہی۔ قوت حافظہ مین فساد عبادت اور حصول علم مین کہالت اسیکے بدولت پیدا ہوتی ہی۔ یہی باعث میجان شہوت ہی۔ اسی سے لشکر شیطان کو تقویت پہونچتی ہے۔ جب طعام حلال کا یہہ حال ہو تو واے بر حرام خوری۔ جو شخص کہ حرام کہاے اور عبادت و تحصیل علم مین مشغول ہو تو اوسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوی شخص سرگین سے گہر بناے۔ اگر آدمی موٹے کپڑے اور کہانے

پر راضی ہو جاوے اور لذات شہوانی کو ترک کر دے تو ارتکاب حرام کی ضرورت نہین ہوتی۔ طلب حلال سے مقصود یہہ ہے کہ تا بہ حد علم حرام چیز کا ارتکاب نہو اجرت نوحہ۔ قیمت شراب۔ سود۔ آلات لہو یعنے مزامیر کے ذریعہ سے جو حاصل ہو سب حرام ہی۔ وقف کا مال بغیر شرط واقف کنندہ کے کہانا حرام ہی۔ طالبعلون کے لئے جو چیز وقف نہو وہ غیر طالب العلم کیلئے ناجایز ہی۔ مردود الشہادت کے پاس کہانا حرام ہی۔ اور جو چیز صوفیاے کرام کے نام سے لیجای خواہ از قبیل وقف ہو یا نحو اس مین تصرف حرام ہی۔ مصنف کتاب (امام غزالی رح) نے احیای علوم مین اسکی تفصیل ایک خاص باب مین لکھی ہی اگر اس سے زیادہ تفصیل معلوم کرنی ہو تو احیاے علوم دیکھین کہ معرفت حلال و حرام کے بھی فرض ہی۔

۵ فرج۔ ارتکاب حرام سے فرج کا بچانا ضرور ہی۔ دیکھو خداوند عالم کا کیا ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ۔ ارتکاب حرام سے آدمی اوس وقت تک نہین بچ سکتا جب تک کہ وہ اپنی نظر کی حفاظت نکرے اور جس

وجمال کا خیال دل سے نہ نکالے۔ اور حرام کھانے سے اپنے شکم کو محفوظ نہ رکھے۔ کہ یہ چیزین شہوت کے محرک ہین۔

(۶) ہاتھ۔ مسلمانون کو مارنے اور مال حرام کے لینے سے ہاتھون کو بچانا چاہیئے اور نیز مخلوق کو ایذا دینے سے امانت و ودیعت مین خیانت کرنے سے اور مضامین ناجایز کے لکھنے سے بھی اسکی صیانت ضرور ہی۔

(۷) پانون کو حرام کامون کے کرنے کے لئے جانے سے جیسے کسیکی غیبت کرنے اور مسلمان عورتون کا تعاقب کرنے اور پادشاہ ظالم کے دروازہ تک جانے سے پاؤن کو بچائے۔ بغیر ضرورت شدید کے پادشاہ ظالم کے دروازہ تک جانا گناہ کبیرہ مین داخل ہی۔ کہ خوشامد و چاپلوسی مین داخل ہی۔ اور نیز اوس کے ظلم کو ماننا اور اوسکی ترغیب دلانا ہی۔ حالانکہ خداوند عالم نے اسکی ممانعت کی ہی۔ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ مت رغبت کرو تم اون لوگون کے طرف جو ظلم کرتے ہین تاکہ تمکو دوزخ کے آگ سے گزند نہ پہونچے حدیث شریف مین وارد ہی۔ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ

صَالِحٍ لِغِنَاہُ ذَھَبَ ثُلُثَا دِیْنِہٖ جو شخص کہ تونگر صالح کی تواضع صرف اوسکی مالداری کے لحاظ سے کرے تو اوس کے دین کا تیسرا حصہ کم ہو جاتا ہی جب کہ تونگر صالح کے تواضع کا یہہ حال ہی تو توانگر ظالم کے تواضع اور خوشہ کا کیا نتیجہ ہوگا۔ الحاصل تمام اعضای انسانی خدا کے نعمت ہین ان سے کوی ایسی حرکت واقع نہونے پاے جو موجب معصیت ہو اور تا بامکان اسبات کی کوشش کیجاے کہ یہہ عبادت الٰہی مین مستعمل ہون۔ اگر کوی شخص اسکا خیال نکرے تو وہ اوس وبال مین مبتلا ہوگا جو ان اعضا کے استعمال ناجایز سے واقع ہو۔ بہرکیف نیکی اور بدی کے نتایج تمہارے ہی لیئے مفید اور مضر ہین خداوند عالم تم سے اور تمہارے اعمال سے مستغنی ہے اوسکو کسی چیز کی پروا نہین ہے۔ بعض لوگ خدا کے رحم وعنایت پر بھروسہ کرکے نیک اعمال کو ترک کر دیتے ہین۔ اگرچیکہ خدا رحیم وکریم ہی مگر صرف اس خیال سے اعمال نیک کا ترک کر دینا بھی حماقت مین داخل ہی۔ کیونکہ حدیث شریف مین آیا ہی کہ عقلمند وہ شخص ہی جو اپنے نفس پر ملامت کرے اور طاعت مین مشغول ہو۔ تاکہ اسکا نتیجہ آخرت مین ملے اور احمق وہ ہی کہ اپنے نفس پرستی مین مصروف رہے اور خدا سے

جھوٹی امید رکھے کیونکہ اگر خدا سے سچی اور نیک امید ہوتی تو اوس کے احکام کی تعمیل کرتا اور نیک اعمال کی رغبت ہونا بھی ضرور ہی۔ بغیر اس کے صرف اس قسم کا خیال کر لینا ایسا ہی جیسا کہ کوئی شخص عالم ہونے کا تو خواہشمند ہو مگر لکھنے پڑھنے کی کوشش نکرے اور فقط یہہ بات دلمین قرار دیلے کہ خداوند عالم کریم و رحیم ہی اور اسبات پر قادر ہی کہ بغیر کسب علوم کے بھی دولت علم سے سرفراز کرے جیسا کہ خاص خاص بندون کے ساتھہ سلوک کیا ہی۔ یہہ بات ویسی ہی کہ حصول مال کی تو خواہش ہو مگر کسب و تجارت کا کچھ بھی خیال نہو۔ اور صرف یہہ مان لیا جاے کہ ہرگاہ خدا خزاین سماوات و ارض کا مالک ہی ممکن ہی کہ کوئی خزانہ ہمکو بھی دیدے۔ مگر ہر شخص کو اسطرح کا خیال کر کے کوشش کا چھوڑ دینا محض احمقی ہی۔ خداوند عالم کا ارشاد ہی کہ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ یعنے انسان صرف اپنی سعی سے منتفع ہو سکتا ہی۔ اور پھر ارشاد ہوتا ہے إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ یعنے تمہارے اعمال کی جزا تمکو ملیگی۔ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ۔ نیک بندے بہشت مین ہین اور بد کار جہنم مین۔ جب یہہ حال ہی تو انسان کو زاد آخرت کے جمع کرنے مین ہرگز کوتاہی نکرنی چاہیئے۔ دنیا اور آخرت کا مالک وہی رحیم و کریم

ہماری طاعت سے کچھ اوس کا کرم زیادہ نہین ہوتا۔ اوسکا غایت کرم یہی ہے کہ تمکو نعیم دایم کے حصول کی راہ بتلادے اور نعیم دایم یہی ہی کہ انسان اس چندروزہ دنیا مین ترک شہوات پر قادر ہوسکے اور ہوس باطل کے درپے نہو۔ یعنے یہہ خیال کرے کہ بغیر عمل کے بہی نجات ہوجائیگی کیونکہ بغیر تخم بونے کے درو کی امید کرنا عبث ہی۔ اس لئے ضرور ہی کہ انبیا اور صالحین کی اتباع کیجاے۔ کہ سوای عمل صالح کے مغفرت کی آرزو بیفایدہ ہی۔ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا جو شخص مشتاق لقا اپنے رب کا ہو تو اوسکو عمل نیک کرنا چاہیئے۔ اور نیز اسبات کو سمجہنا چاہیئے کہ اعمال جوارح کا منشا دل ہی۔ اگر بُرے افعال سے اپنے جوارح کی حفاظت منظور ہو تو پہلے دل کے صفائی کی کوشش کرے۔ دل کے صفائی کے لئے باطنی تقوی کی ضرورت ہی۔ کیونکہ دل ایک ایسا جز ہی کہ اگر یہہ پاک ہو تو سب جسم اسکے ساتھ پاک ہوجاتا ہی اگر یہہ خراب ہو اور اس مین فساد پیدا ہوجاے تو تمام جسم مین فساد پیدا ہوجاتا ہی پس اسکے لئے مراقبہ کا التزام ضرور ہے۔

دل کے گناہون کے بیان مین

یہہ بات ظاہر ہی کہ صفات مذمومہ بہت ہین اور اس سے دلکو صاف کرنے کے طریقہ بھی بے انتہا ہین۔ مگر وہ طریقہ اسوجہ سے کہ انسان اپنے سب اوقات زینت دنیا کے حاصل کرنے مین کھو دیتا ہی بالکل مشکل ہوگئے ہین اور اوسکا علم بھی بالکلیہ مندرس ہوگیا ہی۔ (گو کتاب احیاء علوم کے ربع ثالث اور ربع رابع مین اسکا ذکر بتفصیل ہی) تاہم تین چیز جو بالکل خباثت قلب سے ہین اور جس سے احتراز ضرور ہی ذکر کئے جاتے ہین یعنے حسد۔ ریا اور عجب ان سے بہت ہی اپنے دلکو بچانا چاہیئے۔ اگر اس سے نجات ہو تو پھر دوسرے مہلکات سے بچنے کی توقع ہی اگر اسپر دسترس نہو تو پھر خدا ہی حافظ ہی۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ شُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ۔ تین چیز ہلاکت مین ڈالنے والے ہین ایک بخل ہی یعنے خدا اور خلق کا حق ادا نکرنا دوسرے خواہش نفسانی کی اطاعت کرنا۔ تیسرے خود بینی۔ حسد بھی بخل کا شعبہ ہی کیونکہ بخیل وہ ہی کہ جو اپنی چیز غیر کو نہ دے۔ اور شحیح اوسکو کہتے ہین کہ جو نعمات الٰہی پر قادر ہو اور اوس کے صرف کرنے مین بخل کرے۔ حاسد جب دیکھتا ہی

کہ کوئی شخص نعمات الٰہی سے (یعنے علم و مال سے) مالا مال ہو تو اوسکو
بہت ناگوار ہوتا ہی۔ بلکہ ہمیشہ اوس کے زوال نعمت کے خواہش کرتا رہتا ہی
اگرچہ کسیکی زوال نعمت سے اوسکا کوئی فائدہ نہین ہی مگر حسیات کا ایسا ہی
ضرور ہوگا۔ یہہ گویا انتہا درجہ کی خباثت ہی۔ اسواسطے حدیث شریف
مین آیا ہی اَلْحَسَدُ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ یعنے جیسی آگ
لکڑی کو کہا جاتی ہی ویسا ہی حسد نیکیون کو چٹ کر جاتا ہی۔ حاسد ایسا بدبخت
ہی کہ کبھی اوسپر رحم نہوگا وہ ہمیشہ عذاب دنیا مین مبتلا رہیگا کیونکہ دنیا
مین اکثر بندے ایسے ہین کہ جو انعام الٰہی سے سرفراز ہین اونکا دیکھنا ہی
اوسکے لئے جہنم کا کام دیگا۔ جب کہ دنیا کے عذاب کا یہہ حال ہو تو
آخرت کا اللہ ہی نگہبان ہی۔ انسان اوسوقت تک حقیقت و لذت ایمان
سے مستفیض نہین ہوسکتا جب تک کہ وہ اوس چیز کو جو اپنے لئے پسند
اور دوست رکھتا ہی تمام مسلمانون کے لئے دوست نہین رکھتا۔ ظاہر
و باطن تمام کے ساتھ ایک قسم کا برتاؤ چاہیئے کیونکہ سب مسلمان مثل بنائے
واحد کے ہین اور ایک کو دوسرے سے تائید ملتی ہی چنانچہ سعدی
علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہی **قطعہ** بنی آدم اعضای یکدیگراند

کہ در آفرینش زیک جوہر اند ٭ چون عضوی بدرد آورد روزگار ٭
دگر عضوہا را نماند قرار ٭ پس جبتک اسقدر ہمدردی اور محبت باہمی انسان
مین نہ پیدا ہو اوسوقت تک ثمرہ اعمال کے امید رکہنا اور ہلاکت سے
بچنے کا خیال کرنا بے سود ہی۔

۲۔ ریاء۔ یہہ تو شرک خفی ہی۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اِتَّقُوا الشِّرْکَ الْاَصْغَرَ قَالُوْا وَمَا الشِّرْکُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِّیَاءُ فرمایا
جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ شرک اصغر سے بچو تو
پوچہا حاضرین نے کہ یا رسول اللہ شرک اصغر کیا ہی تو آپ نے فرمایا
کہ ریا ہی۔ اصل معنی ریا کے یہہ ہین کہ باظہار خصایل نیک لوگون کے
دلون مین جگہ پیدا کرنا۔ تاکہ نمایش ومنزلت حاصل ہو حب جاہ انسان
مین صرف بوجہ اتباع خواہش نفسانی پیدا ہو جاتی ہی اس مین اکثر لوگ تباہ
اور برباد ہو چکے ہین اور ہوتے جاتے ہین۔ لوگ اگر انصاف کرین
تو سمجہین کہ عبادتی اعمال تو رہے درکنار اونکے علوم وعبادات کی
محرک بھی ریا ونمایش ہی اور یہ ایسی بڑی بلا ہی کہ اعمال حسنہ کے
ثواب کو برباد کئے دیتی ہی۔ چنانچہ حدیث شریف مین وارد ہی کہ جب

بعض شہید قیامت کے دن دوزخ کے طرف کھینچے جائینگے تو عرض
کرینگے کہ ای پروردگار یہہ فعل تو ہمنے تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا
کیا اسکی یہی جزا ہی۔ تو جناب باری سے حکم ہوگا کہ نہین تمھاری یہہ خواہش
تھی کہ لوگ تمکو جوانمرد کہین سو تمھاری یہ خواہش پوری ہوچکی یعنے تم لوگون
مین شجاع کہلاے پس تمہارے لئے یہی اجر تہا۔ یہی حال علما و حجاج و واعظین
وغیرہ کا ہی۔ عجب و کبر و فخر۔ یہہ تو بڑی سخت بیماری ہی۔ عجب وہ ہی کہ
آدمی اپنے آپ کو بنظر عظمت اور دوسرے کو بنظر ذلت و حقارت
دیکھے۔ اور ہر بات مین منم منم زبان پر ہو جیسا کہ ابلیس لعین کا دعوی تہا
کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ مین آدم سے
اچہا ہون کیونکہ تو نے مجھکو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ عجب
سے غرض یہہ ہی کہ لوگون مین اپنی توقیر ہو اور ہر کام اور ہر بات مین
لوگ اپنی عزت کرین کبر کی یہہ معنی ہین کہ ہدایت نیک کے قبول کرنے سے
نفس مین گریز ہو۔ اور تردید قول سے رنج۔ المختصر جو شخص کہ اپنے کو
دوسرون سے اچہا سمجہے وہ متکبر ہی۔ بلکہ انسان کو یہہ یاد رکہنا چاہئے
کہ نیک وہ شخص ہی جو خدا کے پاس بھی نیک ہو مگر اسکا معلوم کرنا محال

ہی کیونکہ وہ متعلق بعلم غیب ہی اسکا حال وقت اخیر معلوم ہوسکیگا۔ یہہ
خیال کرلینا کہ ہم ہی سب سے اچھے ہین جہالت ہی بلکہ چاہئے تو یہہ
کہ ہر شخص کو اپنے سے اچھا سمجھے۔ مثلاً بچون کو دیکھین تو یہہ خیال
کرین کہ یہہ کم سن ہین انہونے معصیت نہین کی ہی۔ اور ہم گناہ مین
مبتلا ہین۔ بیشک یہہ ہم سے اچھے ہین۔ اگر بوڈہون کو دیکھین تو یہہ خیال
کرین کہ انہونے بوجہ کبر سنی ہم سے زیادہ عبادت کی ہی۔ اس لئے
یہہ ہم سے بہتر ہین۔ اگر عالم ہون تو یہہ سمجھین کہ انکو خدا نے ایسی بزرگی
دی ہی جو ہم مین نہین ہی۔ تو ہم انکے برابر کیونکر ہوسکتے ہین۔ اگر کسی
جاہل کو دیکھین تو یہہ سمجھین کہ اس نے بوجہہ لاعلمی بھای کی اور ہم نے
جان بوجھ کر معصیت کی ہی ہمین پر سخت عذاب ہوگا۔ اگر کافر ہو تو
یہہ خیال کرے کہ شاید یہہ کبھی مسلمان ہوجاے اور اسکا خاتمہ بخیر ہو
ممکن ہی کہ وہ مقبول بارگاہ ہوجاے اور ہم مردود رہین۔ الحاصل
تکبر اوسوقت تک دفع ہو نہین سکتا جب تک کہ پوری طور پر یہہ یقین
نہو جاے کہ بزرگ وہ ہی جو خدا کے پاس بزرگ ہی۔ اور اسکا معلوم
کرنا خاتمہ پر موقوف ہی۔ جب یہہ بات بالکلیہ خاطرنشین ہوجاے تو

رفتہ رفتہ تکبر دفع ہوسکتا ہی کیونکہ خاتمہ کا کسکو علم ہی۔ خدا مقلب القلوب
ہی جس کو چاہا ہدایت پر لایا اور جسکو چاہا گمراہ کیا۔ حسد وغیرہ کے برائیون
مین تو بہت سے احادیث ہین مگر یہان صرف ایک حدیث کا نقل کرنا
باقتضاے مقام کافی ہوگا روی ابن المبارک باسنادہ عن رجل انہ
قال لمعاذ یا معاذ حدثنی حدیثا سمعتہ من رسول اللہ صلعم
فبکی معاذ حتی ظننت انہ لا یسکت ثم سکت ثم قال واشوقاہ
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی لقائہ ثم قال سمعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یا معاذ انی محدثک بحدیث
ان انت حفظتہ نفعک عند اللہ وان انت ضیعتہ ولم تحفظہ
انقطعت حجتک عند اللہ تعالی یوم القیامۃ یا معاذ ان اللہ
تبارک وتعالی خلق سبعۃ املاک قبل ان یخلق السموات
والارض فجعل لکل سماء من السبع ملکا بوابا علیہا
فتصعد الحفظۃ بعمل العبد من حین اصبح الی حین امسی
لہ نور کنور الشمس حتی اذا صعدت بہ الی السماء الدنیا
زکتہ وکثرتہ فیقول الملک الموکل بہا للحفظۃ اضربوا بہذا

الْعَمَلِ وَجْهَ صَاحِبِهِ اَنَا صَاحِبُ الْغِيْبَةِ اَمَرَنِيْ رَبِّيْ اَنْ لَّا اَدَعَ
عَمَلَ مَنِ اغْتَابَ النَّاسَ يُجَاوِزُنِيْ اِلٰى غَيْرِيْ قَالَ ثُمَّ تَاْتِي الْحَفَظَةُ
بِعَمَلٍ صَالِحٍ مِّنْ اَعْمَالِ الْعَبْدِ فَتُزَكِّيْهِ وَتُكَثِّرُهُ حَتّٰى تَبْلُغَ بِهِ اِلَى السَّمَآءِ
الثَّانِيَةِ فَيَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهَا قِفُوْا وَاضْرِبُوْا بِهٰذَا الْعَمَلِ
وَجْهَ صَاحِبِهِ اِنَّهُ اَرَادَ بِعَمَلِهِ عَرَضَ الدُّنْيَا اَنَا مَلَكُ الْفَخْرِ
اَمَرَنِيْ رَبِّيْ اَنْ لَّا اَدَعَ عَمَلَهُ يُجَاوِزُنِيْ اِلٰى غَيْرِيْ اِنَّهُ كَانَ يَفْتَخِرُ
عَلَى النَّاسِ فِيْ مَجَالِسِهِمْ قَالَ وَتَصْعَدُ الْحَفَظَةُ
بِعَمَلِ الْعَبْدِ يَبْتَهِجُ نُوْرًا مِّنْ صَدَقَةٍ وَصَلَاةٍ وَصِيَامٍ قَدْ اَعْجَبَ
الْحَفَظَةَ فَيُجَاوِزُوْنَ بِهٖ اِلَى السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ فَيَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَكُ
الْمُوَكَّلُ بِهَا قِفُوْا وَاضْرِبُوْا بِهٰذَا الْعَمَلِ وَجْهَ صَاحِبِهِ اَنَا مَلَكُ
الْكِبْرِ اَمَرَنِيْ رَبِّيْ اَنْ لَّا اَدَعَ عَمَلَهُ يُجَاوِزُنِيْ اِلٰى غَيْرِيْ اِنَّهُ
كَانَ يَتَكَبَّرُ عَلَى النَّاسِ فِيْ مَجَالِسِهِمْ قَالَ وَتَصْعَدُ الْحَفَظَةُ
بِعَمَلِ الْعَبْدِ يَزْهُوْ كَمَا يَزْهُو الْكَوْكَبُ الدُّرِّيُّ لَهُ دَوِيٌّ مِّنْ
تَسْبِيْحٍ وَصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَحَجٍّ وَعُمْرَةٍ حَتّٰى يُجَاوِزُوْا بِهٖ
اِلَى السَّمَآءِ الرَّابِعَةِ فَيَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهَا قِفُوْا وَاضْرِبُوْا

بِهٰذَا الْعَمَلِ وَجْهَ صَاحِبِهٖ وَظَهْرَهٗ وَبَطْنَهٗ اَنَا صَاحِبُ الْعُجْبِ
اَمَرَنِیْ رَبِّیْ اَنْ لَّا اَدَعَ عَمَلَهٗ یُجَاوِزُ بِیْ اِلٰی غَیْرِیْ اِنَّهٗ کَانَ
اِذَا عَمِلَ عَمَلًا اَدْخَلَ الْعُجْبَ فِیْهِ قَالَ وَتَصْعَدُ الْحَفَظَةُ بِعَمَلِ
الْعَبْدِ حَتّٰی یُجَاوِزُوْا بِهٖ اِلَی السَّمَآءِ الْخَامِسَةِ کَاَنَّهٗ الْعَرُوْسُ الْمَزْفُوْفَةُ
اِلٰی بَعْلِهَا فَیَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَکُ الْمُوَکَّلُ بِهَا قِفُوْا وَاضْرِبُوْا بِهٰذَا
الْعَمَلِ وَجْهَ صَاحِبِهٖ وَاحْمِلُوْهُ عَلٰی عَاتِقِهٖ اَنَا مَلَکُ الْحَسَدِ اِنَّهٗ
کَانَ یَحْسُدُ مَنْ یَتَعَلَّمُ وَیَعْمَلُ بِمِثْلِ عَمَلِهٖ وَکُلُّ مَنْ کَانَ یَاْخُذُ
فَضْلًا مِنَ الْعِبَادَةِ کَانَ یَحْسُدُهُمْ وَیَقَعُ فِیْهِمْ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ
اَنْ لَّا اَدَعَ عَمَلَهٗ یُجَاوِزُ بِیْ اِلٰی غَیْرِیْ قَالَ وَتَصْعَدُ الْحَفَظَةُ
بِعَمَلِ الْعَبْدِ لَهٗ ضَوْءٌ کَضَوْءِ الشَّمْسِ مِنْ صَلٰوةٍ وَزَکٰوةٍ وَحَجٍّ
وَعُمْرَةٍ وَجِهَادٍ وَصِیَامٍ یَتَجَاوَزُوْنَ بِهٖ اِلَی السَّمَآءِ السَّادِسَةِ
فَیَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَکُ الْمُوَکَّلُ بِهَا قِفُوْا وَاضْرِبُوْا بِهٰذَا الْعَمَلِ وَجْهَ
صَاحِبِهٖ اِنَّهٗ کَانَ لَا یَرْحَمُ اِنْسَانًا قَطُّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ اَصَابَهٗ
بَلَآءٌ اَوْ مَرَضٌ بَلْ کَانَ یَشْمَتُ بِهٖ اَنَا مَلَکُ الرَّحْمَةِ اَمَرَنِیْ
رَبِّیْ اَنْ لَّا اَدَعَ عَمَلَهٗ یُجَاوِزُ بِیْ اِلٰی غَیْرِیْ قَالَ وَتَصْعَدُ

الْحَفَظَةُ بِعَمَلِ الْعَبْدِ مِنْ صَوْمٍ وَصَلَاةٍ وَنَفَقَةٍ وَجِهَادٍ وَ
وَرَعٍ لَهُ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ وَضَوْءٌ كَضَوْءِ الشَّمْسِ وَمَعَهُ ثَلٰثَةُ
اٰلَافِ مَلَكٍ فَيُجَاوِزُونَ بِهٖ اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَيَقُولُ
لَهُمُ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهَا قِفُوا وَاضْرِبُوا بِهٰذَا الْعَمَلِ وَجْهَ صَاحِبِهٖ
وَاضْرِبُوا جَوَارِحَهٗ وَاقْفِلُوا بِهٖ عَلٰى قَلْبِهٖ فَاِنِّيْ اَحْجُبُ عَنْ رَبِّيْ
كُلَّ عَمَلٍ لَمْ يُرَدْ بِهٖ وَجْهُ رَبِّيْ اِنَّهٗ اِنَّمَا اَرَادَ بِعَمَلِهٖ غَيْرَ اللّٰهِ
تَعَالٰى اِنَّهٗ اَرَادَ بِهٖ رِفْعَةً عِنْدَ الْفُقَهَاءِ وَذِكْرًا عِنْدَ الْعُلَمَاءِ
وَصِيتًا فِي الْمَدَائِنِ اَمَرَنِيْ رَبِّيْ اَنْ لَّا اَدَعَ عَمَلَهٗ يُجَاوِزُنِيْ
اِلٰى غَيْرِيْ وَكُلُّ عَمَلٍ لَّمْ يَكُنْ لِلّٰهِ تَعَالٰى خَالِصًا فَهُوَ رِيَاءٌ وَلَا يَقْبَلُ
اللّٰهُ عَمَلَ الرِّيَاءِ قَالَ وَتَصْعَدُ الْحَفَظَةُ بِعَمَلِ الْعَبْدِ مِنْ صَلَاةٍ وَ
زَكٰوةٍ وَصِيَامٍ وَحَجٍّ وَعُمْرَةٍ وَخُلُقٍ حَسَنٍ وَصَمْتٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى
فَتُشَيِّعُهٗ مَلَائِكَةُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ حَتّٰى يَقْطَعُوا بِهِ الْحُجُبَ
كُلَّهَا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فَيَقِفُونَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَيَشْهَدُونَ لَهٗ
بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ الْمُخْلَصِ لِلّٰهِ تَعَالٰى فَيَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْتُمُ الْحَفَظَةُ
عَلٰى عَمَلِ عَبْدِيْ وَاَنَا الرَّقِيْبُ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ اِنَّهٗ لَمْ يُرِدْنِيْ

بِهٰذَا الْعَمَلِ وَإِنَّمَا أَرَادَ بِهِ غَيْرِي فَعَلَيْهِ لَعْنَتِي فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهَا عَلَيْهِ
لَعْنَتُكَ وَلَعَنَتْهُ أَهْلُ لَعْنَةِ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَنْ فِيهِنَّ ثُمَّ بَكٰى مُعَاذٌ
وَانْتَحَبَ إِنْتِحَابًا شَدِيدًا وَقَالَ مُعَاذٌ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ
وَأَنَا مُعَاذٌ فَكَيْفَ لِي بِالنَّجَاةِ وَالْخَلَاصِ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ اقْتَدِ بِي وَإِنْ
كَانَ فِي عَمَلِكَ نَقْصٌ يَا مُعَاذُ حَافِظْ عَلٰى لِسَانِكَ مِنَ الْوَقِيعَةِ فِي
إِخْوَانِكَ مِنْ حَمَلَةِ الْقُرْآنِ خَاصَّةً وَاحْمِلْ ذُنُوبَكَ عَلَيْكَ وَلَا
تَحْمِلْهَا عَلَيْهِمْ وَلَا تُنَزِّلْ نَفْسَكَ وَبِذَّتَهُمْ وَلَا تَرْفَعْ نَفْسَكَ عَلَيْهِمْ
وَلَا تَسْتَحْمِلِ الدُّنْيَا فِي عَمَلِ الْآخِرَةِ وَلَا تُرَاءِ بِعَمَلِكَ وَلَا
تَتَكَبَّرْ فِي مَجْلِسِكَ لِكَيْ يَحْذَرَ النَّاسُ مِنْ سُوءِ خُلُقِكَ وَلَا تُنَاجِ رَجُلًا
وَعِنْدَكَ آخَرُ وَلَا تَتَعَظَّمْ عَلَى النَّاسِ فَتَنْقَطِعَ عَنْكَ خَيْرَاتُ الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ وَلَا تَمْزَقِ النَّاسَ بِلِسَانِكَ فَتَمْزَقَكَ كِلَابُ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
فِي النَّارِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا هَلْ تَدْرِي مَا هُنَّ
يَا مُعَاذُ قُلْتُ مَا هِيَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ كِلَابٌ فِي النَّارِ
تَنْشِطُ اللَّحْمَ مِنَ الْعَظْمِ قُلْتُ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ
يُطِيقُ هٰذِهِ الْخِصَالَ وَمَنْ يَنْجُو مِنْهَا قَالَ يَا مُعَاذُ إِنَّهُ لَيَسِيرٌ

عَلٰی مَنْ یَسَّرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ اِنَّمَا یَکْفِیْکَ مِنْ ذٰلِکَ اَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ
مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ وَتَکْرَہَ لَھُمْ مَا تَکْرَہُ لِنَفْسِکَ فَاِذَنْ اَنْتَ یَا
مُعَاذُ قَدْ سَلِمْتَ ابن مبارک سے روایت ہی کہ ایک شخص نے معاذ
سے کہا کہ ای معاذ وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے جناب رسول مقبول
علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنی ہی۔ سایل کہتا ہی کہ یہہ سنتے ہی معاذ اسقدر
رونا شروع کئے کہ مین سمجھتا تہا۔ کہ وہ سکوت نکرینگے۔ پہر وہ یک بار
ساکت ہوے اور واشوقا الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والی
لقائہ کہکر بیان کئے کہ جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا ہی کہ اے معاذ
مین تجھ سے ایک حدیث کہتا ہون اگر تو اسکو یاد رکہے تو نفع دیگی تجھ کو
اللہ کے پاس۔ اگر تو اسکو ضایع کردے یا بہول جاے تو پہر قیامت
کے دن خدا کے سامنے تو کوی دلیل پیش نکر سکیگا۔ ای معاذ قبل
پیدا کرنے زمین و آسمان کے خداوند عالم نے سات فرشتون کو پیدا
کیا۔ اور ہر ایک کو ایک ایک آسمان پر دربان مقرر کیا۔ جو فرشتے
کہ تحریر اعمال کے لئے معین ہین وہ صبح سے شام تک ہر شخص کے
اعمال کو جو کچھ ہون آسمان پر لے جاتے ہین تو آسمان اول کا دربان

کہتا ہی کہ اس عمل کو صاحب عمل کے پاس ہی پہر لیجاؤ - مین صاحب غیبت ہون مجھکو اللہ کا یہہ حکم ہی کہ جو شخص دوسرون کی غیبت کرتا ہی اوس کے اعمال کو روک دون - پہر یہہ فرشتہ دوسرے شخص کے نیک اعمال کو لیکر تعریف کرتے ہوے آسمان پر جاتے ہین یہانتک کہ وہ دوسرے آسمان تک پہنچتے ہین تو وہان کا دربان کہتا ہی کہ مین فرشتہ فخر ہون مجھکو ایسے شخص کے اعمال کو آگے بڑہانے کی اجازت نہین ہی کہ جس نے یہہ اعمال صرف منفعت دنیا کے لحاظ سے کیا ہی کیونکہ یہہ شخص اپنے اعمال کے گھمنڈ پر مجلسون مین فخر کیا کرتا تہا پہر وہ فرشتہ ایک اور شخص کے نیک اعمال (جو از قبیل صدقہ و صلوٰۃ و صوم ہین) نہایت تعجب کے ساتھ لیکے اُن آسمانون پر سے عبور کرتے ہوے تیسرے آسمان تک پہنچیگا تو وہان کا دربان کہیگا کہ مین فرشتہ کبر ہون مجھکو حکم ہے کہ متکبرین کے اعمال کو نہ چھوڑون یہ شخص متکبر تہا اوس کے اعمال اوس کے پاس پہیر لیجاؤ - پہر اور ایک شخص کے اعمال نیک اسی طرح فرشتہ بڑے فخر کے ساتھ آسمان چارم تک لیجائینگے

مگر موکل آسمان چارم کہیگا کہ مین صاحب عجب ہون اس شخص کے اعمال
مین عجب یعنے غرور شریک ہی مجھکو ایسے شخص کے اعمال کے چھوڑنے
کی اجازت نہین ہی اسیطرح ایک اور شخص کے اعمال حسنہ مثل عروس
کے لئے ہوے آسمان پنجم پر پہونچینگے تو وہان کا فرشتہ کہیگا کہ مین
صاحب حسد ہون اس شخص کے اعمال کو واپس لیجاؤ کہ یہہ جب کسیکو
ذی علم یا مثل اپنے کام کرتے ہوے دیکھتا یا کسیکو اچھی حالت مین پاتا
تو حسد و عیب چینی کیا کرتا تہا۔ علی ہذا پہر ایک کے اعمال حسنہ کہ جسکی چمک چاند
کی سی ہوگی (از قبیل نماز۔ زکاۃ۔ حج۔ عمرہ۔ جہاد۔ روزہ) لئے ہوے
آسمان ششم پر پہونچینگے تو موکل آسمان ششم کہیگا کہ مین صاحب رحمت
ہون یہہ شخص کبھی کسی مصیبت زدہ و بلا رسیدہ پر رحم نہین کرتا تھا
بلکہ اس کی عادت تھی کہ ایسے لوگون کی شماتت کرے لہذا مین ایسے
شخص کے اعمال کو اوپر جانے دینے سے ممنوع ہون اسکے اعمال
پہر لیجاؤ اسیطرح پہر ایک کے نیک اعمال (مثل نماز و روزہ نفقہ
و جہاد و اتقا کہ جسکی چمک دمک مثل آفتاب کے ہونگے لیکر ساتوین
آسمان تک عروج کرینگے لیکن جو موکل وہان متعین ہی کہیگا کہ مجھکو

شرم آتی ہی کہ ایسے شخص کے اعمال کو چھوڑون کہ جو اللہ کی خوشنودی
کے لئے تو نہین کئے گئے صرف علما و فقہا کے پاس اپنے علو مرتبت
کے لحاظ سے کئے گئے ہین اس سے تو فقط شہرت منظور تھی۔ بہرحال
جو عمل کہ محض بہ نیت رضاے الٰہی نہ ہو وہ ریا ہی اور عمل ریائی اللہ
تعالی کے پاس مقبول نہین ہی۔ اسکے سوا بعض لوگون کے ایسے اعمال بھی ہونگے
جو ان سب مراتب سے گذر کے خاص بارگاہ قدس مین پہونچ جائینگے
اور کل ملایکہ اوس نیک عمل کی گواہی دینگے باین جناب باری سے
ارشاد ہوگا کہ تم تو صرف محافظین اعمال ہو اور مین اسکا رقیب ہون
مجھکو اس شخص کے دلی قصد سے آگہی ہی۔ اس نے یہہ عمل خاص
میرے لیے نہین کیا ہی۔ بلکہ دوسرون کے دیکھانے کے لئے
کیا ہی اسواسطے مین اس شخص پر لعنت کرتا ہون یہہ سنتے ہی
کل ملایکہ لعنت کرینگے بلکہ آسمان و زمین اور اوس مین رہنے والے
بھی لعنت کرینگے۔ یہہ سنتے ہی معاذ رونا شروع کئے اور ایک
چیخ ماری اور جناب رسالتماب صلعم سے عرض کئے کہ یا رسول اللہ
آپ تو رسول ہین اور مین معاذ ہون تو پھر فرمائیے کہ میری نجات

کی کیا سبیل ہو تو آپ نے فرمایا کہ میری اقتدا کرو تمہارے اعمال مین
نقص ہو۔ اے معاذ ابتدا ہی جنس کے غیبت سے (خاصۃً سلاطین
کے اور عموماً سب کے غیبت سے) اپنی زبان کو بچاؤ۔ اپنی برائی کو اپنے
ہی تک محدود رہنے دو دوسرون کے فتراک مین مت باندھو۔ اور ان
کی مذمت کرکے تم اپنے کو مت رسوا کرو۔ اعمال دنیا کو اعمال آخرت
مین مت شریک کرو۔ ریا مت کرو۔ تکبر کو چھوڑ دو کہ تمہاری خلیق سے
جو لازمہ کبر ہو لوگ خایف نہو جائین لوگون کو دشنام مت دو۔ تاکہ
دوزخ کے کتے تمکو نہ کاٹ کہائین۔ وہ جو خداوند عالم کا ارشاد ہو
والناشطات نشطا اے معاذ تم جانتے ہو کہ ناشطات کیا ہو تو معاذ نے
عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہون یا رسول اللہ آپ ہی
فرمائیے کہ وہ کیا ہو تو آپ نے کہا کہ وہ دوزخ کے کتے ہین ہڈیون
سے گوشت جدا کرتے ہین۔ تو معاذ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایسی
خصلتون کا اختیار کرنا تو بہت دشوار معلوم ہوتا ہو۔ معلوم نہین کہ نجات
کیونکر ہو۔ تو ارشاد ہوا کہ اے معاذ اگر اللہ چاہے تو سب کچھ آسان ہو
مگر انسان کو اسقدر لحاظ ضرور ہو کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہ غیر کے

لئے بھی ویسی ہی عزیز رکھے اور جو چیز اپنے لئے ناپسند کرے وہ غیر کیلئے بھی اچھی نہ سمجھے اگر یہ بات ہو جاوے تو پھر سلامتی ہے۔ خالد بن معدان کہتے ہیں کہ اس حدیث کے سننے کے بعد میں نے کسیکو معاذ سے زیادہ قرآن کے تلاوت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بہرحال ان ابواب کے حصول کا خیال لازم ہے۔ یہ سب خرابیاں صرف اسوجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اکثر لوگ علم کو صرف جاہ و منزلت کے لئے حاصل کرتے ہیں اور اسی وجہ سے اس بلا میں پھنس جاتے ہیں بلکہ ان سے تو جاہل ہی اچھے کہ ایسے امور سے کوسوں بھاگتے ہیں۔ اسواسطے ان مہلکات سے حذر کرنا اور اپنے قلب کے صفائی کی فکر کرنا بہت ضرور ہے۔ یہ تینوں خصلتیں جو ذکر ہوئیں امہات خبائث قلب سے ہیں اور اسکی جڑ حُبِّ دنیا ہے۔ اسواسطے جناب رسالت مآب فرماتے ہیں کہ حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ اور وہ جو اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ ہے صرف اوس شخص کے لئے ہے جو دنیا کو اوسیقدر اختیار کرے کہ جس سے امور دینی میں تائید ہو۔ اور جسکی نیت یہ ہو کہ صرف تنعمات دنیا میں پھنسے رہیں اوس کے لئے تو باعث ہلاکت ہے۔ یہانتک تو ظاہر تقوی کا ذکر بقدر ضرورت بیان ہو چکا پھر

اولاً ان معاملات کا امتحان انسان اپنے نفس کے ساتھ کرلے اگر اس مین کامیابی ہو تو پھر احیاء العلوم کا مطالعہ کرے کہ جس مین باطن تقوی کا ذکر ہی۔ جب باطن تقوی سے بھی دل کی آراستگی ہو جاے تو اوسوقت بندہ اور خدا کے درمیان جو حجاب ہی رفع ہو جائیگا۔ انوار معارف منکشف ہونگے۔ چشمہ ہای علوم نافعہ دریای دل سے جاری ہونگے۔ اسرار ملک و ملکوت کہل جائینگے۔ اور اوسوقت اون علوم باطنی پر بصیرت و قدرت حاصل ہو جائیگی کہ جس کے مقابلہ مین یہہ علوم ظاہری کہ جنکا ذکر تک صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ مین نہین تھا نظر سے گر جائینگے اگر باین تمکو اسی قیل و قال اور جھگڑے مین مبتلا رہنا پسند ہو تو بڑی ہی مصیبت کی بات ہی اور بے انتہا حسرت و ندامت کا معاملہ ہے۔

آداب صحبت و معاشرت باخدا و با بندگان خدا

انسان کے حضر و سفر اور خواب و بیداری بلکہ موت و حیات مین جو رفیق ہی وہ وہی پروردگار ہی جو سب کا مالک اور خالق ہی۔ اور رفیق بھی ایسا کہ جب تم یاد کرو تو تمہارے ساتھ ہی۔ چنانچہ کس مہربانی سے

ارشاد ہوتا ہی کہ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ اور جب بوجہ قصور عبادت و ظہور معصیت کے کسیکا دل شکستہ ہو تو اوسکی عنایت کارسوسیائی کریگی چنانچہ حکم ہوتا ہی اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ مِنْ اَجْلِیْ۔ اگر انسان ذرا اسبات کو خوب سمجھ لے تو کیا سوای اللہ کے اور کسیکو اپنا معین و حامی خیال کرسکتا ہی۔ ہرگز نہین پس تمام اوقات اسی ملازمت فکر مین صرف ہونا سرمایۂ نجات ہی۔ اگر اسکا التزام محال ہو تو جب کبھی راستہ مین موقع ملے اپنے صاحب کے طرف رجوع کرنا۔ اور بعجز و الحاح اپنے حاجات کا پیش کرنا بہت ضرور ہی اسیکو خلوت کہتے ہین اور اس خلوت مین آداب مع اللہ کا لحاظ چاہیئے جو چودہ ہین۔ ۱ سر جھکائے رہین اور آنکھین بند ہون ۲ بالکلیہ خداوند عالم کیطرف متوجہ ہون۔ ۳ ساکت رہین ۴ جوارح مین سکون ہو ۵ امتثال اوامر کی پابندی ہو ۶ اور نیز اجتناب از نواہی کی بھی ۷ راضی برضاے الٰہی ہو۔ ۸ مداومت ذکر کے قلب و لسان سے رہے ۹ فکر نعماے الٰہی ہو۔ ۱۰ حق بات کا اختیار کرنا باطل کا ترک کرنا ۱۱ مخلوقات سے ہر حال مین قطع امید کرنا ۱۲ خضوع بخوف و ہیبت الٰہی ۱۳ انکسار مع الحیاء

۱۴ حیلۂ کسب سے ہاتھ دھونا کیونکہ خدا رزق کا ضامن ہی۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا اللہ کے فضل پر توکل کرنا کیونکہ سوائے خدا کے کوی مربی نہین ہے۔ یہہ آداب اسطرح اختیار کئے جائین کہ گویا عادت مین داخل ہوجائین۔ کیونکہ یہہ آداب اوس مالک کے ساتھ ہین جو ایک لحظہ اپنے بندون سے جدا نہین ہوتا۔ مخلوقات کی محبت و ملاقات ایسی نہین ہی کہ وہ کبھی ملتے ہین اور کبھی جدا رہتے ہین اگر کوی عالم ہی تو اوسکو معلوم کرنا چاہئے کہ عالم کے سترہ آداب ہونے چاہئین۔

آداب عالم

۱ بردباری ۲ لزوم حلم ۳ مجلس مین وقار اور آئین کے ساتھ بیٹھنا ۴ بندگان خدا کے ساتھ تکبر نکرے مگر ظالم کے ساتھ تاکہ اوسکو زجر ہو ۵ محافل و مجالس مین تواضع کا لحاظ رکھنا ۶ ترک ہزل و مزاح ۷ شاگردون پر مہربانی کرنا اور جہال سے درگذرنا ۸ نیک تفہیم سے بلید الطبع کی اصلاح کرنا ۹ بلید الطبع پر غضب کرنا ۱۰ جو بات معلوم ہو اوس سے صاف اقرار کرنا اور کچھ شرم نکرنا۔

۱۱ سایل کے تفہیم مین جہانتک ممکن ہو کوشش کرنا ۱۲ دلیل کو ماننا گو دشمن بھی پیش کرے ۱۳ سچی بات کا ماننا اگرچہ اپنے سے کم مرتبہ شخص کہے ۱۴ طالبعلمون کو مضر علم کے حاصل کرنے سے جیسا سحر و نجوم و رمل وغیرہ منع کرنا ۱۵ طلبا کو اسباب سے منع کرنا کہ وہ علوم نافع یعنے علوم دین سے دنیوی اغراض متعلق نکرین ۱۶ طلبا کو قبل از ادای فرض عین فرض کفایہ کے طرف رجوع کرنے سے منع کرنا فرض عین یہہ ہی کہ ظاہر و باطن تقوی سے آراستہ ہو ۱۷ پابندی عمل کیونکہ بغیر عمل کے دوسرون پر نصیحت موثر نہین ہوتی۔

آداب طلبا

۱ اوستاد کو سلام کرنا اور باجازت اوکی خدمت مین حاضر ہونا ۲ اوستاد کے سامنے بڑھ زبانی نکرنی ۳ جب تک اوستاد کسی بات کو نہ پوچھے اپنی طرف سے کچھ نہ بیان کرے ۴ جب تک اوستاد کی اجازت نہو کوی چیز طلب نکرنا ۵ اوستاد کے قول سے تعارض نکرنا۔ یعنے یہہ کہنا کہ فلان شخص نے آپ کے برخلاف اسطرح بیان کیا ہی۔ ۶ خلاف رای اوستاد کے کوئی کام

نکرنا ۷ جس مجلس مین اوستاد موجود ہو پہر دوسرے شخص سے سوال کرنا یا مشورت کرنا منع ہی ۸ اوستاد کے سامنے باادب بیٹھے اور تبسم وغیرہ نہ کرے ۹ اگر اوستاد غمگین یا فکرمند ہو تو زاید سوالات نکرنا چاہیے۔ ۱۰ جب اوستاد اٹھے تو آپ بھی تعظیما اُٹھ کہڑے ہونا چاہیئے۔ ۱۱ جب اوستاد مجلس سے اوٹھے تو اوس سے باتین اور سوال کرتا ہوا پیچھے پیچھے چلے۔ ۱۲ راستے مین چلتے چلتے سوال نکرین الّا یہہ کہ وہ اپنے قیامگاہ کو پہنچ جائین ۱۳ استاد سے بدظنی نکرے۔ گو اوستاد سے کوئی فعل مکروہ سرزد ہوا ہو۔ اگر اس قسم کا خیال بھی ہو تو وہ قول جو موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا تہا یاد کرے جو یہہ تہا "کیا تم نے بغرض ہلاکت اہل کشتی کے کشتی کو توڑ دیا تہا"۔ گو اس طرح موسیٰ علیہ السلام نے ابتدا مین خضر علیہ السلام کے حرکت کو مکروہ خیال کرکے کہا مگر درحقیقت چونکہ وہ فعل شریعت باطن کے موافق تہا لہذا آخر پہر اوسکی تصدیق کی۔

اولاد کے آداب والدین کے ساتھ

۱ جو بات ماں باپ کہین اوسکو مانین ۲ والدین کی تعظیم ہر وقت

ملحوظ رہے ۳ اطاعت اگرچہ مضر ہو (مگر یہ کہ حد معصیت تک پہونچ جائے) لازم سمجھے ۴ چلنے مین ماں باپ پر سبقت نکرے ۵ والدین کے سامنے بلند آواز سے گفتگو نہ کرے ۶ اگر والدین بلائین تو کہے کہ جی حاضر ہوا یعنے بالفاظ تعظیم جواب دے ۷ ہر بات اور ہر کام مین والدین کے رضامندی کا خیال رہے ۸ والدین کے ساتھ بعجز و تواضع پیش آئے۔ انکی خدمت خود کرے ۹ والدین پر کسی بات کی منت نہ رکھے ۱۰ کبھی اونپر بنظر غضب نہ دیکھے ۱۱ ترش روئی سے نہ پیش آئے ۱۲ بغیر اذن والدین کے سفر نکرے۔ ہر ایک انسان کے لئے استاد اور والدین کے بعد دوسرے لوگ تین قسم کے ہین دوست۔ جان پہچان۔ اجنبی۔

آداب معاشرت اصناف خلق کیساتھ

پس اگر انسان کو اجنبیون سے معاملہ پڑجائے تو امور ذیل کا لحاظ رکھے ۱ اونکی گفتگو مین دخل نہ دیا جاوے ۲ اونکی بیہودہ باتین مانی نہ جائین ۳ اگر اون کے زبان سے کچھ الفاظ ناملایم بھی سنے تو اوس سے درگذر کرے۔ ۴ اون سے زیادہ ربط و ضبط

نہ بڑہاوین اور نہ اپنا کوی راز یا حال اوسسے بیان کرین ۵ اگر کوئی فعل بد اوسسے سرزد ہو تو بشرط امید قبول اوسپر متنبہ کرے۔

احباب و اخوان کے ساتھ ملاقات رکھنے مین دو باتون کا لحاظ چاہیئے۔ اول یہہ کہ ایا وہ صحبت و محبت رکھنے کے لایق ہین کہ نہین۔ کیونکہ ہر شخص دوستی کے لایق نہین ہوسکتا۔ جناب رسالتمآب صلعم فرماتے ہین اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ یعنے یہہ کہ انسان اپنے دوست کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اس لئے جس سے دوستی کیجاے پہلے اوسکی حالت دریافت کیجاے بہرحال جب ایسا کوی رفیق ملجاے تو پھر یہہ دیکھنا چاہیئے کہ اوس مین شرایط مفصل ذیل ہین کہ نہین۔ عاقل ہو کیونکہ احمق کی صحبت سے بجز وحشت اور قطع محبت کے کوی نتیجہ ہی نہین ہے۔ اور نیز یہہ کہ احمق سے سواے مضرت کے نفع کی توقع نہین۔ گو اوس کے نیت مین نفع پہونچانا ہو۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین۔ وَلَا تَصْحَبْ اَخَا الْجَهْلِ وَاِيَّاكَ وَاِيَّاهُ فَكَمْ مِنْ جَاهِلٍ اَرْدٰى صحبت مت رکھہ جاہل سے اور بچا اپنے کو اوس سے + بہت سے جاہلون نے ہلاک کیا ہے

حَكِيمًا حِينَ وَاخَاهُ ۞ يُقَاسُ الْمَرْءُ بِالْمَرْءِ ۞ إِذَا مَا الْمَرْءُ مَاشَاهُ ۞ كَذَا

انشنہ کو جب آدمی سے دوستی کیجئے قیاس کیا جاتا ہے آدمی آدمی کے ساتھ جب اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسا کہ مقابلہ

النَّعْلُ بِالنَّعْلِ إِذَا مَا النَّعْلُ حَاذَاهُ ۞ وَلِلشَّيْءِ مِنَ الشَّيْءِ ۞ مُقَايَسَةٌ

نعل کا نعل سے کیا جاتا ہے جب کہ نعل مقابل ہو نعل کے ایک چیز کو دوسری چیز سے قیاس اور

وَاَشْبَاهُ ۞ وَلِلْقَلْبِ عَلَى الْقَلْبِ ۞ دَلِيلٌ حِينَ يَلْقَاهُ ۞

ماثلت کا موقع ہے اور دل کو دل سے راہ ہوتی ہے جب آپس میں ملاقات ہو

۲ خلق۔ بدخلق سے قطع تعلق کرنا چاہئے بدخلق وہ ہے کہ جو غضب و شہوت کے وقت اپنے نفس پر حاوی نہ ہو سکے۔ چنانچہ علقمہ عطاردی نے وفات کے وقت اپنے صاحبزادہ کو کیا خوب نصیحت کی ہے۔ کہ اے فرزند تو ایسے شخص سے دوستی اختیار کر کہ جس سے تیرے مال و آبرو کی حفاظت ہو۔ اور جس کی صحبت تیری زینت کا باعث ہو۔ اور وہ ایسا شخص ہو کہ بوقت حاجت تیری اعانت کر سکے۔ اگر تو اس کے ساتھ نیکی سے پیش آئے تو وہ بھی تیرے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے۔ تیری نیکیوں کا اظہار کرے اور بدیوں کو چھپائے۔ اور جس کو تیرے قول و فعل پر اعتبار ہو اور تیری ترقی مناصب کا خواہاں ہو۔ اور بالفرض اگر اختلاف رائے بھی ہو تو تیری

رائے کو مقدم سمجھے۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین اِنَّ اَخَاكَ الْحَقُّ مَنْ كَانَ مَعَكَ وَمَنْ يَضُرُّ نَفْسَهُ لِيَنْفَعَكَ وَمَنْ اِذَا رَيْبُ الزَّمَانِ صَدَعَكَ شَتَّتَ فِيكَ شَمْلَهُ لِيَجْمَعَكَ۔

سچا دوست وہ ہر جو تیرے ساتھ ہو اور تیرے نفع کیلئے اپنا نقصان بھی گوارا کرے اگر زمانہ سے کچھ تجھکو گزند پہنچے تو وہ ہر طرح کی پریشانی تری اطمینان کیلئے برداشت کرے

۳ مرد صالح ہو۔ فاسق کی صحبت اختیار نکرنی چاہیئے کیونکہ جس شخص کے دل مین خدا کا خوف ہوگا وہ کبھی گناہ کبیرہ پر اصرار نکریگا۔ اور جسکو اللہ کا ڈر نہوگا وہ نفس کی شرارت سے بچ نہین سکتا۔ اور بہت جلد اوسکی حالت بدلتی جاتی ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ۔ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔ جناب باری عز اسمہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ ای محمد تم مت اطاعت کرو اوس شخص کی کہ جس کا دل اللہ کے ذکر سے غافل ہے۔ اور صرف ہوای نفسانی مین مبتلا ہے کہ ایسے شخص کا انجام تباہی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ فاسق لایق صحبت نہین ہے۔ ہمیشہ فسق و معصیت کا دیکھنا دل کو سخت کو دیتا ہے۔ کیونکہ کثرت مجبور سے گناہ کے ہیبت دل سے جاتی رہتی ہے۔ چنانچہ غیبت

کو بھی لوگ کچھ نظر عظمت سے نہین دیکھتے حالانکہ وہ بڑی بلا ہی۔ اور بدترین معائب وگناہ سے ہی۔ حتے کہ ایک عالم کو حریر وطلا کا استعمال جسطرح ناجایز ہی اوس سے بھی غیبت بُری ہی۔

۴ حریص نہو۔ حریص کی صحبت بھی سم قاتل ہی اوس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ انسان بالطبع تشبہ اور اقتدا پر مجبور ہی۔ جیسی صحبت ہو ویسا رنگ آجاتا ہی۔ بلکہ اکثر طبع سلیم طبع فاسد کے متبع ہو جاتی ہے۔ اور صاحب طبع سلیم کو اسکی خبر بھی نہین ہوتے۔ پس اگر حریص کی صحبت اختیار کروگے تو تم بھی حریص ہو جاوگے۔ اور اگر زاہد کی صحبت اختیار کروگے تو زاہد بنجاؤگے

جناب علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہی کہ أَحْيُوا الطَّاعَاتِ بِمُجَالَسَةِ مَنْ يَسْتَحْيِي مِنْهُ یعنے زندہ کرو تم عبادت کو اون لوگون کے صحبت سے جو عبادت سے زندہ ہین یعنے اپنے اوقات کو عبادت مین بسر کرتی ہین

۵۔ صادق ہو۔ جھوٹے کی صحبت مت رکھو کیونکہ جھوٹے آدمی سے اکثر دھوکا ہوتا ہی۔ جھوٹی بات مثل سراب کے ہی کہ جس سے امور بعید قریب نظر آتے ہین۔ اور قریب بعید۔ ان خصلتون کے اختیار کرنے مین اکثر صحبت اہل مدارس (یعنے علما وطلبا) واہل مساجد (زاہدین) مارج

ہوتی ہے۔ پس دو باتون مین سے ایک بات اختیار کرو یا تو عزلت و تنہائی کہ جو موجب سلامتی ہے یا دوستون کے اخلاق کا اندازہ کر کے اون سے صحبت اختیار کرو۔

دوست تین قسم کے ہین ایک دوست عقبیٰ کہ جس مین سوای دینداری کے تم کچھ نہ دیکھو گے۔ دوسرا دوست دنیا کہ جو اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو تیسرا دوست مونس کہ جس مین کسی قسم کا شر و فساد نہو ابو ذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِنَ الْوَحْدَةِ تنہائی بد صحبت سے اچھی ہے اور اچھی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔ عوام الناس تین قسم کے ہین ایک تو مثل غذا کے ہین یعنے اون سے طبیعت سیر نہین ہوتی یہہ تو علما ہین۔ اور دوسری مثل دوا کے ہین کہ کبھی اونکی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی نہین۔ تیسری مثل بیماری کے ہین کہ ان کی احتیاج تو نہین ہے مگر کبھی آدمی انمین مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور وہ کہ جس سے نہ تو کچھ نفع ہو اور نہ مروت جیسا فاسق۔ مبتدع۔ کذاب وغیرہ ایسے لوگون سے تو بلحاظ دفع شر مدارات کرنی چاہیئے۔ چنانچہ جناب رسالت مآب صلعم ارشاد فرماتے ہین کہ مُدَارَاةُ النَّاسِ صَدَقَةٌ۔

تالیف قلوب صدقہ ہی یعنے تالیف قلوب کا ثواب مثل ثواب صدقہ کے ہی۔ مگر جو لوگ کہ مثل بیماری کے ہین اونکا وجود بھی مصلحت سے خالی نہین ہی اونکے دیکھنے سے انسان کو برے افعال پر آگہی ہوتی ہی اگر انسان مین مادۂ عبرت ہو تو ایسے لوگون سے بہت کچھ اثر پذیر ہو سکتا ہی۔ سعید وہی ہی جو دوسرون کی نصیحت قبول کرے اَلْمُؤْمِنُ مِرْآۃُ الْمُؤْمِنِ کی یہی معنی ہین عیسے علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس نے ادب سکھلایا تو آپ نے فرمایا کہ مجکو کسی نے ادب نہین سکھلایا مگر یہہ کہ مین جاہلون کو دیکھتا تہا اور عبرت حاصل کرتا تہا۔ حقیقت مین آپکا قول بہت سچا ہی اگر لوگ بُرے افعال و اقوال سے بچین تو اونکا ادب مکمل ہو جائیگا اور کبھی اونکو تعلیم کے حاجت نہ رہیگی۔

بیان رعایت حقوق صحبت

جب تمکو کسی سے مصاحبت و محبت ہو تو تمکو آداب صحبت کا لحاظ رکہنا بھی ضرور ہے اگرچہ آداب صحبت بہت ہین مگر مختصراً کچہہ ذکر کئے جاتے ہین رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہی کہ مَثَلُ الْاَخَوَیْنِ مِثْلُ الْیَدَیْنِ تَغْسِلُ اِحْدٰاھُمَا الْاُخْرٰی۔ دو دوست مثل دو ہاتھ کے ہین جو ایک

دوسرے کو دھوتا ہے ایک مرتبہ حضرت ایک باغیچہ مین تشریف لیگئے
اور وہان سے دو مسواک لئے ایک سیدھا اور ایک ٹیڑا۔ ٹیڑا تو اپنے لئے
رکھے اور سیدھا بعض اصحاب کو جو ہمراہ تھے عنایت فرمائے تو صحابہ نے
عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کے تو آپ ہم سے زیادہ تر مستحق تھے تو آپنے
فرمایا کہ جب کسیکو کسی سے ملاقات و مصاحبت ہوتی ہی تو اگرچہ وہ صحبت ایکساعت
کی بھی ہو۔ مگر اوس کی نسبت حق اللہ کی نگہبانی یا عدم نگہبانی کا سوال ہوگا یعنے
حقوق صحبت کا اور نیز جناب رسالت مآب فرماتے ہین کہ جب دو شخص
آپس مین دوست ہون تو خدا کے پاس زیادہ تر وہ شخص محبوب ہی جو
اپنے دوست کے ساتھ زیادہ رعایت سے پیش آتا ہو۔

آداب صحبت سے

۱ ایثار مال۔ اگر ایثار نہو سکے تو جسقدر ممکن ہو حاجت کے وقت مدد کرے
۲ اعانت ذاتی بطیب خاطر بلا درخواست ۳ حفاظت راز ستر عیوب
اور ایسی چیز کے معلوم کرانے سے سکوت کرنا کہ جس سے اپنے دوست
کی ناخوشی کا احتمال ہو۔ ۴ اگر لوگ اپنے دوست کی تعریف کرین تو
اوسکا اظہار اپنے دوست پر کرنا اور خود بھی اوس سے خوش ہونا

۵ اگر اپنے دوست کے متعدد نام ہون تو جو نام اوسکو مرغوب ہو اوس سے پکارنا اور اوس کے محاسن کا ذکر بلا افراط و تفریط کرنا۔ نیک افعال کی ستایش کرنی اور برائیون سے درگذرنا۔ اور بشرط ضرورت بہ تلطف و مدارا نصیحت کرنا ۶ دوست کے قصور سے (باوجود قدرت انتقام) درگذر کرنا اور کسی قسم کی ملامت نکرنی ۷ غائبانہ اپنے دوست کیلئے (خواہ زندگی مین ہو یا بعد موت) دعاے خیر کرنا۔ کہ ایسی دعا کبھی رد نہین ہوتی ۸ دوست کے اہل و عیال سے (بعد وفات دوست) اور عزیز و قریب سے اوسی محبت و مروت سے پیش آنا جیسا کہ زندگی مین عادت ہو ۹ دوست کو کسی قسم کی تکلیف نہ دینا۔ تا بامکان دوست کے مشکلات مین مدد کرنا۔ جاہ و مال کے حاصل کرنے مین اپنے دوست سے استمداد نہ چاہنا کہ اس سے کدورت پیدا ہوتا ہی۔ جس بات مین اپنے دوست کی خوشی ہو اوس مین اپنی بھی خوشی سمجھنا۔ اور جس مین اوس کی ناخوشی ہو اوس سے خود بھی ناخوش ہونا۔ پس جب تک اس قسم کا برتاو سراً و علانیۃً نہو اوسوقت تک آدمی درجہ اخلاص مین کامل نہین ہوتا۔ حاصل یہ کہ محبت و مروت خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ کیونکہ بغیر اوسکے

اس قسم کے رعایتون کا ملحوظ رکھنا از قبیل محالات ہے ۱۰ اگر دوست سے ملاقات ہو تو پہلے آپ سلام کرنا۔ مجلس مین اپنے دوست کو اچھی جگہ دینا ۱۱ جب دوست سے ملاقات ہو تو حالت دوست کی اتباع کرنا۔ مثلاً اگر دوست کھڑا ہو تو خود بھی تعظیما کھڑے رہنا ۱۲ جب تک دوست گفتگو کرتے رہے آپ خاموش رہنا اور قطع سخن نکرنا۔ حاصل کلام اپنے دوست کے ساتھ ایسا برتاو کرنا جو کسیطرح ناگوار نہو۔ پس اسطرح جو شخص اپنے دوست کے ساتھ مدارات نکرے وہ دنیا اور آخرت کے وبال مین مبتلا ہوگا۔ یہان تک تو عوام الناس اور احباب کے ساتھ برتاو کرنیکا ذکر ہوا۔ اب اون لوگون کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن سے فقط تعارف ہو یعنے وہ لوگ جو نہ بمرتبہ اصدقا ہون اور نہ عوام بلکہ شناسا ہون ایسے لوگون سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ دوست تو ہر حال مین معین ہوگا۔ اور جس سے کسی قسم کا تعارف ہی نہو وہ تو کسی معاملہ مین دخل ہی نہ دیگا۔ مگر جو لوگ شناسا ہین اور بظاہر دوستی کا دم بھرتے ہین انہین سے ہر قسم کے نقصان کا اندیشہ ہی ایسے لوگون سے جہانتک ممکن ہو اپنی صحبت کو کم کرنا چاہیئے۔ اگر بالفرض آدمی ایسے لوگون مین کہین

(مثلاً درس گاہون مین یا مساجد مین یا بازار وغیرہ مین) پہنس جاے تو
کبھی ان کو بنظر حقارت نہ دیکھے گو بظاہر وہ خفیف وحقیر ہی ہون کیونکہ
ممکن ہی کہ خدا کے پاس اونکی منزلت زیادہ ہو۔ اور ایسے لوگون کو اونکے
تمول اور وجاہت دنیوی کے لحاظ سے بنظر عظمت دیکھنا بھی منع ہی
کہ حب دنیا مین گرفتار ہوجاے جو باعث ہلاکت ہی۔ جناب رسالتمآب صلعم
فرماتے ہین کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِیٍّ لِغِنَاہُ ذَھَبَ ثُلُثَا دِیْنِہٖ۔ جو شخص
کسی تونگر کے مدارات صرف اوسکی مالداری کے وجہ سے کرے تو
اوس کے دین سے دو ثلث گھٹ جائینگے۔ خدا کے پاس دنیا و مافیہا
کی کچھ بھی قدر و منزلت نہین ہی۔ پس انسانکو اسبات سے پرہیز رہنا
چاہئے کہ حصول دنیا کے فکر مین کہین دین برباد نہوجاے۔ وگرنہ پروردگار
کے سامنے خفت و رسوای ہوگی اور اس طمع سے خود اہل دنیا کے
پاس تم ذلیل ہوجاوگے اور اون سے تمھین کوی نفع نہوگا۔ اور
جو لوگ کہ صرف مالداری کے لحاظ سے تمہاری خاطر و مدارات کرین
اور بہ تعظیم و تکریم پیش آئین وہ بہروسہ کے لایق نہین ہین کیونکہ تجربہ
سے یہہ بات ثابت ہی کہ سچی محبت کرنے والے بہت کم ہین اور امید

نہیں کہ حاضر و غائب لوگ کسی سے یکساں لطف و مہربانی کے ساتھ برتاؤ کریں
اکثر غائبانہ شکایت ہو جاتی ہے اور ایسا ہونا بعید از قیاس بھی نہیں ہے۔ کیونکہ
جب ہم انصاف کی نظر سے دیکھیں تو ضرور اس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ
ہم بھی دوسروں کے نسبت ایسا ہی پیش آتے ہیں بلکہ اپنے والدین
اور عزیز و اقارب اور اساتذہ کے ساتھ بھی ایسے ایسے امور کا ارتکاب
کرتے ہیں جو شاید کبھی بالمشافہہ ذکر نہ کر سکیں گے۔ پس اگر کوئی ہماری بھی
شکایت کرے تو کیا عجب ہے۔

اہل دنیا سے مال و جاہ اور اعانت کے توقع کو بھی قطع کرنا چاہئے کیونکہ
طامع اپنے مقاصد کو کم حاصل کرتا ہے بلکہ جسقدر طمع زاید ہوگی اوسیقدر
ذلت حاصل ہوگی۔ اگر کسی نے انجاح حرام میں تائید کی ہو تو خدا کا بھی شکر
ادا کرو۔ اور اوس متوسل کا بھی کیونکہ بغیر ادا کرنے شکر متوسل کے خدا کا
شکر بھی مکمل نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ
لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ تعالیٰ جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر
ادا نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی تائید سے پہلو تہی بھی کرے تو اوس سے
نہ تو ناخوش ہونا چاہئے۔ اور نہ شکایت کرنی چاہئے کیونکہ مسلمان کے

تو یہہ تعریف ہی کہ دوسرون کے عذر کو قبول کرے۔ اور منافق وہ ہی کہ جو محض لوگون کی عیب چینی کرے۔ ایسی حالت مین تو صرف یہہ خیال کر لینا مناسب ہوگا کہ یہہ عدم تائید شاید کسی ایسے عذر خاص پر محمول ہی کہ جس سے ہمین آگہی نہین ہی۔ اور جب تک کہ اسبات کا ثبوت یقینی نہو کہ ہماری نصیحت غیر کے حق مین اثر پذیر ہوگی اوسوقت تک کسیکو نصیحت بھی نہ کرنی چاہئے۔ والا نقاض پیدا ہو جائیگا۔ اور لوگ بیفائدہ دشمن بنجائینگے۔ اگر اہل تعارف کسی مسئلہ مین خطا کرین اور پھر تم سے اوس کے معلوم کرنے مین بھی ننگ و عار کرین تو اونکو تعلیم بھی نہ دیا چاہئے کیونکہ ایسے لوگ اس شعر کے مصداق ہین کہ ؎ کس نیاموخت علم تیر از من کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد + اور اگر کسی مسئلہ کی لاعلمی محض کسی معصیت کی وجہ سے ہو جسکا ارتکاب جہالت سے ہو گیا ہی تو ضرور ایسے لوگون کی تفہیم ملطف و مدارا کرنی چاہئے۔

اگر کسی اہل ملاقات سے تمہارے حق مین کوئی نیکی ہو تو خدا کا شکر کرو کہ تم کو ایسے شخص کا دوست بنایا۔ اور اگر کچھ برای دیکھو تو اللہ پر سونپ دو اور اوس سے کنارہ کرو۔ مگر عتاب مت کرو۔ اور نہ یہہ کہو کہ تم نے

ہمارے ساتھ اسطرح کا سلوک کیون کیا اور ہمارا لحاظ کیون نکیا گیا کہ یہہ محض حماقت کی علامت ہی۔ بڑا احمق وہ ہی کہ اپنے کو دوسرون سے اچھا سمجھے جب کوئی شخص تمہارے ساتھ برائی سے پیش آئے تو سمجھ لو کہ یا تو یہہ صرف تمہارے افعال بد کی پاداش ہی جو تم سے کبھی (پیشتر) سرزد ہوی ہین۔ اس لئے انسانکو اپنے گناہون سے توبہ کرتے رہنا چاہیے یا غدا کا عذاب تمپر دنیا مین نازل ہوا ہی اسکا علاج یہی ہی کہ حق بات اگر تلخ ہو بسیع قبول سنا کرو۔ اور کلام باطل پر سکوت کیا کرو۔ لوگون کے نیکیون کو ظاہر کرو اور برائیون سے چشم پوشی اختیار کرو۔ علما کے صحبت سے حذر کرو۔ خصوص ایسے عالمون کے صحبت سے جو مجادلہ مین مبتلا ہین۔ کہ یہہ لوگ اکثر اپنے حسد کے وجہ سے دوسرون کے لئے حوادث دہر کا انتظار کرتے رہتے ہین اور اپنے وہم کے پردے مین قطع محبت بھی کر دیتے ہین اور تمہاری رسوای کا اپنی صحبت و مجلس مین مضحکہ کیا کرتے ہین۔ حتی کہ ان خیالی ذلتون کا استعمال اس شہرت سے کرتی ہین کہ گویا اونہون نے سنگ ملامت تمہارے منہ پر پھینک مارا۔ یہہ لوگ مناظرہ کے وقت کبھی دوسرے کے بات کو فروغ ہونے نہ دینگے۔ اور کبھی

کسیکی خطا سے درگذر نکرینگے اور کسی کے عیب کو معاف نہ فرمائینگے بلکہ ادنی ادنی عیب کو ظاہر کرینگے۔ غیر کے تھوڑے سے منفعت پر انکا دل جلیگا۔ اور تمام کے تہمتین اور بہتانین اوسکے فراک مین باندہینگے۔ بظاہر تو یہہ نفع رسان معلوم ہونگے اور باطناً انسے مضرت پہونچیگی بہرحال جو کچھ کہ ابتک ذکر ہوچکا یہہ سب بدیہی امور ہین۔ ان مہلکات سے وہی بچ سکتا ہی جسکو خدا بچاے پس ایسے لوگون کے صحبت مین سعاے نقصان وخسارت کے کوی فائدہ ہی نہین ہی۔ اور یہہ ایسی کہلی ہوی باتین ہین کہ جس کا ہر شخص اعتراف کرسکتا ہی۔ قاضی ابن معروف رحمۃ اللہ نے اس مضمون کو کیا خوب نظم کیا ہے۔

فَاحْذَرْ عَدُوَّكَ مَرَّةً وَاحْذَرْ صَدِيقَكَ أَلْفَ مَرَّةٍ

دشمن سے تو ایک بار خوف کر اور دوست سے ہزار بار

فَلَرُبَّمَا انْقَلَبَ الصَّدِيقُ فَكَانَ أَعْرَفُ بِالْمَضَرَّةِ

پس جب دوست اپنی دوستی سے پہر جاتے تو مضرت پہونچانے کے عمدہ طریقہ کو جانتا ہے

اسیطرح ابن تمام نے بھی کیا اچھا لکھا ہے

عَدُوُّكَ مَنْ صَدِيقُكَ مُسْتَفَادٌ فَلَا تَسْتَكْثِرَنَّ مِنَ الصِّحَابِ

تیرے دشمن تیرے دوستون ہی سے نکلینگے پس دوستون کی تعداد کو مت بڑہا

فَإِنَّ الدَّاءَ أَكْثَرُ مَا تَرَاهُ ۔۔۔ يَكُونُ مِنَ الطَّعَامِ أَوِ الشَّرَابِ

اکثر بیماریان جو تم دیکھتے ہو ۔۔۔ کھانے پینے سے ہی پیدا ہوتے ہین۔

اگر بھلائی چاہتے ہو تو ہلال بن علاء رقی کے قول پر کاربند رہو۔

لَمَّا عَفَوْتُ وَلَمْ أَحْقِدْ عَلَى أَحَدٍ ۔۔۔ أَرَحْتُ نَفْسِي مِنْ هَمِّ الْعَدَاوَةِ

جب مین کسی کی خطا معاف کرتا ہون اور کسی پر کینہ نہین رکھتا ۔۔۔ تو میرا نفس دشمنی کے تکلیفات سے محفوظ رہتا ہے

إِنِّي أُحَيِّي عَدُوِّي عِنْدَ رُؤْيَتِهِ ۔۔۔ لِأَدْفَعَ الشَّرَّ عَنِّي بِالتَّحِيَّاتِ

بدرستیکہ مین دشمن کو خوش کرتا ہون بمجرد اسکے دیکھنے کے ۔۔۔ اظہار تبسم و خوشی سے تاکہ بلا دفع ہو جاے

وَأُظْهِرُ الْبِشْرَ لِلْإِنْسَانِ أُبْغِضُهُ ۔۔۔ كَأَنَّهُ قَدْ مَلَا قَلْبِي مَسَرَّاتِ

کشادہ روی سے پیش آتا ہون اوس شخص کے ساتھ جس سے مجھے تنفر ہے ۔۔۔ اسطرح کہ گویا اوس نے میرے دل کو خوشی سے مالا مال کیا

وَلَسْتُ أَسْلَمُ مِمَّنْ لَسْتُ أَعْرِفُهُ ۔۔۔ فَكَيْفَ أَسْلَمُ مِنْ أَهْلِ الْمَوَدَّاتِ

جبکہ مجھکو اجنبیون سے ہی بچنا محال ہے تو ۔۔۔ دوستون سے کیونکر نجات ملیگی۔

اَلنَّاسُ دَاءٌ وَدَاءُ النَّاسِ تَرْكُهُمُ ۔۔۔ وَفِي الْجَفَاءِ لَهُمْ قَطْعُ الْإِخَاءَاتِ

لوگ مثل بیماری کے ہین اسکا علاج ترک صحبت ہے ۔۔۔ کیونکہ انسے ذرا بھی کنارا کرو تو عداوت پیدا ہو جاتی ہے

فَسَالِمِ النَّاسَ تَسْلَمْ مِنْ غَوَائِلِهِمْ ۔۔۔ وَكُنْ حَرِيصًا عَلَى كَسْبِ التَّقِيَّاتِ

جو شخص انکی شرارتون سے بچا رہے محفوظ رہا ۔۔۔ اسواسطے گوشہ گیری زیادہ اختیار کرو

وَخَالِقِ النَّاسَ وَاصْبِرْ مَا بَلِيتَ بِهِمْ ۔۔۔ اَصُمُّ اَنْكَمُ اَعْمَى ذَا تَقِيَّاتِ

لوگون کے مواقف رہو اور اون سے جو کچھ واقع ہو اوہ صبر کرو ۔۔۔ چپ ہو بہرے اور اندھے بنجاو ہر کیف اپنے کو بچاو

اور نیز بعض حکما کے ان اقوال پر عمل کرو۔ دوست دشمن سے یکسان بخوشی ملو نہ اونکے لئے کوی ذلت کا سامان مہیا کرو اور نہ اون سے کچھ خوف کرو وقار و تواضع کو ہاتھ سے جانے مت دو گر وقار مین کبر اور تواضع مین مذلت نہو ہر چیز کا برتاو اعتدال کے ساتھ کرو افراط و تفریط مذموم ہے کما قیل۔

عَلَيْكَ بِأَوْسَاطِ الْأُمُورِ فَإِنَّهَا ۔۔۔ طَرِيقٌ إِلَى نَهْجِ الصِّرَاطِ قَوِيمُ

لازم کرو تم اعتدال کو وہ ۔۔۔ راہ راست پر پہونچنے کا ذریعہ ہے

وَلَا تَكُ فِيهَا مُفْرِطًا أَوْ مُفَرِّطًا ۔۔۔ فَإِنَّ كِلَا الْحَالَيْنِ لِلْأَمْرِ ذَمِيمُ

اپنے کاروبار مین افراط و تفریط مت کرو ۔۔۔ کہ یہہ دونون باتین مذموم ہین

چلنے کے وقت غرور کے ساتھ سیدھے بائین طرف اور پیچھے پلٹ پلٹ کر مت دیکھو۔ اگر کہین مجمع دیکھو تو بغیر حاجت کے مت ٹھہرو۔ اگر کسی مجلس مین بیٹھو تو اطمینان کے ساتھ بیٹھو متوحش نو مت بیٹھو۔ ہاتون کی انگلیون کو باہم دیگر مت ملاو کہ اس سے اکثر اونگھنی آتی ہے جو فعل شیطانی ہے

علی ہذا داڑھی مین بیفائدہ انگلیان ڈالنا۔ اور انگشتری کو پہراتے رہنا ہمیشہ دانتون مین خلال کرنا۔ ناکمین اور انگلیان ڈالنا۔ کثرت سے تھوکنا۔ بار بار انگڑائیان لینا منہہ پر سے مکھیان اوڑانا منع ہے۔ رینٹ اور بلغم کے دفع کرنے مین بھی احتیاط چاہئے مجلس مین یہہ بھی ضرور ہے کہ بالکل سکوت ہو اور کسی قسم کا بلوا نہو گفتگو بھی سنجیدہ اور متانت کے ساتھ ہو۔ مخاطب کے ساتھ توجہ رہے استماع کلام کے وقت استعجاب ظاہر نہو۔ بار بار مخاطب سے ایک ہی بات کا استدراک بھی نہو کہ عیب مین داخل ہے۔ فضول و مضحکہ آمیز گفتگو سے محترز رہے۔ اپنی اولاد یا شعر و سخن یا تصنیف و تالیف کی ستایش خود آپ کرنا معیوب ہے۔ بلکہ جو چیز اپنی ذات سے خصوصیت رکھتی ہو اوسکی بھی تعریف کرنی نہ چاہئے عورتون کے مانند تزئین لباس کی خواہش یا مبتذل لباس پہنا سر مہ کا زیادہ استعمال۔ بالون مین زیادہ تیل لگانا نہ چاہئے۔ لوگون کے پاس ہمیشہ حاجت پیش کرنا نہ چاہئے کسیکو علم کی ترغیب بھی مت دو۔ اپنے عیال کو دوسرون کے تشخیص مراتب کا رجحان مت دلاؤ کہ اسمین دو قباحتین ہین۔ ایک تو یہہ کہ مثلاً جب وہ کسیکو اپنے سے حقیر سمجھینگے تو اوس شخص کو بنظر استخفاف دیکھینگے دوسرا

یہ کہ اگر کسی کو ذی مرتبت پائینگے تو اوس سے اپنے دل مین کھنچا کرینگے
اور نیز اگر ان سے کچھ خطا ہوجاے تو نرمی کے ساتھ درگذر کرو۔ اور
مہربانی بھی اعتدال کے ساتھ کرو۔ خدمت گار و حواشی کے ساتھ ٹھٹھا
مت کرو۔ کہ اس سے رعب و داب مین فرق آتا ہی۔ کسی سے جھگڑا
ہوجاے تو حلم کو ہاتھ سے جانے مت دو جہالت کو کام مین مت لاؤ
تعجیل کار سے پرہیز کرو۔ جواب سمجھکر دیا کرو۔ جھگڑے کیوقت بار بار ہاتھ
سے اشارہ نکرو۔ اور اگر کوی پس پشت ہو تو اوس کے طرف التفات
مت کرو۔ اور نیز جھگڑے کے وقت پنڈلیون پر مت بیٹھو۔ جبتک
غصہ کم نہو بات مت کرو۔ تقرب سلطانی سے ڈرو۔ وہ دوست جو صرف
تمھاری خوشحالی کا رفیق ہو (جیسے تونگری اور صحت) اور برے وقت
مین کام نہ آئے (یعنے حالت افلاس و مرض مین) اوس سے پرہیز
کیا کرو کہ وہ بڑا دشمن ہی۔ مال کو جان سے زیادہ عزیز مت رکھو۔
المختصر یہانتک جن ابواب کا ذکر ہوچکا ہی وہ بدایۃ ہدایت کیلئے کافی
ہے۔ اگر مرض کچھ باقی ہی تو صرف یہی ہی کہ انکا تجربہ کیا جاے بدایت
ہدایت کے متعلق کچھ باتین بیان ہوین ہین۔ آداب طاعات۔ ترک معاصی

مخالطت خلق - ان تینون چیزون کے مجموعہ کو تقوی - دین کامل زاد آخرت سے بھی تعبیر کرتے ہین - پس اگر ان امور کے طرف طبیعت کا میلان ہو - اور نفس مین انکی حصول اور عمل کے جانب رغبت پای جاے تو سمجھئے کہ مادہ عبودیت ہی امید ہی کہ خدا تعالی ایمان کامل سے دلکو منور کردے -

چونکہ اس کتاب مین بدایات و نہایات دونوں باتون کا ذکر ہو چکا ہی تو نہایت ہدایت کے بعد اسرار و غوامض اور علوم باطنہ اور مکاشفات کا مرتبہ ہی - جسکا ذکر احیاء العلوم مین موجود ہی - اگر شوق ہو تو اوس کے طرف رجوع کرو - اور اگر صرف انہین اعمال و وظایف کا اختیار کرنا جو اس کتاب مین مذکور ہوی ہین گران معلوم ہو اور تنفر پایا جاے - اور نیز یہ خیال پیدا ہو کہ بھلا اس علم سے ہمین مناظرہ وغیرہ مین کیا مدد ملیگی - اور ابناء جنس پر کیا سرداری ہو سکیگی - حصول تقرب وزرا و سلاطین اور مناصب وغیرہ مین اس سے کیا تائید مل سکیگی تو سمجھ لو کہ شیطان تمہین غارت کیا چاہتا ہے اور آخرت کی بھلائی سے محروم رکھنے کے درپے ہے - اور یہ علوم کے ترغیب دیا چاہتا ہی کہ جس کو تم اپنے خیال مین مفید سمجھتے ہو

مگر یقین جانو کہ وہ سرمایہ تباہی و بربادی کا ہے۔ اور نعیم دایم یعنے جوار رب العالمین سے باز رکھنے کی تدبیر ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ والحمد للہ اولا وآخرا وظاہرا وباطنا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

تمت

www.ahnafmedia.com

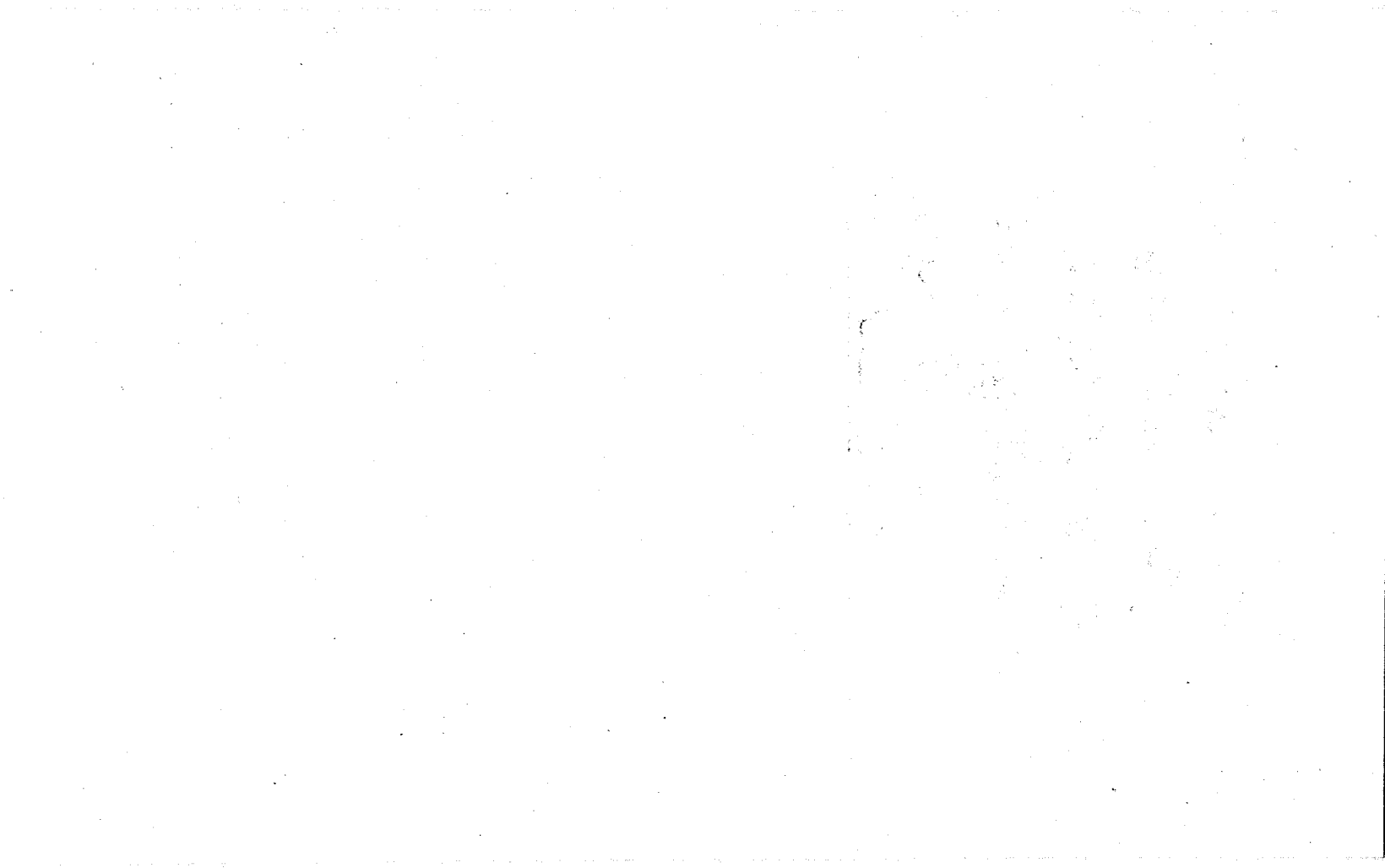

المقالة الحقة والكلمة الصادقة

في

ترجمة التفرقة بين الاسلام والزندقة

للامام الهمام ابي حامد محمد غزالي احمد الله عليه

جسکو

مولوی محمد حیدر اللہ خان للّٰہی

نے

زبان عربی سے ترجمہ کیا

مع

اکثر حواشی مفیدہ از مترجم

طبع ہوا سنہ ۱۳۱۳ ہجری

www.ahnafmedia.com

www.ahnafmedia.com

فہرست مضامین

التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
دیباچہ از مترجم	۲	فصل: تاویل کرنے کا قانون	۵۰
آغاز کتاب	۱	فصل۔ اگر کسی تاویل کا اصول عقائد اور کسی اہم امر سے تعلق نہ ہو تو اس کی تکفیر نہ کرے۔	۵۶
فصل۔ کفر کی تعریف	۱۹		
یہود اور نصاریٰ کافر ہیں۔	۲۶		
ایک دوسرے فرقہ پر تکذیب کی وجہ	۳۲	فصل۔ جن امور سے تکفیر واجب ہوتی ہے اور جن امور سے تکفیر واجب نہیں ہوتی۔	۶۹
وجود کی پانچ اصناف	۳۳		
نمبر۱۔ وجود ذاتی کی تعریف	۳۳		
نمبر۲۔ وجود حسی کی تعریف	۳۴	فصل: تکفیر کے امور کئی ہیں	۷۸
نمبر۳۔ وجود خیالی کی تعریف	۳۸	غلو اور فضولی کرنے والا فرقہ	۸۵
نمبر۴۔ وجود عقلی کی تعریف	۳۸	تکفیر و تکذیب کا ماخذ نصوص شرعیہ ہیں یا نہیں	۹۲
نمبر۵۔ وجود شبہی کی تعریف	۳۸		
مذکورہ درجوں کی مثالیں و تاویلات	۳۹	فصل۔ بعض کا خیال ہے تکفیر کا ماخذ عقل ہے شرع نہیں۔	۱۰۲
وجود ذاتی تاویل کا محتاج نہیں	۳۹		
وجود حسی کی ۲ مثالیں	۳۹	فصل: تکفیر برائے مفید و بحث	۱۰۳
وجود خیالی کی مثال	۴۱		
وجود عقلی کی ۲ مثالیں	۴۲		
وجود شبہی کی مثال	۴۵		
مصدق یقین اور تکذیب کی شرائط	۴۶		

www.ahnafmedia.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُبحانَکَ ما اعظَمَ شانَکَ یا مَن فی کِتابِکَ وَسِعَت رَحمَتی کُلَّ شَیءٍ فَسَاَکتُبُها لِلَّذینَ یَتَّقونَ۔ وَصَلَواتُکَ وَسَلامُکَ عَلیٰ رَسولِکَ مُحَمَّدٍ مَنبَعِ الرَّحمَةِ مالِکِ الشَّفاعَةِ لِقَومٍ یُؤمِنونَ وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصحابِہٖ اَئِمَّةِ الهُدیٰ لِرَهطٍ یُوقِنونَ۔

جبکہ مین بحکم نوابِ معظم۔ امیرِ کرم۔ مخدومِ امرا۔ خادمِ فقرا صاحبِ سیف و قلم۔ ناصبِ علم و عَلَم۔ نوابِ آغا مرزا بیگ خان سرورِ جنگ سرورالدولہ سرورالملک بہادر معتمد حضرت ظلِ سبحانی میر محبوب علیخان بہادر شاہِ دکن خلد اللہ ملکہ و دولتہ

www.ahnafmedia.com

محمد عبدالکریم شہرستانی کی کتاب **الملل والنحل** کے ترجمہ سے فارغ ہو چکا کہ جو حقیقت مین ابتداء آدم ؑ سے اسوقت تک کے جمیع ادیان سماوی اور غیر سماوی کی ایک جامع تاریخ ہے بلکہ قیامت تک کے کل مذاہب اور مناحل منشعبہ اوس سے باہر نہین ہو سکتے تو مین نے چاہا کہ بحصول اجازت ایک ایسی کتاب بھی ترجمہ کر کے نواب صاحب موصوف کی انگشتری کا نگینہ بناؤن کہ جس سے ان کل مذاہب کے احکام کفر و اسلام معلوم ہو سکین لہذا مین نے حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب **التفرقہ بین الاسلام والزندقہ** کا ترجمہ سلیس اردو زبان مین لکھ کر ہدیہ کرنا چاہا کہ جو کفر و اسلام کی حقیقت مین جامع و مانع ہی تاکہ ہمارے بعض علماء کرام کہ جنکی طبیعت مین عجلت اور جسارت ہے عامۂ مومنین کے حق مین زبان درازی سے محفوظ رہین اور کسی اہل قبلہ کی تکفیر اور تضلیل مین بغیر قطعی برہان کے جرأت نہ کرین اور مین اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہون کہ نواب صاحب موصوف ایسے نیک کامون کے اجراء مین موفق رہین۔ اور ان دونون کتابون مین سے کتاب **الملل والنحل** کے ترجمہ کو معنون بنام نامی و اسم گرامی اعلیحضرت **ظل سبحانی** و کتاب **التفرقہ بین الاسلام والزندقہ** کو منسوب باسم گرامی نواب مستطاب معلی القاب **نواب فی قار الامرا بہادر** وزیر اعظم ملکِ دکن کر کے امیدوار ہون کہ یہ ہدیہ محقرہ میرا

مقبول باریافتگانِ دربار دربارِ شاہ و وزیر ہو۔ وھو ولیی فی الدنیا والاخرۃ وانا عبدہ محمد حیدر اللہ خان البارگزئی المجددی الالٰہی[1] الوارو فی بلدۃ حیدرآباد دکن اللازم فی حضرۃ ظل اللہ۔

---

[1] للہ ایک قصبہ اہل اللہ ہے کہ جو ملک پنجاب ضلع جہلم مین دریاے جہلم کے شمالی کنارہ پر واقع ہے وہان ایک بزرگ غلام احمد بنی نام قطب طریقہ مجددیہ گذرے ہین کہ جو مترجم کے استاذ علم ظاہر و باطن ہین اور جن سے ہزارہا لوگون کو علم ظاہری اور باطنی کا استفاضہ ہوا اور دور دور ملکون سے طالبان علم ظاہر و باطن دنیا سے تبتل و انقطاع کرکے اپنے اپنے مقاصد کو بدرجۂ علیا فایز ہوئے اور ادنیٰ ادنیٰ زمانہ مین مقامات طریقہ سے مشرف ہوئے ۱۲۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۶ ہجری مین ترسٹھ برس کی عمر مین حضرت نے انتقال فرمایا اب حضرت کے فرزند ارجمند حافظ مولوی محمد صاحب کاتہ سرًا بہ سند ارشاد پر موجود ہین اور برکات و تسلیک مقامات طریقہ مین اپنے والد بزرگوار کی مثیل بلکہ اصیل ہیں۔ اور طالبان حق تعالیٰ کی تربیت مین مشغول

بسے چون قطب بسطامی منصور است در کویش	انا الحق بر زبان ہر گز نمی راند و سبحانی
بہ بدبختی خود نازد کہ خون گرید سیہ بختے	دران کوی ست و دارد میل سوی عالم فانی
زبندہ خاکروبان درویش را باد صد زنہار	زکف ندہند آن اکسیر اعظم را بآسانی
تمنای قبولش دارم و دانم کہ نامسلم	مدد یا روح شاہ نقشبندان غوث گیلانی

ترجمۃ

التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ

للامام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مین اللہ کے لئے حمد کہتا ہون درحالیکہ مین اوسکی عزت کو مانتا ہون اور اوس کی نعمتون کا پورا ہونا چاہتا ہون اور اوسکی توفیق کو غنیمت جانتا ہون اور اوس کی بیفرمانی سے بچاؤ کا خواستگار رہون اور اوسکی وسیع نعمتون کے جاری رہنے کا طلبگار رہون۔ اور درود بھیجتا ہون مین اوسکے بندہ اور رسول اور کل مخلوقات سے بہتر محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر تاکہ اوسکی شفاعت کو کشش کرون اور اوس کے حق رسالت کو ادا کرون اور اوسکے مبارک نفس کی برکت کے ساتھ محفوظ رہون۔ اور درود بھیجتا ہون مین اوسکی آل اور صحابہ اور عترت پر۔

www.ahnafmedia.com

بعد حمد و صلوات کے اے میرے مشفق بھائی اور غضبناک دوست میں
تجھے سینہ پر کینہ اور پراگندہ فکر دیکھتا ہوں اس لئے کہ تیرے
کانوں کو حاسدوں کے ایک طائفہ کے اون طعنوں سے ٹکرایا ہے
کہ جو اونہوں نے ہماری اون بعض کتابوں پر کئے ہیں کہ جو علامات
دین کے اسرار میں تصنیف کی گئی ہیں۔ اور اونہوں نے یہہ زعم کیا ہے
کہ اِن کتابوں میں بعض ایسے امور ہیں کہ جو اصحابِ متقدمین اور مشایخ
متکلمین کے مذہب کے مخالف ہیں اور نیز اونہوں نے زعم کیا ہے کہ اشعریوں[1] کے
مذہب سے کنارہ کش ہونا گویا ایک بالشت کے مقدار میں ہو کفر ہے اور اوس سے

[1] اشعری یہہ وہ لوگ ہیں کہ جو امام ابوالحسن اشعری کے اصحاب ہیں اور یہی لوگ اہل سنت ہیں
اور چاروں مذہب اسی امام کے تابع ہیں اور اسی جماعت کا نام صفاتیہ ہے۔ کتاب الملل میں ہے
کہ سلف کی ایک جماعت خدا تعالیٰ کے لئے صفات ازلیہ ثابت کرتی ہے جیسے علم اور قدرت
اور حیات اور ارادہ اور سمع اور بصر اور کلام اور جلال اور اکرام اور جود اور انعام اور عزت اور عظمت
اور یہ لوگ صفات ذاتی اور صفات فعلی کے درمیان امتیاز نہیں کرتی بلکہ ہر دو اقسام میں یکساں گفتگو کرتے ہیں
اور اسیطرح خدا تعالیٰ کے لئے صفات خبریہ کا اثبات کرتے ہیں جیسے یدین اور وجہ اور ان کی
تاویل نہیں کرتے لیکن اسقدر رکھتے ہیں کہ چونکہ یہہ صفات شرع میں وارد ہیں لہذا ہم ان کا نام صفات
خبریہ رکھتے ہیں۔ مگر جب کہ فرقہ معتزلہ صفات باری تعالیٰ کی بالکل نفی کرتا ہے اور سلف انکا
اثبات کرتے ہیں اس لئے سلف کا نام صفاتیہ ہوا اور معتزلہ کا نام معطلہ۔ لیکن اسکے بعد

علیحدگی گو ایک تھوڑی سی شی ہین ہو گمراہی اور گمراہ ہے۔ پس اے میرے مشفق بھائی
اور غضبناک دوست اپنے نفس پر سہولت اختیار کر اور اس سے اپنے
سینہ کو تنگ نہ کر اور کسیقدر اپنی تیزی کو کند کر اور جو کچھ کہ وہ کہتے ہین
اوسپر صبر کر اور اون سے زیبا طریقہ کے ساتھہ ترک اختیار کر اور
جو کوئی کہ حسد اور دشنام کے لایق نہین اوس سے اپنے نفس کو حقیر
خیال کر اور جو کفر اور گمراہی کا مستحق نہین اوس سے اپنے نفس کو قاصر
جان کیونکہ سید المرسلین ۲ سے کامل تر کونسا دعوت کرنے والا ہوگا
حالانکہ اونکی نسبت اونہون نے کہا کہ وہ دیوانون مین سے ایک دیوانہ ہے

بعض سلف نے صفات کے اثبات مین یہانتک مبالغہ کیا کہ اوس نے ان صفات ازلیہ کو ممکنات کی
صفات کے ساتھہ تشبیہ دیدی۔ اور بعض نے اونہین صفات پر اکتفا کیا کہ جن پر باری تعالی کے افعال
نے دلالت کی یا جو صفات کہ خبر مین وارد ہین پس ان سلف کے دو فرقہ ہوگئے ایک فرقہ تو وہ ہے
کہ جس نے اون صفات خبریہ کی اوس حد تک تاویل کی کہ جہانتک اون صفات کا لفظ اوس
تاویل کا احتمال رکھتا ہے اور دوسرا فرقہ وہ ہے کہ جس نے تاویل مین توقف کیا اور کہا
کہ ہم نے باقتضاے عقل معلوم کرلیا ہے۔ کہ اللہ تعالی کی مثل کوئی شئے نہین اور نہ وہ مخلوقات
مین سے کسی شئے کے ساتھہ مشابہت رکھتا ہے اور نہ کوئی شی اوسکی مشابہ ہے اور ہم اس امر کو
قطعی طور پر جانتے ہین لیکن جو لفظ کہ اس کے نسبت وارد ہے جیسے الرحمن علی العرش استوی
یا جیسے خلقت بیدی وغیرہم اسکا معنی مراد ہی نہین جانتے اور نہ ہم ان الفاظ کی تفسیر

اور رب العالمین کے کلام سے کونسا کلام زیادہ تر جلالیت اور صداقت والا ہوگا حالانکہ اوسکی نسبت اونہون نے کہا کہ وہ متقدمین کا افسانہ ہے پس تجھے لازم ہے کہ تو ان لوگون کے ساتھہ خصومت اور مباحثہ سے پرہیز کرے اور اونکو لاجواب کرنے مین طمع نہ کرے کیونکہ تیرا یہ طمع بے محل اور اضطراب بے موقع ہوگا۔ کیا تو نے نہین سنا۔

کے جاننے کے مکلف ہین بلکہ تکلیف اس اعتقاد کی نسبت وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی شریک نہین اور نہ اوسکی مثل کوئی شئے ہے اور ہم اس امر کو یقیناً ثابت کرتے ہین۔ پھر متاخرین کی جماعت نے سلف کے قول پر کسیقدر زیادتی کرکے کہا کہ ان الفاظ کو اپنے ظواہر پر جاری رکھنا چاہئے اور ان کی تفسیر ضروری ہے بغیر اس کے کہ ان کی تاویل مین تعرض کرین یا ظاہری معنی مین توقف کرین لہذا وہ لوگ تشبیہ خالص کے قائل ہوئے۔ اور یہ تشبیہ خالص ابتداء مین یہود کے بعض اون لوگون مین تھی کہ جو تورات کے قاری تھے۔ پھر شریعت محمدیہ مین شیعہ نے افراط تفریط اور غلو اور تقصیر کی۔ غلو تو اونہون نے یون کیا کہ اونہون نے اپنے بعض اماموں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دی اور تقصیر اسطرح پر کہ اونہون نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات مین سے کسی ایک کے ساتھ تشبیہ دی۔ اور جب کہ سلف مین سے معتزلہ اور متکلمین کا ظہور ہوا تو بعض روافض نے افراط اور تفریط کو چھوڑ دیا اور اعتزال کے گڑھے مین جا گرے اور سلف کی ایک جماعت نے تفسیر ظاہر کی طرف قدم بڑہایا لہذا تشبیہ کے ورطہ مین جا پہنچے لیکن وہ سلف کے جنہون نے تاویل کے لئے تعرض نہ کیا

كُلُّ الْعَدَاوَةِ قَدْ تُرْجَى سَلَامَتُهَا	إِلَّا عَدَاوَةَ مَنْ عَادَاكَ عَنْ حَسَدٍ

یعنے ہر عداوت سے سلامتی امید کیجاتی ہے مگر اوس شخص کی عداوت سے سلامتی کی امید نہیں کیجاتی کہ جو حسد سے ہو۔ اور اگر کسیکو اس مقام کا موقع ہوتا تو اون سے بلند تر مرتبہ والے پر خوف کی آیتین کیوں پڑہی جاتین کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہین سنا جو فرماتا ہے کہ اے محمد

اور نہ تشبیہ کے نشانہ بنے بعض اون مین سے مالک بن انس رض اور احمد بن حنبل اور سفیان اور داؤد اصفہانی اور ان کے تابعین ہیں یہانتک کہ عبداللہ بن سعید کلابی اور ابی العباس قلانسی اور حرث بن اسد محاسبی کا زمانہ آیا۔ یہ لوگ سلف مین سے تو تھے لیکن انہون نے علم کلام میں شغل کیا اور سلف کے عقاید کو انہون نے کلامی دلائل اور اصولی براہنون سے تائید دی اور بعض نے کتابین تصنیف کین اور بعض نے درس دیا یہانتک کہ ایکروز ابی الحسن اشعری کو اپنے استاد کے ساتھ صلاح اور اصلح کے مسئلہ مین مناظرہ کا اتفاق ہوا اور دونون مین خصومت ہوی چنانچہ اشعری نے اوسان سے سلف کے اس طائفہ کی طرف رجوع کیا اور ان کے مقالات کو اشعری نے کلامی طرز سے تائید دی اور یہی اہل سنت اور جماعت کا مذہب قرار پاگیا اور صفاتیہ کا لقب اشعریہ کی طرف انتقال کر آیا چنانچہ اشعری نے صفات باری تعالیٰ کے اثبات میں کہا کہ انسان جب کہ اپنی پیدایش

اگر تجھپر کافرون کی روگردانی گران ہے پس اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ
کوئی سوراخ زمین مین ڈھونڈے یا کوئی سیڑھی آسمان کے بیچ پیدا کرے
اور پھر کوئی ایک نشانی اون کے لئے لاوے تاکہ وہ اوسکو دیکھکر ایمان
لاوین تو کر۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو سیدھی راہ پر جمع کرتا
پس ای محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نادانون مین سے نہو۔ اور نیز فرماتا ہے

مین غور کرتا ہے کہ ابتدا اوسکی کس شئی سے ہوئی ہے اور وہ کیونکر پیدائش کے اطوار میں
ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف ترقی کرتا گیا ہے۔ اور اس سے اوسکو یقین ہوجاوے کہ
وہ بذاتہ اس امر کی قابلیت نہیں رکھتا کہ اپنے مین تدبیر کرے اور ایک زینہ سے دوسرے زینہ کی
طرف اپنے کو پہنچادے اور نقص سے کمال کی طرف ترقی دیوے تو اوسوقت بالضرور
جان لیتا ہے کہ اوس کے لئے ایک ایسا صانع ہے کہ جو قدرت اور علم اور ارادہ والا ہے اس لئے
کہ ایسے محکم افعال کا صدور محض طبیعت سے متصور نہیں کیونکہ فطرت مین ہی اختیار اور پیدائش مین ہی
احکام اور اتقان کے آثار ظاہر ہین پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی صفات ہیں کہ
جن پر اوس کے افعال دلالت کرتے ہین۔ اور جیسے کہ اوس کے افعال اوس کے عالم اور قادر
اور مرید ہونے پر دلالت کرتے ہین اسیطرح علم اور قدرت اور ارادہ پر بھی دلالت کرتے ہین
اس لئے کہ عالم اور قادر اور مرید کا معنی بجز ذی علم اور ذی قدرت اور ذی ارادہ کے نہین
پس علم کے ساتھ احکام اور اتقان حاصل ہوتا ہے اور قدرت کے ساتھ وقوع اور حدوث
اور ارادہ کے ساتھ تخصیص وقت اور شکل اور ان صفات کے ساتھ ممکن نہین کہ بجز ذات ذوصفات

www.ahnafmedia.com

کہ اگر ہم ان لوگون پر آسمان سے ایک دروازہ کھولین پھر ان لوگونکی نظرین تمام دن فرشتے آسمان مین چڑہتے اوترتے دکہائی دین تو پھر بھی یہ لوگ اسی طرح کہین کہ بجز اسکے نہین کہ ہماری آنکہون کو نظربندی کی گئی ہے بلکہ ہمین جادو کیا گیا ہے۔ اور نیز فرماتا ہے کہ ای محمد اگر ہم تیرے اوپر نامہ کو کاغذ کے بیچ اوتارین پھر وہ اوسکو اپنے ہاتہون

کے کوہی اور موصوف ہوسکے۔ اور اشعری نے صفات کے منکرون کو ایک ایسا الزام دیا ہے کہ جس سے اون کو کبھی خلاصی ملنی ممکن نہین اور وہ یہ ہے کہ جبکہ اللہ تعالے کے عالم اور قادر ہونے پر دلیل قایم ہوچکی تو تم کو ضرور ہمارے ساتھ اس امر مین موافقت کرنی پڑی پس ہم کہتے ہیں کہ عالم اور قادر کا مفہوم یا ایک ہوگا یا مختلف۔ پس اگر ان دونون کا مفہوم ایک ہی ہو تو واجب ہے کہ صفت قادریت کے ساتھ عالم اور صفت عالمیت کے ساتھ قادر ہو اور نیز جو شخص کہ ذات مطلقہ کو معلوم کرے وہ اوسکا عالم اور قادر ہونا بھی معلوم کرے حالانکہ یہہ امر باطل ہے پس معلوم ہوا کہ یہ دونون صفتین از روی اعتبار کے مختلف ہین پہر انکا اختلاف تین وجوہ سے خالی نہین یا تو فقط لفظ کی طرف رجوع کریگا اور یا حال یا صفت کی طرف۔ لیکن فقط لفظ کی طرف رجوع کرنا تو باطل ہے اس لئے کہ عقل حاکم ہے کہ دو مفہوم معقول کے درمیان اختلاف ہو گو الفاظ کو معدوم کیون نہ فرض کیا جاوے تاہم عقل اپنے تصور مین شبہہ نہین رکہتی۔ اور حال کی طرف بھی رجوع کرنا باطل ہے۔ اس لئے کہ ایک ایسی صفت کا ثابت کرنا کہ جو وجود اور عدم کے ساتھ

سے چھوڑین تو البتہ کافر لوگ کہین کہ یہ صریح جادو ہے اور
نیز فرماتا ہی کہ اگر ہم بالتحقیق کافرون کی طرف فرشتون کو نازل کرتے
اور مُردہ اُون سے باتین کرتے اور اونپر اون تمام چیزون کو گروہ
گروہ کرکے جمع کرتے کہ جو دنیا مین ہین تاکہ وہ وحدانیت اور رسالت
پر شاہدی دیوین تو بھی کافر ایمان نہ لاتے بغیر اللہ کے چاہنے کے

متصف ہنین گویا وجود اور عدم اور نفی اور اثبات کے درمیان واسطہ کا ثابت کرنا ہے
حالانکہ یہ محال ہے۔ پس متعین ہوا کہ اوس اختلاف کا رجوع ایک ایسی صفت کی طرف ہے
کہ جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قایم ہے اور یہی مذہب اشعری کا ہے۔ لیکن اشعری
کے اصحابون مین سے قاضی ابوبکر باقلانی نے صفت بقا مین اشعری سے
مخالفت کی ہے اور بقا کو عین ذات کہا۔ پھر ابوالحسن نے کہا کہ باری تعالیٰ علم کے ساتھ
عالم اور قدرت کے ساتھ قادر اور حیات کے ساتھ حی اور ارادہ کے ساتھ مرید اور کلام
کے ساتھ متکلم اور سمع کے ساتھ سمیع اور بصر کے ساتھ بصیر ہے اور یہ صفات ازلیہ
ہین کہ جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قایم ہین نہ ان صفات کو عین باریتعالیٰ کا بولا جاتا
ہے اور نہ غیر اور نہ لا عین کہا جاتا ہے اور نہ لا غیر مگر فرقہ معتزلہ کہ جو اپنے کو
اصحاب عدل اور توحید بولتے ہیں اور قدریہ کے لقب کے ساتھ ملقب ہیں عدل
اور توحید اور وعد اور وعید اور سمع اور عقل مین اشعریہ سے بالکل مخالف ہین
چنانچہ ہم یہاں پر ان دونون مذہبون کے مسائل اصولیہ بطور تقابل ذکر کرتے ہین

مگر بہت کافر لوگ جہالت کرتے ہین۔

جان تو کہ کفر اور ایمان کی حقیقت اور تعریف اور حق اور ضلالت اور انکا بھید اون دلون پر جلوہ گر نہین ہوتا کہ جو مال اور مرتبہ کی طلب اور محبت مین گندہے ہوئے ہین بلکہ اسکا انکشاف اون دلون کیلئے ہوتا ہے کہ جو اوّل دنیا کی میل سے پاک ہون دوّم کامل ریاضت کے ساتھ

اشعریہ یعنے اہل سنت کہتے ہین کہ توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات مین واحد ہے اوس کا کوئی ہمسر نہین وہ اپنی صفات ازلیہ مین واحد ہے اوسکا کوئی نظیر نہین وہ اپنے افعال مین واحد ہے اوسکا کوئی شریک نہین اہل عدل کہتے ہین کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات مین واحد یون ہے کہ اوسکی ذات مین قسمت نہین اور نہ اوس کے لئے کوئی صفت ہے اور اپنے افعال مین واحد یون ہے کہ اوس کے لئے کوئی شریک نہین پس اوسکی ذات کے سوائے کوئی قدیم نہین اور نہ اوس کے افعال مین کوئی ہمسر ہے اور دو قدیم کا وجود اور ایک مقدور کا دو قادرون کے درمیان ہونا محال ہے اور یہی توحید اور عدل ہے۔ اور افعال مین عدل کا ہونا اہل سنت کے نزدیک اس معنے سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ملک اور ملک مین متصرف ہے یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید پس عدل یہی ہے کہ ایک شئے کو اوس کی جگہہ پر رکھنا اور یہ اپنی ملک مین بمقتضائے مشیت اور علم کے تصرف کرتا ہے اور ظلم اسکی ضد ہے لہذا اللہ تعالیٰ سے نہ حکم مین جور متصور ہے اور نہ تصرف مین ظلم۔ اور اہل عدل کے مذہب پر عدل اوس حکمت کا نام ہے

صیقل کئے گئے ہون۔ سویم صفائی بخش ذکر کے ساتھ منور ہون
چہارم فکر صائب اور درست سے غذا پانے والے ہون پنجم حدود
شرع کی التزام سے مزین کئے گئے ہون۔ یہانتک کہ نبوت کے
چراغدان سے اونپر نور کا اضافہ ہو اور وہ دل اسطرح پر ہو جاوے
کہ گویا ایک روشن آئینہ ہے اور ایمان کا چراغ دل کی قندیل ہین

کہ جو اقتضاے عقل ہے یعنے فعل کا ثواب اور مصلحت پر صادر کرنا۔ لیکن اہل سنت
وعد اور وعید مین یون کہتے ہین کہ اللہ تعالی کا کلام ازلی امر کی اطاعت پر وعدے
اور نہی کی معصیت پر وعید پس جو کوئی کہ نجات پاویگا اور ثواب کا مستوجب ہوگا تو
اوسی کے وعدہ سے اور جو کوئی ہلاک ہوگا اور عذاب کا مستوجب تو اوسی کے
وعید سے پس عقل کے حکم سے اوسپر کوئی شئی واجب نہین۔ اہل عدل کہتے ہین کہ
ازل مین کوئی کلام نہین بلکہ اللہ تعالی نے جو وعد اور وعید اور امر اور نہی کا اصدار فرمایا اگر
تو یہ کلام محدث کے ساتھ ہے پس جو شخص کہ نجات پاویگا تو وہ اپنے ہی فعل سے ثواب کا
مستحق ہوگا۔ اور جو ہلاک ہوگا تو وہ اپنے ہی فعل سے اور عقل حکمت کے لحاظ سے
اس کا اقتضا کرتی ہے۔ لیکن اہل سنت سمع اور عقل کی نسبت یون کہتے ہین کہ کل واجبات
کا وجوب سمع سے ہے اور کل معارف کا حصول عقل سے۔ پس عقل کسی شئی کی تحسین
کرسکتی ہے اور نہ تقبیح اور نہ اوسکا اقتضا اور ایجاب۔ اور نہ سمع سے معرفت کا حصول
ہوسکتا ہے بلکہ اسکو واجب کرتی ہے۔ اہل عدل کہتے ہین کہ کل معارف عقل کے ساتھ

اسطرح پر انوار کی چمک دیوے کہ قریب ہے کہ اوسکا روغن بغیر آگ کے چھونے کے روشنی پکڑے۔ لیکن اوس قوم کے لئے ملکوت اور عالم بالا کے اسرار کہان جلوہ گر ہوتے ہین کہ جنکا خدا اونکی خواہشین ہین اور جنکا معبود اون کے پادشاہ ہین۔ اور جنکا قبلہ اون کے درہم اور دینار ہین۔ اور جنکی شریعت اونکی رعونت ہے۔ اور جنکی ارادت اونکا جاہ اور مرتبہ ہے۔ اور جنکی عبادت اغنیا اور دولتمندون کی خدمت ہے۔ اور جنکا ذکر اون کے وسواس۔ اور جنکا فکر اون حیلون کا اقتباس ہے کہ جن سے حشمت اور جاہ کا حصول ہوتا ہے۔ پس ان لوگون کے لئے کفر کی تاریکی ایمان کی روشنی سے کہان ممتاز ہوسکتی ہے۔ کیا الہام آہی سے؟ حالانکہ اونہون نے اپنے دلون کو دنیا کی کدورتون سے خالی نہین کیا اور یا کمال علمی سے؟ حالانکہ اونکا علمی سرمایہ فقط آب زعفران سے نجاست کا زایل کرنا ہے۔ ہاہا یہ مطلب اس سے زیادہ تر نفیس اور عزیز ہے کہ فقط آرزو اور خواہش سے حاصل کیا جاوے پس تو اپنی حالت مین مشغول رہ اور ان لوگون مین اپنی باقی عمر کو ضایع نکر

نعقل کئے جاتے ہین اور نظر عقلی سے ہی واجب ہوتے ہین اور منعم کا شکر ورود سمع کے قبل واجب ہے اور حسن اور قبیح حسن اور قبیح شکر کی دو ذاتی صفتین ہین اور ہم عنقریب اشعری کے عقاید مین اہل عدل کا جواب بیان کرینگے۔ مترجم

پس تو اوس شخص سے روگردانی کر کہ جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی ہے اور اوس نے فقط حیات دنیوی کی آرزو کی ہے یہی اونکا مبلغ علمی اور یہین تک اونکے عقل کی رسائی ہے۔ اور بیشک تیرا رب اوسکو خوب جانتا ہے جو اوسکی راہ کو بھولا اور جو سیدھے راہ پر ہے۔

فصل

پس اگر تو خواہش رکھتا ہے کہ تو اس کانٹے کو اپنے اور اوس شخص کے سینہ سے نکالے کہ جسکی حالت تیری مثل ہے کہ نہ اوسکو حاسدون کا بہکانا حرکت مین لاتا ہے اور نہ تقلید کی تاریکی اور کوری اوسکو مقید رکھ سکتی ہے بلکہ وہ مشکلین کہ جنکو فکر اور نظر نے پیدا کیا ہے بسبب سوزش دل کے اوسکو بصارت کی طرف تشنگی دلاتی ہین پس تو اپنے نفس اور اپنے صاحب کی طرف مخاطب ہو اور اوس سے کفر کی تعریف دریافت کر۔ پس اگر اوس نے کفر کی تعریف وہی زعم کی کہ جو اشعری کے مذہب کے مخالف ہے یا معتزلی[1]

[1] معتزلی سے مراد واصل بن عطا اور اوس کے تابعین ہین کہ جنہون نے اصول اہل سنت سے اعتزال اور کنارہ کشی کی۔ یہ شخص حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یا حنبلی وغیرہ کے مذہب کے تو اوسوقت تو یقین کرلے کہ وہ شخص مغرور احمق ہے کہ اوسکو ابھی تقلید نے مقید کیا ہوا ہے پس وہ اندھوں سے بھی زیادہ تر اندھا ہے تو اوسکی اصلاح اور درستی مین اپنا وقت ضایع نکر۔ اور تجھے اوس کے لاجواب کرنے مین فقط یہی ایک حجت کافی ہے کہ تو

کا شاگرد تھا اور اوون سے احادیث اور دیگر علوم پڑھا کرتا تھا اور اس کے اعتزال کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ ایک شخص نے حسن بصری رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آکر سوال کیا کہ اے دین کے امام ہمارے زمانہ مین ایک ایسا فرقہ ظاہر ہوا ہے کہ جو اہل کبیرہ کو کافر کہتا ہے اور گناہ کبیرہ اون کے نزدیک کفر ہے کہ جس سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج ہوجاتا ہے یہ فرقہ وعیدیہ ہے اور ایک دوسرا گروہ ایسا ہے کہ جو صاحب کبیرہ کو امید دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کبیرہ سے کوئی ضرر نہین بلکہ عمل اون کے نزدیک ایمان کے لئے جزو نہین جیسے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی طاعت اونکی نزدیک سود مند نہین (یہ فرقہ مرجیہ ہے) پس تو اس اعتقاد کی نسبت ہمین کیا حکم دیتا ہے۔ حسن بصریؒ اسمین متفکر ہوے اور جواب دینے کے قبل واصل بن عطا بول اوٹھا کہ مین نہین کہتا کہ صاحب کبیرہ مومن مطلق ہے اور نہ کافر مطلق بلکہ وہ دونون مرتبون کے درمیان ہے یعنے نہ کافر ہے اور نہ مومن۔ پھر واصل اوٹھا اور مسجد کے ستونون مین سے ایک ستون کی طرف الگ کھڑے ہوکر یہی تقریر حسن بصری رضؓ کی دوسرے اصحابون کو سنانے لگا اسپر حسن بصری رضؓ نے فرمایا کہ واصل نے ہم سے اعتزال اور کنارہ کشی کی ہے لہذا وہ اور اوس کے اصحاب اوس روز سے معتزلہ کے نام سے موسوم ہوے

ب حنبلی سے مراد امام احمد بن حنبل اور اوس کے تابعین ہین۔ مترجم

اوس کے دعوی کو اوس کے مخالفین کے دعوی سے مقابلہ کرے
اس لئے کہ وہ اپنے نفس اور باقی مقلدون[1] کے درمیان کوئی امتیاز نہین کرتا
اور مین امید کرتا ہون کہ شاید وہ باقی مذاہب مین سے فقط اشعری
کی مذہب کی طرف مائل ہے اور زعم کرتا ہے کہ اشعری کی مخالفت ہرام صاف
اور وارد مین کفر جلی ہے پس مین اوس سے سوال کرتا ہون کہ اشعری
کو یہ کہان سے ثابت ہوا ہے کہ امر حق اوسی پر وقف ہی حتے کہ
کہ اوس نے باقلانی[2] کے کفر پر فتوی دیا جب کہ باقلانی نے
اللہ تعالی کی صفت بقا مین اشعری سے مخالفت کی اور زعم کیا کہ اللہ
کی صفت بقاء ذاتِ باری تعالی پر زاید نہین۔ اور کیون باقلانی
کو اشعری کے ساتھ مخالفت کرنے مین اشعری سے زیادہ تر کفر کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) پہران کے کئی فرقے ہو گئے۔ چنانچہ ہر ایک کا بیان کتاب الملل مین
بسط کے ساتھ مذکور ہے۔ ۱۲

[1] یہان تقلید سے مراد اوس شخص کی تقلید ہے کہ جو باوجود قوت نظری اور اجتہادی کے
تقلید کرتا ہی اس لئے کہ جو شخص کہ قوت اجتہادی رکھتا ہو اور باوجود اس کے اجتہاد نکرے اور
تقلید سے کام لے تو وہ شخص بیشک اندھون سے بھی زیادہ اندھا ہے یہی وجہ ہے کہ امام
ابو حنیفہ کے شاگردون نے کہ وہ قوت اجتہادی رکھتے تھے بعض مسائل اجتہادیہ مین (صفحہ ۱۵ دیکھو)

[2] باقلانی سے مراد قاضی ابو بکر باقلانی ہے کہ جو باری تعالی کی صفت بقا کو عین کہتا ہے ۱۲
مترجم

اولویت ہوئی حالانکہ جیسے باقلانی نے اشعری سے خلاف کیا ہے اوسیطرح اشعری نے باقلانی سے۔ اور کیون امرِ حق فقط ایک پر وقف ہوا نہ دوسرے پر۔ کیا یہ اسوجہ سے ہی؟ کہ اشعری باعتبار زمانہ کے باقلانی سے مقدم ہے تو کئی ایک معتزلہ اشعری سے بہی مقدم گذرے ہین۔ پس اسوجہ پر ضرور ہے کہ حق اوس کے لئے ہو جو اشعری سے مقدم ہے۔ (یعنے معتزلہ کے لئے) اور یا اسوجہ سے ہی؟ کہ ان دونون کے درمیان علم اور فضل مین تفاوت ہے تو کس ترازو اور پیمانہ سے اوسنے فضل کے مراتب کا اندازکیا ہے تاکہ اوس کے لئے ظاہر ہوگیا ہے کہ وجود مین اشعری سے کوئی شخص افضل نہین۔ پس اگر باقلانی کو اشعری کی مخالفت مین رخصت دیتا ہے تو باقلانی کے سوائی دوسرون کو کیون منع کرتا ہے اور **باقلانی** اور **کرابیسی**[۱] اور **قلانسی**[۲] وغیرہ کے درمیان کیا فرق ہے۔ اور خاصکر اس رخصت کو اوس نے کہان سے

(تتمہ حاشیہ صفحہ ۱۴) امام صاحب کا خلاف کیا اور یہ خلاف کرنا اون کے لئے مقام اجتہادی مین ضروری اور محمود ہی جیسے کہ سمت قبلہ کے اختلاف کے وقت ہر ایک کے لئے اجتہاد ضروری ہے اور ہر ایک کا اجتہاد اوس کے لئے سمت قبلہ قرار دیجاتی ہے ۱۲ مترجم

[۱] کرابیسی سے مراد حسین کرابیسی ہے ۱۲ مترجم

[۲] قلانسی سے مراد ابی العباس قلانسی ہے کہ جو اون بزرگان سلف کی تابعین مین سے ہی کہ جنہون نے نصوص کو اپنے ظاہر پر رکہا جیسے مالک بن انس اور احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما منہ

معلوم کیا ہے اور اگر وہ یہہ زعم کرتا ہے کہ باقلانی کا خلاف فقط لفظی ہے جیسے کہ بعض متعصبون نے تعسف کیا ہے اس زعم پر کہ اشعری اور باقلانی وجود کے دایمی ہونے پر باہم موافق ہین اور اس امر مین خلاف کہ آیا یہ دوام ذات باری تعالیٰ کی طرف راجع ہے یا کسی وصف زاید کی طرف ایسا قریب ہی کہ کسی تشدید کو واجب نہین کرتا تو پھر معتزلی کے نفی صفات کے قول پر کیون تشدید کرتا ہے حالانکہ معتزلی اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے اور تمامی معلومات پر محیط ہے اور کل ممکنات پر قادر ہی اور اشعری سے فقط اس امر مین مخالف ہے کہ آیا باری تعالیٰ اپنی ذات سے کل مخلوقات کا عالم ہے یا کسی ایسی صفت سے کہ جو اوسکی ذات پر زائد ہے۔ پس باقلانی اور معتزلی کے خلاف مین کیا فرق ہے اور کونسا مطلب حقتعالیٰ کی صفات اور اون کی نفی واثبات مین نظر کرنے سے بزرگتر ہے۔ پس اگر کہے کہ مین معتزلی کو اس لئے کافر کہتا ہون کہ وہ یہ زعم کرتا ہے کہ ذات واحدہ سے علم اور قدرت اور حیات کا فائدہ صادر ہوتا ہے اور یہ صفات باعتبار تعریف اور حقیقت کے مختلف ہین اور محال ہے کہ مختلف حقیقتین اتحاد کے ساتھ متصف ہون یا ذات واحدہ اون کے قایم مقام ہو تو پھر کیون اشعری سے اوس کے اس قول کو بعید نہین جانتا کہ کلام ایک ایسی

www.ahnafmedia.com

صفت ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر زاید اور اوس کے ساتھ قایم ہے
اور باوجود واحد ہونے کے وہ تورات ہے اور انجیل اور زبور اور قرآن
اور یہ امر ہے اور نہی اور خبر ہے اور استخبار اور یہ مختلف حقیقتین
ہین کیونکہ خبر کی تعریف یہ ہے کہ جو صدق اور کذب کی محتمل ہو حالانکہ
یہ احتمال امر اور نہی کی طرف راجع نہین ہو سکتا پس یہ کیسے ہو سکتا ہے
کہ ایک ہی حقیقت کی طرف تصدیق اور تکذیب راجع ہو اور نہو۔ اور نفی
اور اثبات کا اجتماع محل واحد مین ہو۔ پس اگر اسکے جواب مین خبط کرے
اور اسکا پردہ نہ اُٹھا سکے تو جان تو کہ وہ شخص اہل اجتہاد اور اہل استدلال
سے نہین بلکہ وہ مقلد ہے اور شرط مقلد کی یہ ہے کہ وہ خود بھی خاموش
رہے اور اوس کا جواب بھی نہ دیا جاوے (کسی نے کیا خوش کہا ہے
ع جواب جاہلان باشد خموشی ؛) اس لئے کہ وہ شخص طریق حجت
اور مباحثہ کی رفتار سے بالکل قاصر ہے اور اگر وہ اس امر کی اہلیت
رکھتا تو وہ متبوع ہوتا نہ تابع اور امام ہوتا نہ مامور۔ پس اگر شخص مقلد
گفتگو اور دلائل مین خوض کرے تو یہ امر اوسکا فضول اور عبث ہے
اور جو شخص کہ اوسکی طرف متوجہ ہے گویا سرد لوہے مین ضرب لگاتا ہے
اور بگڑی ہوئی شئی کے درست کرنے کا طالب ہے کیا اوس شئی کو
عطار درست کر سکتا ہے کہ جسکو زمانہ نے فاسد کر دیا ہو۔ اور امید ہے

کہ اگر تو نے انصاف کیا تو جان لیگا کہ جو شخص اہل استدلال اور اہل اجتہاد مین سے خاص کر کسی ایک پر امر حق کو وقف کرتا ہے تو وہی شخص کفر اور تناقض کی طرف زیادہ تر قریب ہے۔ لیکن کفر کی طرف تو اس لئے کہ اوس نے اوس شخص خاص کو ایسے نبی معصوم کی جا بجا ٹھہرا دیا ہے کہ صرف اوسکی موافقت سے ایمان کو ثابت کرتا ہے اور کفر کو اوسکی مخالفت سے لیکن تناقض کی طرف تو اس لئے کہ اہل استدلال اور اہل اجتہاد مین سے ہر ایک شخص اجتہاد اور استدلال کو واجب کہتا ہے اور تقلید کو حرام پس وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ تجھے باوجود میری تقلید کے اجتہاد کرنا لازم ہے اور یا تجھے اجتہاد کرنا لازم ہے لیکن ساتھ ہی اسکے تجھے لازم ہے کہ تو اپنے اجتہاد مین وہی امر قرار دیوے جو مین نے قرار دیا ہے اور جو کچھہ کہ مین نے قرار دیا ہے وہ حجت ہے پس تجھے لازم ہے کہ اوسکو حجت اعتقاد کرے۔ اور جس امر کو کہ مین شبہہ اعتقاد کرون تجھے بھی لازم ہے کہ تو اوسکو شبہہ اعتقاد کرے۔ اور کیا فرق ہے اوس شخص کے درمیان جو کہتا ہے کہ تو میری تقلید فقط میرے مذہب مین کر اور جو یہ کہتا ہے کہ تو میری تقلید میرے مذہب اور میری دلیل دونون مین کر۔ اور یہ بجز اسکے نہین کہ سراسر تناقض ہے۔

فصل

مین امید کرتا ہون کہ اب تجھے خواہش اس امر کی ہوگی کہ تو کفر کی تعریف کو معلوم کرے بعد اسکے کہ تیرے نزدیک اصناف مقلدین کی تعریفین متناقض ٹھہرین - پس جان تو کہ اسکی شرح بہت طویل ہے اور اوسکا مدار علم بہت گہرا - لیکن مین تجھے ایک ایسی صحیح علامت تعلیم کرتا ہون کہ جو اپنے افراد کو جامع ہے اور غیر کے لئے مانع تاکہ تو اوسکو اپنا مدنظر بناوے اور بسبب اوس کے باقی فرقون کی تکفیر اور اہل اسلام مین زبان درازی کرنے سے بچے گو اون کے طریقے مختلف ہون جب تک کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ

لہ جیسے کہ مسلم مین ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم کئی اصحاب کہ جنمین ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے تھے کہ اتنے مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری درمیان سے قیام فرما کر کہین تشریف لیگئے اور اسمین دیر ہوگئی - اور ہم کو خوف ہوا کہ مبادا آنحضرت صلعم کو ہم سے الگ ہو جانے سے کوئی دشمن صدمہ پہونچا دے اور فریاد کرتے ہوے اوٹھے اور مین سب سے پہلے آنحضرت ؐ کی تلاش مین فریاد کرتے ہوے نکلا یہانتک کہ مین بنی نجار کے باغ کو آیا اور مین اوس باغ کے گرد گھوما کہ تاکہ کوئی دروازہ ملے لیکن مجھے دروازہ نہ ملا گر اوسوقت دیوار کے جوف مین ایک پانی کی نالی دیکھی کہ جو باہر کے

صدق دل سے چنگل مارے رہین اور اس کلمہ شریفہ کی مناقضت اور شکست نہ کرین۔ پس مین کہتا ہون کہ کفر رسول علیہ السلام کی تکذیب ہے اون اشیا مین سے کسی ایک شئی مین کہ جنکو رسول علیہ السلام لائے ہین۔

(صفحہ گزشتہ کا حاشیہ) کنوین سے باغ کی اندر جاتی تھی تو مین اوس مین سے لومڑی کی طرح سمٹ کر نکلا اور آنحضرت ؐ کے پاس گیا تو آنحضرت نے فرمایا کیا ابو ہریرہ ہے؟ مین نے عرض کیا کہ ہان یا رسول اللہ ؐ تو آنحضرت نے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے مین نے یہہ سب گزشتہ حقیقت بیان کی اور عرض کیا کہ یہ سب لوگ بھی میرے پیچھے آپ کی تلاش مین ہین تو اسپر آنحضرت نے مجھے اپنی نعلین مبارک عطا کر کے فرمایا کہ تو میری یہ نعلین لیکر جا اور جو کوئی کہ اس دیوار کی آڑ مین تجھے ملے اور لا الہ الا اللہ کی شہادت یقین دل سے دیتا ہو تو اوسکو جنت کی بشارت دے۔ پس سب سے پہلے مجھے عمر ؓ سے ملاقات ہوئی اور اوس نے پوچھا کہ اے ابی ہریرہ یہ نعلین کیسی ہین مین نے کہا کہ یہ نعلین رسول اللہ ؐ کے ہین۔ یہ نعلین مجھے دیکر حضرت نے بھیجا ہے کہ جو کوئی مجھے ایسا شخص ملے کہ جو صدق دل سے لا الہ الا اللہ کی شہادت دیوے تو مین اوسکو جنت کی بشارت دون تو عمر ؓ نے یہہ سنکر میرے سینہ مین ایک مکا لگایا اور مین چوتڑ کے بل گرا اور پھر عمر ؓ نے کہا اے ابی ہریرہ واپس چلا جا

چنانچہ مین رسول اللہ کی طرف واپس گیا اور فریاد وزاری کی کہ اتنے مین عمر بھی میرے پیچھے کھڑا ہوا پس آنحضرت نے فرمایا کہ ای ابی ہریرہ تجھے کیا ہوا تو مین نے عمر کی ملاقات اور مار کا قصہ عرض کیا تو پھر آنحضرت نے عمر سے فرمایا کہ اے عمر تو نے کیون ایسا کیا تو عمر نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ میرے ماں اور باپ تجھپر فدا ہو کیا تو نے ابی ہریرہ کو نعلین دیکر بھیجا ہے؟ کہ جو کوئی یقین دل سے لا الہ الا اللہ کہتا دیکھے اوسکو جنت کی بشارت دے تو آنحضرت نے فرمایا کہ ہان۔ اسپر عمر نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ ایسا نکر کیونکہ مجھے خوف ہے کہ مبادا آدمیون کو اس بشارت اجمالی پر کاہلی ہو لہذا اونکو عمل کرنے دے تو پھر آنحضرت نے فرمایا کہ ہان اونکو عمل کرنے دے انتہی۔ اور دوسری حدیث مین ابی ذر سے مروی ہے کہ مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا دیکھا کہ آنحضرت سفید کپڑا اوڑھے ہوے سوئے ہین پھر دوسری دفعہ مین آیا تو دیکھا کہ بیدار ہین۔ پس آنحضرت نے فرمایا کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہے پھر اسی پر اوسکی موت ہو تو وہ شخص بیشک جنت مین داخل ہوگا مین نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے تو آنحضرت نے فرمایا کہ ہان اگرچہ زنا اور چوری کرے اور اسکا تکرار تین بار ہوا اور اخیر دفعہ مین اتنا لفظ آنحضرت نے بڑھا کر کہا کہ ابی ذر کی ناک خاک آلودہ ہونے پر۔ اور ابو ذر جب اسکا بیان کیا کرتا تھا تو اس لفظ کا بھی اعادہ کیا کرتا تھا۔ ف جاننا چاہئے کہ ان احادیث مذکورہ بالا سے جیسے کہ بعض ملحدون نے اعتقاد کر لیا ہے یہ امر ثابت نہین ہوتا کہ ایمان فقط اقرار

توحید ہے اور فقط ایک دفعہ لا الہ الا اللہ کا زبان سے پڑھ لینا موجب دخول جنت ہے اس لئے کہ توحید شرعی کا ثبوت بغیر تصدیق رسالت کے ممکن نہیں لہذا ضرور ہوا کہ رسالت کی تصدیق جزو ایمان ہو جیسے کہ صحیحین میں حضرت انس رضی سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ اونٹ پر سوار تھے اور معاذ رضی عنہ آنحضرت کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے حضرت معاذ کو تین بار یا وفرمایا اور انہوں نے بھی تین بار جواب دیا کہ لبیک یعنی حاضر ہوں یا رسول اللہ ۲ اوسوقت حضرت نے فرمایا کہ مَا مِنْ اَحَدٍ یَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ۔ یعنے کوئی ایسا نہیں کہ جو صدق دل سے وحدانیت خدا اور رسالت محمد رسول اللہ ۲ کی شہادت دیتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اوسکو دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔ اسپر حضرت معاذ رضی نے عرض کیا کہ کیا میں لوگوں کو اس خبر کی بشارت دوں تو آنحضرت نے فرمایا کہ لوگ اس بشارت کے باعث عمل میں سستی کرینگے لہذا معاذ نے یہ بشارت اپنی موت کے وقت ظاہر کی۔ پس معلوم ہوا کہ نجات کا ذریعہ شہادتین ہیں نہ فقط شہادت وحدانیت ورنہ لازم آئیگا کہ ہر منکر رسالت جیسے ہندو اور صابی بھی مومن ناجی ہوں۔ پس جب کہ تصدیق رسالت اور تصدیق توحید دونوں جزو ایمان کے ٹھہرے تو ضرور ہوا کہ ان ہر دو جزو کے قطعی احکام کی تصدیق بھی داخل ایمان ہو ورنہ تصدیق ہر دو جزو بیکار رہے اور یہی امر موجب خلود جنت ہے یا دائمیکہ میں موت ان ہر دو جزو میں سے کسی جزو کا انکار یا کسی جزو کے قطعی حکم کا انکار نکیا جاوے اور اگر میں موت تک

انمین سے کسی کا انکار ہو تو اس سے نہ ایمان کا بقا ہے اور نہ جنت کا لقا اور یہی مفاد احادیث بالا ہے اور اس بیان سے واضح ہوا کہ اعمال کا حصول داخل ایمان نہین اسلئے کہ اسمین منافق اور مومن دونون شارک ہین اور یہی وجہ ہے کہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال کا ذکر ان احادیث مین مطروح اور اصل امر کو ذکر فرمایا کہ جو موجب تحصیل اعمال ہے اور حضرت عیسیٰ نے اونکا ذکر کیا کہ جو تکمیل ایمان اور علامت کاملہ اہل ایمان ہے۔ امام ابوالحسن اشعری کا قول ہے کہ ایمان فقط تصدیق قلبی اور قول زبانی اور ارکان پر عمل کرنا یہ کل ایمان کے فروعات سے ہی پس جس شخص نے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا اور کل رسولون کا اعتراف کیا اور جو کچھ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہین دل کے ساتھ اوس نے اوسکی تصدیق کی۔ تو اوس شخص کا ایمان صحیح ہے یہانتک کہ اگر وہ شخص اسی تصدیق پر فی الحال مرجاوے تو وہ شخص مومن نجات والا ہوگا۔ اور ایمان سے خروج بجز اسکے نہین ہوتا کہ ان اشیاء بالا مین سے کسی شئی کا انکار کرے۔ اور گناہ کبیرہ کا مرتکب جب کہ دنیا سے توبہ کے بغیر فوت ہوجاتا ہے تو اوسکا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے خواہ اوسکو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ بخشدیوے خواہ اوس کے حق مین نبی صلے اللہ علیہ وسلم شفاعت کرے اس لئے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے اور خواہ اوسکو اوسکی گناہ کے مقدار پر عذاب دیوے اور پھر اپنی رحمت کے ساتھ اوسکو جنت مین داخل کرے۔ اور جائز نہیں کہ کبیرہ

www.ahnafmedia.com

گناہ والا کافروں کے ساتھ ہمیشہ دوزخ میں رہے اس لئے کہ حدیث مبارک میں وارد ہے کہ جس کسی کے دل میں ایک ذرہ کا مقدار بھی ایمان ہوا تو وہ شخص دوزخ سے نکالا جاویگا۔ پھر اشعری کہتا ہے کہ اگر گنہگار شخص توبہ کرے تو میں نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ پر اوس کے توبہ کا قبول کرنا بحکم عقل واجب ہے اس لئے کہ باریتعالیٰ خود واجب کرنے والا ہے پس اوسپر کوئی شئی واجب نہیں بلکہ اتنا امر شریعت میں بطور سمع کے وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ اور اضطرار والوں کی دعا کی اجابت کرتا ہے لیکن وہ اپنی مخلوقات کا مالک ہے جو چاہے فعل کرے اور جو چاہے حکم کرے پس اگر کل مخلوقات کو جنت میں داخل کردے تو کوئی افسوس نہیں اور اگر سب کو دوزخ میں ڈالدے تو کوئی ظلم نہیں اس لئے کہ ظلم اوس تصرف کا نام ہے کہ جو ملکِ غیر میں کیا جاوے یا ایک شئی کو غیر محل میں رکھا جاوے لیکن اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے نہ اوس سے ظلم متصور ہے اور نہ اوسکی طرف ظلم کی نسبت کیا جاسکتا ہے۔ پھر اشعری کہتا ہے کہ کل واجبات کا وجوب سمع کے ساتھ ہے اور عقل کسی شئی کو واجب نہیں کرتی اور نہ کسی شئی کی تحسین اور تقبیح کا اقتضا کرتی ہے پس اللہ تعالیٰ کی معرفت عقل سے حاصل ہوتی ہے اور سمع کے ساتھ واجب ہوتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا۔ اور اسیطرح منعم کا شکر اور اطاعت گزار کو ثواب اور بے فرمان کو عذاب سمع کے ساتھ واجب ہے نہ عقل سے اور اللہ تعالیٰ پر کوئی شئی عقل کے ساتھ واجب نہیں نہ صلاح نہ اصلح

اور نہ لطف کیونکہ جس حکمت موجبہ کا اقتضا عقل ایک جہت سے کرتی ہے تو دوسری جہت سے اوسکی نقیض کا بھی اقتضا کرتی ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ پر بندون کا مکلف فرمانا واجب ہے اس لئے کہ اس سے نہ اوسکو نفع حاصل ہوتا ہے اور نہ اوس سے کوئی ضرر دور ہوتا ہے۔ اور وہ قادر ہے کہ بندون کو ثواب اور عذاب کی جزا دیوے اور اس پر بھی قادر ہے کہ ابتدا سے ہی از روی تکرم اور تفضل کے بندون پر فضل اور کرم کرے اور ثواب اور تفضل اور نعیم اور لطف یہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل ہے اور عذاب سب کے سب عدل ہے وہ اپنے فعل سے سوال نہین کیا جا سکتا لیکن بندون کو سوال کیا جائیگا جیسے کہ فرماتا ہے لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ۔ اور انبیاء علیہم السلام کا مبعوث ہونا ایک قضیہ جائز نہ واجب یا مستحیلہ لیکن مبعوث ہونے کے بعد معجزات کے ساتھ تائید اور مہلکات سے اوسکا بچاؤ امر واجبی ہے اس لئے کہ سننے والے کے لئے کوئی طریق ضروری ہے کہ اوس پر چلے اور اوس سے مدعی کا صدق معلوم کرے اور کل علتون اور موانع کا دور کرنا ضروری ہے تاکہ حکم تکلیف مین تناقض واقع نہو۔ اور معجزہ ایک ایسا فعل ہے کہ جو عادت کے لئے خارق دعوی کے ساتھ مقارن معارضہ سے سالم اور وقت قرینہ کے جا بجا تصدیق قول کے ہوتا ہے۔ اور یہ دو قسم ہی ایک تو خرق عادت ہے اور دوسرا غیر عادت کا اثبات۔ اور اولیا، اللہ کی کرامتین حق ہین اور یہ ایک وجہ سے انبیا علیہم السلام کی تصدیق اور معجزات کے لئے تاکید ہین۔ اور ایمان اور طاعت کا حصول اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور کفر اور معصیت عدم توفیق اور خذلان

پس یہود اور نصاریٰ دونون کافر ہیں اس لئے کہ ان دونون نے

اور توفیق کا معنیٰ یہ ہے کہ قدرت کا طاعت پر پیدا کرنا۔ اور خذلان کا معنی معصیت پر قدرت کا پیدا کرنا۔ اور جو کچھ کہ قرآن مین امور غائبہ جیسے قلم اور لوح اور عرش اور کرسی اور جنت اور نار کے اخبار وارد ہین انکا اجرائی ان کے ظاہر پر واجب ہے اور اسی کے موافق ان کے ساتھ ایمان واجب ہے اس لئے کہ ان کے اثبات مین کوئی محال لازم نہین آتا اور جو امور مستقبلہ جیسے قبر کا سوال اور ثواب اور عذاب اور جیسے میزان اور حساب اور صراط اور ایک فریق کا جنت مین جانا اور ایک کا دوزخ مین جانا وارد ہے یہ سب حق ہے انکا اقرار واجب ہے اور ان کو اپنے ظاہر پر رہنے دینا واجب اس لئے کہ ان کے وجود مین کوئی محال لازم نہین ۱۲ مترجم

لہ یہود اور نصاریٰ یہ اہل کتاب کی اعظم امتون مین سے دو بڑی امتین ہین اور ان دونون مین سے یہود کی امت اعظم ہے اس لئے کہ شریعت ابتدا مین موسیٰ علیہ السلام کی تھی اور کل بنی اسرائیل اسی کے پیرو تھے اور اسی کے احکام کے مکلف تھے اور انجیل جو کہ مسیح علیہ السلام پر نازل ہوی ہے نہ کسی حکم کے ساتھ مختص ہوی اور نہ اوس نے حلال و حرام کا بیان فرمایا بلکہ وہ فقط رموز اور امثال اور پند و نصایح اور ترغیب و ترہیب ہے اور باقی جتنے احکام کہ اس نے بیان کئے ہین وہ کل تورات کی طرف منسوب ہین چنانچہ یہود نے اسی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت قبول نہ کی۔ اور اونہون نے دعوی کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام خود تورات کی متابعت کے لئے مامور ہے لیکن اس نے تورات مین

تغیر اور تبدیل کردی ہے اور اونہون نے عیسیٰ پر ان تغیرات کا الزام لگایا۔ اول یہ کہ اوس نے یوم سبت یعنے شنبہ کو یکشنبہ کے ساتھ بدل کر دیا۔ اور دوسرا خنزیر کا کہانا حلال کہا حالانکہ تورات مین حرام ہے اور سویم ختنہ اور غسل وغیرہ۔ لیکن اہل اسلام نے انہین کی کتابون سے ثابت کر دکھلایا ہے کہ ان دونون امتون نے اپنے اپنے کتابون مین خود تحریف اور تبدیل کی اور اسی بنا پر امت یہود کے اکہتر فرقہ ہوئے اور امت نصاریٰ کے بہتر اور ہر ایک فرقہ دوسرے فرقہ کا مخالف اور اوسکو محرف بتلاتا ہے۔ ورنہ عیسیٰ علیہ السلام تو اونہین احکام کا ثابت کرنے والا تہا کہ جو موسیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا تہا اور ان دونون انبیاء علیہما السلام نے ہمارے رسول نبی رحمت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی مقدم شریف کی بشارت دی اور ان امتون کو ان کے اماموں اور انبیاؤن اور کتابون نے اس امر کا حکم کیا۔ اور اسی بنا پر ان کے اسلاف نے قبل ظہور نبوت محمد صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قرب وجوار مین قلعون اور مکانون کو بنا کیا تاکہ رسول آخر الزمان کو نصرت دیوین اور ان اسلاف نے ان امتون کو حکم دیا کہ وہ اپنے شام کے وطنون کو چھوڑ کر وہان جاکر پیشقدمی کرین اور رسول آخر الزمان کو جب کہ فاران کی پہاڑی پر حق کا ظہور ہوا اور دار ہجرت یعنی یثرب اور مدینہ کی طرف مہاجرت کرے تو اوس کی نصرت اور مدد کرین لیکن جب اوسکا ظہور ہوا تو خود اوس کے منکر ہوگئے جسکی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ

علی الکافرین۔ تورات مین ہے کہ اللہ تعالیٰ طور سینا سے آیا اور ساعیر پر ظاہر ہوا اور فاران پر کمال اور علو کو پہونچا۔ اور ساعیر بیت المقدس کی پہاڑیان ہین کہ جہان عیسیٰ کا ظہور ہوا اور فاران مکہ کی پہاڑیان ہین کہ جہان محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور کمال ہوا۔ اور جب کہ اسرار الٰہی اور انوار ربانی کے تین مراتب ہین۔ یعنی وحی اور تنزیل اور مناجات۔ اور ان کے تاویل کے بہی تین مراتب یعنی مبداء اور وسط اور کمال۔ اور آنے کو مبداء کے ساتھ زیادہ مشابہت ہے اور ظہور کو وسط کے ساتھ اور علو کو کمال کے ساتھ لہذا تورات نے مبع شریعت کے طلوع اور اوس کے نزول کو طور سینا پر آنے کے ساتھ تعبیر کیا اور طلوع آفتاب کو ساعیر پر ظاہر ہونے کے ساتھ اور درجۂ کمال اور استوا پر پہونچنے کو فاران پر علو کے ساتھ۔ اور اس کلمہ سے مسیح اور محمد صلے اللہ علیہما وسلم دونون کی نبوت کا اثبات اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبین ہونے پر پوری دلیل ہے نصاریٰ کے دین اختراعی کی حقیقت ان کے تین فرقون کے مقالات کے دیکھنے سے بخوبی واضح ہوسکتی ہے۔ ایک فرقہ ملکائیہ یہ ملکا کے اصحاب ہین کہ جو روم مین ظاہر ہوا اور اوس کا حاکم بنا۔ انکا قول ہے کہ مسیح نے حواریون کو بلا کر کہا کہ مین تمہین نصیحت کرتا ہون کہ تم اپنے دشمنون کو دوست رکھو اور جو تمہین لعنت کہے تم اوسکو دعاے برکت دو اور جو تم پر غصہ کرے تم اوس کے ساتھ احسان اور نیکوئی کرو اور جو تم کو ایذا دیوے تم اوس کے لئے دعاے خیر مانگو تاکہ تم اپنے اوس باپ کے

بیٹے ہو کہ جو آسمان مین ہے اور اوس کا آفتاب صالحین اور فاجرین پر چمک رہا ہے اور اوس کی رحمت کے قطرے پاکون اور ناپاکون پر نازل ہو رہے ہین۔ اور تم کامل ہو جیسے کہ تمہارا باپ آسمان مین کامل ہے۔ اور کہا کہ تم اپنے صدقات کی طرف نظر کرو اور دکھاوے کے لئے مقدم اور معظم آدمیون کرمت دو سبا دا تمہارے باپ کے نزدیک جو کہ آسمان مین ہے اوسکا کوئی اجر نہو۔ اور سولی کے وقت کہا مین تمہارے اور اپنے باپ کے پاس جاتا ہون۔ اسی بنا پر جبکہ ایوس باشندہ قسطنطنیہ نے کہا کہ قدیم فقط اللہ ہے اور مسیح اوسکا بندہ مخلوق ہے تو بطارقہ اور مطارنہ اور اساقفہ یہ کل نصاریٰ کی قوم کے معظم قبیلے شہر نیس مین اپنے بادشاہ قسطنطین کے پاس جمع ہوے اور اونہون نے حضور بادشاہ مین دین نصاریٰ کے گھڑنے کیلئے ایک کونسل ۳۲۵ عیسوی مین تین سو تیرا (۳۱۳) آدمیون کی منعقد کی جسمین یہ اعتقاد قرار پایا کہ ہم اللہ واحد کے ساتھ جو کہ باپ ہے اور ہر شئی کا مالک اور ظاہر اور پوشیدہ کا صانع اور نیز ابن واحد کے ساتھ ایمان لاتے ہین کہ جو یشوع مسیح اللہ کا بیٹا اور تمام مخلوقات سے مقدم اور اول ہے اور وہ مصنوع نہین بلکہ خدائے حق سے خدای حق ہے وہ اپنے اوس باپ کے جوہر سے ہے کہ جس نے کل عالم کو اور نیز ہر شئے کو ہمارے لئے محکم بنایا اور وہ ہماری خلاصی کے لئے آسمان سے نازل ہوا اور روح القدس سے جسد مین آیا اور مریم بکنواری سے متولد ہوا اور فیلاطوس کے زمانہ مین سولی پر چڑھایا گیا اور دفن کیا گیا پھر تیسرے دن قبر سے نکلا اور آسمان کیطرف صعود کر گیا۔ اور اپنے باپ

رسول علیہ السلام کی تکذیب کی ہے۔ اور براہمی[1] بطریق اولیٰ کافر ہے اس لئے کہ وہ بین بائمہ کی طرف جا بیٹھا اور وہ دوسری دفعہ آنے کے لئے مستعد ہے تاکہ مردون اور زندون کے درمیان قضا کرے۔ اور ہم روح القدس پر ایمان لاتے ہین جو کہ واحد ہے اور وہ روح الحق جو اپنے باپ سے نکلیگا۔ اور نیز معمودیہ واحدہ پر ایمان لاتے ہین تاکہ ہماری خطا معاف ہو اور نیز جماعت واحدہ قدسیہ مسیحیہ جاثلیقیہ پر ایمان لاتے ہین اور نیز ایمان لاتے ہین کہ ہمارے بدن قایم رہینگے اور ابدالاباد تک زندہ رہین گے۔ یہ ان کلمات پر پہلا اتفاق اور پہلی کونسل تثلیث پر ہے جسکو پادری گبن صاحب نے بھی فال آف رومن ایمپائر کونسل یعنے تنزل سلطنت روسیہ الکبریٰ مین مفصل لکھا ہے پھر اس کے بعد کئی کونسلین ہوتی رہین کہ جو ان کلمات کے برخلاف ہین۔ پس اس دین نصاریٰ کی حقیقت ناظرین اصل معاملہ پر واضح ہوسکتی ہے کہ کیا ہے اور اب کے پادری کس شریعت محرفہ کو آسمانی بتلا کر اوسکی طرف لوگون کو بہکا رہے ہین۔

دوسرا فرقہ نسطوریہ ہے کہ جو حکیم نسطور کے اصحاب ہین اور وہ مامون کے زمانہ مین ظاہر ہوا اور اوسنے اپنی رائے سے انجیل مین تغیر اور تحریف کی اور اوسکو دین نصاریٰ مین ایسی نسبت ہے جیسے کہ معتزلہ کو شریعت محمدیہ مین۔ تیسرا فرقہ یعقوبیہ ہے جو یعقوب کے اصحاب ہین اور تثلیث کے قایل ہین اور ان کے ہم مذہبون مین بڑا ہی خبط ہے جسکا ذکر مفصل کتاب الملل مین ہے۔ مترجم ۱۲

[1] براہمہ اہل ہند کا ایک فرقہ ہے کہ جو ایک شخص برہام نام کی طرف منسوب ہے

اس لئے کہ اوس نے مع اپنے رسول کے باقی رسولون کا انکار بھی کیا ہے۔ اور دہریہ بھی بطریق اولیٰ کافر ہے اس لئے کہ اس نے رسولون کے علاوہ مُرسِل یعنے خدا کا بھی انکار کیا ہے۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کفر بھی عَبدیّت اور حُریت کے مانند ایک حکم شرعی ہے اس لئے کہ کفر کا معنی خون کی اباحت اور آگ مین ہمیشہ رہنے کا ہے اور اس کا ادراک شریعت سے ہی۔ پھر یہ ادراک یا تو نص سے ہوگا اور یا منصوص پر قیاس کرنے سے لیکن یہود اور نصاریٰ کے بارہ مین تو نصوص وارد ہو چکی ہین لہذا براہمہ اور ثنویہ اور زنادقہ اور دہریہ بطریق اولیٰ اون سے لاحق ہوئی اور یہ کل فرقہ مشرک ہین اس لئے کہ یہ کل رسول علیہ السلام کی تکذیب کرتے ہین اور جو کوئی کہ تکذیب کرتا ہے وہ کافر ہے پس یہی جامع اور مانع علامت ہے۔

اس شخص نے اپنی قوم کو خاصکر نفی نبوت کی تعلیم دی اور یہ کئی اصناف ہین ایک وہ جو بُدّ کے قائل ہین۔ اور دوسرے اصحاب کرامد تیسرے اصحاب تناسخ۔ مگر جو قوم کہ اہل ہند مین سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کی قائل ہے اوسکا نام ثنویہ ہے۔ اور انہین مین سے ایک وہ قوم ہے کہ جو نور اور ظلمت کو قدیم اور ازلی قرار دیتی ہے برخلاف فرقہ مجوس کے کہ وہ ظلمت کو حادث کہتے ہین ۱۲ مترجم

فصل

جان تو کہ یہ جو کچھہ کہ ہم نے ذکر کیا ہے باوجود اسکے کہ ظاہر اور جلی ہے تاہم اسکے تحت مین گہراؤ بلکہ تمام گہراؤ ہے اس لئے کہ جو فرقہ کہ اپنے مخالف کی تکفیر کرتا ہے تو اوسکی طرف تکذیب رسول کی نسبت کرتا ہے چنانچہ **حنبلی** اس زعم پر اشعری کی تکفیر کرتا ہے کہ اشعری نے اللہ تعالیٰ کے لئے جانب فوق اور عرش پر استوا کے نہ ثابت کرنے مین رسول کی تکذیب کی ہے۔ اور **اشعری** اس زعم پر حنبلی کی تکفیر کرتا ہے کہ اوس نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات سے تشبیہ دی ہے اور اس امر کے انکار مین کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شئے نہین رسول کی تکذیب کی ہے۔ اور **اشعری** نے معتزلی کی تکفیر اس زعم پر کی ہے کہ اوس نے رویت باری تعالیٰ کے جواز اور اوس کے لئے علم اور قدرت اور باقی صفات کے نہ ثابت کرنے مین رسول کی تکذیب کی ہے۔ اور **معتزلی** نے اشعری کی تکفیر اس زعم پر کی ہے کہ صفات کے ثابت کرنے مین کثرت قدماء کی لازم آتی ہے اور اس سے امر توحید مین فتور آنے سے رسول کی تکذیب لازم آتی ہے پس اس ورطہ اور بہنور سے تجھے بغیر اسکے نجات نہین کہ تو تکذیب اور تصدیق کی تعریف اور ان دونون امور کی حقیقت کو دریافت کرلے

www.ahnafmedia.com

پھر تیرے لئے اس سے ان کل فرقون کی زیادتی اور فضولی کہ جو بعض بخیے نے بعض کے حق مین کی ہے ظاہر اور منکشف ہو جائیگی پس مین کہتا ہون کہ تصدیق کا رجوع خبر بلکہ مخبر کی طرف ہوتا ہے اور حقیقت اسکی اوس شئے کے وجود کا اقرار کرنا ہے کہ جسکی وجود کی نسبت رسول علیہ السلام نے خبر دی ہے۔ اور وجود کے لئے پانچ مرتبہ ہین اور انہین پانچ مرتبون سے غافل ہونے کی وجہ سے ہر فرقہ نے اپنے مخالف کی طرف تکذیب کی نسبت کی ہے اس لئے کہ وجود ذاتی بھی ہے اور حسی اور خیالی اور عقلی اور شبہی بھی۔ پس جو شخص کہ ان پانچون وجوہ مین سے کسی ایک وجہ سے اوس شئی کا اعتراف کرے کہ جسکی وجود کی نسبت رسول علیہ السلام نے خبر دی ہے تو وہ شخص مطلق طور پر مکذب نہین ہے۔ پس ہم وجود کے ان پانچون اصناف کی شرح کر کے ہر ایک کی مثال الفاظ تاویلات مین ذکر کرتے ہین۔

پس وجود ذاتی یہہ وہی وجود حقیقی ہے کہ جو حس اور عقل سے خارج مین ثابت ہے۔ لیکن حس اور عقل اوسکو اخذ کرتی ہے اور اس اخذ کا نام ادراک ہے جیسے آسمان اور زمین اور حیوانات اور نباتات کا وجود کہ جو ظاہر ہے اور حس اور عقل سے خارج مین ہے لیکن حس اور عقل اسکا ادراک کرتی ہے۔ بلکہ وجود کا معنی معروف

یہی ہے کہ جسکو اکثر لوگ جانتے ہین اور اسکے سوای کوی دوسرا
معنی وجود کے لئے اون کے نزدیک معروف نہین اور وجود حسی
وہ ہے کہ جو آنکہہ کی قوت باصرہ مین متمثل ہوتا ہے اور جس کے لئے
آنکہہ سے خارج مین کوئی وجود نہین پس گویا وہ وجود حس مین
ہی موجود ہوتا ہے اور قوتِ حاسہ ہی اوس کے ساتھ مختص ہے اور جس کے
ساتھ کوئی دوسری چیز اس وجود مین شرکت نہین رکہتی جیسے کہ سویا ہوا
شخص خواب مین دیکہتا ہے یا جیسے کہ کبھی مریض آدمی بیداری کی
حالت مین دیکہتا ہے اس لئے کہ کبھی مریض کی آنکہہ مین ایسی صورت
متمثل ہونے لگتی ہے کہ جس کے لئے مریض کی حس سے خارج مین کوئی
وجود نہین ہوتا حتی کہ اوس کو اسطرح پر دیکہنے لگتا ہے جیسے کہ باقی
موجودات کو کہ جو اوسکی حس سے خارج مین ہین بلکہ کبھی انبیاء اور
اولیا علیہم الصلوات والسلام کے لئے بہی حالت بیداری اور صحت
مین ایسی جمیلہ صورتین متمثل ہوتی ہین کہ جو ہمہ ملائکہ کے لئے محاکی
اور مشابہ ہوتی ہین اور انہین جمیلہ صورتون کے واسطہ سے اونکی
طرف الہام اور وحی کی تبلیغ ہوتی ہے حتی کہ انبیاء علیہم السلام بسبب
اپنی صفائی باطن کے اون امور غیبیہ کو بیداری کی حالت مین دیکہتے ہین
کہ جنکو دوسرے لوگ خواب کی حالت مین دیکہتے ہین جیسے کہ حضرت

مریم علیہا السلام کے لئے حضرت جبرئیل کا بشر کی صورت مین متمثل ہونا
اور جیسے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبرئیل کو اکثر حالات
مین دیکھنا لیکن باوجود اس کے آنحضرت نے جبرئیل علیہ السلام کو
اصلی صورت مین فقط دو دفعہ ہی دیکھا اور جیسے کہ آنحضرت کا
جبرئیل علیہ السلام کو مختلف صورتون مین متمثل دیکھنا اور جیسے کہ خود ذات
شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب مین دکھائی دیتی ہے اور
باوجود اس کے فرماتے ہین کہ جس نے مجھے خواب مین دیکھا تو اوس نے
بالتحقیق مجھے دیکھا اس لئے کہ شیطان میری صورت کے ساتھ متمثل نہین ہوتا
حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خواب مین دکھائی دینا اسطرح پر
نہین ہوتا کہ آنحضرت کا شخص مبارک مدینہ منورہ کے روضۂ مبارک سے
خواب دیکھنے والے کے مقام خواب مین منتقل ہوکر آتا ہو بلکہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کا دکھائی دینا اسطریقہ پر ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے والے کی
فقط حس مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک موجود ہوجاتی
ہے اور اس کا سبب اور اسکا سر ایک امر طویل ہے کہ جسکو ہم نے
اپنی بعض کتابون[1] مین مشروح طور پر بیان کیا ہے - پس اگر تو اس امر کی

[1] امام غزالی رح اپنے رسالہ حقیقت روح مین تحریر فرماتے ہین کہ شاید خواب مین
دیکھنے والا یہ کہے کہ وہ آپ کی مثال کو دیکھتا ہے جسم مبارک نہین دیکھتا اب وہ یا تو

تصدیق نکرتا ہو تو اپنی آنکھ کی تصدیق کر اس لئے کہ تو آگ کی چنگاری کو دیکھتا ہے کہ گویا وہ ایک نقطہ ہے پھر تو اسکو سرعت کے ساتھ مستقیم طور پر حرکت دیتا ہے تو اوسکو ایک خط آگ کا دیکھتا ہے اور پھر اوس چنگارے کو مستدیر طور پر حرکت دیتا ہے تو اوسکو آگ کا دائرہ دیکھتا ہے

مثال جسم علیہ السلام کی کیگیا یا مثال روح کی جو صورت اور شکل سے پاک ہے تو ہم صورت اوّل مین کہتے ہین کہ جسم تو بذات خود محسوس ہے اوسکی تمثیل کی کیا حاجت ہے پھر جس نے صورت کے بعد رسول مقبول ؐ کی جسم مبارک کی مثال کو دیکھا اور روح کو نہ دیکھا اوس نے نبی ؐ کو تو نہ دیکھا بلکہ جسم کو دیکھا کیونکہ نبی ؐ روح سے مراد ہے نہ کہ ہڈیون اور گوشت سے بلکہ حق یہ ہے کہ وہ رسول مقبول ؐ کی روح مقدس کی مثال ہے کہ جو محل نبوت ہے اور جو اوس نے دیکھی ہے وہ حقیقت مین روح کی مثال ہے اور وہ حضرت ؐ کی روح اور اوسکا جوہر ہے جسم نہین اور حدیث مَنْ رَآنِیْ فِی مَنَامٍ فَقَدْ رَآنِیْ سے یہ مراد ہے کہ جو اوس نے دیکھا وہ مثال ہے کہ جو معرفت حق کے لئے میرے اور دیکھنے والے مین واسطہ ہو گئی۔ پس جو ہر نبوت یعنے روح مقدس حضرت ؐ کی جو بعد مفارقت حضرت ؐ کے باقی ہے رنگ اور شکل اور صورت سے تو پاک ہے۔ لیکن بمثال مطابق کے واسطہ سے امت کو اوس روح کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مثال ایک ایسی شکل ہے کہ جس کے لئے رنگت اور صورت ہے **اقول** ممکن ہے کہ وہ صورت آنحضرت ؐ کی روح کی مثال نہ ہو بلکہ خود ذات شریف آنحضرت ؐ کی ہو اس لئے کہ روح ایک ایسا جوہر لطیف ہے کہ جس کے لئے

اور یہ دائرہ ناری اور خط ناری دونون دکھائی دیتے ہین حالانکہ ان
دونون کا وجود فقط تیری حس مین ہے نہ کہ حس سے خارج مین اسلئے
کہ ہر حالت مین موجود خارجی فقط ایک نقطہ ہے لیکن اوس نقطہ کا
خط ہو جانا اوقات متعاقبہ مین ہوتا ہے لہذا خط کا وجود ایک ہی حالت
مین ثابت نہوگا حالانکہ وہ تیرے مشاہدہ مین ایک ہی حالت مین نقطہ

قرب اور بعد مقدر نہین اور چونکہ آنحضرت ؐ کا جسم مبارک حکم روح رکھتا ہے چنانچہ
اسیوجہ سے آنحضرت ؐ کے جسم مبارک کا سایہ زمین پر نہین پڑتا تھا تو ممکن ہے کہ خواب
مین ہزارہا کس کو ایک ہی وقت مین آنحضرت ؐ کا جسم مبارک کہ جو مدینہ منورہ کے
روضۂ مبارک مین ہے مع روح دکھائی دیوے اور ایک ہی وقت مین ہزارہا آدمیون
کے آنکھ مین اوسکا جلوہ تجلی دیوے لیکن مختلف اشکال مین دکھائی دینا اسکا بسبب
ایک امر عارض ہے کہ جو دیکھنے والون کی قوت ایمانیہ اور مناسبت روحانیہ کی طرف
راجع ہے۔ اسیطرح اولیاء کرام جنکا یہ قول ہے کہ اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا اَجْسَادُنَا
اَرْوَاحُنَا وہ بھی مختلف صورتون مین مختلف دیکھنے والون کی نظر مین ایک ہی
وقت دکھائی دیتے ہین اور ایک ہی آن مین مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق
جا پہونچتے ہین۔ فَيُدَمِّرُونَ اَعْدَائَهُمْ وَيُنَصِّرُونَ اَوْلِيَائَهُمْ۔ پس اے میری دانش
یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ؐ کا روح مع جسم مبارک کشف حجاب کے وقت نہ دکھائی دے
حالانکہ اسکا ثبوت اکثر اولیاء اللہ کے مشاہدہ سے ثابت ہے ۱۲ مترجم

ثابت ہے۔ اور وجود خیالی انہین محسوسات کی صورت ہے
جب کہ وہ تیرے حس سے غائب ہوجاتی ہین اس لئے کہ تجھے
اس امر کی قدرت ہے کہ تو اپنے خیال مین ہاتھی اور گھوڑے کی صورت
اختراع کرلے گو اپنی آنکھون کو بند کیون نہ کرلے یہانتک کہ تو اوسکو
اس حالت مین دیکھنے لگتا ہے کہ وہ اپنی کمال صورت کے ساتھ تیرے
دماغ مین موجود ہوجاتا ہے نہ خارج مین۔ اور وجود عقلی اسطرح پر ہے
کہ ایک شئی کے لئے روح یعنے حقیقت اور معنی جدا ہو اور صورت جدا لیکن
عقل فقط اوس شئی کے مجرد معنی کا القا کرے اور اوسکی صورت کو خیال یا
حس یا خارج مین ثابت نہ کرے جیسے ید یعنے ہاتھ کہ اس کے لئے
ایک صورت بھی ہے کہ جو محسوس اور متخیل ہے اور نیز اسکے لئے ایک
معنی بھی ہے کہ جو اوسکی حقیقت اور روح ہے اور وہ حقیقت کیا ہے یعنے
پکڑنے کی قدرت کہ جو کہ ہاتھ عقلی ہے۔ اور جیسے قلم اس لئے کہ اسکے
لئے بھی ایک صورت جدا ہے لیکن حقیقت اسکی وہ ہے کہ جس سے
علوم کے نقوش لکھے جاتے ہین اور یہی معنی عقل کو حاصل ہوتا ہے
بے اس کے کہ لکڑی یا کاغذ کی صورت خیالی یا حسی سے مقرون ہو
اور وجود شبہی وہ ہے کہ نفس شئی فقط باعتبار صورت کے موجود ہو
نہ باعتبار حقیقت کے نہ خارج مین اور نہ حس مین اور نہ خیال مین اور نہ

عقل مین لیکن حقیقت مین کوی دوسری شئی موجود ہو کہ جو شئی اول کے ساتھ کسی ایک خاصہ اور صفت مین مشابہت رکھتی ہے۔ اور عنقریب جب کہ مین تاویلات مین تیرے لئے اسکی مثال ذکر کرونگا تو تجھے وجود شبہی کی سمجھ آجاویگی۔ پس وجود اشیا کے یہی مراتب ہین۔

فصل

اب تو ان پانچون درجون کی مثالین الفاظ تاویلات مین استماع کر پس وجود ذاتی چندان تاویل کی طرف محتاج نہین اور یہ وہی وجود ہے کہ جو اپنے ظاہر پر جاری رہتا ہے اور تاویل نہین کیا جاتا اور یہی وجود مطلق حقیقی ہے جیسے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا عرش اور کرسی اور ساتون آسمانون کی نسبت خبر دینا اس لئے کہ یہہ اجسام فی نفسہا موجود ہین۔ حس اور خیال سے ادراک کئے جاوین یا نہ کئے جاوین۔ اور وجود حسی کی مثالین تاویلات مین کثرت سے ہین اور مین اسجگہہ پر فقط دو مثالون پر اکتفا کرتا ہون۔

ایک یہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز موت کو ایک خوبصورت مینڈہے کی صورت مین لایا جاویگا اور بہشت اور دوزخ کے درمیان اوسکو ذبح کیا جاویگا۔ پس جس شخص

کے نزدیک برہان اور دلیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ موت عرض ہے یا غیر عرض۔ اور عرض کا جسم ہو جانا محال اور قدرت سے خارج ہے تو وہ شخص اس حدیث کی یوں تاویل کرتا ہے کہ اہل قیامت کو وہ سینڈھا دکھایا جاویگا۔ اور اونکو اعتقاد دلایا جاویگا کہ یہی موت ہے اور یہ مینڈھا اونکی حس مین موجود ہوگا بغیر اس کے کہ خارج مین موجود ہو اور اوس کا ذبح کیا جانا اون کے لئے موت سے یاس اور ناامیدی کا باعث ہوگا اس لئے کہ جو ذبح کیا جاتا ہے اوس کے عود کی پھر امید نہین رہتی۔ اور جس شخص کے نزدیک یہ برہان قایم نہین ہے تو وہ اعتقاد کریگا کہ نفس موت فی ذاتہ مینڈھا بنجاویگی اور پھر ذبح کیجاویگی۔

دوسری مثال یہ ہو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہشت اس دیوار کی پہنائی مین میرے سامنے کیا گیا۔ پس جس شخص کے نزدیک اس امر پر برہان ثابت ہے کہ اجسام مین تداخل نہین ہو سکتا اور چھوٹی چیز مین بڑی چیز نہین سما سکتی تو وہ شخص اس حدیث کو اس معنی پر حمل کریگا کہ نفس جنت تو اس دیوار کی طرف منتقل نہین ہوا تھا لیکن جس کے لئے جنت کی صورت اوس دیوار مین اسطرح متمثل ہوئی کہ گویا جنت دکھائی دے رہا تھا۔ اور یہ منع نہین کہ بڑی شئی کی مثال ایک جزو صغیر مین دکھائی دیوے جیسے کہ آسمان ایک چھوٹے سے آئینہ مین دکھائی دیتا ہے

اور یہ دکھائی دینا صورت جنت کے مجرد تخیل کے لحاظ سے اوس سے جدا ہے کہ جو آئینہ مین آسمان دکھائی دیتا ہے اس لئے کہ تو ان دو صورتون مین فرق کرسکتا ہے کہ آسمان کا آئینہ مین دکھائی دینا جدا شے ہے اور آنکھون کو بند کرکے آسمان کی صورت کا بطریق تخیل آئینہ مین ادراک کرنا جدا شی ہے اور وجود خیالی کی مثال جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ مین گویا یونس بن متی کی طرف نظر کر رہا ہون کہ وہ دو قطوانی عبا مین اوڑھے ہوے تلبیہ (یعنے کلمہ لبیک اللہم لبیک) کہہ رہا ہے اور پہاڑ اوسکو جواب دیتے ہین اور اللہ تعالی کہتا ہے کہ لبیک ای یونس۔ حالانکہ آنحضرت کا یہ قول بظاہر اسی پر مبنی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خیال مبارک مین یہ صورت متمثل ہوی اس لئے کہ اس حالت کا وجود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کے قبل ہوکر معدوم بھی ہوچکا ہے کہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے کے وقت موجود نہ تھا۔ اور یہ بھی کہنا بعید نہین کہ اس حالت کا تمثل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حس مین ہوا ہو حتی کہ اس حالت کا دکھائی دینا آنحضرت کو اسطرح پر ہوگیا ہو جیسے کہ سویا ہوا شخص مختلف صورتون کو دیکھتا ہے لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ گویا مین نظر کر رہا ہون اس امر کی خبر دیتا ہے کہ یہ نظر حقیقی

نہ تھی بلکہ اوسکی مثال تھی مگر غرض ہماری آنحضرت کے اس قول کے ذکر کرنے سے فقط مثال کا سمجھانا ہے نہ کہ خاص اس صورت کا بتلانا۔ اور حاصل یہ ہے کہ جو شئی کہ محل خیال مین متمثل ہوتی ہے محل ابصار مین اوسکا متمثل ہونا تصور کیا جاتا ہے اور یہ تمثل مشاہدہ ہوجاتا ہے۔ اور یہ امر بہت ہی کم ہے کہ جس شئی مین تخیل کا ہونا تصور کیا جاتا ہے اوسمین مشاہدہ کا محال ہونا برہان کے ساتھ تمیز کیا جاوے۔ اور وجود عقلی کی مثالین تو بہت ہین لیکن یہان ہم فقط دو مثالون پر قناعت کرتے ہین

اول یہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے آخر جو شخص کہ دوزخ کی آگ سے نکالا جاویگا اوسکو اس دنیا سے دس گنا بڑا بہشت دیا جائیگا۔ اس لئے کہ اس قول سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت طول اور عرض اور مساحت کے اعتبار سے دس گنا ہوگا حالانکہ یہ ایک حسی اور خیالی تفاوت ہے پھر کبھی تعجب سے کہا جاتا ہے کہ بہشت تو حسب دلالت اخبار ظاہرہ آسمان مین ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آسمان مین اوس سے دس گنے بڑی شئے سما سکے حالانکہ آسمان بھی تو دنیا ہی مین سے ہی۔ اور کبھی تاویل کرنے والا اس تعجب کو قطعی جانکر کہتا ہے کہ اس تفاوت سے معنوی اور عقلی تفاوت مراد ہے نہ حسی اور خیالی تفاوت جیسے کہ کہا جاتا ہے

مثلاً یہ موتی اس کپڑے سے دس گنا ہے اور مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ معنی مالیت مین دس گنا ہے کہ جو عقلاً ادراک کیا جاتا ہے نہ باعتبار مساحت کے کہ جو حس اور خیال سے ادراک کی گئی ہے۔

دوم یہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالے نے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو اپنے ہاتھ سے چالیس روز تک خمیر کیا۔ پس گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ کا ہونا ثابت کیا لیکن جس شخص کے نزدیک یہ امر برہان سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے ہاتھ کا ہونا محال ہے کہ جو عضو محسوسہ یا متخیلہ ہے تو وہ اللہ کے لئے روحانی اور عقلی ہاتھ ثابت کرتا ہے کہ جو اوسکی روح اور معنی اور حقیقت ہے نہ صورت۔ اس لئے کہ ہاتھ کی روح اور معنی وہ شئے ہے کہ جس کے ساتھ ملائکہ کے واسطہ سے پکڑتا اور دیتا ہے اور فعل کرتا ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا اور پھر کہا کہ مین تیرے ہی واسطہ سے دونگا اور تیرے ہی واسطہ سے پھیر لونگا۔ اور ممکن نہین کہ اس سے وہ عقل مراد ہو کہ جو ایک عرض ہے جیسے کہ متکلمین کا اعتقاد ہے اس لئے کہ ممکن نہین کہ سب سے پہلے عرض کی پیدائش ہو بلکہ اس عقل سے مراد ملائکہ مین سے اوس

آدمی ایک فرشتہ کی ذات ہے کہ جسکا نام عقل ہے اس لحاظ سے کہ یہ فرشتہ کل اشیاء کا تعقل اپنی جوہر اور اپنی ذات کے ساتھ کرتا ہے بغیر اس کے کہ کسی تعلم خارجی کے طرف محتاج ہو۔ اور اسی فرشتہ کو قلم بھی کہتے ہیں اس لحاظ سے کہ اسکے واسطے سے انبیاء اور اولیاء اور باقی ملائکہ کے لوح قلوب میں وحی اور الہام کے طریقہ سے علوم کے حقایق نقش کئے جاتے ہیں اس لئے کہ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ پس اگر اسکو عقل کی طرف رجوع نہ کرایا جائے تو ان دونوں حدیثوں میں تناقض لازم آئیگا پس جائز ہے کہ ایک شئی کے لئے مختلف اعتبارات کے لحاظ سے متعدد نام ہوں چنانچہ عقل باعتبار اپنی ذات کے ہے اور ملک ان اعتبار سے ہے کہ اسکو اللہ تعالیٰ کی طرف اللہ اور مخلوقات کے درمیان واسطہ ہونے کی نسبت ہے۔ اور قلم اس اعتبار سے کہ اسکو ایسی نقش علوم کی طرف اضافت ہے کہ جو اس سے بواسطہ الہام اور وحی صادر ہوتا ہے جیسا کہ حضرت جبریل کو روح باعتبار اور کی ذات کے یہ لاجاتا ہے اور ناطقین باعتبار سے کہ امر ربانی اور کے ساتھ ظہور امانت کئے گئے ہیں اور قوی باعتبار اسکی قدرت کے اور شدید القوی باعتبار اسکی کامل قدرت کے اور مکین عند ذی العرش

باعتبار قرب منزلت کے اور مطاع ہونے کے بعض ملائکہ کے
حق میں وہ متبوع ہے۔ پس اس شخص نے قلم اور ہاتھ کو عقلی ثابت کیا
نہ حسی اور خیالی اور اسی طرح اس شخص نے کہ جس نے ید یعنے ہاتھ
کو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے قدرت ہو یا کوئی دوسری صفت
جیسے کہ متکلمین کا ان میں اختلاف ہے۔ اور وجہ بھی جیسے غضب
اور شوق اور فرح اور صبر وغیرہ کہ جو اللہ تعالیٰ کے حق میں وارد
ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ مثلاً غضب کی حقیقت یہ ہے کہ ارادہ تشفی کیلئے
خون دل کا اُبلنا لیکن یہ یعنی اللہ تعالیٰ کے حق میں نقصان اور الم
سے جدا نہیں پس جس شخص کے نزدیک اس امر پر برہان قائم ہے
کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نفس غضب کا ثبوت ذاتی اور حسی اور خیالی اور عقلی
محال ہے تو وہ اس کی تاویل ایک دوسرے صفت کے ثبوت پر کرتا ہے کہ
جس سے وہی شئی صادر ہوتی ہے کہ جو غضب سے صادر ہوتی ہے
جیسے عذاب کا ارادہ کرنا حالانکہ ارادہ کو غضب سے بحقیقت ذاتیہ میں کوئی
مناسبت نہیں بلکہ ایک صفت میں ہے کہ جو اوس سے قریب قریب ہے
اور ایک اثر میں جو اوس سے صادر ہوتا ہے اور وہ کیا ہے یعنے
ایلام یعنے دکھانا۔ پس یہ مراتب تاویلات کے ہیں جو کہ ہو سکے

فصل

جان تو کہ جو کوئی شخص کہ شارع کے اقوال مین سے کسی قول کو ان مراتب کے کسی ایک مرتبہ کے موافق تاویل کرے تو وہ شخص بھی مُصَدِّقین مین سے ہے اس لئے کہ تکذیب اوس صورت مین ہے کہ ان تمام معانی کا انکار کرے اور زعم کرے کہ جو کچھ کہ شارع نے کہا ہے اوسکا کوئی معنی نہین بلکہ کذب محض ہے اور غرض اوسکی اس قول مین فقط فریب دہی یا کوئی دنیا کی مصلحت ہے پس یہی کفر محض اور زندقہ ہے۔ اور تاویل کرنے والون کو جب تک کہ وہ قانون تاویل کی پاس کرتے ہین کفر نہین لازم آسکتا جیسے کہ ہم عنقریب اس امر کی طرف اشارہ کرینگے اور کیونکر کفر لازم آسکتا ہے حالانکہ اہل اسلام کا کوئی ایسا فریق نہین کہ جسکو تاویل کی طرف اضطرار نہ ہو۔ چنانچہ سب سے زیادہ تر تاویل سے احتراز کرنے والا شخص احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ہے۔ اور سب تاویلات مین سے حقیقت سے زیادہ تر بعید اور کلام کو مجاز یا استعارہ کی طرف زیادہ تر قریب کرنے والا وجود عقلی اور وجود شبہی ہے حالانکہ اسی کے طرف حنبلی کو اضطرار ہے اور وہ اسکا قائل ہے۔ چنانچہ مین نے حنبلی مذہب کے معتبر اماموں سے کہ جو

بغداد میں ہیں سنا کہ احمد بن حنبل نے فقط ذیل کی تین حدیثوں کی تاویل پر تصریح کی ہے۔

اوّل یہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے۔

اور دوئم یہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

اور سوئم یہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں یمن کی جانب سے نفس رحمن اصاک کرتا ہوں۔

پس تو غور کر کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے ان احادیث کی کسطرح تاویل کی جب کہ اوس کے نزدیک ان احادیث کی ظاہری معنے کی محال ہونے پر برہان قائم تھا لہذا اوس نے اسطرح پر تاویل کر کے کہا کہ داہنا ہاتھ چونکہ بطور عادت کے صاحب ہاتھ کی تقرب کے لئے چوما جاتا ہے اور حجر اسود بھی اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کے لئے چوما جاتا ہے تو گویا وہ بھی داہنے ہاتھ کی مثل ہے لیکن یہ مماثلت کوئی ذات اور صفات میں نہیں بلکہ ایک امر عارضی میں ہے اور اسی وجہ سے حجر اسود کو یمین اللہ بولا گیا۔ اور یہ معنی جو امام احمد رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے یہ وہی معنی ہے کہ جسکو ہم وجود شبہی بولتے ہیں اور یہ معنی تمامی وجوہ

تاویلات میں سے بعید تر ہے۔ پس غور کر کہ اس بعید تر تاویل کی طرف
وہ شخص جو کہ سب سے زیادہ تر تاویل سے احتراز کرتا ہے کیونکر مضطر
ہوا۔ اور اسی طرح جب کہ اوس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے دو حسی
انگلیوں کا ہونا محال ثابت ہوا اس لئے کہ جو شخص اپنی وجدان میں تفتیش
کرتا ہے تو اوس میں دو انگلیوں کا ہونا نہیں دیکھتا لہٰذا امام احمد بن حنبل
رضی اللہ عنہ نے ان دو انگلیوں سے اوس کی روح اور حقیقت کے قوت
اور دو کیا ہے یعنے انگلی عقلی یہ دو معانی کہ جس سے اشیاء کی تقلیب اور
تحویل حاصل ہوتی ہے اور چونکہ انسان کا دل فرشتہ اور شیطان کے
درمیان میں ہے اور انہیں دونوں سے دلوں کو پھیرتا ہے لہٰذا دو انگلیوں
کے ساتھ ان دو درمیانوں سے تعبیر کی۔ اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے
فقط ان تینوں احادیث کی تاویل پر اس لئے اکتفا کیا کہ ان کو فقط اسیقدر
میں استحالہ معلوم ہوا اس لئے کہ نظر عقلی میں اونکو تعین نہ تھا اور اگر اون کو
تعین ہوتا تو باری تعالیٰ کے لئے جہت فوق کے اختصاص وغیرہ میں بھی
کہ جس کا انہوں نے تاویل نہیں کی یہ استحالہ ظاہر ہو جاتا۔ اور اشعری
اور معتزلی نے بسبب زیادہ تفحص اور مباحثہ کے اکثر ظواہر کی تاویل کی
طرف بھی قدم بڑھایا۔ اور سب سے زیادہ حنابلہ کی طرف قریب تر امور
آخرت میں اشعریہ کی جماعت ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے سوائے چند ظواہر کے

اکثر ظواہر کو اپنے ظاہر پر ثابت رکھا ہے لیکن معتزلہ کی جماعت نے تاویلات میں نہایت سخت تو غل کیا۔ اور باوجود اس کے اشعری بھی کسی ایک امر کی تاویل کی طرف مضطر ہے جیسے کہ ہم نے رسول علیہ السلام کے اس قول کو ذکر کیا ہے کہ موت قیامت کے روز ایک مینڈھی کی صورت میں لائی جاویگی اور جیسے کہ اعمال کا میزان سے وزن کیا جانا وارد ہے اس لئے کہ اشعری نے اعمال کی تاویل کرکے کہا کہ اعمال سے مراد اون کے صحیفہ ہیں اور اللہ تعالیٰ اون صحیفوں میں درجات اعمال کے موافق وزن اور گرانی پیدا کردیگا اور یہ تاویل گویا وجود شبہ ہی کے ساتھ کی گئی کہ جو سب وجہات میں سے بعید ہی اس لئے کہ صحیفہ ایسے اجسام ہیں کہ جنمیں رقمیں لکھی جاتی ہیں۔ پس اصطلاحاً ثابت ہوا کہ اعمال اعراض ہیں لہذا جو شئے کہ وزن کیجاویگی وہ عمل نہیں بلکہ وہ ایسے نقش کا محل ہے کہ جو اصطلاحاً عمل پر دلالت کرتا ہے۔ اور معتزلی نفس میزان کی تاویل کرتا ہے اور اوسکو ایک ایسے سبب سے تعبیر کرتا ہے کہ جس کے ذریعہ سے ہر ایک کے لئے اپنے عمل کی مقدار منکشف ہوجاویگی حالانکہ اسمیں اوسقدر تعسف نہیں جتنا کہ تاویل وزن صحایف میں ہے اور ہماری غرض اس بیان سے یہ نہیں کہ ایک تاویل کو صحیح بتلائیں اور دوسرے کو غلط بلکہ ہماری غرض فقط اس امر کا معلوم کرانا ہے

کہ ہر ایک فریق نے اگرچہ ظواہر کی ملازمت مین مبالغہ کیا ہے تاہم تاویل کی طرف مضطر ہے۔ مگر اوس شخص سے بحث نہین کہ جو عبادت اور تجاہل مین حد سے بڑھگیا ہو اور کہے کہ حجر اسود بالتحقیق اللہ تعالی کا داہنا ہاتھ ہے اور موت اگرچہ عرض ہے لیکن بطریق انقلاب مینڈھا بنجاویگی اور اعمال اگرچہ اعراض ہین اور معدوم بھی ہوچکے ہین۔ لیکن تاہم میزان پر رکھی جاوینگے اور انہین ثقل ہوگا۔ اور جو شخص کہ اس حد تک جہالت کو پہونچ جاتا ہے گویا وہ شخص عقل کے رشتہ سے الگ ہے۔

فصل

اب تو تاویل کا قانون سماعت کر اور پہلے تو معلوم کرچکا ہے کہ کل فرقہ تاویل مین ان پانچون درجون پر متفق ہین اور ان مین سے کوئی شئ بھی تکذیب کے دائرہ سے نہین لیکن وہ کل فرقہ اس امر پر بھی متفق ہین کہ ان سب درجات مین سے کسی ایک درجہ کی تاویل اوسوقت جائز ہے کہ جب معنی ظاہر کے محال ہونے پر کوئی برہان قایم ہو۔ اور ظاہر اول ان درجات مین سے **وجود ذاتی** ہے اس لئے کہ جب یہ ثابت ہوجاتا ہے تو باقی سب اس کے ضمن مین آجاتے ہین پس اگر وجود ذاتی کا ارادہ کیا جانا متعذر ہو تو اس کے بعد **وجود حسی**

کا مرتبہ ہے اس لئے کہ جب یہ ثابت ہو جاتا ہے تو باقی سب اسکے
ضمن مین آجاتے ہین۔ پس اگر وجود حسی کا ثبوت متعذر ہو تو اس کے
بعد وجود خیالی یا عقلی کا مرتبہ ہے پس اگر انکا تعذر ہو تو پھر وجود شبہی
کا مرتبہ ہے کہ جو مجازی ہے۔ اور ایک درجہ سے دوسرے درجہ
تحتانی کی طرف عدول کرنا بغیر ضرورت برہان کے جائز نہین۔ پھر آنحکا
اختلاف کا مرجع اختلاف برہان ٹھہرتا ہے اس لئے کہ حنبلی کہتا ہے
کہ باری تعالیٰ کے لئے جہت فوق کی طرف مختص ہونے کے استحالہ
پر کوئی برہان نہین اور اشعری کہتا ہے کہ رویت باریتعالی کے استحالہ
پر کوئی برہان قایم نہین۔ اور ہر ایک اپنے خصم مقابل کے بیان کو
پسند نہین کرتا اور نہ اوسکو دلیل قاطع خیال کرتا ہے۔ اور خواہ کسطرح ہو
یہ لایق نہین کہ کوئی فریق اپنے خصم مقابل کی تکفیر اس خیال سے کرے
کہ اوسکو برہان مین غلطی کرنے والا جانتا ہے۔ ہان اسقدر جایز ہے
کہ اپنے خصم کو غلط برہانی کے خیال سے گمراہ یا بدعتی بولے۔ لیکن
گمراہ تو اس لئے کہ اوس کے نزدیک خصم مقابل اوس کے طریق سے
گمراہ ہے اور بدعتی اس لئے کہ اوس نے ایک ایسا نیا قول ایجاد
کرلیا ہے کہ جسکی نسبت سلف سے تصریح کا ہونا معہود نہین اس لئے
کہ سلف سے یہ امر مشہور چلا آتا ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے روز دکھلائی

پس جو شخص کہ یہ کہتا ہے کہ وہ دکھائی نہ دیگا تو اوس کا یہ قول بدعت ہے
اور اگر رویت کی تاویل پر تصریح کرے تو یہ بھی بدعت ہے بلکہ اگر اوس
کے نزدیک یہ امر ظاہر ہو جاوے کہ رویت کا معنی دل کا مشاہدہ
ہے تو بھی لایق ہے کہ اسکا اظہار نکرے اور نہ اسکا ذکر کرے اس لئے
کہ سلف نے اسکو ذکر نہیں کیا۔ لیکن ساتھ ہی حنبلی کہتا ہے کہ اللہ تعالے
کے لئے جہت فوق کا ثابت کرنا سلف کے نزدیک مشہور ہے مگر
یہ امر کسی نے سلف میں سے ذکر نہیں کیا۔ کہ عالم کا پیدا کرنے والا نہ عالم
کے ساتھ متصل ہے اور نہ منفصل اور نہ اوسمیں داخل ہے اور نہ اوس
خارج اور یہ کہ جہات ستہ اوس سے خالی ہیں اور اوسکی طرف جہت فوق
کی نسبت ایسی ہے جیسے جہت تحت کی نسبت۔ پس یہ قول کہ جو سلف سے
منقول نہیں بدعت ہے اس لئے کہ بدعت کا معنی بھی ہے کہ ایک ایسی
بات کا ایجاد کرنا کہ جو سلف سے ماثور نہ ہو۔ اور یہاں پر تیرے لئے
واضح ہو جائیگا کہ یہاں دو مقام ہیں۔
پہلا مقام تو عام مخلوقات کا ہے اور اوس میں امر حق یہ ہے کہ ظواہر
کا اتباع کیا جاوے اور ان ظواہر کو اپنے ظواہر سے نہ بدلا جائے
اور جس تاویل کی نسبت کہ صحابہ کرام نے تصریح نہیں کی اوس کے ایجاد
اور ابداع سے احتراز کیا جاوے اور باب سوال کو بالکل قطع اور علم کلام

مین خوض اور بحث اور قرآن اور حدیث کے الفاظ متشابہ کی اتباع
سے زجر کی جاوے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
کہ اون سے کسی نے دو متعارض آیتون کی نسبت سوال کیا تو حضرت
عمر نے اوس شخص کو دُرّہ سے پٹوایا اور جیسے کہ حضرت مالک رضی اللہ عنہ
سے مروی ہے کہ اون سے کسی نے استواء کی نسبت سوال کیا
تو اونہون نے جواب مین ارشاد فرمایا کہ استواء امر معلوم ہے اور ایمان
اوسپر واجب ہے لیکن کیفیت اوس استواء کی مجہول ہے اور سوال اوسکا بدعت ہے
دوسرا مقام اون اہل نظر اور اہل اجتہاد کے درمیان ہے کہ جن کے
عقائد مآثرہ مین اضطراب ہے۔ پس لایق ہے کہ اون اہل اجتہاد کی
بحث بقدر ضرورت ہو اور اگر معنی ظاہر کی ترک کرین تو بضرورت
جہان قاطع کرین۔ اور لایق نہین کہ آپس مین ایکدوسرے کی تکفیر کرین اس خیال
سے کہ خصم کو اپنی برہان اعتقادی مین غلطی کرنے والا جانتے ہین
اس لئے کہ اس امر کا ادراک چندان آسان نہین لیکن برہان اون کے
درمیان یہ امر ہے کہ اون موازین خمسہ مین سے کسی ایک میزان کے
ساتھ وزن کرنے کے خلاف کو رفع کرین کہ جنکو ہم نے اپنی کتاب
قسطاس مستقیم[1] مین ذکر کیا ہے۔ اور یہ موازین خمسہ ایسے ہین

[1] اس کتاب کا ترجمہ بھی ہم نے ختم کر دیا ہے انشاء اللہ تعالے جلد تر شایع ہوگا

کہ جن میں سمجھنے کے بعد ہرگز امر خلاف راہ گیر نہیں ہوتا اس لئے کہ
ان موازین خمسہ سے قطعی یقین کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اور جنہوں نے
کہ ان موازین کو حاصل کیا ہے اور پر انصاف کا عقدہ آسان ہو جاتا ہے۔
اور انصاف کیا ہے یعنے پردہ کا دور ہو جانا اور اختلاف کا اُٹھ جانا
لیکن ان ناظرین کے درمیان سے اختلاف بھی دور نہیں ہوتا اور یہ یا قی

یہ کتاب امام غزالی رح کی ایک عجیب طرز پر لکھی گئی ہے کہ جس میں مسئلہ امامت کو بخوبی
طرح حل کر دیا ہے اور پانچوں میزانوں کو کہ جو اہل منطق کے اصطلاح میں شکلوں سے معتبر ہیں
قرآن کریم کے جملوں سے اقتباس کیا ہے۔ چنانچہ میزان اوّل کا نام قیاس اکبر اور دوم
کا قیاس اوسط اور سوم کا قیاس اصغر اور چہارم کا میزان تلازم اور پنجم کا میزان تعاند ہے
میزان اکبر یہ ہے کہ جب کسی شئی کی صفت معلوم ہو اور اس صفت کی نسبت کوئی حکم
ثابت ہو تو ضرور ہے کہ موصوف کے لئے وہ حکم ثابت ہو بشرطیکہ وہ صفت مساوی الموصوف
ہو یا اس سے عام تر ہو۔ **میزان اوسط** یہ ہے کہ اگر ایک شئی سے کسی امر کی نفی کی جائے
اور یہی امر کسی اور شئی کے لئے ثابت کیا جائے تو شئی اول مباین شئی ثانی کی ہو گی۔
میزان اصغر یہ ہے کہ اگر دو امر ایک شئی پر صادق آئیں تو ضرور ہے کہ ان دونوں
امر میں سے کوئی نہ کوئی ایک دوسرے پر صادق آئے۔ **میزان تلازم** یہ ہے کہ وجود
لزوم موجب وجود لازم ہوتا ہے اور نفی لازم موجب نفی لزوم ہوتی ہے اور نفی لزوم
یا وجود لازم سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ **میزان تعاند** یہ ہے کہ اگر کوئی امر

اس لئے ہے کہ انمین سے بعض ترازان کے تمام شرائط کے ادراک سے قاصر ہوتے ہین اور یا اس لئے کہ باوجود تمام شرایط کے جاننے کے محض اپنی طبیعت سے کام لیتے ہین اور میزان کے ساتھ وزن نہین کرتے جیسے کوئی شخص علم عروض کے حاصل کرنے کے بعد شعر کے کہنے مین فقط اپنے ذوق کی طرف رجوع کرتا ہے اور عروض سے کام نہین لیتا اسوجہ سے کہ ہر شعر کو عروض کے سامنے کرنا اوسکو گران گذرتا ہے تو بعید نہین کہ ایسا شخص غلطی کر جاوے۔ اور یا اس لئے کہ وہ اون علوم مین مختلف درجہ رکھتے ہین کہ جو براہین کے مقدمات ہین اس لئے کہ بعض علوم تو ایسے ہین کہ جو براہین کے اصول ہین جیسے علوم تجربیہ اور تواتریہ وغیرہ کہ جو تجربہ اور تواتر سے حاصل ہون اور آدمی ان علوم تجربیہ اور تواتریہ مین مختلف ہوتے ہین اس لئے کہ کبھی ایک شخص کے نزدیک وہ امر متواتر ہوتا ہے کہ جو دوسرے کے نزدیک متواتر نہین۔ اور کبھی ایک شخص کو ایک شئی کا اس قسم کا تجربہ ہوتا ہے کہ جو دوسرے کو حاصل نہین ہوتا

دو قسمون مین منحصر ہو تو ضرور ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرے کی نفی اور ایک کی نفی سے دوسرے کا ثبوت ہو۔ ان موازین خمسہ کے امثلہ اور وہ شرائط جن سے قول مین غلطی نہ ہونے پائے اور اس امر کی توضیح کہ صداقت مائے مذہب کو ان موازین سے کسطرح تولا کرتی ہین یہ سب امور بالتفصیل کتاب القسطاس المستقیم مین درج ہین۔ مترجم

www.ahnafmedia.com

اور یا اس لئے اختلاف مدون نہیں ہوتا کہ قضایا وہمیہ اور قضایا عقلیہ
میں التباس ہو جاتا ہے اور یا اس لئے کہ کلمات محمودہ مشہورہ کو
کلمات مذمومہ اور اوائیہ سے التباس ہو جاتا ہے جیسے کہ ہم نے
اسکو اپنی کتاب محک النظر میں بالتفصیل ذکر کیا ہے لیکن بالجملہ
جب کہ ناظرین ان موازین خمسہ کو تحصیل کر لیویں اور ان کو محقق طور پر
دریافت کر لیں تو ممکن ہے بشرطیکہ عناد نہو کہ مواقع غلطی پر انکو وقوف
حاصل ہو جاوے

فصل

بعض آدمی ایسے ہیں کہ بدون کسی برہان قاطع کے فقط اپنے غلبہ ظن کے
ساتھ تاویل کی طرف غلبہ ہی کر جاتے ہیں حالانکہ ایسے آدمی کی تکفیر
کی طرف بھی ہر مقام میں غلبہ ہی کرنی لائق نہیں بلکہ ادمی میں نظر کرنی
چاہیئے پس اگر اوسکی تاویل ایسے امر میں ہو کہ جس کو اصول عقائد سے
کوئی تعلق نہیں اور نہ کسی امر مہم سے تو اسکی تکفیر نہ چاہیئے اور مثال
اسکی یہ ہے جیسے کہ بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ خلیل علیہ السلام نے جو
ستارہ اور چاند اور سورج کو دیکھا اور کہا کہ یہ میرا رب ہے تو ان سے
ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مراد اس سے جواہر نورانیہ ملکیہ ہیں کہ جنکی

نورانیت عقلیہ ہے نہ حسیہ اور ان جواہر کے لئے کمال میں مختلف
مراتب ہیں اور نسبت تفاوت اون کے جو درمیان ایسی ہے
جیسے ستاروں اور چاند اور سورج کے درمیان ہے اور اس امر پر
یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ خلیل علیہ السلام کا شان اس سے بہت
برتر ہے کہ وہ ایک جسم کی نسبت اعتقاد کرتا کہ وہ خدا ہے حتی کہ
اوس کے غروب ہونے کے مشاہدہ کی طرف محتاج ہوتا کیا تو اعتقاد
کر سکتا ہے کہ اگر وہ غروب نہ ہوتا اور خلیل علیہ السلام کو اوس کے جسم
اور مقدار ہونے کے لحاظ سے اوسکا خدا ہونا محال نہ جانتا تو وہ اوسکو
خدا بنا لیتا۔ اور انہوں نے یہ بھی دلیل پیش کی ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا
ہے کہ سب سے پہلے خلیل علیہ السلام نے فقط ستاروں کو ہی دیکھا ہو
حالانکہ سورج سب سے روشن ہے اور پہلے یہی دکھائی دیتا ہے اور نیز
یہ دلیل پیش کی ہے کہ اول باری تعالیٰ نے کہا ہے کہ اے محمد
اسی طرح سے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے ملک
اور ملکوت دکھلائے ہیں اور پھر اس کے بعد اس قول کا ذکر حکایت
فرمایا ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ کشف ملکوت کے بعد ستاروں کی نسبت
حضرت خلیل علیہ السلام ایسا وہم کریں۔ اور یہ انکی دلیلیں کل ظنی
ہیں برہانی نہیں چنانچہ ہم نے کہا اور آئندہ کہیں گے کہ خلیل علیہ السلام کا شان

اس سے بہت بڑا ہی کہ وہ ایک جسم کو خدا اعتقاد کرتا تو اس کے
جواب مین کہا گیا ہے کہ جب کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے ساتھ
یہ ماجرا ہوا تھا تو اوس وقت وہ چھوٹے بچے تھے اور یہ بعید نہین
کہ جس شخص سے عنقریب نبی ہونا ہو بچپن کی عمر مین اوس کو اس
قسم کے خطرات پیش آوین اور پھر بہت جلد اوسنے تجاوز کر جاوے
اور یہ بھی بعید نہین کہ غروب ہونے کی دلالت اوسکے حدوث پر
خلیل علیہ السلام کے نزدیک جسم ذو مقدار کی دلالت سے زیادہ تر
ظاہر اور روشن ہو۔ اور پہلے ستارون کا دکھلائی دینا اسکی وجہ یہ روا
کی گئی ہے کہ خلیل علیہ السلام طفولیت کے زمانہ مین ایک غار
مین قید تھے اور جب نکلے تو رات کو نکلے۔ اور یہ جو پہلے اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے کہ اسے محمد ہم نے اسی طرح ابراہیم کو آسمانون
اور زمین کے ملک اور ملکوت دکھلائے ہین جایز ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے یہ اونکی نہایت کا ذکر کیا ہو اور پھر حالت ہدایت کا بیان فرمایا
ہو۔ پس یہ اور اسکی مثل کل دلائل ظنی ہین انکو وہ شخص برہان اعتقاد کرتا
ہی کہ جو برہان کی حقیقت اور شرط نہین جانتا پس اونکی تاویل اسی
قسم کی ہوتی ہے۔ اور اونہون نے عصا اور نعلین کی تاویل
بھی کی ہے کہ جو آیۂ اخلع نعلیك اور آیۂ القِ ما فی یمینك

ہین واقع ہے - اور مین امید کرتا ہون کہ ظن ایسے امور مین کہ جو
اصول اعتقاد سے تعلق نہین رکھتے جا بجا اوس برہان کے
ہوتا ہے کہ جو اصول اعتقاد مین ہوتا ہے پس ایسے ظن سے
نہ کفر کی نسبت ہو سکتی ہے اور نہ بدعت کی - ہان اگر ایسے دروازہ
کا کھولنا یہان تک پہونچانے کا اندیشہ رکھتا ہو کہ عوام کے دلون
مین تشویش ڈالدے تو ایسے ظن سے صاحب قول کو بدعتی
اوس ہر امر مین کہہ سکتے ہین کہ جس کا ذکر سلف سے ماثور نہین
اور اسیکے قریب قریب بعض باطنیہ کا قول ہے کہ سامری کا
بچھڑا ماؤل ہے اسلئے کہ خلق کثیر ایک ایسے عاقل سے کیسے
خالی ہو سکتی ہے کہ جو جانتا ہو کہ سونے کی بنائی شئے خدا نہین
ہو سکتی حالانکہ یہہ قول بھی ظن ہے اسلئے کہ یہہ امر محال نہین کہ ایک
طائفہ اس مرتبہ کی جہالت کو پہونچگیا ہو جیسے وثن پرستون
کی جماعت - اور اوس بچھڑے کا نادر ہونا یقین بخش نہین ہے
لیکن اس جنس سے جو امر کہ عقائد اہم کے اصول سے تعلق
رکھتا ہے تو واجب ہو کہ اس شخص کی تکفیر کیجاوے کہ جو ظاہر
کو بغیر کسی برہان قاطع کی بدلا دیوے جیسے[1] وہ شخص

[1] جیسے فاریابی اور ابن سینا کہ جو قیامت کے دن حشر اجساد کا انکار کرتے ہین

www.ahnafmedia.com

کہ جو حشر اجساد کا انکار کرتا ہی اور نیز عقوبات حسیہ کا فقط ظنون
اور اوہام اور استبعادات سے بغیر کسی برہان قاطع کے کرتا ہی

اور کہتے ہین کہ محل ثواب و عذاب فقط ارواح مجردہ ہی ہون گے اور عذاب اور
ثواب روحانی ہوگا نہ جسمانی - امام غزالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کتاب المتقذین
الضلال مین تحریر فرماتے ہین کہ "یہہ تو اونہون نے سچ کہا کہ وہان عذاب و ثواب
روحانی ہون گے لیکن یہہ جھوٹ کہا کہ جسمانی نہین ہون گے" گویا مذہب حق
یہہ ہے کہ عذاب روحانی اور جسمانی دونون ہون گے لیکن **سید احمد خانصاحب**
امام النیچریہ کا اعتقاد یہہ ہے کہ یہہ جسم کہ جس کا حشر قیامت کے دن
ہوگا یہہ وہ جسم نہین کہ جو اس وقت ہماری نظرون مین ہے بلکہ اونہون نے اس
جسم سے ایک جسم لطیف ارادہ کیا ہی کہ جو روح حیوانی اور کالبد خاکی کے درمیان
واسطہ ہے اور وہ جسم لطیف بعد موت علی حالہ باقی رہتا ہی اور روح اوس سے
متعلق رہتی ہے **اقول** اس جسم لطیف کا اثبات البتہ حضرت **شاہ ولی اللہ صاحب**
محدث دہلوی کے قول سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جو اونہون نے حجۃ اللہ البالغہ مین
لکھا ہی لیکن اوس سے یہہ نہین پایا جاتا کہ یہہ جسم جو کہ کالبد خاکی ہی اسکا حشر نہین ہوگا
ہان شاہ صاحب اتنا فرماتے ہین کہ جو شخص کہتا ہی کہ موت کے وقت انسان
کا نفس ناطقہ مادہ کو بالکل چھوڑ دیتا ہی وہ جھک مارتا ہی روح کے لئے دو قسم کا ادو
ہی ایک سے روح کا بالذات تعلق ہے اور دوسرے سے بالعرض جس مادہ سے بالذات

پس ایسے شخص کی تکفیر قطعاً واجب ہی اسلئے کہ جسمون کی طرف
روحون کے واپس آنیکے استحالہ پر کوی برہان نہین اور ایسے

تعلق ہے وہ نسمہ ہے اور جس مادہ سے بالفرض تعلق ہے وہ جسم خاکی ہی جب
آدمی مرجاتا ہی تو مادہ خاکی کا زائل ہوجانا اوسے کچھ نقصان نہین پہونچاتا بلکہ روح
انسانی بدستور مادہ نسمہ مین حلول کئی رہتی ہے **سید احمد خان صاحب**
اس عام قول اہل اسلام کو کہ جب خدا تعالیٰ حشر کرنا چاہیگا تو ہر ایک روح کو
ایک ایک جسم عطا فرمائیگا تسلیم نہین کرتے بلکہ اون کے نزدیک جن اجساد کے
حشر کا بیان قرآن مین ہے اوسسے وہی اجسام لطیف مراد ہین جو ارواح ابدان
انسانی سے مفارق ہونے کے بعد عالم قدس مین لیکر آتے ہین اور یہی حشر
جسدی اون کے نزدیک ثابت ہی حالانکہ یہہ قول بالکل تکذیب بنوت بلکہ تکذیب
الوہیت ہی امام بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی اور مجھے
دشنام دی حالانکہ اوس کے لئے مناسب نہ تھا۔ تکذیب تو اوس نے اسطرح کی
کہ اوس نے میری نسبت کہا کہ مین بدائیت کی مثل اوسکا اعادہ نہ کرونگا حالانکہ خلق
اول اعادہ سے آسان نہین۔ اور دشنام اس طرح دی ہے کہ اوس نے میری طرف
ولد کی نسبت کی حالانکہ مین ایسا احد صمد ہون کہ نہ تو مین کسیکا ولد ہون اور نہ کوئی
میرا والد ہی **معہذا** قرآن کریم باواز بلند اسی خاکی جسم کی حشر کی طرف دعوت دیتا

---

www.ahnafmedia.com

امر کا ذکر دین مین ضرر عظیم رکھتا ہے پس ایسے منکر کی تکفیر واجب ہی اور نیز ان مین سے اوس شخص کی تکفیر کہ جو قائل ہی کہ اللہ تعالے فقط

جیسے کہ سورۂ یاسین مین ہے قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ - قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ اور جو لوگ کہ حشر کرنے کے منکر ہین اونکے نزدیک آج تک اس حشر کے استحالہ پر کوئی برہان قایم نہین ہوا **اقول** اولا یہ امر غور طلب ہے کہ آیا اللہ تعالے ان اجزاء بدنیہ کو مرنے کے بعد معدوم کرکے اعادہ کریگا یا اون کو از یک دگر مفارق اور جدا کرکے پھر اون مین تالیف پیدا کریگا لیکن **امر حق** یہ ہی کہ ان مین سے کوئی امر بھی قطعی طور پر پایۂ ثبوت کو نہین پہونچا اسلئے کہ ان مین سے کسی امر کے ثبوت پر آجتک کوئی قطعی دلیل قایم نہین ہوئی اور یہ جو آیۂ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ کو اعدام پر دلیل لاتے ہین اسکا استدلال بالکل ضعیف ہے اسلئے کہ تفریق اجزا بھی اعدام ہے اسلئے کہ ہلاک شئ کا یہ معنے ہے کہ وہ شئ اپنی صفات مطلوبہ سے خالی جاوے اور اوس کی وہ تالیف و عقد ہو جاوے

اپنے نفس کا علم رکھتا ہی یا نفس کلیات کا علم رکھتا ہی اور امور جزویہ
کہ جنکا تعلق اشخاص سے ہے اون کو نہین جانتا اسلئے کہ قطعاً

کہ جس کے ساتھ اوس شئے کے اجزا اپنے افعال کے لئے صلاحیت رکھتے ہین
اور جسکے ساتھ اون کے منافع پورے ہوتے ہین اور اسیطرح فنا کا بھی معنی
یہی معنی ہے لہذا آیہ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ سے بھی اس پر استدلال نہین
ہوسکتا لہذا فناء اور ہلاکت سے مراد یہی تفریق اجزاء قرین قیاس ہے اور
یہی امر طیر ابراہیم سے بھی پایا جاتا ہے اور ہمارے علماے عظام
کے لئے اعادہ معدوم پر فی نفسہ ایک بدیہی حجت یہ ہے کہ شئے عدم
کا وجود ثانی ممتنع نہین ورنہ وجود اول بھی ممتنع ہوتا گویا مبدا اور معاد دونون
لازم اور ملزوم ہین۔ انحال حشر و معاد کے مسئلہ مین کل پانچ اقوال منقول ہین
ایک فقط حشر جسمانی کا قول کہ جو اکثر متکلمین اور اون فلاسفہ کا ہی کہ جو نفس
ناطقہ کا انکار کرتے ہین اور دوسرا فقط حشر روحانی اور یہ فلاسفہ الٰہیہ
کا قول ہے۔ اور تیسرا حشر جسمانی اور روحانی دونون یہ اکثر محققین
جیسے حلیمی اور امام غزالی رح اور ابو زید دبوسی اور قدماء معتزلہ مین سے سمر اور
متاخرین امامیہ مین سے مجمہد اور اکثر صوفیہ کا قول ہے یہ لوگ کہتے ہین کہ انسان
حقیقت مین نفس ناطقہ کا نام ہے اور وہی مکلف اور مطیع اور عاصی اور مثاب
اور معاقب ہے اور بدن اوس کے لئے بمنزلہ آلہ کے ہے اور نفس ناطقہ فساد بدن کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہی اور اون درجات
کے قبیل سے نہین کہ جنکا ہم نے باب تاویل مین ذکر کیا ہے

بعد بھی باقی رہتا ہے پس جبکہ اللہ تعالیٰ حشر مخلوقات کا ارادہ کریگا تو ہر روح
کے لئے ایک بدن خاکی مثل ابدان دنیا کے پیدا کریگا کہ جس کے ساتھ اوس کو تعلق
ہوتا ہے اور جس کے ذریعہ سے اشیا مین تصرف کرتا ہے گویا عظام بالیہ کو از سر نو
تالیف حاصل ہوگی اور یہی مذہب حق ہے جیسے کہ مثال کے طور پر اللہ تعالے
پارہ سویم مین فرماتا ہے اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا
قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ
قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ
فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ
وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا
لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ
رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ
قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ
مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

اور چوتھا قول یہ ہے کہ نہ حشر جسمانی ہوگا اور نہ روحانی یہ فلاسفہ طبیعیہ کا
ہے پانچوان قول توقف کا ہے اور یہ جالینوس سے منقول ہے ہمارے زمانہ

اسلئے کہ قرآن اور حدیث کی دلائل عام حشر اجساد اور عام علم
للہ تعالیٰ پر باین طور کہ وہ ہر اوس امر کو بالتفصیل جانتا ہے

لی انگریزی خوان دہریہ طالب علمون کو خدا ہدایت دیوے کہ وہ حشر اور نشر اور عذاب
قبر وغیرہ سے انکار کرتے ہین حالانکہ انکے وجود پر کوئی استحالہ قایم نہین ہو سکتا جب کہ
ایک صاحب نبوت اعجاز کے ساتھ کسی امر مستقبل کا بیان فرماوے تو اوس کی تصدیق
واجب ہے۔ کیا حیات اخروی حیات دنیوی سے کم پایہ رکھتی ہے کیا عذاب اخروی عذاب
دنیوی سے عبرت نہین دلاتا؟ ایک نابالغ لڑکا جب کہ کسی عاقل بالغ کو کہدے کہ
اس رستہ مین سانپ ہے تو اوس نابالغ کے قول کو بالغ عاقل فقط حیات دنیوی
کے بچانے کے لئے اعتقاد کر لیتا ہے اور صاحب نبوت صاحب اعجاز جو اعجاز
کے ساتھ حیات اخروی اور عذاب اخروی سے آگاہ کرتا ہے اوس کے قول
پر اعتماد نہین لاتے ایسی غفلت اور ایسی جہالت سے بروز حشر شود ہمچو روز
معلوم کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور۔ لیکن علم باری تعالیٰ کے بارہ مین اسقدر
ماننا کافی ہوگا کہ چونکہ جزئیات اور کلیات کا صدور ذات باری تعالیٰ سے ہے
تو ضرور ہوا کہ انکا علم بھی اوس ذات کو ہو کیونکہ اس قدر اتقان کے ساتھ
ان کا صدور بجز اس کے نہین کہ ایک ذات عالم سے ہوا ہے اور ان جزئیات
کے تغیر سے اوس کی ذات مین کوئی تغیر نہین آتا کیونکہ یہ تغیرات فقط اضافی اور
زمانی ہین کہ جو ماضی اور حال اور استقبال کے اعتبار سے ہین لیکن ذات

کہ جو اشخاص عالم پر جاری ہوتے ہین ایسے حد سے متجاوز ہین کہ
جو قابل تاویل ہو اور وہ منکرین باوجود اس کے اعتراف
کرتے ہین کہ یہہ باب تاویل سے نہین لیکن کہتے ہین کہ جب کہ
مخلوقات کی صلاحیت اس امر مین تھی کہ وہ حشر اجساد کا اعتقاد
کرین اسلئے کہ اون کے عقول معاد عقلی کے سمجھنے سے قاصر
تھے - اور نیز اس امر مین اونکی صلاحیت تھی کہ وہ اس کا اعتقاد
کرین کہ اللہ تعالی اون سب امور کا عالم ہے کہ جو اونپر گزرتی ہین
اور اونپر رقیب اور حفیظ ہے تاکہ اون کے دلون مین رغبت
اور رہبت پیدا ہو لہذا رسول علیہ السلام کے لئے جایز ہوا کہ وہ
ان کو حشر اجساد اور کل اشیاء کے علم کی تفہیم کرے اور جو شخص کہ
غیر کی صلاحیت کرے اور اوس بارہ مین وہی امر کہے کہ جس مین
صلاحیت ہی گو خلاف حقیقت امر کہے تو وہ کاذب نہین کہلاتا
پس یہہ قول قطعاً باطل ہے اسلئے کہ یہہ صریح تکذیب ہی اور پھر اس

باری تعالی کا علم ازلی ہے کہ جن کو تغیرات ازمنہ متغیر نہین کر سکتے کیونکہ وہ خالق
ازمنہ ہے اوس کے علم مین نہ ماضی متصور ہے اور نہ حال اور نہ استقبال لہذا کل
موجودات ازلی سے ابد تک اوس کے لئے حضوری ہین جیسے کہ قرآن کریم اس کی
طرف اشارہ فرماتا ہی کہ لا یعزب عن علمہ مثقال ذرۃ فی السموات ولا فی الارض الخ

عذر کی طلب ہو کہ کیون اس نے کذب بولا حالانکہ منصب نبوت
کا ایسے رزیل امور سے پاک ہونا واجب ہے اسلئے کہ صدق مین اور نیز
اس کے ساتھ مخلوقات کی صلاحیت مین کذب کی نسبت زیادہ تر
وسعت ہو اور یہی زندقہ کا پہلا درجہ ہے اور یہی اعتزال اور زندقہ
مطلقہ کے درمیان کا مرتبہ ہے اسلئے کہ معتزلہ کا طریق فلاسفہ
کے طریق سے سوائے اس ایک امر کے قریب تر ہے اور
وہ ایک امر یہ ہے کہ معتزلی ایسے عذر سے رسول پر تکذیب
جایز نہین رکھتا بلکہ جہان برہان کے ساتھ اوس کو
خلاف ظاہر ہوتا ہے وہان تاویل کرتا ہے۔ لیکن فلسفی ظاہری
معنی پر وہین تک اکتفا نہین کرتا کہ جہان تک وہ تاویل کے قابل
ہوتا ہے خواہ وہ تاویل قریب ہو یا بعید بلکہ اوس سے تجاوز
کر جاتا ہے اور زندقہ مطلقہ یہ ہے کہ اصل معاد کا ہی انکار
ہو عقلی ہو یا حسی اور عالم صانع کا بھی بالکل انکار کیا جاوے۔
لیکن فقط معاد عقلی کا اثبات اور ساتھ ہی اس کے آلام اور لذات
حسیہ کی نفی اور صانع کا اثبات اور ساتھ ہی اس کے صانع
کی تفصیلی علم کی نفی یہ زندقہ مفیدہ ہو کہ جس مین ایک
قسم کا انبیا علیہم السلام کی صدق کا اعتراف ہے اور بقا

میرا ظن یہہ ہے اور علم اسکا اللہ کے پاس ہے کہ یہی زندقہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول[1] سے مراد ہین کہ عنقریب میری امت ستر پر کتنے فرقہ ہوجاویگی کہ جو سب کے سب جنت مین ہون گے سوائے ایک فرقہ زنادقہ کے۔ یہہ لفظ حدیث کا ہی اور بعض روایات مین ثابت ہی۔ اور یہہ حدیث بظاہر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہہ فرقہ زنادقہ بھی رسول علیہ السلام کی امت مین سے ہے اسلئے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہی کہ عنقریب میری امت اتنے فرقہ ہوجاویگی اور جو شخص کہ اوس کی نبوت کا اعتراف نہین کرتا وہ اوس کی امت سے نہین اور جو لوگ کہ اصل معاد اور اصل صانع[2] کا انکار کرتے ہین تو وہ

[1] قال علیہ الصلوۃ والسلام ستفترق امتی نیفا وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الا الزنادقۃ وھی فرقۃ انتہی

[2] یہہ اعتقاد بجز فرقہ دہریہ کے جو بالکل کو رعقل ہین کوئی عقلمند نہین کرسکتا اسلئے کہ ہر فطرت اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ نفس الامر مین ایک ایسا وجود موجود ہے کہ جو باقی موجودات کے خصوصیات اور احوال سے ممتاز ہی پس اگر وہ موجود واجب ہوا فہو المراد اور اگر ممکن ہوا تو کسی نہ کسی مؤثر کا محتاج ہوگا اور ضرور ہے کہ اس سلسلہ کی انتہا اوس وجود واجب تک پہنچے ورنہ دور اور تسلسل لازم آئیگا اور یہہ دونون باطل ہین پس

گویا رسول علیہ السلام کی نبوت کا اعتراف نہین کرتے اسلئے کہ وہ زعم کرتے ہین کہ موت عدم محض ہے اور یہ عالم ہمیشہ سے بنفسہ بغیر کسی صانع کے موجود ہی اور یہ لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہین رکھتے اور انبیا علیہ السلام کو مکر اور تلبیس کی طرف نسبت کرتے ہین لہذا ان لوگون کو رسول علیہ السلام کی امت کی طرف نسبت کرنا جایز نہین پس اس وقت زندقہ امت کا معنی سوائے اس کے نہین جو ہمنے ذکر کیا ہی۔

فصل

جان تو کہ جن امور سے تکفیر واجب ہوتی ہی اور جنسے واجب نہین ہوتی اونکی شرح ایک ایسی لمبی تفصیل کو چاہتی ہے کہ جس کے ذکر کرنے مین ہر مقالہ اور مذہب اور ہر ایک کے شبہ اور دلیل اور ظاہری معنی ہے وجہ بعد اور وجہ تاویل کے بیان کرنے کی طرف حاجت پڑتی ہے کہ جس کے لئے بڑے بڑے مجلدات بھی احاطہ نہین کر سکتے اور نہ اس امر کے شرح کرنیکے لئے میری اوقات مین اس قدر گنجایش ہی۔ لہذا اس وقت تو ایک وصیت اور قانون پر قناعت کر چنانچہ وصیت یہ ہے کہ تو اپنی زبان کو اہل قبلہ سے حتی الامکان روکے رکھے جب تک کہ وہ بغیر کسی مناقضت کے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کے قایل ہین اسلئے کہ بہرحال تکفیر کا حکم خطرہ سے خالی نہین اور سکوت مین کوئی خطرہ نہین اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مناقض امر یہہ ہے کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی عذر سے یا سوائے عذر کے جھوٹ کا بولنا جایز رکھین اور قانون یہہ ہے کہ تو جان لیوے کہ جو امور کہ نظر اور اجتہاد سے تعلق رکھتے ہین وہ دو قسم ہین ایک قسم تو وہ ہے کہ جو اصول عقاید سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا قسم وہ جو فروعات سے تعلق رکھتا ہی۔ اور ایمان کے تین اصول ہین اللہ اور رسول اور روز آخرت سے ایمان لانا اور اسکے ماسوائے کل فروعات سے ہین۔

اور جان تو کہ اصل امامت اور اسکے تعین اور اس کے شروط اور اسکے متعلقات مین خطا کا ہونا انمین سے کوئی شخص بھی تکفیر کو واجب نہین کرتے چنانچہ ابن کیسان نے اصل وجوب امامت کا انکار کیا حالانکہ اوس کی تکفیر لازم نہین ہے۔ اور وہ قوم[1] کہ جو امر امامت کو معظم جانتی ہے اور امام سے ایمان رکھنے کو اللہ اور رسول سے ایمان رکھنے کے مقارن جانتی ہی اور نیز وہ قوم کہ جو ان کے مخالف ہے

[1] ہان یہہ درست ہے مگر جو لوگ کہ امام کو اس قدر معظم بنا دیوین کہ درجہ حلول اور تشبیہ تک پہونچا دین جیسے کہ شیعہ غالیہ کا مذہب ہے تو بیشک کفر ہے ۱۲ مترجم

اور ان کے اس مجرد مذہب امامت سے انکی تکفیر کرتی ہے ہرگز التفات کے قابل نہین - اور یہہ کل فضول گوئی ہے اسلئے کہ تعظیم امر امامت اور خدا اور رسول سے امام کو مقرون کرنے مین کوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہرگز لازم نہین آتی اور جہان کہین کہ تکذیب پائی جاوے تکفیر واجب ہے اگرچہ فروعات مین ہو پس اگر

[1] یہہ اعتقاد فرقہ مرجیہ مین سے غسان بن کوفی کا ہے اور سکا رسم ہے کہ اگر کوئی شخص یہہ کہے کہ بالتحقیق اللہ تعالی نے خنزیر کو حرام کہا ہے لیکن مین نہین جانتا کہ آیا وہ خنزیر کہ جس کو حرام کہا گیا ہے وہی بکری ہے یا غیر اسکا تو وہ شخص مومن ہے اور اگر کہے کہ اللہ تعالی نے کعبہ کا حج فرض تو کہا ہے لیکن مین نہین جانتا کہ وہ کعبہ کہان ہے شاید ہند مین ہو تو یہہ شخص اوس کے نزدیک مومن ہے اور غسان کا مقصود اسکے ذکر کرنیسے یہہ ہے کہ ایسے اعتقادات کو ایمان سے کوئی تعلق نہین نہ یہہ کہ وہ ان امور مین شک رکھتا ہے اسلئے کہ کوئی عقلمند اپنی عقل سے مجاز نہین کہ وہ جہت کعبہ مین شک کرتا ہو اور ہر عقل والے کے نزدیک بکری اور خنزیر مین فرق ظاہر ہے عبد الکریم شہرستانی کتاب الملل مین لکھتا ہے کہ عجیب مر ہے کہ غسان بن کوفی اس مذہب کو امام ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کیا کرتا تھا اور امام صاحب کو فرقہ مرجیہ مین سے شمار کیا کرتا تھا مگر مین امید کرتا ہون کہ غسان نے جھوٹ کہا شاید ابی حنیفہ رح اور اصحاب

کوئی شخص مثلاً یہہ کہے کہ جو گھر مکہ مین ہے یہہ وہ کعبہ نہین کہ جس کے حج کے لئے اللہ تعالیٰ نے امر کیا ہی تو یہہ کفر ہوگا۔

ابی حنیفہ رح کو مرجیہ سنت کہا جاتا تھا اور اکثر اصحاب مقالات نے ابی حنیفہ رح کو مرجیہ مین سے شمار کیا لیکن سبب اصلی اسکا یہہ ہے کہ چونکہ امام ابوحنیفہ رح کہا کرتے تھے کہ ایمان فقط تصدیق قلبی ہے اور اوس مین نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ نقصان لہذا ان لوگون نے ظن کر لیا کہ ابوحنیفہ رح اعمال کو ایمان سے موخر جانتے ہین حالانکہ ابوحنیفہ رح عامل ہوتے ہوئے ترک عمل کا فتوی کیون کر دیسکتے تھے

اور اسکا ایک دوسرا سبب بھی ہے اور وہ یہہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رح قدریہ اور معتزلہ سے کہ جو صدر اول مین ظاہر ہوئی مخالفت کیا کرتے تھے اور معتزلہ کو ہر اوس شخص کو کہ جو قدر کے مسئلہ مین اونکا خلاف کرتا تھا مرجیہ کے لقب سے پکارتے تھے اور اسیطرح فرقہ وعیدیہ کا بھی یہی حال تھا اور بعید نہین کہ یہہ لقب امام ابوحنیفہ رح کو ان دونون مخالف فرقون کی جانب سے لازم ہوا ہو اور حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا غنیۃ الطالبین مین امام صاحب کے بعض اصحاب کو مرجیہ مین سے شمار کرنا اس امر کے لئے صاف دلیل ہے کہ امام صاحب مرجیہ مین سے نہین تھے لیکن چونکہ غنیہ مین یہہ نہین بتلایا گیا کہ وہ بعض کون ہین اس لئے اس نقل مین بھی شبہہ پایا جاتا ہی لہذا ابن جوزی اور خطیب بغدادی کا قول بھی مرجح

اسلئے کہ بطریق تواتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے
برخلاف ثابت ہوچکا ہے اور اگر وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی شہادت کا کہ جو اس گھر کی نسبت اونہون نے دی ہے
کہ یہہ وہی کعبہ ہے انکار کرے تو اوس شخص کا انکار سودمند نہوگا
بلکہ اوسکے اس انکار سے قطعی طور پر معلوم ہوجائیگا کہ وہ شخص اپنے
اس انکار مین عناد کر رہا ہے ہان اگر وہ شخص تھوڑے زمانہ سے
مسلمان ہوا ہو اور اوس کو اس امر کا تواتر نہ حاصل ہوا ہو تو
اوس کو معذور سمجھا جاویگا - اور اسیطرح[1] جو شخص کہ حضرت عایشہ
صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی طرف فاحشہ ہونے کی نسبت کرے
حالانکہ قرآن کریم اوسکی پاکی اور عصمت مین نازل ہوچکا ہی تو وہ
شخص کافر ہے اسلئے کہ یہہ امر اور اوس کے مثل بغیر تکذیب اور انکار
تواتر کے صادر نہین ہوسکتا - اور انسان جب کہ تواتر کا انکار
کرتا ہے تو فقط اپنی زبان سے انکار کرتا ہے لیکن ممکن نہین کہ اوسکو

[1] جیسے کہ شیعہ بدگمان منافقین کی اتباع سے حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا
کی طرف نسبت کرتے ہین حالانکہ سورہ نور مین اللہ تعالی نے حضرت عایشہ صدیقہ
کی نسبت عصمت کا بیان فرمایا ہے اور افترا کرنیوالون کو ملعون بتایا ہی کہ ان الذین یرمون المحصنات الغافلات
المؤمنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم یوم تشھد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم بما کانوا
یعملون الایہ ۱۲ منہ

اپنے دل سے بھی بھلا دیوے ہان اگر ایسے امر کا انکار کرتا ہو کہ جسکا
ثبوت اخبار احاد سے ہے تو اوس سے کفر لازم نہین ہوتا۔ اور اگر
ایسے امر کا انکار کرے کہ جس کا ثبوت اجماع سے ہے تو یہہ امر
غور طلب ہے اسلئے کہ اجماع کے حجت ہونے کی معرفت مین
اختلاف ہے۔ پس یہہ حکم فروعات کا ہے۔ لیکن اصول ثلثہ
کا حکم یہہ ہے کہ ہر وہ امر کہ جو فی نفسہ تاویل کا احتمال نہین رکھتا
اور اسکی نقل تواتر سے ہے اور یہہ بھی متصور نہین کہ اوس کے
خلاف پر کوئی برہان قایم ہو تو ایسے امر کی مخالفت تکذیب محض ہے
اور مثال اسکی وہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے جیسے حشر اجساد اور
بہشت اور دوزخ اور اللہ تعالیٰ کا کل تفصیلی امور پر احاطہ علمی۔ اور
جس امر مین کہ تاویل کا احتمال ہو گو مجاز بعید سے کیون نہو تو اوسکے
برہان کی طرف نظر کیجاتی ہے پس اگر برہان قاطع ہو تو اوس کا کہنا
واجب ہی لیکن اگر اوسکے اظہار سے عوام کو بسبب اون کے
قصور فہم کے ضرر ہوتا ہو تو اوسکا اظہار کرنا بدعت ہے۔ اور اگر
ایسا برہان قاطع نہین کہ جس کے ذریعہ اوس امر سے دین مین ضرر
کا واقع ہونا معلوم ہوتا ہو جیسے معتزلہ[1] کا باری تعالیٰ کی رویت کا انکار تو

[1] اشاعرہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آخرت مین دکھائی دینا صحیح ہے آمدی کا قول ہے کہ

یہہ بدعت ہی لیکن کفر نہین مگر وہ امر کہ جس سے دین مین ضرر کا ہونا ظاہر
ہوتا ہے اور اس باعث سے وہ محل اجتہاد مین واقع ہوتا ہے تو

کہ ہم کل اس امر پر متفق ہین کہ اللہ تعالے کی رویت دنیا اور آخرت مین عقلاً جایز ہے لیکن
اس امر مین اختلاف ہے کہ آیا دنیا مین بھی اللہ تعالی کا دکھائی دینا سمعاً جایز ہی یا نہین
چنانچہ بعض نے دلیل قرآنی سے اسکا اثبات کیا اور کہا کہ موسی علیہ السلام کا سوال کہ
رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ یہی جواز رویت کی دلیل ہے اسلئے کہ اگر اللہ تعالی کا دکھائی دینا
دنیا مین منع ہوتا تو حضرت موسی کبھی اس کا سوال نہ کرتے اسلئے کہ عاقل آدمی امر محال کا
سوال نہین کرتا اور جبال کا منصب نہین کہ وہ نبی کریم ہو۔ اور نیز اللہ تعالی نے اس رویت
کو استقرار جبل کے ساتھ معلق کیا حالانکہ استقرار جبل کا فی نفسہ ممکن ہے اور بعض نے
اسکا انکار کیا پھر اس امر مین اختلاف ہی کہ آیا اللہ تعالی کا خواب مین دکھائی دینا جایز ہے
یا نہین بعض کا قول ہے کہ جائز نہین اور بعض کہتے ہین کہ جایز ہے اور حق یہہ ہے کہ اس
رویا سے کوئی امر مانع نہین اگرچہ یہہ رویا حقیقۃً نہین چنانچہ یہی مذہب امام غزالی رح
کا ہے امام صاحب فرماتے ہین کہ مثل اور مثال مین فرق ہے مثل ممتنع ہے اور مثال
ممتنع نہین ہے جیسے کہ حدیث قدسی ہی ہے کہ ان اللہ خلق ادم علی صورتہ
تو مثال کا دکھائی دینا ممکن ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دکھائی دینا اور
ہمارے درمیان خلاف نہیں کہ باری تعالی کی ذات آخرت مین دکھائی جاویگی اور
مستزلہ ذوی الحواس کے لئے اس کا جایز ہونا منع کہتے ہین اور انہون نے بہت سے دلائل

اوس سے تکفیر اور عدم تکفیر دونون کا احتمال ہے اور اسی جنس مین سے
وہ امر ہے کہ جس کو بعض تصوف کے مدعی دعوے کرتے ہین کہ
اون کی حالت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی ہوگئی ہے کہ جس سے
نماز اونسے ساقط ہوگئی ہے اور مسکرات کا پینا اور معاصی کا ارتکاب اور
بادشاہونکا مال کھانا حلال ہوگیا ہے تو ایسے شخص کے وجوب
قتل مین کوئی شک نہین گو خلود نار کا حکم اوس کے حق مین غور طلب ہے
اور ایسے ایک شخص کا قتل کرنا سو کافر کے قتل سے افضل ہے اسلئے
کہ ایسے شخص کا وجود دین مین عظیم الضرر ہے اور اوس کے ہونے سے
ایک دروازہ اباحت کا اس طرح پر کھل جاتا ہے کہ پھر بند ہونا
اوس کا دشوار ہے - اور نیز اس کا ضرر اوس شخص کے ضرر سے
زیادہ ہے کہ جو مطلقاً صوم وصلوۃ کی اباحت کا قائل ہے اسلئے
کہ اس شخص سے بسبب اس کے ظہور کفر کے ہر کوئی نفرت کریگا
اور کوئی بھی اسکی طرف کان نہین لگائیگا - لیکن وہ شخص جو اپنا درجہ
قرب اس حد تک پہونچاتا ہے کہ صوم وصلوۃ کو اوس سے ساقط

عقلیہ اسبارہ مین پیش کئے ہین ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے کہ
وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ - وسیرون ربکم یوم القیامۃ
اور اس مسئلہ کی بحث شرح مواقف مین بہت بسط کے ساتھ ہے کہ جس کا ذکر یہان پر طوالت کو چاہتا ہے

جانتا ہی تو وہ شخص گویا شریعت کو شریعت سے مٹاتا ہے اور زعم
کرتا ہے کہ اوس نے فقط تکلیفات عامہ کی تخصیص اوہنین لوگون کے
ساتھ کی ہے کہ جو اوسکے مرتبہ تک نہین پہونچے اور کبھی زعم
کرتا ہے کہ وہ بظاہر تو دنیا سے ملا ہوا اور گناہون سے مقارن ہی
لیکن باطن مین ان سب سے بری ہے اور یہان تک اسکی شنوائی
کرتا ہے کہ ہر فاسق کو اپنی حالت کی مثل پر دعوت دیتا ہی اور شریعت
کی رسی اوس سے کھولتا ہی اور تجھے یہ ظن کرنا لایق نہین کہ تکفیر اور
عدم تکفیر کا ادراک ہر مقام مین ہو سکتا ہے بلکہ تکفیر ایک ایسا حکم
شرعی ہے کہ جسکا مرجع اور مآل مال کی اباحت اور خون کے بہانے
اور خلود نار کی طرف ہے پس تکفیر کا ماخذ باقی احکام شرعیہ کے ماخذ کی
مثل کبھی تو یقین کے ساتھ ادراک کیا جاتا ہے اور کبھی ظن غالب کے
ساتھ اور کبھی تردد کے ساتھ اور جہان کہین کہ تردد پایا جاوے
وہان تکفیر مین توقف کرنا سب سے بہتر ہے اور تکفیر کی طرف جلدی کرنا
اون طبائع مین غالب ہوتا ہے کہ جن مین جہالت کا وجود غالب ہوتا ہی
اور ایک دوسرے قاعدہ سے بھی تنبیہ کرنی ضرور ہے اور وہ یہ ہے
کہ مخالف کبھی نص متواتر کی مخالفت کرتا ہے اور زعم کرتا ہی کہ وہ مأول
ہے اور باوجود اسکے اوسکی اس تاویل کے لئے قریب یا بعید کا کوئی

محل نہین تو یہ کفر صریح ہے اور تاویل کرنے والا مکذب ہے گو اپنے کو زعم کرتا ہے کہ وہ تاویل کر رہا ہے۔ اور مثال اسکی جیسے تو نے بعض فرقہ باطنیہ کی کلام مین دیکھا ہے کہ وہ کہتے ہین کہ اللہ تعالے واحد اس اعتبار سے ہے کہ وہ غیر کو وحدت عطا کرتا ہے اور وحدت کا خالق ہے اور اسی طرح اللہ تعالی کا عالم ہونا اس اعتبار سے ہے کہ وہ غیر کو علم عطا کرتا ہے اور اللہ تعالی کا موجود ہونا اس اعتبار سے ہی کہ وہ غیر کو ایجاد کرتا ہے اور یہ معنی نہین کہ اللہ تعالے فی نفسہ واحد یا موجود یا عالم ہے باین معنی کہ وہ ان صفات کے ساتھ متصف ہے حالانکہ یہ کفر صریح ہے اسلئے کہ وحدت کو ایجاد وحدت پر حمل کرنا کسی قسم کی تاویل نہین اور نہ عرب کی لغت اس معنی کیلئے حامل ہے اور اگر وحدت کا خالق اسلئے واحد ہوتا کہ اوس نے وحدت کو پیدا کیا ہے تو لازم ہوتا کہ ایسے خالق کو تین اور چار بھی بولا جاتا اسلئے کہ اوس نے اعداد کو بھی پیدا کیا ہے۔ پس ان مقالات کی مثالین محض تکذیبات ہین کہ جنکی تعبیر تاویلات سے کیجاتی ہے۔

فصل

تو نے ان تفہیمات سے معلوم کر لیا ہے کہ تکفیر کا تعلق کئی ایک امور سے ہے پہلا امر یہ کہ اس امر مین نظر کرنی چاہیئے کہ جو نص شرعی کہ اپنی ظاہر سے

حد دل کیگئی ہے کیا اوس مین تاویل کا احتمال ہے یا نہین اور اگر اوسمین
تاویل کا احتمال ہے تو کیا یہہ تاویل قریب ہے یا بعید۔ اور قابل تاویل
اور غیر قابل تاویل نص کی معرفت کوئی آسان امر نہین ہے بلکہ اسمین
وہی شخص مشغل رکھسکتا ہے کہ جو علم لغت مین ماہر اور حاذق اور
اصول لغت کا عارف ہو اور باوجود اسکے پھر استعارات اور مجازات
مین اون الفاظ کے طریقہ استعمال اور امثال کے بیان کرنے
مین عرب کی عادت اور عرف کا بھی ماہر اور عارف ہو۔ دوسرا
امر یہہ ہے کہ آیا وہ نص کہ جس کا ظاہر ترک کیا گیا ہے کیا بطریقہ تواتر ثابت
ہے یا بطریقہ احاد یا فقط اجماع سے ہے پس اگر اوسکا ثبوت
بطریقہ تواتر ہے تو کیا بشرط تواتر ہے یا نہین اسلئے کہ بسا اوقات
مستفیض آدمی نص مستفاض کو متواتر گمان کرتا ہے حالانکہ تواتر کی
تعریف یہہ ہے کہ جس مین شک کا ہونا ممکن نہو جیسے انبیا علیہم السلام
اور بلاد مشہورہ وغیرہ کے وجود کا علم اسلئے کہ اون کے وجود کا علم
ہر عصر مین زمانہ نبوت تک اس طرح متواتر رہا ہے کہ ہرگز یہہ امر متصور
نہین ہے کہ کسی زمانہ مین عدد تواتر مین نقصان ہوا ہو اور تواتر کی بھی
شرط ہے کہ اس امر کا اوس مین احتمال بھی نہو جیسے کہ قرآن کریم کے
بارہ مین ہے لیکن غیر قرآن کے بارہ مین تواتر کا ادراک نہایت غامض

اور گہرا ہے اور اس کے ادراک کے لئے بجز اون لوگون کے کسی دوسرے کو اشتغال جایز نہین کہ جو کتب تواریخ اور گزشتہ زمانون کے احوال اور کتب احادیث اور احوال رجال احادیث اور نقل مقالات مین اون کے اغراض سے بحث کرتے ہین اسلئے کہ کبھی ہر عصر مین تواتر کا عدد پایا جاتا ہے لیکن اوس سے علم کا حصول نہین ہوتا اسلئے کہ یہ امر متصور ہے کہ ایک جماعت کثیرہ کو باہم توافق کرنے مین کسی قسم کا رابطہ ہو علی الخصوص جب کہ اہل مذاہب کے درمیان تعصب ہو چنانچہ یہی وجہ ہے کہ تو رافضیون کو دیکھتا ہے کہ وہ علی بن ابیطالب رضی اللہ عنہ کے حق مین امامت[1] کی نسبت نص کا دعوی کرتے ہین باین اعتبار کہ یہ نص اون کے نزدیک متواتر ہے حالانکہ اون کے مخالف کے نزدیک بہت سی اشیاء مین تواتر ثابت ہے برخلاف اوس تواتر کے کہ جو رافضیون کے نزدیک ہے اسلئے کہ رافضیون کو جھوٹی اور بناوٹی باتون کی اشاعت کرنی مین باہم نہایت سخت موافقت ہوتی ہے۔ لیکن وہ نص کہ جسکا استناد

---

[1] یہی پہلا مسئلہ ہے کہ جس نے اہل سنت اور شیعہ اسلام مین درمیان اور متضاد فرقہ بنا دئے جسکی تشریح کتب تواریخ خصوصاً تاریخ محب طبری اور حبیب السیر وغیرہ مین مشرح ہے اور ہم نے بھی اسکی تشریح مین ایک مستقل رسالہ لکھا ہے کہ جو انشاء اللہ تعالے بمقتضائے کامل ہو کر عنقریب شایع ہوگا مترجم

اجماع کی طرف ہے اوسکا ادراک نہایت ہی گہرا ہے اسلئے
کہ اوس کی شرط ہے کہ تمام اہل اجتہاد ایک ہی خطہ مین جمع
ہون اور پھر صریح لفظ کے ساتھ ایک امر پر اتفاق کرین اور
پھر ایک قوم کے نزدیک یہہ ہے کہ وہ اہل اجتہاد اوس امر
متفق علیہ پر ایک مدت تک قائم رہین اور دوسری قوم کے
نزدیک یہہ ہے کہ اوس عصر کے ختم ہونے تک اوس امر
متفق علیہ پر عمل کرین - اور یا اوسکی یہہ شرط ہے کہ امام وقت
کل اہل اجتہاد کے ساتھ اطراف مین مین خط وکتابت کرکے
اون کے فتاوے ایک ہی عصر مین جمع کرے اس طرح پر
اون کے اقوال مین صریح الفاظ سے اتفاق ہوتا کہ اوس سے
رجوع کرنا ممکن نہوا ور بعد اوس کے خلاف نہو سکے پھر اس امر
مین نظر ہے کہ آیا جو شخص کہ بعد اتفاق کے مخالفت کرے کیا
اوس کی تکفیر ہو سکتی ہے یا نہین اسلئے کہ بعض آدمیون کا
قول ہے کہ جب کہ وقت اتفاق مین بھی مخالفت کا ہونا جایز ہی
اور پھر اون کو موافقت پر لایا جاتا ہے تو یہہ ممتنع نہین کہ بعد
اتفاق کے کوئی اُنہین سے اختلاف کرے لہذا یہہ بھی ایک امر
محض ہے - تیسرا امر یہہ ہے کہ اس امر مین نظر کرنی چاہیے

کہ آیا صاحب مقالہ کے نزدیک خبر کا ثبوت تواتر سے ہوا ہے
کہ یا اوس کو اجماع پہونچا ہے اسلئے کہ ہر وہ شخص کہ کسی خبر کی تاویل
کرتا ہے یہہ ضروری نہین کہ اوس کے نزدیک امور مؤولہ کا ثبوت
تواتر سے ہو یا اجماع کے مقامات اوسکے نزدیک خلاف کے
مواقع سے ممتاز ہون بلکہ وہ شخص ان امور کا ادراک بتدریج
کرتا ہے اور وہ سلف کی اُن کتابون کے مطالعہ سے اس امر
کی معرفت حاصل کرتا ہے کہ جو اختلاف اور اجماع کے بیان
مین تصنیف کی گئی ہین پھر ایک یا دو تصنیفات کے مطالعہ سے
یہہ امر حاصل نہین ہوتا اسلئے کہ اس قدر سے اجماع کا تواتر
حاصل نہین ہوتا چنانچہ ابو بکر فارسی نے اجماع کے مسائل مین
ایک کتاب تصنیف کی اور اوس کے اکثر مسائل اجماعیہ کا انکار
کیا گیا اور بعض مسائل مین اہل علم نے مخالفت کی۔ پس اسصورت
مین جو شخص کہ اجماع کی مخالفت کرے حالانکہ ابھی اوس کے
نزدیک اس کا ثبوت نہین ہے تو وہ شخص جاہل خطاکن ہے
مکذب نہین لہذا اوس کی تکفیر بھی ممکن نہین اور اس امر کی تحقیق کی
معرفت مین اشتغال رکھنا کوئی آسان امر نہین۔ چوتھا
امر اوس دلیل کے بیان مین کہ جو تاویل کرنے والے کے لئے مخالفت

ظاہر کی باعث ہی کہ آیا وہ دلیل شرط برہان کے موافق ہی یا نہین - اور شروط برہان کی معرفت کی شرح بغیر بڑی مجلدات کے ممکن نہین اور وہ جو ہم نے کتاب قسطاس مستقیم اور کتاب محک النظر مین ذکر کیا ہے فقط ایک نمونہ ہے - اور اس زمانہ کے اکثر فقہا کی طبیعت پوری طور پر شروط برہان کے سمجھنے سے رُکتی ہے حالانکہ اس کا سمجھنا ضروری امر ہے اسلئے کہ اگر برہان قطعی ہو تو تاویل کرنے مین رخصت ہی اگرچہ وہ تاویل بعید کیون نہو اور اگر برہان قطعی نہو تو بغیر ایسی تاویل قریب کے جو قریب الفہم ہی رخصت نہین - **پانچوان** امر اس امر کے بیان کرنے مین کہ آیا اوس مقالہ کا ذکر کہ جو اہل تاویل کے نزدیک ہی کیا دین مین اوس کا ضرر عظیم ہے یا نہین اسلئے کہ جس مقالہ کا ضرر دین مین عظیم ہو تو اوس مین ایک قسم کی آسانی ہے گو وہ قول بُرا اور ظاہر البطلان کیون نہو جیسے اوس شخص کا قول کہ جو امام کے انتظار مین ہے کہ امام **سرداب** مین چھپا ہوا ہے اور وہ شخص امام کے نکلنے کا منتظر ہے اسلئے کہ یہ قول صریح جھوٹ اور نہائت بُرا ہے لیکن اسکا ضرر دین مین کچھ نہین بلکہ اس کا ضرر اسی احمق پر ہے کہ جو امام کے نکلنے کا منتظر کھڑا ہے اسلئے کہ وہ ہر روز شہر سے

امام کے استقبال کے لئے باہر نکلتا ہی تاکہ امام شہر مین داخل ہو لیکن وہ شخص نا امید ہو کر اپنے گھر کے طرف واپس جاتا ہی پس یہ ایک مثال ہی لیکن مقصود اس سے یہ ہے کہ ہر بیہودہ گوئی سے گو وہ ظاہر البطلان کیون نہین قائل کی تکفیر نہین چاہیئے۔ پس جسوقت تو نے سمجھ لیا کہ تکفیر کے امر مین نظر کرنا اون تمام مقامات پر موقوف ہے کہ جن کے احاد پر دلیرون کو بھی استقلال نہین تو اسوقت تو نے جان لیا کہ جو شخص اوس شخص کی تکفیر کے لئے جلدی کرتا ہی کہ جس نے اشعری یا غیر اشعری کی مخالفت کی ہے وہ ایک جاہل متقری ہے اور کیونکر ایک فقیہ شخص فقط فقہ دانی سے اس امر عظیم کے لئے استقلال کر سکتا ہے اور وہ ان علوم کو فقہ کی کونسی چوتھائی مین پاویگا۔ پس جب تو ایسے فقیہ شخص کو کہ جس کی بضاعت مجرد فقہ ہے تکفیر اور تضلیل مین خوض کرتے دیکھے تو تو ایسے فقیہ سے اعراض اور روگردانی کر اور اپنے دل اور زبان کو اوس کے ساتھ مشغول نکر اسلئے کہ دعوی علوم کا ایک ایسا طبعی امر ہے کہ جاہلون کو اوس سے صبر نہین ہو سکتا اور اسی وجہ سے آدمیون کے درمیان خلافات بڑہے ہین اور اگر جو شخص کہ نہین جانتا خاموش رہتا تو ہرگز اس قدر خلافات مخلوقات مین نہ پھیلتی۔

فصل

سب سے زیادہ غلو اور فضولی کرنے والا فرقہ متکلمین کا ایک طائفہ ہے
کہ جنہوں نے عام مسلمانوں کی تکفیر کی اور انہوں نے زعم کر لیا
کہ جو شخص کہ ہمارے مثل علم کلام کو نہیں جانتا اور عقاید شرعیہ
کو اون دلیلوں کے ساتھ نہیں جانتا کہ جو ہم نے تحریر کی ہیں
وہ کافر ہے پس ان لوگوں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت
کو اوس کے بندوں پر تنگ کر دیا اور جنت کو متکلمین میں سے ایک
جماعت قلیلہ پر وقف کر دیا اور ثانیاً اونہوں نے سنت متواترہ
کو بہلا دیا اسلئے کہ عصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عصر صحابہ
کرام رضوان اللہ علیہم سے اون پر ظاہر ہے کہ اونہوں نے عرب کے
اون بدوی طائفوں کے اسلام پر حکم کیا کہ جو بتوں کی عبادت
میں مشغول رہتے تھے اور اونہوں نے اون بدویوں کو دلیل کے
جاننے کے لئے مشغول نکیا اور اگر وہ بدوی لتعلیم دلیل کے لئے
مشغول بھی ہوتے تو بھی اوس کو سمجھ نہ سکتے اور جو شخص یہ ظن کرتا ہے
کہ ایمان کا ماخذ علم کلام اور مجرد دلیلیں اور وہ تقسیمات ہیں کہ جو علم
کلام میں مترتب ہیں تو وہ شخص راہ راست سے بہت دور ہے بلکہ ایمان
ایک ایسا نور ہے کہ اوس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے دل میں بطور

عطیہ اور ہدیہ کے کبھی تو ایک ایسی باطنی تنبیہ کے ذریعہ سے القا کرتا ہے کہ جس کی تعبیر ممکن نہیں اور کبھی بذریعہ خواب کے دیکھنے کے اور کبھی کسی دیندار آدمی کے حال کے مشاہدہ اور اوسکی صحبت اور مجالست کے ذریعہ سے اوسکی طرف نور ایمان کی سرایت ہوتی ہے اور کبھی قرینہ حال کے ذریعہ سے چنانچہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انکار کی حالت مین آیا پس جب کہ اوس اعرابی کی نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی چہرہ پر پڑی اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر انوار نبوت کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بے اختیار بول اٹھا کہ واللہ ماھذا بوجہ کذاب یعنے خدا کی قسم یہ موہنہ جھوٹ بولنے والا نہین اور اوسی وقت اوس اعرابی نے سوال کیا کہ اوس کو اسلام کی تعلیم کیجاوے۔ اور ایک دوسرا اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مین تجھسے پوچھتا ہون کہ کیا تجھے اللہ تعالی نے نبی بناکر مبعوث کیا ہے؟ تو آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ ہان اللہ کی قسم مجھے اللہ نے نبی بناکر مبعوث کیا ہے تو وہ اعرابی آنحضرت کی اس قسم کی تصدیق کرکے مسلمان ہوگیا اور اوس کے امثال بے شمار ہین حالانکہ اون مین سے کوئی بھی علم کلام

مین مشغول نہوا اور نہ دلیلون کے سیکھنے مین بلکہ ایسے ہی قرینون سے
اسلام کے نور نے اونکے دلون مین سفید چمک دی۔ پس آپکی
دانش یہہ کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم
سے منقول ہی کہ انہون نے اعرابی کو حاضر کیا اور وہ اسلام لایا
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس اعرابی کو عالم کے محدث
ہونے پر یہہ دلیل بتائی کہ عالم حوادث اور اعراض سے خالی
نہین اور جو شئی کہ حوادث سے خالی نہین پس وہ حادث ہے
اور اللہ تعالیٰ علم کے ساتھ عالم اور ایسی قدرت کے ساتھ قادر ہے
کہ جو اوسکی ذات پر زائد اور نہ یہہ وہ ہے اور نہ وہ یہہ اور اسیطرح
متکلمین کے رسومات بھی اور مین فقط یہی نہین کہتا کہ فقط یہی الفاظ
منقول نہین بلکہ کوئی دوسرا ایسا لفظ بھی منقول نہین کہ جس سے
ان الفاظ کے معانی پیدا ہوتے ہون بلکہ کوئی معرکہ بجز اسکے فتح نہین
ہوتا تھا کہ تلوارون کے سایہ کے نیچے کئی جوانمرد بدوی ہوتے
تھے۔ اور قیدیون کی جماعت قریب یا بعید زمانہ کے بعد ایک
بعد ایک کے اسلام لاتے تھے اوس وقت انکی یہہ حالت ہوتی تھی
کہ کلمۂ شہادت اونکو پڑھانے کے بعد نماز اور زکوۃ کی تعلیم
دیجاتی تھی اور اسکے بعد اونکو اپنے اپنے پیشہ کے لئے رخصت

دیجاتی تھی خواہ وہ پیشہ بکریون کا چرانا یا کوئی دوسرا اسی قسم کا ہوتا تھا۔ ہان مین اس امر کا انکار نہین کرتا کہ متکلمین کا ادلہ کو ذکر کرنا بعض آدمیون کے حق مین ایمان کے لئے ایک سبب ہے لیکن ایمان کا حصول فقط انہین ادلہ متکلمین پر موقوف نہین اور یہ بھی ایک نادر طور پر ہے بلکہ سب سے نفعمند وہ کلام ہے کہ جو معرض وعظ مین جاری ہو جیسے کہ قرآن کریم اس معنی پر مشتمل ہے مگر جو کلام کہ طریقہ متکلمین پر تحریر کیا گیا ہے اوس سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ بطریق جدال کے ہے تاکہ عامی لوگ اوس سے عاجز ہو جاوین نہ اسلئے کہ وہ فی نفسہ حق ہے۔ اور بعض اوقات ایسا کلام عامی کے حق مین عناد قلبی کے استحکام کا وسیلہ بنجاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تو نے کبھی متکلمین یا فقہا کی مجلس مناظرہ کو نہین دیکھا کہ جس مین کوئی شخص اعتزال یا بدعت سے تائب ہوا ہو یا شافعی رح کے مذہب سے ابی حنیفہ رح کے مذہب کی طرف یا بالعکس انتقال کیا ہو حالانکہ ان انتقالات کے اسباب دوسرے ہین یہان تک کہ تلوار کی ساتھ مقاتلہ بھی ایک سبب ہے اور یہی وجہ ہے کہ سلف نے دعوت اسلام مین ایسے مجادلات کو عادت نہین بنایا بلکہ اونہون نے علم کلام مین خوض کرنے والے اور بحث

اور سوال مین شغل رکھنے والے کو تشدید کی - اور جبکہ ہم نے مذہبت
کو چھوڑا اور کسی جانب کی رعایت نہ کی لہذا ہم نے تصریح کردی ہے
کہ علم کلام مین بجز دو شخصون کے کسی تیسرے کو خوض کرنا حرام ہے
ایک وہ شخص ہے کہ جس کو کوئی ایسا شبہہ واقع ہوا ہو کہ جو اوس کے
دل سے نہ قریب الفہم واعظانہ کلام سے دور ہوتا ہے اور نہ تحدیث
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اس وقت جائز ہے کہ قول
کلامی جو کہ علم کلام کے طریق پر مرتب ہے اوس شخص کے شبہ
کے لئے دور کرنے والا اور اوسکی مرض کے لئے دوائی ہو پس
ایسے شخص کے ساتھ قول کلامی کا استعمال جائز ہے تاکہ اوس
شبہہ اور اوس مرض سے نجات پاوے - لیکن ساتھ ہی اسکے
واجب ہے کہ وہ تندرست کہ جس کو ایسے مرض نہین اوس کے کانون
سے ایسے قول کو نگاہ رکھا جاوے اسلئے کہ احتمال ہی کہ اوس قول کے
سننے سے اوس تندرست کے دل مین کسی شبہہ کی حرکت ہو
اور وہ اوس سے مریض ہو جاوے اور اعتقاد صحیح اور قطعی سے تنزل
کر جاوے - اور دوسرا وہ شخص ہے کہ جسکا عقل کامل اور دین
مین راسخ القدم اور انوار یقین سے ثابت الایمان ہی اور وہ خواہش
کرتا ہے کہ اس صنعت کلامی کو حاصل کرے تاکہ وہ مریضون کے لئے

کہ جب اونکو کوئی شبہہ واقع ہو دور کرے - اور جب کہ کوئی اہل بدعت ظاہر ہو تو اوس کو لاجواب کرے اور جب کوئی اہل بدعت کسی صحیح العقیدہ کے گمراہ کرنے کا قصد کرے تو وہ اوس کو اوس گمراہی سے بچادے - پس علم کلام کا اس غرض سے حاصل کرنا فرض کفایہ سے ہی اور اس علم کا اوس مقدار پر حاصل کرنا کہ جس سے شک اور شبہہ دور ہو جاوے شک اور شبہ والے شخص کے لئے فرض عین ہی لیکن اوس صورت مین کہ اوسکے قطعی اعتقاد کا اعادہ کسی دوسرے طریق سے ممکن نہو - **اور حق صریح** یہہ ہے کہ جو شخص قطعی طور پر اعتقاد رکھتا ہے کہ جو کچھہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کی طرف سے لائے ہین اور جو کچھہ کہ قرآن کریم مین ہی حق ہے تو وہ شخص مومن ہی گو وہ شخص ان امور کی دلیلون سے آگاہ نہو بلکہ وہ ایمان کہ جو دلیل کلامی سے حاصل ہوتا ہے نہایت ضعیف اور ہر ایک شبہہ سے تزلزل کے کنارہ پر ہوتا ہے بلکہ ایمان محکم وہ ہے کہ جو عوام الناس کو زمانہ طفولیت مین تواتر سماع یا بعد از بلوغ ایسے قرائن سے حاصل ہوتا ہی کہ جن کی تعبیر ممکن نہین - اور ایمان کا پورا پورا محکم نہونا عبادت اور ذکر الٰہی کی ملازمت سے ہوتا ہی اسلئے کہ جس شخص

تو عبادت ظاہری حقیقت تقویٰ تک پہونچا دیتی ہی اور اوس کے
باطن کو کدورت دنیا سے پاک کر دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے مدام ذکر کی
ملازمت سے اوسکے لئے معرفت کے انوار جلوہ گر ہو جاتے
ہین اور وہ امور کہ جو اوس نے بطور تقلید کے اختیار کئے ہین اوسکے
نزدیک مثل معائنہ اور مشاہدہ کے ہو جاتے ہین اور یہہ وہی حقیقت
معرفت کی ہی کہ جسکا حصول بغیر عقدۂ اعتقاد کے حل ہونے
اور اللہ کے نور سے انشراح صدر کے ہونے کے ممکن نہین ہے
پس جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ ہدائیت چاہتا ہی تو اوس کے
سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہی اور وہ اللہ کے نور سے
پُر ہو جاتا ہے جیسے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
شرح صدر کی معنی کا سوال کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ وہ ایک نور ہے کہ جو مومن کے دل مین ڈالا جاتا ہے
سائل نے پھر پوچھا کہ اوسکی کیا علامت ہی تو آنحضرت نے فرمایا کہ
دار غرور سے کنارہ کش ہونا اور دار خلود کی طرف مائل ہونا پس
اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل کلام کہ جو دنیا کی طرف مائل
اور اوس پر ہلاک ہوتا ہے اوسنے حقیقت معرفت کی حاصل
نہین کی اور اگر اسکو حاصل کرتا تو وہ قطعاً دار غرور سے کنارہ کش ہوتا

فصل

شاید تو کہیگا کہ تکفیر اور تکذیب کا ماخذ خود نصوص شرعیہ ہین اور شارع نے ہی رحمت الٰہی کو مخلوقات پر تنگ کیا ہے نہ کہ متکلم نے اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالے قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو فرماویگا کہ اے آدم اپنی اولاد مین سے ایک تعداد کو آگ مین روانہ کر اس پر حضرت آدم عرض کرینگے کہ اے رب کتنون مین سے کتنون کو روانہ کرون پھر اللہ تعالی فرماویگا کہ ہر ایک ہزار مین سے نو سو ننانوے ۹۹۹/۱۰۰۰ کو روانہ کر اور نیز رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ عنقریب میری امت ستر پر چند فرقہ ہو جاویگی لیکن اونمین سے نجات پانے والا فرقہ ایک ہی ہوگا - پس اسکا جواب یہہ ہے کہ حدیث پہلی بیشک صحیح ہے لیکن اوس سے یہہ مراد نہین کہ وہ نو سو ننانوے ۹۹۹/۱۰۰۰ آدمی کفار ہونگے اور ہمیشہ دوزخ مین رہین گے بلکہ مراد یہہ ہے کہ اونمین سے بعض کو آگ مین داخل کیا جاویگا اور بعض کو آگ کے سامنے لیا جاویگا اور بعض کو گناہون کے انداز پر آگ مین چھوڑا جاویگا اور گناہون سے بالکل معصوم اور پاک ہزار مین سے کوئی ایک ہی ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالی فرماتا ہے کہ وان منکم الا واردھا یعنے

تم مین سے کوئی ایسا نہین کہ جو آگ کی طرف ورود نہ کرے - پھر آگ کی طرف روانہ ہونے سے وہ شخص مراد ہے کہ جو اپنے گناہون کے عوض مین آگ کا مستحق ہے اور جائز ہے کہ شفاعت کے ساتھ دوزخ کے راستہ سے لوٹایا جاوے جیسے کہ وسعت رحمت کے نسبت اکثر احادیث وارد ہین اور اون کی تعداد شمار سے زیادہ ہے چنانچہ ایک اون مین سے وہ حدیث ہے کہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اونہون نے فرمایا ہے کہ مین نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا اور مین نے جستجو کی اور دیکھا کہ ایک آب نوشی کے مکان مین نماز پڑھ رہے ہین اور اُنکے سر مبارک پر تین انوار ہین پس جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو ادا کر چکے تو فرمانے لگے کہ تیرا کیا کام ہے اور یہ کون ہے مین نے عرض کی کہ مین عائشہ ہون یا رسول اللہ تو پھر آنحضرت نے فرمایا کہ اے عائشہ کیا تو نے ان تینون انوار کو دیکھا ہے مین نے عرض کی کہ ہان یا رسول اللہ تو پھر آنحضرت نے فرمایا کہ میرے رب کے طرف سے آنیوالا میرے پاس آیا اور اوسنے مجھے بشارت دی کہ اللہ تعالی میری امت مین سے ستر ہزار آدمیون کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت مین داخل کریگا - پھر وہ

آنیوالا دوسرے نور مین آیا اور اوس نے بشارت دی کہ ستر ہزار کے ہر واحد کے بجاے ستر ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت مین داخل کریگا - پھر وہی آنیوالا تیسرے نور مین آیا اور بشارت دی کہ بجاے ہر واحد ستر ہزار مضاعف کے ستر ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت مین داخل کریگا پس مین نے عرض کی کہ یارسول اللہ تیری اُمت کی مقدار اور تعداد اس درجہ تک نہ ہوگی پھر آنحضرت نے فرمایا کہ اسکا تکملہ اون اعراب سے کیا جاویگا کہ جو روزہ اور نماز کو ادا نہین کرتے - پس یہ اور مثل اوس کی جو اخبار کہ وسعت رحمت پر دلالت کرتی ہین بکثرت ہین اور یہ خاص کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت مین ہے - لیکن مین کہتا ہون کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ گزشتہ امتون مین سے بھی بہتون کو شامل ہوگی گواون مین سے اکثرون کو آگ کے سامنے کیا جاویگا ایک لحظہ یا ایک ساعت کے لئے یا ایک مدت کے لئے تاکہ اون پر اطلاق کیا جاویگا کہ وہ آگ کی طرف روانہ کئے گئے بلکہ مین کہتا ہون کہ اس زمانہ مین جو روم اور ترک کے نصاریٰ ہین اون کو بھی انشاء اللہ تعالیٰ رحمت شامل ہوگی اور

لہ یہ امام غزالی رحمتہ اللہ کا قول ہے -

مراد میری ان نصاریٰ سے وہ لوگ ہین کہ جو روم اور ترک کی اخیر
جانب مین سکونت رکھتے ہین اور انکو دعوت اسلام کی نہین پہونچی
اسلئے کہ یہہ لوگ تین قسم ہین ایک قسم تو وہ ہی کہ جنکو بالکل محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی نہین پہونچا پس یہہ لوگ تو معذور ہین اور
دوسرا قسم وہ ہی کہ جنکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اور نعت
شریف تو پہونچی ہے لیکن معجزات کا ظہور اونپر نہین ہوا اور یہہ وہ
لوگ ہین کہ جو بلاد اسلام کے قرب وجوار مین ہین اور اون سے اختلاط
رکھتے ہین اور یہہ لوگ کافر ہین کہ جو ہمیشہ دوزخ مین رہینگے اور تیسرا
قسم ان دونون قسمون کے درمیان ہے کہ جنکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کا اسم شریف تو پہونچا لیکن آنحضرت کی نعت اور صفت اون کو نہین
پہونچی بلکہ اونہون نے طفولیت کے زمانہ سے سنا ہی کہ ایک
جھوٹے اور مکار شخص نے کہ جس کا نام محمد ہے نبوت کا دعوی کیا
جیسے کہ ہمارے لڑکے سنتے ہین کہ ایک جھوٹے شخص نے کہ جسکا
نام مقفع کہا جاتا ہے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا۔ پس یہہ لوگ میرے
نزدیک قسم اول مین شمار کئے جاتے ہین اسلئے کہ ان لوگون نے
جیسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف سنا ہی ویسا ہی اونہون
نے آنحضرت کے اوصاف کی ضد کو سنا ہی اور اس قدر علم سے

طلب کی داعیہ مین حرکت پیدا نہین ہوتی تاکہ ان لوگون کو معذور نہ سمجھا وے ۔ اور دوسری حدیث کہ جس مین یہ بیان ہے کہ فرقہ نجات پانیوالا ایک ہے اس کی روایت مین اختلاف ہے چنانچہ ایک روایت مین یہ بھی ہے کہ فرقہ ہلاکت مین پڑنے والا ایک ہی لیکن زیادہ تر مشہور پہلی روایت ہے اور نجات پانیوالے فرقہ سے مراد وہی فرقہ ہے کہ جو آگ کے سامنے نہین کیا جاویگا اور شفاعت کی طرف محتاج نہوگا بلکہ وہ شخص کہ جس کے ساتھہ زبانیہ تعلق پکڑیگا تاکہ اوس کو آگ کے طرف کھینچے تو وہ شخص مطلق نجات والا نہین گو شفاعت کے ذریعہ سے اون کے پنجہ سے نکل جاویگا اور ایک روایت مین ہے کہ **کل نجات پاوین گے مگر فرقہ زندقہ** اور ممکن ہے کہ کل روایتین صحیح ہون اور ہلاکت والا ایک ہی فرقہ ہو جو ہمیشہ آگ مین رہیگا اور ہلاکت والے سے مراد وہ شخص ہو کہ جسکی صلاحیت کی امید باقی نہ رہی ہو اسلئے کہ ہلاکت والے کے لئے بعد از ہلاکت کسی خیر اور بہلائی کی امید نہین کیجاتی ۔ اور فرقہ نجات والا بھی ایک ہو کہ جو جنت مین بغیر حساب اور شفاعت کے داخل ہوگا اسلئے کہ جس شخص کا حساب لیا جاویگا تو وہ بھی مطلق نجات والا نہین ۔ پس یہ دو فرقہ ہالک اور ناجی گویا دو طرفین

ہین کہ جو شر خلق اور خیر خلق سے معبر ہین اور جوان دونون
درجون کے درمیان ہین پس اونمین سے بعض تو ایسے ہونگے
کہ جنکو فقط حساب کا عذاب ہوگا اور بعض ایسے ہونگے کہ جو آگ
کے نزدیک لیجائے جاوینگے اور شفاعت سے واپس کئے جاوینگے
اور بعض ایسے ہون گے کہ جو اپنی خطا، عقیدہ اور بدعت کے
انداز پر اور کثرت اور قلت معاصی کے موافق آگ مین رہین گے
پس اس امت مین سے جو فرقہ ہلاکت والا کہ ہمیشہ آگ مین رہیگا
وہ فقط ایک ہی کہ جس نے تکذیب کی اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر
بنا بر مصلحت جھوٹ کا بولنا جائز رکھا۔ لیکن باقی امتون مین سے
وہ شخص کہ جس نے متواتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج
اور آنحضرت کی صفات اور معجزات خارق عادت جیسے چاند کا
دو ٹکڑے ہونا اور کنکرون کا تسبیح کا پڑہنا اور آنحضرت کی انگلیون
سے پانی کا جوش مار کر نکلنا اور ایسے قرآن معجز کو سنا کہ جس کا
معارضہ اہل فصاحت نے کرنا چاہا لیکن عاجز ہو گئے اور پھر
اوس نے باوجود سننے کے اعراض اور روگردانی کی اور اوس نے
ان امور مین غور اور تامل نکیا اور اس نے تصدیق کی طرف جلدی نکی
تو ایسا شخص ہی منکر اور مکذب ہے اور یہی کافر ہے اور اسمین دوم

اور ترک کے وہ اکثر لوگ کہ جنکے بلاد اسلام کے بلاد سے بعید ہین داخل نہین ہین - بلکہ مین کہتا ہون کہ جس شخص کے کان تک یہہ امور پہونچے تو ضرور ہے کہ داعیہ طلب اوس کو حرکت مین لاوے تاکہ حقیقت امر کی ظاہر ہو اگر وہ اہل دین سے ہی اور اون لوگون مین سے نہین کہ جنہون نے حیات دنیا کو آخرت پر دوست رکھا اور اگر اوسکو یہہ داعیہ حرکت مین نہ لاوے اس وجہ سے کہ وہ دنیا کی طرف مائل اور امر دین کے خوف اور خطرہ سے نڈر ہے تو یہہ کفر ہے اور اگر اوسکو داعیہ طلب حرکت مین لاوے لیکن طلب مین اوس نے قصور کیا تو بھی کفر ہے بلکہ ہر اہل ملت مین سے جو شخص کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے ممکن نہین کہ وہ طلب مین قصور کرے پس اگر اوس نے نظر اور طلب مین قصور نہ کیا اور اوس مین مشغول رہا اور اسی مین مر گیا قبل اسکے کہ اوسکی تحقیق تمام ہوتی تو وہ شخص بھی اہل مغفرت ہی اور رحمت واسعہ اوسکے لئے بھی عام ہے پس تو اللہ تعالی کی رحمت کی وسعت کا طالب ہو اور امور الٰہیہ کو مختصر رسمی میزانون سے وزن نکر - اور جان تو کہ آخرت دنیا سے قریب ہے پس تمہاری پیدائش اور بعثت فقط نفس واحد کی مثل ہے - اور جیسے کہ اکثر اہل دنیا کے ایسی نعمت یا سلامت

یا حالت مین ہوتے ہین کہ اوس پر غبطہ ہوتا ہے اسلئے کہ اگر اونکو
مثلاً اوس حالت اور موت کے درمیان اختیار دیا جاوے تو
وہ اوسی حالت اور نعمت اور سلامت کو اختیار کرتے ہین لیکن
جس کو دنیا مین عذاب اور تکلیف ہوتا ہے اوس کا موت کو خواہش
کرنا نادر ہے پس اسیطرح جو لوگ کہ ہمیشہ دوزخ مین رہین گے
بہ نسبت اون لوگون کے جو نجات والے ہین اور آخر مین آگ
سے نکالے جاوین گے نادر ہین اسلئے کہ ہمارے احوال کے
مختلف ہونیسے صفت رحمت مین تغیر نہین - اور دنیا اور آخرت
تیرے اختلاف حال سے مبرہ ہے اور اگر یون نہوتا تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کوئی معنی نہوتا جو فرماتے ہین
کہ پہلے جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اول مین لکھا یہ ہے کہ مین
ہی اللہ ہون کہ میرے سوائے کوئی اللہ نہین میری رحمت کو
میرے غضب پر سبقت ہی پس جس شخص نے اس امر کی شہادت
دی کہ اللہ کے سوائے کوئی دوسرا اللہ نہین اور محمد اوس کا بندہ
اور رسول ہی تو اوس کے لئے جنت ہے اور جان تو کہ بصارت[1]

[1] چنانچہ صاحب فصوص اعنی قطب الاقطاب غوث الاحباب جناب بحر الحقایق حضرت
محی الدین ابن العربی رحمتہ اللہ علیہ کا مکشوف ہے کہ ہر ایک جہنمی کا مآل کار رحمت الٰہی

والون کو اسباب اور مکاشفات کے ذریعہ سے بھی رحمت
کی سبقت اور شمول کا انکشاف ہوا ہے بغیر اس کے کہ اخبار

ہوگی اسلئے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ان رحمتی وسعت کل شیئ
اور کفار کے لئے دوزخ کا عذاب تین حقبہ ثابت کرتے ہین اور فرماتے ہین
کہ اس کے بعد کفار کے حق مین دوزخ کی آگ ٹھنڈی اور سلامتی بخش ہوگی
جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے حق مین نمرود کی آگ برد وسلام
ہوگئی تھی - اور انہون نے وعید حقتعالی مین خلف جایز رکھکر فرمایا ہے کہ کوئی
اہل دل خلود عذاب کفار کا قایل نہین لیکن حضرت امام ربانی قیوم حقانی شیخ احمد
امجد والف ثانی رضی اللہ تعالی عنہ اپنے مکتوبات کے جلد اول مکتوب ۲۶۶ مین تحریر
فرماتے ہین کہ صاحب فصوص رح درین مسئلہ نیز از صواب دور افتادہ است
ندانستہ است کہ وسعت رحمت در حق مؤمنان و کافران مخصوص بدنیاست و در
آخرت بوے از رحمت بکافر نرسد کما قال تعالی انہ لا ییئس من روح اللہ
الا القوم الکافرون وقال تعالی ورحمتی وسعت کل شیئ فسا کتبہا للذین
یتقون ویؤتون الزکوۃ والذین ہم بایتنا یؤمنون شیخ اول آیت را
خواندہ و آخر را کار نفرمودہ و کریمہ ولا تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ
دلالت ندارد بر خصوصیت خلف وعدہ تواند بود کہ انتفاء عدم خلف بوعدہ ایجابا بواسطہ آن
بود کہ مراد از وعدہ ایجا تصرف رسل است و غلبہ ایشان بر کفار و آن متضمن وعدہ و وعید ست

اور اثار کو انہون نے سنا ہی لیکن اس کا بیان کرنا طوالت
چاہتا ہے پس اگر تو نے ایمان اور عمل صالح کو جمع کیا تو اللہ تعالیٰ کی
رحمت اور نجات مطلقہ تیرے لئے بشارت ہی اور اگر تو ان دونون
سے خالی رہا تو ہلاکت مطلقہ کی بشارت ہے۔ اور اگر تو اصل تصدیق
مین یقین رکھتا ہے اور بعض تاویلات مین خطا یا شک یا اعمال
مین خطا تو نجات مطلقہ کی طمع نکر اور جان تو کہ یا تو تجھے ایک مدت
تک عذاب دیا جاویگا اور پھر نجات ہوگی اور یا وہ شخص تیری نجات
کریگا کہ جس کی تصدیق تو اون تمامی امور مین کرتا ہے کہ جو وہ اللہ سے
لایا ہے یا کوئی دوسرا شفاعت کریگا پس تو کوشش کر کہ اللہ تعالیٰ
اپنے فضل سے تجھے شفاعت کرنے والون کی شفاعت سے

وعدست مرسل را و وعید ست مر کفار را پس گویا درین کریمہ ہم خلف وعد منتفی شد
وہم خلف وعید فالایۃ مستشھدۃ علیہ ۱۲ له وایضا خلف در
وعید در نزد خلف از وعد مستلزم کذب ست و نا شایان آنحضرت جل سلطانہ زیرا کہ در
ازل دانستہ بود کہ کفار را عذاب مخلد نخواہم کرد مع ذلک برای مصلحتی مخالف علم خود
گفتہ کہ عذاب مخلد خواہم کرد و اینمعنی را تجویز نمودن شناعت تمام دارد سبحان
ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین اجماع اہل حل بر عدم خلف وعد و عذاب کذا
کشفی شیخ است و مجال خطا در کشف بسیار ست فلا اعتداد بمع کونہ مخالفا لاجماع المسلمین انتہی منہ

بے پرواہ کردی اسلئے کہ شفاعت کا امر بھی خطرناک ہے۔

فصل

بعض آدمیون کا ظن ہے کہ تکفیر کا ماخذ عقل ہی شرع نہین اور جو شخص کہ اللہ سے جاہل ہے کافر ہے اور جو اوسکا عارف ہے مومن ہے پس اوسکو کہا جاویگا کہ اباحت دم اور خلود فی النار کا حکم جو شرعی ہے قبل ورود شرع کے اسکا کوئی معنی نہین۔ اور اگر اوس کی یہہ مراد ہے کہ شارع کے قول سے مفہوم ہے کہ جو شخص کہ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہو وہی کافر ہے تو یہہ حصر ممکن نہین اسلئے کہ جو شخص رسول اور آخرت سے جاہل ہو وہ بھی تو کافر ہے۔ پھر اگر ذات الٰہی سے جاہل ہونے کی تخصیص کیجاوے اور اس جہالت سے اللہ تعالیٰ کے وجود یا اوسکی وحدانیت کا انکار مراد رکھا جاوے تو باقی صفات کو جامع نہوگا۔ اور اگر صفات مین خطا کرنے والے کو بھی جاہل یا کافر ٹھہرایا جاوے تو اوس شخص کی تکفیر لازم ہوگی کہ جس نے صفت بقاء اور صفت قدم کی نفی کی ہے اور جس نے کلام کو علم پر وصف زائد ہونے کا انکار کیا ہے اور نیز جس نے سمع اور بصر کو علم پر وصف زائد نہین بتایا اور نیز جس نے جواز رویت کی نفی کی اور نیز جس نے جہت کو ثابت کیا اور اوس نے ایک ایسے ارادہ حادثہ

تو ثابت کیا کہ جو نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات مین حادث ہی اور نہ کسی دوسرے محل مین اور یا اس مین خلاف کرنے والون کی تکفیر لازم ہوگی خلاصہ یہہ کہ ہر اوس مسئلہ مین تکفیر لازم آئیگی کہ جو صفات اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور یہہ ایک ایسا حکم ہے کہ جس کے لئے کوئی سند نہین اور اگر اس حکم کو بعض صفات کے ساتھ خاص کیا جاوے تو اسکے لئے کوئی امر فیصل نہین ہوگا پس بغیر ضابطہ تکذیب کے کوئی دوسری وجہ پائی نہین جاتی کیونکہ تکذیب کا ضابطہ مکذِّب رسول اور منکر معاد دونون کو شامل ہے اور تاویل کرنے والا اس مین سے خارج ہو جاتا ہے پھر مین یہہ امر بعید نہین جانتا کہ تاویل یا تکذیب کے جملہ مسائل مین سے بعض مین کوئی شک اور تردد واقع ہو حتی کہ تاویل بعید ہو اور ظن اور اجتہاد کے ساتھ اوس مین حکم دیا جاوے اسلئے کہ تو جان چکا ہے کہ یہہ مسئلہ اجتہادی ہے۔

فصل

بعض[1] آدمی یون کہتے ہین کہ مین خاصکر اوس شخص کی تکفیر کرونگا کہ جو ان فرقون مین سے میری تکفیر کریگا اور جو شخص کہ میری تکفیر نہ کریگا تو مین بھی اوس کی تکفیر نہ کرون گا حالانکہ اس کا کوئی ماخذ نہین

[1] یہہ قول استاذ ابو اسحاق کا ہے چنانچہ شرح مقاصد مین مذکور ہے ۱۲ مترجم

اسلئے کہ جب کہ قائل کا یہ قول کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ امامت کے لئے اولیٰ واحق رکھتا ہے) کفر نہیں تو قائل اگر خطا کر کے مخالف کو کافر ظن کرے تو قائل اس ظن سے کافر نہیں ہو سکتا اسلئے کہ یہ ایک ایسی خطا ہے کہ جو مسئلہ شرعیہ میں واقع ہے۔ اور اسی طرح جب کہ حنبلی کو جہت کے ثابت کرنیسے کافر نہیں کہا جاتا تو وہ اگر غلطی سے ظن کرے کہ جو شخص جہت کی نفی کرتا ہے مکذب ہے مؤول نہیں تو اس ظن سے بھی حنبلی کو کافر نہیں کہا جائیگا لیکن یہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان میں سے ایک مسلمان بھی دوسرے بھائی کو کافر کہے تو وہ کفر تکفیر کرنیوالے کے طرف رجوع کرتا ہے۔ اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ تکفیر کرنے والا باوجود دوسرے مسلمان بھائی کی حالت جاننے کے اوسکی تکفیر کرے۔ پس اگر کوئی شخص کسی آدمی کی نسبت جانتا ہے کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا ہے تو باوجود اس جاننے کے پھر اوس کی تکفیر کرتا ہے تو تکفیر کرنے والا خود کافر ہوگا۔ پس اگر اوس نے فقط اپنے اس ظن سے تکفیر کی کہ وہ رسول علیہ السلام کی تکذیب کرتا ہے تو یہ اوس شخص کی غلطی ہے۔ پس ہم نے ان تردیدات سے تیرے لئے اس امر پر تنبیہ کر دی ہے کہ اس قاعدہ اور قانون پر کہ جس میں اتباع لائق ہے غور عظیم کرے پس اسی پر قناعت کر اور سلامت رہ فقط

تمت

دارالاشاعت کی جدید مطبوعات

مذاق العارفین
اردو ترجمہ احیاء العلوم کامل

تصنیف:- حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ
ترجمہ:- مولانا محمد حسن نانوتوی
تزئین:- محمد مندر رضی عثمانی
مذکرہ مصنف:- علامہ شبلی نعمانی
سائز:- ۳۰ × ۳۰ +

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی مشہور و معروف اور زندہ جاوید کتاب احیاء العلوم کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ جو اصلاح ظاہر و باطن تزکیۂ نفس اور اسرار شریعت و طریقت اخلاق و تصوف فلسفہ و مذہب حکمت و موعظت کا بے مثال شاہکار ہے۔ اسکی اثر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ ہر بات قاری کے دل میں اترتی چلی جاتی ہے ہر مرض کے اسباب کی تحقیق کے ساتھ اس کا علاج نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر سے پیش کیا ہے حکمت و فلسفہ تصوف و اخلاق کے مشکل سے مشکل مسائل کو ایسے عام فہم اور موثر انداز میں پیش کیا ہے کہ کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عکسی عمدہ طباعت سفید کاغذ مضبوط اور حسین جلدیں۔ کل صفحات چار جلد ۲۳۵۶

قیمت کامل چار جلد

مجالس الابرار

تصنیف حضرت شیخ احمد رومیؒ
ترجمہ باہتمام مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ
معدنہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ
سائز ۲۰×۲۶ صفحات ۷۲۰

علم نصیحت وعظ و تقریر اور فقہ و سلوک کی مستند کتاب جو شرک و بدعات کے رد میں ایسی جامع کتاب ہے جسکی تقریباً مجلسیں ہیں اور ہر مجلس کے ضمن میں ہزاروں احکام و مسائل فقہ اور صحابہ و تابعین اور بزرگان دین کے حالات درج ہیں۔ مساجد کے اماموں خطیبوں اور واعظین و مقررین کے لئے بیش بہا تحفہ جو عرصہ سے نایاب تھا اب جدید ترتیب کے ساتھ عکسی طبع ہوا ہے۔
کتابت عمدہ۔ سفید کاغذ مجلد مع حسین پلاسٹک کور۔ قیمت:-

شمس المعارف اردو

تصنیف شیخ احمد بن علی بونیؒ
ترجمہ مولوی اقبال الدین احمد
سائز ۲۰×۳۰ صفحات ۴۴۶

جس میں ہر قسم کے عملیات و تعویذات و وظائف۔ اسماء اللہ تعالیٰ اور قرآن پاک کی آیات اسم اعظم۔ حروف ابجد کے خواص و اسرار اور ان کے موکلوں کی تسخیر۔ منازل قمر و کواکب بروج کے اشارات و اثرات علم جفر کیمیا سیمیا وغیرہ علوم پر سب سے بڑی اور مستند و مشہور کتاب۔ عکسی عمدہ طباعت سفید کاغذ مجلد مع حسین پلاسٹک کور قیمت:- ۱۲۰/-

قاموس القرآن
یعنی قرآنی ڈکشنری

عربی۔ اردو
از قاضی زین العابدین میرٹھی

قرآن کریم کے تمام الفاظ مع اردو تشریح اور ضروری صرفی و نحوی ترکیب کے درج کئے گئے ہیں اور اہم الفاظ پر تفصیلی اور تفسیری نوٹ لکھے گئے ہیں۔ برصغیر کے مشاہیر علماء و ماہرین عربی کی تصدیقات کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۸۱۶
عکسی عمدہ طباعت سفید کاغذ مجلد مع حسین پلاسٹک کور قیمت:- ۹۶/-

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

از مولانا محمد منظور نعمانیؒ
سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۳۵۲

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے مفصل حالات و سوانح اور تجدید و احیاء دین کے عظیم کارناموں کی تاریخی دستاویز آپکے مکتوبات کی روشنی میں۔
عکسی عمدہ طباعت سفید کاغذ مجلد مع حسین پلاسٹک کور قیمت:- ۷۵/-

احکام اسلام عقل کی نظر میں

از مولانا اشرف علی تھانویؒ سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۳۴۴

تمام احکام اسلامی کی عقلی حکمتیں اور فلاسفی نہایت عام فہم اور دلنشیں انداز میں بیان کی گئی ہیں
عکسی عمدہ طباعت سفید کاغذ مجلد مع حسین ڈسٹ کور قیمت:- ۶۶/-

دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی

www.ahnafmedia.com

عربی زبان و لغت پر شاندار اضافہ

المنجد عربی سے اردو جامع لغت

پوری دنیا میں مشہور و مستند عربی جدید لغت المنجد الکبیر کا نہایت مستند ترجمہ جس میں ساڑھے ہزار عربی الفاظ کی اردو تشریح کی گئی ہے جدید اضافوں کے ساتھ عکسی ایڈیشن بڑا سائز ۲۰×۳۰ پر کل صفحات ۱۳۰۰ مجلد اعلیٰ قیمت ۱۸۰/-

بیان اللسان عربی سے اردو ڈکشنری

چالیس ہزار عربی الفاظ کی مستند اردو تشریح ممالک عربیہ میں مستعمل جدید الفاظ کے اضافوں کے ساتھ۔ عکسی طباعت سفید کاغذ سائز ۲۰×۳۰ ½ صفحات ۹۴۲ قیمت مجلد ۹۰/-

المعجم اردو سے عربی ڈکشنری

پینتیس ہزار عربی الفاظ کی اردو تشریح اردو کے ذریعہ عربی سیکھنے والوں کے لئے نہایت ضروری اور جامع لغت ممالک عربیہ میں جانے والوں کے لئے ہر قدم پر رہبر عکسی طباعت سفید کاغذ سائز ۲۰×۳۰ ½ صفحات ۸۰۰ قیمت مجلد ۹۰/-

القاموس المدرسی عربی سے انگریزی اور انگریزی سے عربی

پچاس ہزار الفاظ کی دو ڈکشنریاں عربی سے انگریزی اور انگریزی سے عربی ایک جلد میں شائع کی گئی ہیں جو انگریزی کے ذریعہ عربی اور عربی کے ذریعہ انگریزی سیکھنے کے لئے نہایت شاندار پیش کش ہے جو عربی انگریزی کے خوبصورت نامہ میں چھاپی گئی ہیں۔ سفید اعلیٰ کاغذ کل صفحات ۱۰۱۰ سائز ۲۰×۳۰ ½ مجلد اعلیٰ قیمت ۹۰/-

عربی بول چال عربی اردو انگریزی

ڈاکٹر سید محمد امین المصری کی مشہور کتاب طریقہ جدیدہ کی اردو اور انگریزی زبانوں میں شرح جس کے ذریعہ انگریزی و اردو داں حضرات بغیر استاد کے جدید عربی بول چال سیکھ سکتے ہیں عکسی طباعت سفید کاغذ قیمت کامل سیٹ ۴۰/-

عربی کے جدید لغات عربی سے اردو

ایسے جدید دو ہزار الفاظ کی عربی اردو ڈکشنری جو ممالک عربیہ میں عام بول چال اور دفاتر میں مستعمل ہیں۔ عکسی طباعت سفید کاغذ قیمت ۶/۷۵

عربی آسان نصاب

از مولانا مشتاق احمد چرتھاولی

بالکل ابتداء سے اردو کے ذریعہ عربی زبان سیکھنے کے لئے یہ بہترین اور آزمودہ نصاب ہے اس نصاب میں عربی صرف و نحو و ادب عربی کے اسباق کو نہایت سہل انداز میں ترتیب دیا گیا ہے۔ اور اس میں درج ذیل کتابیں شامل ہیں۔

- عربی زبان کا آسان قاعدہ
- علم الصرف اول دوم
- علم الصرف سوم چہارم
- علم النحو مع ترکیب
- عوامل النحو
- عربی گفتگو نامہ
- عربی صفوۃ المصادر مع لغات جدیدہ
- روضۃ الادب مع عربی خطوط

کامل سیٹ ۷۵/-

دار الاشاعت مقابل ولی مسجد خادم کراچی

www.ahnafmedia.com